الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیہم ولا ہم یحزنون

مسلکِ اربابِ حق

تصنیف

محدثِ کبیر خطیبِ اعظم

شاہ وجیہ الدین احمد خاں صاحب

ی مجددی رامپوری رحمۃ اللہ علیہ

اِنَّ ھٰذَا لَھُوَ حَقُّ الْیَقِیْنِ

بے شک یہی بات (مسلک) قطعی اور یقینی طور پر حق ہے

وَ اِنَّہٗ کِتٰبٌ نُوْرِیٌّ مُصَدِّقٌ مِّنْ زُبُرِ الْاَوَّلِیْنَ

اور بے شک یہ کتاب نوری ہے یعنی ایسی واضح کتاب ہے جو سلف صالحین کی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے

۱۴۰۶ھ

جمہور اہلِ سنّت وجماعت کے عقائد میں

مسلکِ اربابِ حق

کلامی الخیر

۱۴۰۶ھ

تصنیف

بحر الشریعت والطریقت محدثِ کبیر خطیبِ اعظم حضرت مولانا شاہ وجیہ الدین احمد خاں صاحب

قادری مجددی رامپوری قدس سرہٗ

{تاریخ وفات: ماہِ آفاق مجددِ اہل السنّت والجماعت
۱۴۰۷ھ}

ترتیب وحواشی

وجاہت اللہ خان قادری مجددی وجیہی

شرافت رامپوری

سلسلۂ مطبوعات ادارۂ نشر و اشاعت ______ ۷ / ______

نام کتاب : مسلکِ اربابِ حق

مصنف : حضرت مولانا شاہ وجیہ الدین احمد خاں صاحبؒ قادری مجددی محدث رام پوری

ترتیب و حواشی : وجاہت اللہ خاں قادری مجددی وجیہی

سالِ تصنیف : ۱۴۰۶ھ / ۱۹۸۶ء

سالِ اشاعت : ۱۴۱۹ھ / ۱۹۹۸ء

باہتمام : مولانا مفتی محبوب علی صاحب مدظلہٗ و مولانا قاری ریاض الدین احمد خاں صاحب مدظلہٗ

کاتب : رحمت علی خاں رام پوری

زیرِ نگرانی : ڈاکٹر محمد شعائر اللہ خاں وجیہی

مطبع : ڈائمنڈ پرنٹرز - دہلی

ناشر : ادارۂ نشر و اشاعت، جامع العلوم فرقانیہ۔ بازار مسٹن گنج۔ رام پور (یوپی) پن کوڈ ۲۴۴۹۰۱

قیمت

۱۵۰ روپے یا ۱۵ امریکی ڈالر

ملنے کے پتے

۱۔ مکتبہ جامعہ لمیٹڈ۔ اردو بازار۔ جامع مسجد۔ دہلی ۶

۲۔ دانش محل۔ امیر الدولہ پارک۔ لکھنؤ ۱۸

۳۔ بک اسٹال۔ درگاہ حضرت بندہ نواز گیسو دراز۔ گلبرگہ (کرناٹک)

۴۔ حنفیہ بک سینٹر، چوک مسجد۔ اورنگ آباد (مہاراشٹر)

۵۔ بک اسٹال، روزنامہ سیاست۔ جواہر لال نہرو روڈ۔ حیدر آباد (آندھرا پردیش)

۶۔ پاکستان میں ملنے کا پتہ: قاری عبد الستار خاں وجیہی۔ ناظم۔ امام جامع مسجد رحمانیہ۔ لیاقت آباد ۲ کراچی ۱۹ (پاکستان)

۷۔ بنگلہ دیش میں ملنے کا پتہ: مولانا عبد الحمید صاحب قادری وجیہی۔ محدث جامعہ احمدیہ سنیہ عالیہ۔ ڈاک خانہ چاند گاؤں۔ ضلع چاٹگانگ (بنگلہ دیش)

فہرست مضامین

● شفاعت ۲۳۳

● علاماتِ قیامت ۲۸۶

● حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا علم کامل ۲۹۳

طریقۂ حق

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم

تعارف

حضرت مولانا ریاض الدین احمد خاں صاحب قادری مجددی محدث جامع العلوم فرقانیہ رامپور

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیۡنَ اصۡطَفٰی۔ امّا بعد

حضراتِ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام خصوصًا حضور خاتم النبیین اشرف المرسلین جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قائم مقام حضراتِ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین ہیں خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان عالی ہے۔

ان اصحابی کالنجوم (میرے صحابہ ستاروں کی طرح ہیں) بایھم اقتدیتم اھتدیتم (تم جس کی بھی پیروی کروگے ہدایت پاؤگے) بعضھا فوق من بعض (ایک دوسرے سے مرتبہ میں وہ بلند تو ضرور ہیں) ولکل نور (لیکن نورِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہر ایک کو ملا ہے) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ مشہور صحابی رسول ہیں فرماتے تھے من استن فلیستن بمن قد مات فان الحی لایمنع علیہ الفتنۃ اوکمال قال۔ (جس کو اپنی روش بنانا ہو وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بنائے ستاروں کی روش اختیار کرے جو دنیا سے جا چکے ہیں ایمان پر اور صحابیت پر اپنے اللہ سے مل چکے ہیں۔ اب کسی فتنہ کا زندگی کے ان پر گذر ممکن نہیں) ان کی سیرتیں ان کا مبارک طریقہ اور ان کی پیروی مسلمانوں کے لیے فائدہ مند ہیں، جو ان کے طریقے پہ چلے گا وہ سیدھے راستہ پر ہے اور درمیانی راستہ پر رہے گا۔ اس سے معلوم ہوگیا کہ دنیا سے جو لوگ ایمان کی حالت پر چلے گئے اور وہ بزرگی اور علم رکھنے والے تھے ان کی ذوات ہمارے مشعلِ راہ ہیں مگر راہ پر چلنے والے کبھی کبھی کچھ بھٹکتے ہیں تو کچھ حضرات ان کو روکنے والے ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہر جگہ ایسے مصلحین پیدا کیے جنہوں نے بھٹکنے والوں کی اصلاح کی اپنے وعظوں سے، اپنی ہدایتوں سے، اپنی تحریروں سے، اپنی کتابوں سے، اپنے درس سے اور اپنی حکمت و تدبیر سے ان کو سیدھے راستے پر رکھنے کی کوششیں کیں۔ انہی کوششوں میں سے ایک کوشش

ہمارے اور آپ کے قبلۂ مکرم خطیب اعظم حضرت مولانا شاہ وجیہ الدین احمد خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی بھی ہے کہ آپ نے اپنی مبارک زندگی رام پور میں گذاری، درس بھی برابر دیئے، مواعظِ حسنہ بھی برابر پیش کیے، حکیمانہ تدبیریں بھی بہت بنائیں کہ اس شہر و ضلع رام پور ہی کے مسلمان نہیں بلکہ دور و دراز مقامات کے مسلمان بھی اللہ کے دین حق پر چلیں، سیدھا راستہ پکڑے رہیں۔ درمیانی راستہ سے نہ ہٹیں کہ وہی راستہ سیدھا راستہ ہے۔ تحریریں بھی آپ کی ظہور میں آئیں، مواعظ بھی آپ کے بہت کچھ رسالہ "ضیاء وجیہ" میں چھپ چکے اور بہت کچھ چھپنے والے ہیں۔ بعض کتابیں بھی آپ کی شائع ہو چکی ہیں اور کچھ شائع ہونے والی ہیں، انہی میں یہ کتاب "مسلکِ اربابِ حق" ہے جو اس وقت ہمارے سامنے ہے اور یہ کتاب اعتقادی اور عملی طور سے بلکہ ہر حیثیت سے نہایت سادے انداز میں ہمیں ہدایت دے رہی ہے۔ دورِ حاضر میں اس کتاب کی بڑی ضرورت تھی، اب الحمد للہ وہ طبع ہو کر ہمارے ہاتھوں میں آچکی ہے۔ کچھ عرصہ پہلے یہ "ضیاء وجیہ" میں قسط وار شائع ہو چکی ہے۔ لیکن اس کی طباعت میں کہیں کتابت کی اور کہیں بے ترتیبی کی وجہ سے اس میں کچھ خامیاں رہ گئی تھیں۔ درستگی کے بعد اس کی عمدہ ترتیب اور مستند حوالوں نے اس کتاب کی افادیت میں نمایاں اضافہ کیا ہے۔ اس میں اب مجموعی شان ہمیں نظر آرہی ہے۔ خدا کرے اہلِ اسلام اس سے استفادہ کریں اور یہ کتاب ہمیں معتدلانہ راستہ، جو حق کا راستہ ہے اختیار کرنے میں مددگار ثابت ہو۔ اس کے ذریعے ہم قرآن مجید اور احادیث شریف کے مفاہیم و مطالب کو سمجھیں، اور حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم، حضور کے صحابہ رضی اللہ عنہم اور جمہور سلفِ صالحین کی پاک روش کو ہم سمجھنے کی کوشش کریں۔ ایسی باتیں ہمارے ایمان کو تازہ کر دیں گی اور قلوب میں نور کو چمکا دیں گی، ایمان میں کاملیت اور پختگی بڑھا دیں گی، عقلوں پر پڑے پردے ہٹا دیں گی۔ اور ہم اُس فرقہ میں داخل ہو سکیں گے جو رسول انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان کے مطابق تہترواں فرقہ ہے کہ بہتر فرقے ہٹے ہوئے ہوں گے اور یہ تہترواں فرقہ بالکل سیدھے درمیانی راستے پر قائم ہوگا۔

کسی انسان کو انسان کامل کا وسیلہ اگر مل جائے تو وہ مرتبہ بڑھاتا ہے۔ جس کو کامل مؤمن انسان کا وسیلہ مل گیا وہ بڑا خوش نصیب انسان ہے۔ ہمارے شہر کے رہنے والے مسلمانوں کو بڑے بڑے وسائل اللہ تعالیٰ نے عنایت فرمائے۔ حضرت سیدنا حافظ شاہ جمال اللہ رحمۃ اللہ علیہ کا اور حضرت سیدنا فیض بخش شاہ درگاہی محبوبِ الٰہی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی بہت بڑا وسیلہ ہے جو اہل شہر کو حاصل ہوا اور آخر میں خطیب اعظم مرشدنا حضرت مولانا شاہ وجیہ الدین احمد خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو

بہت بڑا وسیلہ اللہ تعالیٰ نے بنایا۔ آپ کی ذات گرامی کے ذریعے بے شمار لوگوں کو قربِ خداوندی حاصل ہوا۔ اور اپنے اپنے رتبہ کے مطابق انھیں سیدھا راستہ ملا۔ ہدایت کا نورانی راستہ نصیب ہوا۔ حضرتؒ جیسا عالمِ باعمل اور بلند رتبہ مرشد ان کے زمانہ میں اس شہر کو نہیں ملا۔ اب آپ کے وصال کے بعد بھی کوئی نظر نہیں آتا۔ جو صحیح معنیٰ میں ان کی طرح جامع الکمالات ہو۔ اس لیے ان کے ملفوظات گرامی کو قدر کی نگاہوں سے دیکھنے والے دیکھتے ہیں۔ ان کی تقریروں کو ان کے کلماتِ طیبات کو ان کی لکھی ہوئی تحریروں کو ذوق و شوق کے ساتھ دیکھتے ہیں، پڑھتے ہیں، سمجھتے ہیں اور پھر ان پر عمل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔۔۔ آپ کی جو تحریریں اس وقت ہمارے سامنے آرہی ہیں اور وہ جو کچھ بھی معانی ہمارے سامنے لا رہی ہیں ان معانی سے ہمیں جتنے فوائد حاصل ہو رہے، اتنے نہ بریلوی حضرات کی تحریروں میں ہمیں نظر آتے ہیں اور نہ دیوبندیوں کی تحریرات میں دکھتے ہیں، نہ ہندوستان کے کسی اور علاقہ میں اس جیسی تحریرات اور معانی نظر آتے ہیں، مختصر انداز میں مگر سلجھے ہوئے طریقہ پر۔ اس لیے ہماری اور آپ کی دینی ضرورتوں کا تقاضا ہے کہ ہم ان کے حالات و سیرت کو پڑھیں، ان کی تحریروں کو پڑھ کر سمجھیں اور ان کی شائع ہونے والی کتابوں کو اپنے مطالعہ میں لائیں۔ اگر وہ سمجھ میں آتی ہیں تو سبحان اللہ۔ کیا کہنے ہیں۔ اور اگر سمجھ میں نہیں آتی ہیں تو سمجھنے والوں سے سمجھنے میں مدد لیں۔ (ان کے تلامذہ باکمال اور اہلِ علم خلفا۔ الحمدللہ موجود ہیں) تاکہ ان تحریروں کو پڑھ کر ہمیں ہدایت نصیب ہو۔ اللہ تعالیٰ کے قرب کا راستہ ملے۔ سیدھے سچے اور معتدل راستہ کی ہمیں علامات دکھائی دیں، اور ہم اپنی کوششوں کے مطابق اپنے شہر کے سب سے کامل حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے نائب کا دامن پکڑنے میں کامیاب ہوں۔ یہ میں اپنا عندیہ اور نظریہ پیش کر رہا ہوں میں یہ ذاتی نظریہ کسی پر ٹھونس نہیں رہا ہوں۔ کسی کا دل اگر حضرتؒ کی کسی بات کو نہ مانے تو میں اس سے یہ نہیں کہہ رہا ہوں کہ وہ زبردستی مانے۔ لیکن میری نظر، میرا خیال، میری ساری زندگی کا خلاصہ یہی ہے میں اللہ تعالیٰ کو منھ دکھانے والا ہوں، میرے احوال نہیں بتاتے کہ میں دنیا میں بہت زیادہ رہوں گا۔ میں نے اپنی زبان و بیان اور سیدھے زاویہ نظر سے اپنے خیالات کی روشنی میں جو باتیں عرض کیں وہ میری نظر میں حقیقت پر مبنی ہیں۔ میری باتوں میں الحمدللہ مبالغہ نہیں ہے۔ اس شہر کے مشہور علماء کرام اور نیک طینت مشائخ کرام جو گذر چکے وہ بھی حضرتؒ کے علمی مقام، ان کے روحانی مقام اور ان کی صداقت و راست بازی کے گُن گایا کرتے تھے۔ اس وجہ سے میں نے یہ باتیں پیش کیں۔ جس کا دل چاہے اور جس کی عقل میں آئے وہ میری باتوں کو مانے اور جس کی عقل تسلیم نہ کرے وہ

اور کسی کی مانے تو مجھے اصرار نہیں۔ بہت سے اللہ کے بندے اپنے اپنے مرتبے میں نیک بھی ہیں، ولی بھی ہیں، لیکن میری نظر میں افضل کا رتبہ اعلیٰ ہے اور میری نظر میں سب سے افضل و اعلیٰ رتبہ معاصر علماء کرام اور مشائخ عظام میں حضرت مولانا شاہ وجیہ الدین احمد خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ہے جو ہمیں اور آپ کو نظر آنے والی ہستیوں میں تھے۔ میں ان ہستیوں کو نہیں کہہ رہا ہوں جو ہمارے وجود سے پہلے گذر گئیں بلکہ اُن ہستیوں کی بات کر رہا ہوں جو ہمارے وجود میں آنے کے بعد ہمیں نظر آئی ہیں۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نائب قیامت تک جتنے بھی آنے والے ہیں، ان سب کے اندر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بے مثل اخلاقِ کریمانہ کی جھلک یقیناً پائی جائے گی اور اللہ کے رسول کی نعمت کو اللہ نے مختلف صورتوں میں نائبین رسول میں ظاہر فرمایا ہے۔ ان نائبین کے خیالات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خیالات ہیں۔ ان نائبین کی تحریریں گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تحریریں ہیں۔ چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر زمانہ کے لحاظ سے جو تحریریں عطا فرما رہے ہیں جو تقریریں مرحمت فرما رہے ہیں وہ ان نائبین رسول کی پاک ارواح میں سما کر مرحمت فرما رہے ہیں۔ اگر ان نائبین کی روحوں کو آپ دیکھ سکیں تو یہی نظر آئے گا کہ اُن میں رسولِ انور صلی اللہ علیہ وسلم سمائے ہوئے ہیں۔ اس لیے یہ حضرات سیدھے سچے راستے سے ہٹتے نہیں ہیں۔ اور مخلوقِ خدا کی ہدایت و اصلاح کا مبارک کام پوری یکسوئی کے ساتھ انجام دیتے رہتے ہیں ——— اور اگر غلطی ہوتی ہے تو ان کی ہدایت کے لیے اکابر صوفیہ صافیہ اور سب سے بڑے امام الاولیاء حضرت غوثِ اعظمؓ اور غوثِ اعظمؓ سے بڑھ کر حضرت سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ اور سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہٗ سے بھی سربلند حضور محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جو روحانی طور سے ہدایت دے کر راہِ راست پر لے آتے ہیں۔ غلطی پر مسلسل چلنے نہیں دیتے۔ ایسے خاصانِ خدا کو ہر زمانہ کے اعتبار سے جب زندگی ملتی ہے تو وہ اسی میدان میں فنا ہو کر اپنی ساری زندگی صرف کر دیتے ہیں تو ان کے کلمات کی لوگوں کو تلاش ہوتی ہے تاکہ وہ اپنے ایمان میں اُجالا لائیں، اور کفریہ یا کفر جیسی گناہ کی چیزوں کی اندھیریوں سے بچ سکیں، تو پھر وہ ان علماء کی تحریروں اور تقریروں اور ان کی زندگی کی تمام چیزوں کو غور سے دیکھا کرتے ہیں۔ ان دیکھنے والوں کی بھی خوش نصیبی ہے اور دکھانے والوں کی بھی خوش نصیبی ہے، اور اس میں کوشش کرنے والے بھی خوش نصیب ہیں۔ انہی خوش نصیبوں میں ہم اور آپ ہیں کہ ہمیں اور آپ کو اور ہمارے اس خطہ کو اللہ تعالیٰ نے بوسیلۂ رسول انور صلی اللہ علیہ وسلم محروم نہیں فرمایا بلکہ

اپنے رسول کے ایک نہیں دو نہیں بے شمار نائبین مرحمت فرمائے، لیکن سب سے آخری نائب جن کو ہم نے اور آپ نے آنکھوں سے بھی دیکھا ہے اور اُن سے بہتر اُن کے زمانہ میں بھی ہم نے اور آپ نے کسی کو نہیں پایا اور اب بھی ان کے بعد کوئی موجود نہیں پا رہے ہیں تو اُن کی قدر ہم پر زیادہ لازم ہو جاتی ہے کہ ان کی تحریروں سے حضور رسول انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مزاج، آپ کی عادت، آپ کی عقیدت، آپ کا راستہ، آپ کا بتایا ہوا اسلام، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پہنچایا ہوا ہدایت کا سرمایہ ہم پائیں، دیکھیں، پڑھیں، سمجھیں اور اس پر عمل کرنے کی حتی المقدور کوشش کریں۔ ہمارے شہر میں حضرتؒ کی بہت سی چیزیں شائع ہو چکی ہیں اور انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ بھی شائع ہوتی رہیں گی یہی کیفیتیں وہ تحریریں دے رہی ہیں اور دے چکی ہیں۔ ان کی مبارک زبان سے جو پر تاثیر مواعظ ان کے زمانہ میں جن لوگوں نے سنے وہ بڑے خوش نصیب تھے، اگر اُن میں یہ سلیقہ بھی تھا کہ وہ کیا تھے تو اُس سلیقہ پر وہ مبارک باد کے مستحق ہیں کہ اللہ کا شکر یہ بھی ادا کریں کہ مولیٰ تعالیٰ تو نے ہمیں سلیقہ مرحمت فرمایا کہ ہم نے تیری دی ہوئی نعمت کو اور نیابتِ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہچانا اور ان سے ہم نے بہت کچھ حاصل کیا۔ اب ہم تیرے شکر گذار ہیں کہ تو نے ان کے مبارک قلم سے تھوڑا سا لکھوا دیا، ہمارے سامنے آیا اور آرہا ہے تاکہ ہم اس ایمان کو جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو دیا، تیرے کرم سے تیری رحمت سے تقسیم فرمایا، اس کو ہم بھی دیکھ سکیں، سمجھ سکیں، اس سے سیدھا راستہ معلوم کر سکیں۔ سیدھا راستہ تو سب ہی بتاتے ہیں۔ اہلِ تبلیغ اپنے کو بتاتے ہیں اور اہلِ وعظ اپنے کو بتاتے ہیں، اہلِ محبت اپنے دعوے کرتے ہیں، اہلِ تشیع اپنے بارے میں مکمل حقانیت کا اعلان کرتے ہیں، اہلِ حدیث (غیر مقلد) اپنی حقانیت کو برملا لاتے ہیں، ہر طبقہ اپنے آپ کو ایسے ہی پیش کرتا ہے۔ اور مسلمان پریشان ہوتا ہے کہ میں کدھر جاؤں، کس کی سنوں، کس کی مانوں۔ مولیٰ تعالیٰ کے کرم نے پریشانی کو دور کیا اور حضرتؒ کی مبارک ہستی سے ایمان کی شعاعیں ہمارے دلوں میں روشن کرنے کا سامان بنایا کہ ہم یہ جانیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کونسا طریقہ لے کر تشریف لائے اور صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین نے تابعین حق علیہم الرحمہ نے، ائمہ دینؒ اور مجتہدین اسلامؒ نے علماء حقؒ و اولیاء عظامؒ نے اس طریقہ کو اپنا کر کتنا بڑا کام انجام دیا۔ اس طریقۂ مبارکہ کی کامل بقا ہم نظر میں لانا چاہیں تو حضرت قبلہ خطیبِ اعظم مولانا شاہ وجیہ الدین احمد خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اس کارنامہ کو اپنے لیے نعمت جانیں۔ یہ کارنامہ "مسلکِ اربابِ حق" کی شکل میں پوری احتیاط کے ساتھ، سنبھال کر، عمدہ ترتیب اور بہت کچھ حوالوں کے ساتھ آپ

کے سامنے ہے، اسی کارنامہ کی طرف میں آپ کو رغبت دلا رہا ہوں کہ اس کو مطالعہ میں لاکر اور اس کے لیے اپنی طبیعت کو آمادہ کر کے ایک نائبِ رسول سے آپ کچھ باتیں سیکھ لیں تو ایمان کی روشنی پائیں گے۔

میرے مخلصین میرے پاس آتے رہتے ہیں، جمع ہوتے رہتے ہیں، ہر بدھ کو بعد نمازِ عشاء (کوئلے والی مسجد میں) میری تفسیر قرآن کریم کی مجلس میں تشریف لاتے ہیں، یہ سب حضرت قبلہ خطیب اعظمؒ ہی کا فیض ہے۔ ان کی بابرکت خدمت میں ایک عرصہ تک شب و روز حاضر رہ کر یہ سب کچھ حاصل کردہ ذخیرہ ہے، جو وقفہ وقفہ سے پیش کیا جاتا رہتا ہے۔

حضراتِ انبیا کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور خصوصاً خاتم النبیین رحمۃٌ للعالمین رسول انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے نور سے انسانوں کے دلوں کو منور کیا۔ قرآن مجید میں ہے، نُورُهُمْ يَسْعَىٰ بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَبِأَيْمَانِهِم (ان کا نور ان کے آگے پیچھے پھیل رہا ہوگا)

انسانی قلوب کو منور کرنے کی اصل کوشش تو انبیاء و رُسل علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ہے اور سب سے بڑا کام دلوں کو منور کرنے کا جو انجام دیا وہ رسول انور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ہے کہ آپ نے آیاتِ قرآنی کو اپنی زبانِ مبارک سے سنا کر دلوں کو منور فرما دیا ہے لیکن حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ کے نائبین (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، حق پرست تابعین عظامؓ، ائمہ مجتہدینؒ، علماء ربانیین اور مقبولانِ بارگاہِ الٰہی مشائخؒ) کی زبانوں میں اللہ تعالیٰ نے وہ تاثیر پیدا فرما دی کہ انھوں نے قرآنی آیات سنا کر عالم بھر کے انسانوں کے دل کو نورِ خداوندی سے منور کر دیا۔ اس لیے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے نائبین کی طرف توجہ کرنا ہم پر لازم ہے۔ نائبینِ رسول کا پڑھنا زبانی طور سے ہو یا روحانی طور سے دونوں طرح انسانوں کے لیے مفید ہوتا ہے۔ لیکن اصل پڑھائی روحانی ہوتی ہے اور پھر وہ روح کی آواز زبان سے بھی ہوتی ہے۔ ان کے قلم سے بھی ظاہر ہوتی ہے۔ بہت سے علماءِ حق نے قلمی آوازوں سے بھی دنیا کو ہدایتیں دیں۔ بہت سے علماءِ حق نے زبانی آوازوں سے ہدایتیں دیں۔ مگر بعض علماءِ حق ایسے مرکب شان کے ہوئے کہ اپنی زندگی میں زبانی ہدایتوں (یعنی خواص کیلیے درس و تدریس اور عام انسانوں کے لیے وعظ و نصیحت) سے دنیا کو فیض یاب کیا۔ لیکن اس دنیا سے جانے سے پہلے کچھ قلم چلا کر دنیا کو ایک زمانہ تک ہدایت کا عمدہ سامان فراہم کر گئے۔ ایسے ہی مُصلحین اور ہادیوں میں ایک چمکتی ذاتِ گرامی ہمارے حضرت قبلہ خطیب اعظم مولانا شاہ وجیہ الدین احمد خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی بھی ہے، جن کی مبارک زبان سے رام پور کے رہنے والے ہوں یا بیرونِ رام پور کے لوگ ہوں، یا ممالکِ غیر کے رہنے والے حضرات ہوں وہ بہترین ہدایت حاصل کر لیتے تھے اور

جن کے مبارک قلم کو باقی رکھ کر اللہ تعالیٰ نے اب عام و خاص دونوں کی ہدایت کا سامان بنایا ہے۔
اب جب تک کہ ان کے بعد اُن کا ثانی نہیں آجائے اور ہمارے شہر کے اندر ان جیسی کوئی دوسری پُر تاثیر آواز، ان جیسی علم والی اور قوت والی، ہمدرد اور سمجھ دار ہستی نہیں آتی، اُس وقت تک ان کی مبارک تحریروں سے ہی ہم کچھ حاصل کرلیں۔ آج میں ان کی ذاتِ بابرکت کے حق میں عرض کر رہا ہوں اور کل اس دور کے بعض گذرنے والوں کے حق میں یہی کہا جائے گا۔

یہ بات خوب پیشِ نظر رہنا چاہیئے کہ مقبولانِ بارگاہِ الٰہی رسول انور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحیح نائبین ہیں کہ جنھوں نے سمجھ اسلامی پائی اور وہ شیطان کے دھوکے میں نہیں آپائے۔ اللہ والوں کی خدمتوں میں حاضر ہو کر کچھ پالینا اللہ کی بڑی نعمت ہے۔ اللہ والوں کے ہاتھوں میں ——— ہاتھ دینا بھی ضروری ہے مگر پہلے اچھی طرح یہ غور کرلینا ضروری ہے کہ وہ علم بھی رکھتے ہیں یا نہیں، اور علم کے جو تقاضے ہیں، خوش عقیدگی اور خوش عملی وہ تمام صفات ان کے اندر ہیں یا نہیں۔ ان صفات میں اس امت کے اندر سب سے زیادہ روشن (بعد صحابہؓ، ائمہ مجتہدینؒ و تابعینِ حقؒ) سیدنا حضرت غوثِ اعظم قطبِ ربانی شیخ عبد القادر جیلانی محبوبِ سبحانی رحمۃ اللہ علیہ گذرے ہیں کہ اولیاء اللہ میں ان کا مقام سب سے اعلیٰ مانا گیا ہے اور انہی کے ماتحت ہر ولی کو رکھا گیا ہے۔ قیامت تک جتنا بھی علم اور ولایت کا چرچا اور فیضان ہوگا وہ ان کی روحانی روشنی کے ماتحت ہوگا۔ حضرت غوث اعظمؒ کے ماتحت بہت سے جلیل القدر اولیاء ہیں جن میں سلطان الہند حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ سب سے قدیم اور سب سے زیادہ روشن ہمیں نظر آتے ہیں۔ ان کے فیوض پانے والوں میں بہت سے حضرات اولیاء ہیں جن میں حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ، حضرت خواجہ فرید الدین مسعود گنج شکرؒ، حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی اور حضرت شاہ علاء الدین علی احمد صابر کلیری رحمۃ اللہ علیہم وغیرہ ہیں۔ جگہ جگہ ان کا یہ سلسلہ پھیلا ہے حضرت امام ربانی مجددؒ الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی رحمۃ اللہ علیہ میں بھی اس سلسلہ کے برکات پائے جاتے ہیں۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ کے والد محترم حضرت مخدوم شیخ عبد الاحد فاروقی رحمۃ اللہ علیہ چشتی سلسلہ کے صاحبِ فیض بزرگ ہیں۔ اپنے والد محترمؒ کے پہلے خلیفہ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ ہیں جنھوں نے چشتی اور سہروردی فیوض انہی سے پائے ہیں۔ اپنے والد محترمؒ سے حضرت مجدد الف ثانیؒ نے کچھ قادری فیض بھی پایا ہے لیکن باقاعدہ قادری فیض حضرت سیدنا شاہ کمال قادری کیتھلی رحمۃ اللہ علیہ کے نبیرہ اور خلیفہ اعظم سیدنا شاہ سکندر قادری کیتھلی رحمۃ اللہ علیہ سے حضرت امام ربانیؒ نے کامل

طور سے پایا ہے۔ حضرت شاہ سکندر قادری سلسلہ قادریہ کے بزرگوں میں سب سے یکتا آپ کے زمانہ میں تھے۔ جب والد محترم دنیا سے رخصت ہو گئے تو حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ بھی آپ کے مرشدین میں ہوئے جو نقشبندی بزرگوں میں بلند مقام رکھتے ہیں۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی طریقت کے تمام سلاسل کا مجمع ہیں۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ ایسے شاندار نائبِ رسول ہیں اپنے مرشدین کے اور بواسطہ مرشدین غوث اعظم سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی کے اور پھر حضراتِ حسنین کے اور پھر سیدنا حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے اور اصل میں رسول انور صلی اللہ علیہ وسلم کے کہ ان جیسے نائب اس دنیا میں بہت کم پائے جاتے ہیں۔ آپ کے واسطے سے بعد کو بہت سے نائبین رسول ہمیں نظر آتے ہیں۔ لیکن ان نائبین میں سب سے آخری کامل العلم اور روحانی ہستی گرامی حضرت قبلہ خطیب اعظم مولانا شاہ وجیہ الدین احمد خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ہمیں اس شہر میں نظر آتی تھی۔ حضرت مجدد الف ثانی جن علوم وفنون میں کامل واکمل تھے، وہ سارے علوم وفنون ان کی حقیقی نیابت میں ہمارے حضرت قبلہ خطیبِ اعظم کو حاصل تھے۔ حضرت امام ربانی اپنے دور میں جو علوم پڑھایا کرتے تھے، وہی حضرت قبلہ خطیب اعظم پڑھایا کرتے تھے۔ آپ روحانی اعتبار سے بھی بڑا مقام رکھتے تھے۔ ان کے روحانی مقام کا اندازہ ان ظاہری آنکھوں والوں کو نہ تو کرایا جا سکتا ہے اور نہ بتایا جا سکتا ہے۔ مخصوص حضرات ہی ان کی روحانی شان اور اس کے ثمرات سے واقف ہیں۔ البتہ ان کی اعلیٰ علمی شان سے علماء رام پور ہی نہیں بہت سے علماء ہند بھی واقفیت رکھتے تھے۔ حضرت مجدد الف ثانی جیسے جامع الکمالات اور مجمع الصفات ہستی تھے ان کی نیابت میں حضرت خطیب اعظم بھی آخری دور میں جامع الکمالات ہستی تھے، اس لیے کہ حضرت خطیب اعظم حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی کے مبارک سلسلہ کے کامل شیوخ میں سے تھے۔ جب سے رامپور آباد ہوا یہاں ہر علوم وفنون کے کامل اور ماہر علماء کرام پیدا ہوتے رہے اور انھوں نے شہرت بھی پائی۔ لیکن حضرت خطیب اعظم کی ذات گرامی پر اللہ کا خاص فضل وکرم تھا کہ قیام رام پور کے بعد سے لے کر ان کے دور تک ایسا جامع الکمالات عالم اس شہر میں اور کوئی پیدا نہیں ہوا۔ دو سو برس سے کچھ زائد گذر چکے ہیں قیام رام پور کو مگر اس شہر کے اندر اتنا ماہر اتنا بڑا عالم اتنا بڑا جامع کہ شریعت میں اور طریقت میں ایسا بے مثل ہوا اور ہر طرح کا علمی میدان اس کے زیر قدم رہا ہو' ایسا انسان ایک بھی اس شہر کو نہ ملا اور نہ اب کوئی پایا جاتا ہے جو ان تمام خصوصیتوں میں اُن کا ہم پلہ نظر آتا ہو۔ ویسے رام پور کے اندر بڑے بڑے منطقی اور اونچے فلسفی عالم گذرے، اعلیٰ درجہ کے مفتی بھی رہے، شاندار محدث بھی ہوئے، عمدہ

مفسر بھی ہوئے، شیوخ بھی بہت سے عمدہ پائے گئے، لیکن تمام میدانوں کا مجموعہ اگر کسی میں دیکھنا ہو تو یہی ایک ہستی نظر آتے ہیں جو آخر میں ہماری آنکھوں کے سامنے چمکے، لیکن ہر چمکنے والے کا ایک منصب ہوتا ہے کہ وہ لوگوں کو دیکھے اور ان کی ضرورتوں کو پورا کرے۔ دینی ضرورتوں کو، علمی ضرورتوں کو ان کی روحانی ضرورتوں کو اور اس کے اندر وہ حکمت اور تدبیریں ہوں وہ تحریریں ہوں اور اس کی وہ پُر تاثیر زبان ہو کہ جس سے لوگوں کی تشنگی دور ہو۔ خداوند کریم نے ہندوستان میں حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کو ایسا ہی بنایا تھا کہ ان کے زمانہ میں بڑی ضرورت تھی تجدید دین کی اور احیائے اسلام کی۔ اللہ نے انھیں کامیاب فرمایا۔ ہمارے شہر میں قائم مشرقی علوم کی یکتائے دہر درس گاہ "مدرسہ عالیہ" کے علمی وقار کو جو مٹ رہا تھا اسے پھر بحال کرنے کی مسلسل بارہ برس حضرت خطیب اعظمؒ نے بیحد کوششیں کیں، مگر چند علمائے کے علاوہ کسی نے ساتھ نہ دیا۔ وہ قدیم علوم جن کی وجہ سے رام پور کو دنیا بھر میں شہرت اور قدر کی نگاہوں سے دیکھا جاتا تھا وہ قدیم علوم مٹ رہے تھے اور ریاست مرج ہونے کے بعد اور زیادہ فنا ہو رہے تھے۔ اس کو بقا دینے کے لیے مدرسہ جامع العلوم فرقانیہ حضرت خطیب اعظمؒ نے قائم فرمایا اور آج تک الحمدللہ ان علوم کو بقا حاصل ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ان علوم کو باقی رکھنے کے لیے ایسے نائبینِ خطیبِ اعظمؒ عطا فرماتا رہے جن کی نظروں میں اُن علوم کی قدر و قیمت زیادہ ہو۔ مگر ریاست کے انضمام کے بعد مختلف جماعتیں جن کا وجود رامپور میں پہلے کبھی نہ رہا تھا، وہ باہر سے آ کر کودیں اور اس شہر کے عوام کو اعتقادی اور عملی طور سے بدلنے کی سب نے کوششیں کیں اور ہر ایک جماعت نے اپنے اپنے ڈھنگ پر عوام کو بنانا چاہا۔ جس کی وجہ سے ہمارے شہر کے عوام علمی، عملی طور سے مختلف طبقوں میں تقسیم ہونے لگے۔ اس نازک دور میں ضرورت محسوس ہونے لگی کہ ایک مجدّدِ وقت کا یہاں پھر سے ظہور ہو جو دوبارہ اسلام کی اصلی روح کو تازہ کرے اور قدیم علومِ اسلامی کو زندہ کرے جو اس شہر کی عظیم روایت رہی ہے۔ اور اعتقادی، عملی حیثیت سے جو یہاں کا معتدلانہ مسلک و نظریہ تھا اور علمی رنگ بھی یکساں تھا۔ اس اعتقادی، عملی اور علمی رنگ کو معتدلانہ انداز میں تحریر کرنے کے لیے مخلصین و متوسلین نے بار بار حضرت سے گذارشیں کیں مگر حضرت قبلہ درس و تدریس اور مواعظ میں اتنے مشغول رہتے تھے کہ تحریری طور سے آپ کو کبھی موقع نہیں مل پاتا تھا کہ عام و خاص کو کچھ تحریری سرمایہ دے کر جائیں ــــ اصرار کرنے والے بہت تھے خصوصاً نواسگان اور ان نواسگان میں زیادہ خصوصیت کے ساتھ ان کے بڑے نواسے مولوی قاری وجاہت اللہ خاں صاحب ایک ایسے انسان تھے جنھوں نے زیادہ اصرار کر کے تحریری مواد جمع کیا۔ حضرت قبلہؒ جسمانی ضعف اور نقاہت کی وجہ سے بولتے جاتے تھے اور مولوی وجاہت اللہ خاں صاحب

لکھتے جاتے تھے۔ اگرچہ حضرتؒ کا اپنے قلم سے لکھا ہوا بہت کچھ تحریری مواد کافی پہلے سے موجود تھا مگر بعد کو مختلف عنوانات کے تحت قائم چند مضامین میں حضرتؒ نے جو اضافے فرمائے، وہ زبانی تھے اور تحریر مولوی وجاہت اللہ خاں صاحب کی۔ حضرت کے زمانہ وصال سے کچھ عرصہ قبل کتاب کی تکمیل ہوگئی اور حضرت نے دوبارہ اسے ملاحظہ فرمایا۔ کتاب کی ترتیب کا کام تکمیل کے مراحل سے گذرا اور اب الحمدللہ "مسلکِ اربابِ حق" کے نام سے یہ طبع ہوکر عام مسلمانوں کے فائدے کے لیے پیش کردی گئی۔ اس سے قبل تحریری سرمایوں میں "حدیثی اصول"، "تفسیری اصول"، "فیوضاتِ وزیریہ"، بھی طبع ہو چکی ہیں اور وہ اہلِ علم اور عام مسلمانوں میں بہت قدر کی نگاہوں سے دیکھی گئیں۔

اس شہر رام پور کے لیے جو ایک مخصوص مزاج تھا یعنی اعتدال ومیانہ روی، جب بیرونِ رام پور سے آکر مختلف گروہوں اور فرقوں نے اس شہر کے اعتدالی مزاج کو خراب کرنا شروع کیا تھا اور عوام ڈانواں ڈول ہونے لگے تھے پریشان تھے کدھر کو جائیں۔ تو آخرِ وقت اہلِ رام پور کو اور دیگر مقامات کے مسلمانوں کو حضرتؒ کا یہ تحریری سرمایہ بہت اچھا مل گیا۔ عام وخاص کو اس کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ "مسلک اربابِ حق"، کا مطالعہ وقت کی اہم ضرورت ہے تاکہ مسلمانانِ رام پور بالخصوص اور مسلمانانِ ہند وبیرونِ ہند بالعموم ان فرقہ بندیوں کی مصیبتوں سے نجات پائیں۔ حضرت خطیب اعظمؒ کا جو یہ تجدیدی کارنامہ ہے وہ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کے تجدیدی کارنامہ سے میل کھاتا ہے۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ نے اپنے زمانے میں کوئی نئی شریعت تو پیش نہیں کی تھی، نہ قرآن مجید کی کوئی نئی تشریح کی تھی اور نہ کوئی نئی حدیث لاکر رکھی تھی۔ بلکہ وہی قرآن کریم تھا اور اس کی وہی تشریح جو اول دور سے عالم بھر کے مسلمانوں کے سامنے رہا تھا۔ وہی احادیث پیش کیں جو رسولِ انور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے منقول ہیں۔ لیکن حضرت امام ربانیؒ کے زمانہ میں اکبر بادشاہ کی پھیلائی ہوئی شیطنت اور گمراہی کی وجہ سے جب فتنے اور مصائب عام ہونے لگے تو حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ نے دینِ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نور اور فیوضِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے انوار وبرکات کو مسلمانوں کے دلوں میں قائم فرمایا اور ایمانی جواہر کو چمکایا۔ وہ بادشاہی شیطنت کی مصیبت تھی اور اب جمہوریت کی وجہ سے مصیبت زیادہ ہے۔ اُس وقت پابندیوں کی وجہ سے آفات زیادہ تھیں مسلمانوں کے عقائد واعمال پر۔ اور حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ نے ان پابندیوں کا پوری ہمت وحوصلہ اور ایمانی قوت سے مقابلہ کیا۔ حقیقی اسلامی عقائد اور عمدہ اعمال پیش

کر کے پھر سے اصلی روحِ اسلامی کو زندہ کیا۔ اور اب دورِ آزادی نے ہر ایک کو آزادی دے کر ہر ایک کی زبان آزاد کرادی۔ ہر گمراہی کے لیے آزاد اور ہر گمراہی کی آواز پر بڑے بڑے لاؤڈ اسپیکر نصب ہیں اور جو ہر ایک کو تفریق کی آواز دے رہے ہیں، عوام کے ذہنوں میں انتشار پھیل رہا ہے۔ عام و خاص کے اعتقادی، عملی اور علمی خیالات میں بگاڑ پیدا ہو رہا ہے۔ ایسی حالت میں بھی تحریری سرمایہ کی ضرورت اور تقریری سرمایہ کی ضرورت تھی وہ عمدہ اور جامع سرمایہ جو بڑی آسانی سے آدمی حاصل کر سکے اور ذہن میں رکھ سکے۔ ہمارے اور اہلِ رام پور کے عظیم الشان دینی وروحانی رہنما حضرت قبلہ خطیب اعظمؒ نے مرحمت فرمادیا ہے۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے تحریری سرمایہ میں مکتوبات پیش فرمادیئے۔ اور حضرت خطیب اعظمؒ نے مختصر مگر جامع وہ چیز عطا فرمادی جس کو ''مسلکِ اربابِ حق'' کے نام سے اب شائع کیا گیا ہے۔ ہمیں چاہیئے کہ امام ربانیؒ کے مکتوبات کو پڑھیں تاکہ اس زمانہ کا حال روشن ہو، اور اگر ان مکتوبات کو طویل جانیں تو اپنے شہر کے کم از کم اس ضروری اقدام کو سامنے رکھیں جو حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے اعلیٰ جانشین حضرت قبلہ خطیب اعظمؒ نے ہم کو عطا فرمایا ہے۔ حضرت امام ربانیؒ نے حیات وموت کی کش مکش سے ہندوستان کے عوام کو نجات دلائی اور مسلمانوں کے ایمان کو بقا دے دی۔ اکبر کے پُرفتن دور میں بظاہر ایمان و اسلام رخصت ہو چکا تھا اور اسلام کی یہ حالت گمراہوں نے بنا کر رکھ دی تھی کہ دوبارہ یہ تصور کرنا دشوار نظر آتا تھا کہ اب اسلام صحیح معنیٰ میں دوبارہ ہندوستان میں اُبھرے گا بھی یا نہیں۔ جب شاہ لوگ اپنے دبدبہ اور سلطنت کے گھمنڈ سے اس کو بگاڑ دیں تو پھر اس کو صحیح معنیٰ میں قائم کرنے والا کون ہوگا؟ اور اب دورِ آزادی میں جس جدوجہد کی ضرورت ہے اس سے ہمارے موجودہ علماء کرام کو غافل نہیں ہونا چاہیئے۔ اگر ذرا بھی غفلت علماء کرام نے کی تو اس کا نتیجہ بہت بھیانک ہوگا، اور ہمارا شہر بہتّر فرقوں کی زد میں آجائے گا۔ جن سے ہمیں اللہ کے حبیب حضور محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے چودہ سو سال پہلے ڈرایا ہے کہ میری امت میں تہتّر فرقے ہوں گے۔ بہتّر جہنم کی طرف جانے والے ہوں گے اور ایک طبقہ نجات پانے والا ہوگا اور وہ طبقہ وہ ہے جو سب فرقوں میں معتدل ہے اس کے اندر انتہا پسندی قطعاً نہیں ہے یعنی اہلِ سنت وجماعت اور اہلِ سنت وجماعت کے صحیح صحیح طریقہ پر علماء رام پور چلے اور آخر وقت تک ان کے قدم بقدم رہے۔ اس طبقہ کو برقرار رکھا تھا اسی شہر کے بزرگ علماء کرامؒ نے۔ لیکن ملک آزاد ہونے کے بعد ہر شخص کو آزادی مل گئی۔ ہر قوم کو، ہر طبقہ کو ہر فرقہ کو ہر صاحبِ عقیدت کو، ہر صاحبِ عمل کو، ہر صاحبِ سیاست کو اپنی اپنی آوازیں دنیا کو اٹھانے، سنانے اور اس کے جلوس

بنانے اور اس کی شان دکھانے کی آزادی مل گئی ہے۔ اس دور میں اگر جدوجہد میں ذرا سی کمی آئی تو بہت بڑا نقصان ہم سب اٹھائیں گے۔ بہت سوچیں اور سمجھیں ہم لوگ کہیں غفلت تو نہیں برت رہے ہیں۔ اس غفلت کو دور کرنے کے لیے آپ "مسلکِ اربابِ حق" کا غور سے مطالعہ فرمائیں اور اس شہر کے اندر حضرتؒ نے جو ذی استعداد صاحبِ وقار علماء کی جماعت تیار کی ہے اُن کی علمی اور عملی بہاروں کو دیکھیں۔ حضرتؒ کے لگائے ہوئے شریعت کے چمن جامع العلوم فرقانیہ کی ترقی اور اس کی بقا کی طرف پوری توجہ فرمائیں اور اپنے ذہین بچوں کو حافظ و قاری اور عالمِ دین بنانے کے واسطے اس میں داخل کریں اور کرائیں، تاکہ حضرتؒ کی آرزو کے مطابق رام پور کا علم باقی رہے۔

ہمارے شہر میں اس وقت اشاعتِ دین کا جو غلبہ ہے وہ اسی جامع العلوم فرقانیہ ہی کی بدولت ہے۔ اس مجدّدِ رام پور (حضرت اعظمؒ) نے اس شہر کو یہ تحریری سرمایہ دیا اور عملی سرمایہ جامع العلوم فرقانیہ کی شکل میں مرحمت فرمایا۔ اور یہ دونوں سرمائے حضرت امام ربانی مجدّد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے تجدیدی کارناموں کی تکمیل تھے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس کتاب (مسلکِ اربابِ حق) کو اہلِ اسلام کے لیے نافع بنائے۔ ان کے اندر اسلامی عقائد، نورانی اعمال اور عمدہ اخلاق کے جواہر چمکائے اور معتدلانہ طریقہ اور میانہ رَوی پر مبنی مسلک جو جمہور اہلِ اسلام کا ہمیشہ سے رہا ہے اس پر قائم و دائم رکھے اور افراط و تفریط سے محفوظ رکھے۔ ہمارے بزرگ علمائے کرام و مشائخِ عظام رحمۃ اللہ علیہم اجمعین نے جو راہِ پُرنور ہمیں دکھائی ہے اُسی پر چلنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ یہ بھی دعا ہے کہ مولائے کریم ہمیں ایمان کامل دے، یقین کامل دے، ہدایت کی توفیق دے، اور ان باتوں پر عمل کرنے کی توفیق خیر عطا کرے جو ہمارے لیے اور دوسرے اہلِ اسلام کے لیے فائدہ مند ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنا نور دے، اپنے حبیب مکرم رسول انور صلی اللہ علیہ وسلم کا نور دے اور ہمارے قلوب میں نور ہی نور پیدا فرمائے۔ یہ بھی دعا ہے کہ مولائے کریم محترم مصنّف "مسلکِ اربابِ حق" حضرت قبلہ خطیب اعظمؒ جو غوثِ اعظمؒ کے سچّے عاشق تھے۔ امامِ ربانی مجدّد الف ثانیؒ کے اعلیٰ جانشین تھے، ان پر اپنی رحمتوں کی بارش فرماتا رہے اور ان کے درجاتِ عالیہ کو بلند سے بلند فرماتا رہے اور انھوں نے جو نورانی راہ اسلام کی ہمیں دکھائی ہے، اس پر ہمیں اور اہلِ اسلام کو قائم و دائم رکھے۔ آمین

۹ ربیع الاول ۱۴۱۸ھ / ۱۵ جولائی ۱۹۹۷ء

ریاض الدین احمد خاں قادری مجدّدی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

جناب ڈاکٹر پروفیسر نثار احمد فاروقی
صدر شعبۂ عربی، دہلی یونیورسٹی۔ دہلی

وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ خَاتَمِ النَّبِیِّیْنَ رَحْمَۃً لِّلْعَالَمِیْنَ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ وَمَنْ تَبِعَھُمْ بِاِحْسَانٍ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ۔

فلسفۂ اسلامی شریعت کے دقائق اور اصولِ عقائد کے اسرار کا گہری نظر سے مطالعہ کرنے والے ہمارے علماءِ متقدمین کا قول ہے کہ اسلام کے تمام عقائد و اعمال کی روح دو باتوں میں ہے اور وہ ہیں: اعتدال اور صبر۔ ان دونوں لفظوں کا صرف لغوی مفہوم ہی کافی نہیں، ان کے معانی بہت وسیع ہیں۔ اعتدال میں حقوق اللہ اور حقوق العباد سب ہی آجاتے ہیں، اور صبر سے مراد ثبات و استقامت بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بھی اس کائنات کو اعتدال کے شیرازے سے باندھا ہے، جسے قرآن کریم کی اصطلاح میں تقدیر کہا گیا ہے۔ ہم تقدیر کو بھی اپنی عقل کی کوتاہی سے نہایت محدود معنوں میں ہی سمجھ رہے ہیں اس لفظ کی اگر تشریح لکھی جائے تو سائنس کے سارے علوم، جواب تک ذہن انسانی دریافت کر سکا ہے، اس کی تمہید میں ہی تمام ہو جائیں گے۔

کائنات کے کسی نہایت معمولی مظہر پر غور و فکر شروع کیجیے تو انکشاف ہوگا کہ اُس کا وجود قوانین فطرت سے بال بال بندھا ہوا ہے۔ جس دن قضائے الٰہی سے یہ اعتدال کا شیرازہ بکھرے گا وہی قیامت کا دن ہوگا جس کا نقشہ مختصر مگر نہایت عبرت انگیز و نصیحت آمیز الفاظ میں قرآن نے بار بار پیش کیا ہے۔

جب سارے مظاہر کائنات کی بقا کا سبب اعتدال ہے تو جو چیز (اس میں اعمال و افکار بھی شامل ہیں) حدِ اعتدال سے تجاوز کرتی ہے وہ سنت اللہ کی خلاف ورزی ہے اور

اسی کو فساد کہا گیا ہے۔ یہ فساد فی الارض بھی ہو سکتا ہے، فساد فی العقیدہ بھی، فساد فی العمل بھی۔ فساد کو روکنا ہی منشائے فطرت ہے اسی لیے انبیاء اور رسولوں کو بھیجا گیا۔ یہی سبب شریعت کے نافذ کرنے کا ہوا۔ یہی اعتدال بقائے اصلح کی ضمانت ہے۔

انسانی سماج میں جو کشمکش خود غرضی اور استحصال ہے وہ اسی اعتدال کے نہ ہونے سے ہے۔ اس لیے کہ عدل اور اعتدال کا مادّہ ایک ہی ہے۔ جہاں اعتدال نہ ہوگا وہاں عدل و انصاف بھی نہ ہوگا۔ انصاف نہ ہوگا تو مفادات میں ٹکراؤ ہوگا، جو خون ریزی اور جنگ و جدل پیدا کرے گا۔ جب اللہ نے فرشتوں سے کہا تھا کہ میں انسان کو زمین پر اپنا خلیفہ (نائب) بنا کر بھیج رہا ہوں، تو فرشتوں کا جواب یہ تھا کہ اے ہمارے رب کیا تو اسے نائب بنائے گا جو وہاں فساد پیدا کرے گا اور خون بہائے گا؟ اللہ نے کہا: جو میں جانتا ہوں وہ تم نہیں جانتے۔ فرشتوں نے انسان کے زمین پر آنے سے پہلے ہی یہ کیسے جان لیا کہ انسان فساد پیدا کرے گا اور خون بہائے گا؟ انھوں نے یہ بات اس لیے سمجھ لی تھی کہ قوانینِ فطرت جتنی گہرائی اور باریکی کے ساتھ اصولِ اعتدال سے بندھے ہوئے ہیں ان کی نگہداشت صرف اللہ ہی کر سکتا ہے، جو عَلٰی کُلِّ شَیْئٍ قَدِیْر ہے۔ انسان کی ہمت اور حوصلہ تو انھیں سمجھنے سے بھی قاصر ہے وہ ان کی نگہداشت کیسے کر سکے گا؟ اور اعتدال کی رعایت نہ کرے گا تو فساد اور خون ریزی ہی ہوگی۔

منشائے فطرت (اور شریعت بھی اسی سے نکلی ہے) یہ ہے کہ ہمارے اعمال، افکار اور عقائد میں افراط و تفریط نہ ہو۔ شریعت کے دو رخ ہیں: ایک معاملہ خلق با خلق دوسرا معاملہ خلق با خالق۔ بندوں سے کیسا برتاؤ ہو اس میں ماں باپ، بیوی بچے، عزیز و اقارب، دوست و احباب، محلّے، بستی والے، پھر قوم قبیلے والے اور اہل وطن سب آ جاتے ہیں۔ ان معاملات کے بہتر ہونے کی بنیاد عدل و اعتدال اور حسنِ اخلاق ہے۔ یہ تو دنیا ہوئی۔ اس کا دوسرا پہلو دین ہے اس کا ظہار ہمارے اعمال میں ہوتا ہے اور اعمال ہمارے عقائد کا آئینہ ہوتے ہیں۔ اس لیے یہ ضروری ہے کہ عقائد درست ہوں، اللہ کے حکم اور سنّتِ مُستمرہ کے مطابق ہوں اور ان سے وہ اعمال سرزد ہوں جن سے شریعت اسلامیہ کے نفاذ کا مقصد پورا ہوتا ہو۔ صرف ظاہری رسموں کو پورا کر دینا رضائے الٰہی کا موجب نہیں ہو سکتا۔ کسی نے دو لفظوں میں شریعت کے منشا کی طرف اشارہ کر دیا ہے کہ ہمارا دین ہماری دنیا میں نظر آنا چاہیے یعنی کاروبار، معاملات اور سماجی برتاؤ میں ــــــ حضرت خواجہ زین الدین داؤد حسین شیرازیؒ (متوفی ۷۷۱ھ مدفن خلد آباد) نے

اپنے ملفوظ ہدایت القلوب میں فرمایا کہ پورے اسلام کی حقیقت تو خواص کو بھی معلوم نہیں ہوتی، عوام سے یہ توقع کیسے کی جاسکتی ہے کہ وہ پورے اسلام سے واقف ہوں گے۔ جس سے جتنا اسلام اعمال میں ظاہر ہو رہا ہے اُسے قبول کر کے باقیماندہ سے متعارف کرانے کی کوشش ہونا چاہیے۔ عقیدے کو ایک اکائی کی صورت میں دیکھنا بھی مناسب نہ ہوگا، اس کے بھی اصول و فروع ہیں۔ اسلام کے اصولِ عقائد میں سب سے اوّل توحید ہے، نہ صرف یہ مانا جائے کہ اس کائنات کا کوئی خلق کرنے والا ہے بلکہ وہ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں، وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ دوسرا درجہ یہ ہے کہ اللہ نے انسانوں کی ہدایت کے لیے انبیاء کو مبعوث کیا، ہر زمانے میں اور ہر قوم میں نبی اور رسول بھیجے گئے، اسی سلسلۂ نبوت کی آخری کڑی جناب خاتم النبیین رحمۃ للعالمین حضور محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اللہ نے ہماری ہدایت کے لیے صحائف بھی نازل کیے جن میں سے بہت سے صحیفے اپنے زمانے کے لیے تھے اور جب اُن کا زمانہ ختم ہوا تو وہ صحائف بھی روپوش ہو گئے۔ قرآن کریم اس سلسلۂ صحائفِ سماوی کی آخری اور جامع کڑی ہے۔ اس میں اللہ نے جو کچھ حکم دیا ہے اس کا ماننا اور اس پر عمل کرنا ہر مومن مرد و زن پر ہر زمانے میں فرض ہے۔ اسلام کے اصولِ عقائد میں یہ بھی ہے کہ آخرت پر ایمان ہو جہاں ہماری اس زندگی کے اعمال کو جانچا تولا جائے گا اور اُن کی جزا یا سزا ملے گی۔ ان کے علاوہ جو پانچ ارکانِ دین ہیں یعنی کلمۂ شہادت کا زبان سے اقرار کرنا اور دل سے تصدیق کرنا، نماز زکوٰۃ ادا کرنا، رمضان کے روزے رکھنا اور بہ شرط استطاعت حج کرنا۔ یہ بنیادی عقائد ہیں۔ ان کے بعد جو کچھ ہے وہ قرآن کریم اور احادیثِ نبوی کی روشنی میں علماء اور فقہاء کی تفسیریں اور تاویلیں ہیں، جن میں یہ گنجائش رہتی ہے کہ فلاں فقیہ کا قول صحت سے زیادہ قریب ہے یا فلاں دوسرے عالم کی تشریح۔ قانون میں ایک تو اس کا ظاہر لفظ ہوتا ہے، دوسرے ان الفاظ کی روح ہوتی ہے۔ صرف قانون کے لفظ کو ہی نہیں پکڑا جاتا، کبھی اس کی روح کو بھی ترجیح دینا ہوتا ہے۔ اسے مثال میں یوں سمجھیے کہ امانت و دیانت بہت اچھی صفت ہے اللہ اور اس کے رسول کو مطلوب ہے قرآن و احادیث میں کثرت سے اس کی تاکید ہے کہ جس کی امانت ہو اسے طلب کرنے پر جوں کی توں واپس کی جائے اس میں ہرگز خیانت یا پس و پیش نہ ہو۔ اب دیکھیے: ایک شخص نے اپنی رائفل آپ کے پاس امانت رکھی اور یہ کہہ کر رکھی کہ جب مجھے ضرورت ہوگی آپ سے لے لوں گا۔ اتفاق سے کچھ مدت کے بعد اس کی اپنے ہمسائے سے جنگ ہو جاتی ہے اور وہ شدید غصے کی حالت میں آپ کے پاس آکر اپنی رائفل مانگتا ہے، آپ جانتے ہیں کہ اس وقت

اگر اس کی امانت واپس کی گئی تو یہ ہمسائے کو قتل کر دے گا۔ کیا ایسی صورت میں آپ قانون کے لفظ پر عمل کرتے ہوئے امانت واپس کر دیں گے؟ اگر واپس کر دیں اور وہ ہمسایہ قتل کر دیا جائے تو دنیا کی عدالت بھی آپ کو اس جرم میں اعانت کا مجرم تسلیم کرے گی۔

خطیبِ اعظم حضرت مولانا شاہ وجیہ الدین احمد خاں قادری مجددی علیہ الرحمہ بڑے باکمال بزرگ تھے۔ وہ مفسر بھی تھے، محدث بھی، فقیہ بھی تھے متکلم بھی۔ اللہ نے انھیں قوت تحریر و تقریر کا بھی غیر معمولی مَلکہ ودیعت کیا تھا۔ اس پر طرۂ امتیاز یہ تھا کہ وہ صوفیِ صافی بھی تھے۔

حضرت خواجہ گیسو دراز (متوفی ۸۲۸ھ۔ مدفن گلبرگہ) کا قول ہے کہ تین چیزیں نہایت کمیاب ہوتی ہیں: جوانِ صالح، فقیہ صوفی اور کبریتِ احمر۔ ان سب خصوصیات پر ایک اور صفت مستزاد ہوئی جس نے ان تمام اعمال و افکار کو نورانی بنا دیا تھا کہ وہ اپنے عقائد و اعمال میں اعتدال اور حدِ اوسط کو ملحوظ رکھتے تھے۔ نفسانیت جاہ پسندی یا ہٹ دھرمی نہیں تھی، وہ دوسرے مسلک کے لوگوں کے عقائد و اعمال کی بھی حتی الامکان تاویل کرتے تھے اور فوراً کفر کا فتویٰ نہیں داغتے تھے۔

انھوں نے برسوں تک اپنے خطبات و مواعظ سے مسلم عوام کو صحیح اور معتدل عقیدہ رکھنے کی ترغیب دی اور تحریر میں بھی اسی کی تبلیغ کرتے رہے۔ انھوں نے مسلکِ اربابِ حق کے عنوان سے برسوں تک جو کچھ لکھا تھا وہ کتابی صورت میں شائع ہو کر بہت مقبول ہوا۔ الحمد للہ کہ اب ان کے نواسے اور ان سے تربیت یافتہ خاص شاگرد مولانا وجاہت اللہ خاں صاحب قادری مجددی وجیہی نے اس کتاب کو اشاعتِ ثانی کے لیے خاص اہتمام سے ترتیب دیا ہے اور اس پر نہایت عالمانہ حواشی کا اضافہ کر کے اسے اور بھی مفید اور عام فہم بنا دیا ہے۔ کتاب کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں دین اور دنیا کے ان بہت سے اعمال و معاملات کا حوالہ آگیا ہے جن سے عام طور پر سب کا واسطہ پڑتا ہے اور جس میں عقائد کے اختلافات سامنے آکر ایک عام اور متوسط درجے کے ذہن کو بھی شک و رَیب یا کشمکش میں مبتلا کر دیتے ہیں۔ اس میں مباحث کو ایسے انداز میں پیش کیا گیا ہے کہ یہ ایک عام آدمی کے لیے بھی راہنما ہے اساتذہ کے لیے بھی اور ان کے لیے بھی جنھیں ان مباحث میں تحقیق کرنے کا ذوق ہو۔

کتاب کے آغاز میں بدعت کے موضوع پر بھی تفصیل سے بحث کی گئی ہے۔ یہ سوال عموماً محمد بن عبد الوہاب نجدی کے پیروکار اور غیر مقلدین زیادہ شد و مد سے اٹھاتے ہیں۔ نجدی کے بارے میں حضرت خطیبِ اعظم مولانا شاہ وجیہ الدین احمد خاں قادری مجددی علیہ الرحمہ نے تفصیل

سے لکھا ہے اور محشّی نے سند کے ساتھ ان کا ایک فقرہ نقل کیا ہے کہ "جو شخص نبی کو اپنا ولی یا شفیع سمجھتا ہے وہ اور ابوجہل شرک میں برابر ہیں"۔ یہ جملہ نجدی نے علمائے مکہ کے نام اپنے ایک رسالہ میں لکھا تھا۔ یہ ان کے تشدد اور غلو کی ایک معمولی مثال ہے۔ غیر مقلدین کے اس قول پر بھی انھوں نے کلام کیا ہے کہ صحاح ستہ کا انحصار بخاری و مسلم پر ہے اور کہا ہے کہ احادیثِ نبوی کے اور مجموعے بھی ہیں جن کی صحت میں کلام نہیں ہو سکتا۔ غیر مقلدوں کی طرف سے حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ پر بھی یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ وہ صرف تیرہ حدیثوں کو ہی جانتے تھے جو "موطا امام محمد" میں اُن سے مروی ہیں، یہ سخت غلط بیانی ہے۔ حضرت خطیبِ اعظمؒ نے غیر مقلدین کے اس بہتان کا رد بہترین طریقہ پر فرمادیا ہے۔ اور حاشیۂ کتاب میں سند کے ساتھ یہ بھی وضاحت کردی گئی ہے کہ بعض ثقہ محدثین کرامؒ نے امام اعظمؒ کو حفاظِ احادیث میں شمار کیا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ حضرت امام اعظمؒ احادیث کی روایت کے معاملے میں بہت محتاط تھے۔ اسی لیے ان سے روایاتِ احادیث کم ہیں۔ قلتِ روایات کا سبب امام اعظمؒ کی کم علمی ہرگز نہیں ہے۔ جیسا کہ حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ سے احادیث کی روایات قلیل ہیں، کیونکہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بھی روایاتِ احادیث کے معاملہ میں بڑے محتاط تھے۔ حالانکہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو سب سے زیادہ صحبتِ رسولؐ حاصل تھی۔ لہٰذا ان غیر مقلدین کا یہ خیال بہتان کے سوا کچھ نہیں ہے۔

فقہائے امت کے جو چار بڑے مسلک ہیں ان پر جامع تبصرہ کرنے کے بعد حضرت موصوفؒ فرماتے ہیں کہ جو کوئی احناف، موالک، شوافع اور حنابلہ میں سے کسی ایک کا بھی پیرو کار نہیں وہ اہلِ سنت و جماعت میں سے نہیں، بلکہ وہ بدعتی ہے۔ اہلِ سنت و جماعت میں احناف صفاتِ باری تعالیٰ میں ماتریدیہ کے مسلک کے پیرو کار ہیں خود حضرت موصوفؒ بھی ماتریدی تھے۔ شیخین کی فضیلت اور ختنین کی محبت کے قائل ہیں۔ ملائکہ کا وجود برحق ہے۔ اسی طرح وحی آسمانی بھی۔ ملائکہ کی کنہ و کیفیت کو سمجھنا ضروری نہیں وجود کو ماننا جزوِ ایمان ہے۔ یہ لطیف ارواح ہو سکتی ہیں قوائے ربانی ہیں جو کارخانہ فطرت کے مختلف وظائف انجام دیتی ہیں۔ اسی طرح وحی کے بارے میں شبہ کی گنجائش نہیں ہم اسے اپنی محدود عقل کی ترازو میں تولتے ہیں تو وہ کسی زبان میں مقید نظر آتی ہے ورنہ وہ صرف اشارہ بھی ہو سکتی ہے۔ اسے مثال میں یوں سمجھ لیں کہ ایک روسی، چینی، جاپانی، ہندی، امریکی، انگلستانی وغیرہ مختلف ممالک کے باشندے ایک ہی سڑک پر اپنی اپنی گاڑیاں چلاتے ہوئے جا رہے ہیں، راستے میں ایک چوراہے پر انھیں لال بتی ملتی ہے تو وہ سب

رُک جاتے ہیں اور سبز روشنی دیکھ کر پھر چل پڑتے ہیں حالانکہ وہ صرف ایک اشارہ تھا کسی کی زبان میں بھی کچھ نہیں کہا گیا تھا مگر جس نے بھی اس کا مفہوم سمجھا اپنی ہی زبان میں سمجھا۔ اس مثال سے صحائف سماوی کی زبانوں کا اختلاف آسانی سے سمجھا جا سکتا ہے۔

عقائد کے اختلاف میں ایک اور مسئلہ ان حضرات کے ساتھ الجھنے میں پیش آتا ہے جو اولیاء اللہ سے عقیدت رکھتے ہیں۔ کسی سلسلۂ صوفیہ سے وابستہ ہیں اور بعض رسوم وشعائر ادا کرتے ہیں۔ اس بارے میں بھی جو اختلاف رائے ہے وہ افراط وتفریط سے خالی نہیں۔ اولیاء اللہ کے بارے میں اس کتاب میں حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کا فتویٰ نقل کیا گیا ہے کہ کسی قبر کو بزرگ کی قبر سمجھنے کے لیے صرف دو ذریعے ہیں۔ ایک تو یہ کہ کسی بزرگ کی بزرگی عالم بھر میں مُسلّم ہو، دوسرے یہ کہ اپنا ذاتی علم کسی کی بزرگی کے متعلق ہو، گو اُن بزرگ کی شہرت نہ ہو۔ مخالف رائے رکھنے والے کہتے ہیں کہ اگر اُن کی ذات میں برکت اور دعا میں تاثیر تھی تو وہ زندگی میں تھی اب وہ مُردہ ہیں اور کچھ فیض نہیں پہنچا سکتے۔ حضرت خطیبِ اعظمؒ نے اس موضوع پر خاصی وضاحت سے لکھا ہے، وہ کہتے ہیں کہ بعد وفات اولیاء اللہ کی مقبولیت میں اور مضبوطی آجاتی ہے۔ اُن سے استمداد جائز ہے لیکن حلِّ مشکلات صرف اللہ کے اختیار میں ہے۔ اولیاء اللہ سے التجا میں کرنا شرک نہیں لیکن احتیاط کے خلاف ہے۔ فاتحہ، ایصالِ ثواب اور عُرس وغیرہ کو غیر اسلامی اور مشرکانہ رسوم کہنا حد سے تجاوز کرنا ہے، یہ صدیوں تک اور کرۂ ارض کے وسیع خطے میں مسلمانوں کے شعار رہے ہیں، انھیں اصولِ دین میں شامل کرنا تو غلط ہوگا لیکن ہزاروں اعمال وافعال ایسے ہیں جن کا وجود زمانۂ نبوت میں، عہدِ خلافت میں نہیں ملتا۔ مگر بعض رسوم وعادات کا ثبوت تابعین کے عہد میں مل جاتا ہے جو خیرُ القرون کی تعریف میں شامل ہے اس کی چند معتبر روایات نوادرِ امدادیہ کے مقدمے میں درج کر چکا ہوں۔

عقائد کے ان اختلافات کو علمائے دیوبند نے بحث ومناظرہ کر کے بہت نمایاں کر دیا اور مدارس سے نکال کر گلی کوچوں میں پہنچا دیا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ احناف کا گروہ جس کی شمالی ہندوستان میں اکثریت رہی ہے۔ دو سے زیادہ گروہوں میں بٹ گیا۔ جب حضرت مولانا شاہ وجیہ الدین احمد خاں علیہ الرحمہ نے خود دارالعلوم دیوبند میں استعداد حدیث شریف کے لیے تعلیم حاصل کی اور وہ حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ کے شاگرد ہونے کا شرف رکھتے ہیں۔ خود مولانا کشمیریؒ اپنے عقائد میں سخت اور متقشف نہ تھے جیسے اس مکتبِ فکر سے علاقہ رکھنے والے بعض دوسرے

علماء نظر آتے ہیں، ان کے مسلکِ طریقت کے بارے میں راقم الحروف نے ایک مقالہ سری نگر کشمیر میں منعقد سمینار میں پیش کیا تھا جو عبدالرحمٰن کوندو صاحب کے مرتب کردہ مجموعۂ مقالات میں شامل ہے حضرت مولانا شاہ وجیہ الدین احمد خاں علیہ الرحمہ نے دیوبندی اور بریلوی دونوں مدرسہ ہائے فکر کے بارے میں متوازن اور معتدل رائے کا اظہار کیا ہے اور عام مسلمانوں کے لیے جو دین کی بنیادی کتابوں سے براہِ راست اور گہری واقفیت نہیں رکھتے یہی مسلکِ اعتدال مناسب ہے۔ وہ تحریر فرماتے ہیں کہ علمائے دیوبند کے بعض اکابر سے لغزشیں ہوئی ہیں۔ مولانا المولوی احمد رضا خاں صاحب بریلویؒ نے ان لغزشوں پر مدلّل نکتہ چینیاں کی ہیں اور وقتِ نکتہ چینی وہ اکابر موجود تھے، لیکن اپنے اقوال کی تفسیریں اور تعبیریں انھوں نے بیان کی ہیں، قول سے رجوع نہیں کیا۔ کاش یہ دیوبندی اکابر اپنے اقوال سے رجوع کر لیتے تو آج ہندوستان کا بہت بڑا اختلاف مٹ جاتا۔ لیکن نہ اکابر نے رجوع کیا اور نہ اصاغر نے لغزش کا اقرار کیا۔ نتیجے میں دیوبندی بریلوی محاذ قائم ہو گیا۔

دوسری طرف بریلوی علماء کے بارے میں حضرت خطیب اعظمؒ فرماتے ہیں کہ حضراتِ علمائے بریلی نے سخت تشدد اختیار کیا اور لغزشوں کے کرنے والوں کو ہی فقط کافر نہیں کہا بلکہ اُن کے کفر میں جو شک کرے اس کو بھی کافر کہا ہے۔ اس غلو آمیز عموم سے ہندوستان میں کوئی بھی مسلمان نہیں رہ سکتا۔

در اصل علمائے ظاہر کی ایک نفسیاتی مجبوری ہے کہ وہ حتی الوسع اپنے قول کی تاویل کرتے ہیں عدم واقفیت یا غلطی کا اقرار اعتراف نہیں کرتے، ایسا کریں تو ان کا اعتبار کمزور ہوتا ہے، جب ایک معاملہ میں ان سے غلطی یا غلط فہمی ہوئی ہے تو دوسرے کسی قول سے بھی اس کا احتمال ختم نہیں کیا جا سکتا۔ بنی اسرائیل کے احبار کا بھی یہی حال تھا کہ عوام ان سے جو بھی سوال کرتے تھے اُس کا جواب ضرور دیتے تھے خواہ اسے گھڑنا پڑے، پھر وہ اقوال مذہبی صحائف میں شامل کر دیتے تھے تاکہ ان کی تردید نہ کی جا سکے۔ مثلاً کسی نے پوچھا کہ حضرت آدم اور حضرت حوّا کی عمر کتنی ہوئی؟ تو وہ پورا حساب لگا کر سال اور مہینے اور دن تک بیان کر دیتے تھے اس سے صحف سماوی ان کے مزعومات کا مجموعہ بن کر رہ گئے۔

ہندوستان میں پچھلے آٹھ نو سو برسوں میں ہزاروں جید علماء ہوئے ہیں ان میں اعلیٰ پائے کے مفسر، محدث، فقیہ اور متکلم ہیں ان کی ہزاروں تصانیف اور ہزاروں شاگرد ہیں، جب سے اختلافِ عقائد کی یہ دھوم دھام شروع ہوئی ہے صرف دو علماء ایسے ہیں جنھیں سند میں پیش کیا جاتا ہے ایک حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانیؒ اور دوسرے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ۔ لیکن اگر ان دونوں

بزرگوں کی تصانیف کا غور سے اور انصاف کی نظر سے مطالعہ کیا جائے تو وہ ان اختلاف کرنے والے حضرات کی مکمل تائید نہیں کرتے۔ مثلاً عرس و فاتحہ وغیرہ رسوم میں ان دونوں بزرگوں کا عمل وہی تھا جس کی آج مخالفت کی جاتی ہے۔

اس میں بھی شک نہیں کہ یہ گروہ جسے بریلوی کہا جاتا ہے اپنے اعمال میں اکثر حد سے تجاوز کرتا ہے۔ خانقاہیں ختم ہو چکی ہیں اور صرف درگاہیں رہ گئی ہیں جو ہزاروں متوسلین کی روزی کا ذریعہ ہیں۔ ان متوسلین کا رشتہ کتابوں سے منقطع ہو چکا ہے اور بعض درگاں میں نہایت فضول رسمیں رواج پا گئی ہیں۔ صوفیہ کا سماع ان کے روحانی اعمال و مجاہدات کا ایک حصّہ تھا اور اسے آتشِ شوق کو بھڑکانے کے لیے استعمال کیا جاتا تھا۔ یہ صرف ان کا اور ان کی خانقاہ میں رہ کر تربیت پانے والوں کا عمل تھا اسے عوامی گانا بنا دیا گیا اور اس میں بہت سی نازیبا باتیں راہ پا گئیں۔ اب راہِ اعتدال یہ ہے کہ صوفیہ کے سماع سے انکار نہ کیا جائے اور اسے فسق و فجور نہ سمجھا جائے مگر یہ جو عوام کا گانا بجانا ہے اس کے عدمِ جواز میں بھی شک نہ کیا جائے۔ فاتحہ کا وجوب نہیں ہے لیکن اگر کوئی اپنے مردہ عزیزوں کو ثواب پہنچانے کی نیت سے لوگوں کو کھانا کھلاتا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ کھانا کھلانے کا اجر اور ثواب تو قرآن اور حدیث دونوں سے ثابت ہے۔ رسوم کے بارے میں بھی حضرت زین الدین شیرازیؒ نے بڑی حکیمانہ تاویل کی ہے کہ اس میں یہ دیکھا جائے کیا اس کا عوام کو کوئی فائدہ پہنچ رہا ہے؟ اگر ایسا ہے تو اس عمل میں کوئی قباحت نہیں۔ مثلاً فاتحہ کے لیے اگر کھانا پکائے گا تو ظاہر ہے کہ وہ کچھ لوگ کھائیں گے یہ ان کی زندگی میں معاون ہوگا۔ پھر اس کی مخالفت کیوں؟

عرس اور میلاد اور فاتحہ میں ایک سب سے بڑا اعتراض یہ ہے کہ اس میں وقت کا تعین ہوتا ہے جو شریعت میں مذکور نہیں۔ نماز روزہ اور حج میں بھی وقت کا تعین ہے اور وہ اسی لیے ہے کہ اس سے تنظیم ہوتی ہے اس کا ادا کرنا یاد رہتا ہے اور آسان بھی ہوتا ہے پھر اس میں اجتماع بھی ہو جاتا ہے۔ اگر نماز کا وقت متعین نہ ہو تو جماعت مشکل سے ہی ہو سکے گی۔ حج میں اگر وقت کا تعین نہ ہو تو وہاں بھی اجتماع کا مقصد فوت ہو جائے گا۔ عرس کے لیے بھی تاریخ کا تعین اس لیے کیا گیا ہے کہ اہلِ سلسلہ اور اہلِ خاندان کو تاریخ اور وقت یاد رہتا ہے اور انتظام کرنے والوں کو سہولت ہوتی ہے۔ ہزاروں لاکھوں مسائل و معاملات ایسے ہیں جن کے لیے شریعت میں کوئی وضاحت نہیں ملتی۔ ان کا جب تذکرہ کیا جائے تو بدعت کی قسمیں حُسنہ اور سیّئہ بتا دی جاتی ہیں حالانکہ ان دو قسموں کا بھی وہاں کوئی ذکر نہیں۔ اور بدعت سے شریعت کی مراد یہ ہے کہ اصولِ دین میں کوئی ترمیم و اضافہ کیا جائے جیسا کہ بعض فرقوں نے

کر رکھا ہے کہ وہ ایسی باتوں کو اپنے عقیدے اور عمل کا لازمی حصہ بنائے ہوئے ہیں جو اسلام کا مقصود نہیں بلکہ اس کی تعلیمات کی روح کے سراسر خلاف ہے۔

اسلام چاہتا ہے کہ امت میں مکمل اتحاد و اتفاق ہو۔ وہ ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح رہے۔ اس قسم کے جزوی اور فروعی اختلافات نے مسلمانوں کے فرقوں میں اضافہ کیا ہے۔ اسلام اور مسلمانوں کی قوت میں نہیں۔

حضرت مولانا شاہ وجیہ الدین احمد خاں قادری مجدّدی علیہ الرحمہ کی یہ علمی کوشش ان کے مخلصانہ اور خیر خواہانہ دینی جذبات کا آئینہ ہے اور اس آئینے پر مزید صَیقَل حضرت مولانا قاری وجاہت اللہ خاں قادری مجدّدی وجیہی نے اپنی غیر معمولی محنت سے کر دی ہے۔ جامع العلوم فرقانیہ کے ادارۂ نشر و اشاعت نے اسے شائع کر کے وقت کی نہایت اہم ضرورت کو پورا کیا ہے۔ آج ہندوستانی مسلمان جن احوال و ظروف میں زندہ ہیں اور وہ مستقبل جسے صرف نگاہِ بصیرت سے آئینۂ ادراک میں دیکھا جا سکتا ہے۔ اسی مسلکِ اعتدال کا طالب ہے۔ اگر ہم اپنے مزعومہ عقائد پر جمے رہے اور دوسروں سے جنگ و جدال میں اُلجھے رہے تو:

ہماری داستاں تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں

نثار احمد فاروقی

۱۷ ربیع الثانی ۱۴۱۸ھ

۲۲ اگست ۱۹۹۷ء

بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیمِ

عرضِ مرتّب

اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور خاتم النبیین، اشرف المرسلین، شفیع المذنبین رحمۃ للعٰلمین سیدالاولین والآخرین حضور محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، آپ کے محبوب خلفاءِ راشدین، پاک اصحاب، محترم ازواجِ مطہرات (امہات المؤمنین) اورآلِ اطہار رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین پر صلوٰۃ وسلام کے بعد عرض ہے کہ سیدنا و مرشدنا مولانا و ملجانا، بحرالشریعت والطریقت، مصلح الامت آیۃٌ مِّنْ اٰیاتِ اللہ قیّم مسلکِ امامِ اعظم ابوحنیفہ نعمان، عاشقِ غوثِ صمدانی، محبوبِ امام ربانی، خطیبِ اعظم حضرت علامہ مولانا شاہ ابوالبیان وجیہ الدین احمد خاں صاحب قادری، مجدّدی، محدّثِ رام پوری قدس سرہٗ العزیز کو اللہ تعالیٰ نے علم و فقر و معرفت میں جو مرتبہ و مقام عنایت فرمایا تھا، اُس کا صحیح ادراک و بیان ہرکس و ناکس کے بس کا نہ تھا۔ علومِ دینیہ کے تمام فنون میں آپ کو یدِ طولیٰ حاصل تھا۔ قلبی کیفیات، باطنی مشاہدات کو سمجھنا اور اُن کا الفاظ میں بیان کرنا یا تحریر میں لانا محض مشکل ہی نہیں بلکہ قریب قریب محال تھا یہی وجہ تھی کہ آپ کے بعض مُعاصر علماء و مشائخ کہ جن کا تبحرِ علمی اور مشائخیت میں ممتاز مقام تھا، وہ بھی کہا کرتے تھے کہ افسوس ہم حضرت محدثِ رام پوری کو پہچان نہ سکے۔ سچ کہا ہے جناب مفاضل الحق مہری رام پوری مرحوم و مغفور نے ؎

جہاں میں روز ہوتے ہیں بہت اہلِ ہنر پیدا
مگر صدیوں میں ہوتا ہے کوئی صاحب نظر پیدا

حضرت کی سوانح عمری اور حیاتِ ظاہرہ کے دینی، علمی، اخلاقی، روحانی، قومی، سماجی اور اصلاحی و

تجدیدی کارنامے مکمل طور پر آج تک نہ قلم بند ہو سکے اور شاید مستقبل میں بکمال و تمام کوئی کر بھی نہ سکے۔ اس لیے کہ آپ کی دینی و علمی خدمات اور اصلاحی و تجدیدی کارنامے تقریباً ۶۵ سال کے طویل عرصہ پر محیط ہیں۔ نوے سال کی عمر مبارک پائی۔ ۲۵ سال تعلیم و تعلم اور تدریس کے سلسلہ میں بیرونِ رام پور گذرے۔ الحمد للہ آپ کے مرشد زادہ حضرت مولانا سردار شاہ خاں صاحب مدظلہٗ نے "حالات مشائخ قادریہ مجددیہ جمالیہ احمدیہ" میں آپ کی مختصر ہی سہی لیکن جامع سوانح حیات اور حالات تحریر کر کے اہلِ اسلام اور عقیدت مندوں کے لیے بہت کچھ سرمایۂ عمل مہیا کر دیا ہے۔ حضرتؒ اپنے باطنی احوال اور کمالات کو بہت چھپایا کرتے تھے۔ راز افشا نہ ہونے دیتے تھے اور اتفاق سے اگر کوئی کمال یا راز کسی پر منکشف ہو جاتا تو فوراً فرماتے تھے کہ یہ "میرا کمال نہیں ہے بلکہ میرے مرشدین کاملین جو ولایت و معرفت اور فقر کے اعلیٰ مراتب پر فائز ہیں، اُن کی توجہاتِ عالیہ کا فیضان ہے"۔ حقیقت یہی ہے کہ بندۂ خدا وہی ہے جو اس حدیث کا صحیح طور پر مصداق ہو ——— مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰہِ رَفَعَهُ اللّٰہُ (جس نے اللہ کے لیے انکساری اختیار کی اللہ نے اُسی کو بلند فرمایا) اللہ رب العزۃ کا مقرب بندۂ مومن وہی کہلائے جانے کا مستحق ہے جس کے اندر اُس کے رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالاتِ عالیہ کی جھلک پائی جاتی ہو، اور آپ کی اتباع میں کامل و اکمل ہو، اسی کو ولی بھی کہتے ہیں اور ولی اپنے کمالات کو بہت چھپاتا ہے۔ حضرتؒ کو آپ کی حیاتِ طیبہ میں عام مخلوقِ خدا نے بس اتنا ہی پہچانا کہ جید عالم باعمل اور خطیبِ بے مثل تھے، لیکن جنھیں اللہ تعالیٰ نے بصارت کے ساتھ بصیرت اور ادراک کی نعمتیں بھی عطا فرمائیں، انھوں نے خوب پہچانا کہ حضرتؒ فقط علوم عقلیہ و نقلیہ میں کامل و اکمل ہی نہیں، بلکہ ولایت و معرفت کی بھی یہ ذاتِ اقدس بحرِ بیکراں تھی۔

سردست اس وقت یہ عرض کرنا ہے کہ حضرتؒ نے باقاعدہ تصنیف یا تالیف کی طرف اپنی حیاتِ طیبہ میں کوئی خاص توجہ نہیں فرمائی۔ اگر آپ تصنیف و تالیف کی طرف توجہ فرماتے تو آج مختلف علوم و فنون پر آپ کی بہت کچھ تصنیفات و تالیفات منظر عام پر ہوتیں۔ لیکن آپ نے ہمیشہ یہی فرمایا کہ میرے شیخ اجل قبلۂ عالم حضرت مولانا شاہ وزیر محمد خاں صاحب قدس سرہٗ نے مجھ سے فرمایا تھا کہ "تم زندگی میں دو کام کرنا، خواص کے لیے درس و تدریس اور عوام کے لیے وعظ و تقریر۔ تصنیفات کی مزید ضرورت نہیں، اس لیے کہ سلف صالحین علیہم الرحمہ نے تصانیف و تالیفات کا بے شمار خزانہ امت کے لیے فراہم کر دیا ہے۔ جس کے پڑھنے اور سمجھنے والے بھی اب عام طور پر اس دنیا میں کثرت سے نہیں پائے جاتے۔ پھر کیا ضرورت ہے کہ مزید تصنیفات کی جائیں، ہاں کسی کو اپنی شہرت مقصود ہو تو وہ کرے تو کرے۔ بس تم تو یہ دو کام کرنا۔"

حضرتؒ نے اپنے مرشدِ معظمؒ کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے دو ہی کام بحسن و خوبی انجام دیے۔ خواص کے لیے درس و تدریس اور عوام کے لیے وعظ و نصیحت۔ آپ کی ان گراں قدر خدمات کے بڑے عمدہ اور مفید نتائج

ملّتِ اسلامیہ کو حاصل ہوئے۔ آپ کے ہزار ہا تلامذہ باکمال نے ہندوستان، پاکستان، بنگلہ دیش، عرب وعجم، سمرقند، بخارا، سرحد وافغانستان، انڈونیشیا وملائشیا وغیرہ میں علومِ دینیہ کی شمعیں روشن کیں۔ عام مسلمانوں کی زندگی میں دینی، علمی، اخلاقی اور اسلامی سدھار پیدا کیا اور اپنے اپنے علاقوں میں ان کی دینی وعملی زندگانی میں انقلاب برپا کر دیا جو حضرتؒ کی پاک صحبت میں نیک نیتی کے ساتھ بیٹھ گیا اس کا قلب مجلیٰ ہو گیا، اُس کے عقائد، اعمال وافعال درست ہو گئے۔ اس کے اخلاق پاکیزہ بن گئے۔ جو آپ کے دستِ مبارک میں ہاتھ دے بیٹھا اور دامن سے لپٹ گیا اُس کا قلب جاری ہو گیا۔ غرضیکہ اُس کی دینی ودنیاوی دونوں زندگیاں بامقصد بن گئیں اور اُسے رب تعالیٰ کی معرفت حاصل ہو گئی۔

حضرتؒ کی بعض تصنیفات کا ظہور میں آنا حکیم الاسلام امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ محدثِ دہلوی علیہ الرحمہ کے واقعہ سے بڑی حد تک مشابہ ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ سے آپ کے مخلصین برابر اصرار کرتے تھے کہ کوئی تصنیف ہم خدام کے لیے فرمادیں جو ہمارے لیے مفید وکارآمد ہو سکے۔ حضرت شاہ صاحب اٰیۃٌ مِّنْ اٰیَاتِ اللّٰہِ تھے۔ اپنی شہرت کے قطعاً طالب نہ تھے متوسلین کے اصرار کو نظر انداز فرماتے رہے۔ اِدھر اصرار بڑھتا گیا اُدھر کرمِ خداوندی کا ظہور ہوا۔ اور غیبی مدد کو پاکر آپ نے "حُجَّۃُ اللّٰہِ البَالِغَۃ" تصنیف فرمائی۔ اسی کتاب بے نظیر "حُجَّۃُ اللّٰہِ البَالِغَۃ" کے ابتدائیہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ "میرے مخلصین کا برابر اصرار رہا اور میں اپنے کو عاجز پاتا رہا۔ لیکن اللہ رب العزۃ کی مشیت کا ظہور یوں ہوا کہ خاتم النبیین سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں پیارے نواسے اور نوجوانانِ جنت کے سردار سیدنا امام حسن وسیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو واقعہ میں دیکھا کہ لو یہ ہمارے نانا جان، آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک قلم ہے، اس سے کتاب لکھو۔ واقعہ سے بیدار ہو کر اپنی کمزوری وعاجزی کو زائل پایا اور ہمت وحوصلہ پیدا ہوا، یہ کتاب "حُجَّۃُ اللّٰہِ البَالِغَۃ" حضرات حَسَنَین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا فیض خصوصی ہے جو میں نے تحریر کی" —— ایسی ہی تقریباً صورت حال یہاں بھی نمودار ہوئی کہ حضرتؒ برابر مخلصین کے اصرار کو ٹال دیتے تھے اور توجہ نہیں فرماتے تھے، بالآخر مخلصین کے بے حد اصرار کے بعد قلم کو جنبش دی اور فرمایا، اللہ تعالیٰ جل شانہ وعم نوالہٗ کے کرم اور حضراتِ مرشدینِ کرام علیہم الرحمہ کے فیض وبرکت کی بدولت کچھ لکھ دیا ہے۔ ایک بات بار بار فرماتے تھے کہ یہ سب کرم خداوندی اور میرے مرشدینؒ کی توجہات اور فیوض ہیں جو کچھ ظاہر ہوئے۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ یہاں بھی یقیناً غیبی امداد کو ضرور دخل ہے اور وہ فیوض وبرکات ہیں آپ کے کامل مشائخ کرامؒ کے۔ اگر ایسا واضح اشارہ آپ نے پایا بھی ہوگا تو آپ نے واضح طور پر اُس کا اظہار فرمانے میں اخفا کو پسند فرمایا ہوگا —— الغرض مخلصین ومتوسلین کے بیہم اصرار پر چند تصنیفات منظرِ عام پر آئیں، جن میں سے آپ کی ایک خاص، جامع وکامل یہ تصنیف لطیف "مسلکِ اربابِ حق" بھی ہے۔

علم کلام یعنی علم عقائد کے فن میں اب تک جتنی کتابیں اردو میں شائع ہو چکی ہیں۔ اُن کتب کے مقابلے میں اس کتاب "کلامی الخیل۔ مسلکِ اربابِ حق" کو ایک خاص امتیاز اور منفرد شان یہ حاصل ہے کہ حضرت مصنف قدس سرہٗ نے نہایت قوی دلائل کے ساتھ مثبت، متانت اور تعمیری انداز میں اہلِ حق یعنی اہلِ سنت وجماعت کے اربابِ حق کا اعتقادی، فکری اور عملی مسلک و نظریہ مسلمانانِ برصغیر (ہند و پاکستان و بنگلہ دیش) کے سامنے پیش فرمادیا ہے۔ عالمِ باعمل اور عارفِ کامل جو بات اپنی زبان سے کہتا ہے اور قلم سے لکھتا ہے، وہ اس کے ایمان کی کاملیت اور اس کے قلبِ صادق کے نور کا آئینہ دار ہوا کرتا ہے یہی چیز اس کتاب میں اہلِ عقل و دانش پائیں گے۔ متکبرانہ انداز، زور زبردستی، ڈھیٹ پن حضرت مصنف قدس سرہٗ کی عبارتوں میں قارئین اِن شاء اللہ کہیں نہ پائیں گے۔ حضرت مصنف قدس سرہٗ نے اپنی ذاتی تحقیق و نظریہ کو تو پیش کر دیا ہے، لیکن یہ کہیں نہیں فرمایا کہ میری تحقیق کو ہر شخص جبر کر کے مان لے، برخلاف اس دور کے گروہ بند اور فرقہ بند مولفین و مصنفین کی عبارتوں میں آپ انانیت اور زور زبردستی والا انداز پائیں گے۔ حضرت مصنف قدس سرہٗ کی عبارتوں میں آپ متقدمین علماء صالحین علیہم الرحمہ والا معتدل اور دل و روح کو متاثر کرنے والا انداز پائیں گے۔ حضرتؒ نے اس تصنیف میں زبان انتہائی شائستہ اور سلیس استعمال فرمائی ہے ـــــ اور یہ کتاب تصنیف فرما کر مسلمانوں کو غور و فکر کی دعوت دی ہے۔

حضرت مصنف علیہ الرحمہ کی عبارات کی تشریحات و توضیحات بھی قارئین کی فہم میں اِن شاء اللہ ممد و معاون ہوں گی۔ تشریحات میں اس بات کا لحاظ رکھا گیا ہے کہ قارئین کو سمجھنے میں زیادہ عقلی اور دماغی محنت نہ کرنا پڑے۔

ایک بات قابلِ ذکر یہ ہے کہ حضرت مصنف قدس سرہٗ نے قدیم علماء سلف رام پور، علماء فرنگی محل لکھنؤ، علماء خیر آباد، علماء علی گڑھ وغیرہ جمہور اہلِ حق کا معتدلانہ نظریہ اور مسلک، جو جمہور اہلِ اسلام کا ہمیشہ سے پسندیدہ مسلک قرونِ خیر سے چلا آرہا ہے، اسے پہلی بار اردو زبان میں وضاحت کے ساتھ تحریر فرما کر برصغیر کے مسلمانوں کے سامنے رکھ دیا ہے۔ دیگر علماء اسلام کی طرح علماء رام پور ہمیشہ افراط و تفریط، غلو اور تشدد پسندی سے بہت دور بھی رہے اور بے زار بھی۔ ان کی مقدس ذوات کے اوصافِ حمیدہ باری تعالیٰ کی عطا و کرم، اس کے حبیبِ مکرم، نورِ مجسم صلی اللہ علیہ وسلم کا کامل فیض، ائمۂ دین اور علماءِ اسلام علیہم الرحمہ کی پاک جد و جہد اور ان کی اعلیٰ تحقیقی و اجتہادی کاوشوں کے ثمرات ہیں۔

اہلِ بدعت کے قدیم فرق خوارج، روافض، جبریہ، قدریہ، جہمیہ، اور کرامیہ وغیرہ کے مقابلہ میں اہلِ حق یعنی اہلِ سنت وجماعت کا طریقہ و مسلک ہمیشہ سے بین بین یعنی معتدلانہ رہا ہے۔ فرقہ ناجیہ

مسلکِ اربابِ حق

اہلِ سنت وجماعت کے اسی اعتدال اور میانہ روی نے اسلام کا احیاء، شریعت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی عالم بھر میں ترویج کا مبارک کام کیا۔ ہدایت و اصلاح کے ذریعہ عالم کے مسلمانوں کے قلوب میں ایمانی جواہر چمکائے۔ ضلالت وگمراہی، غلو پسندی، بدعات وخرافات اور بدعقیدگی کا قلع قمع کیا۔ اسلام سے والہانہ لگاؤ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل عقیدت ومحبت سے مسلمانوں کے دلوں میں نورِ خداوندی کو جاگزیں کیا۔ حضور خاتم النبیین اشرف المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کا سچا عاشق بنایا اور حضرات صحابہ وتابعین حق رضی اللہ عنہم ائمہ دین اور علماء ربانیین کی حقانی ونورانی تعلیم سے بھی انھیں آراستہ کیا اور ان کا حقیقی متبع بھی بنایا۔ ہر انتہا پسند بدعتی گروہ کے مقابلہ میں اہلِ سنت وجماعت ہمیشہ معتدل رہے اور الحمد للہ آج بھی ہیں۔

اب اس دور میں جو فکری گروہ ہمیں نظر آتے ہیں ان میں قدیم بدعتی فرقوں کی طرح انتہا پسندی، غلو او تشدد مکمل طور سے پایا جاتا ہے۔ موجودہ دور کے دو گروہ دیوبندی اور بریلوی کو صرف برصغیر ہندوستان پاکستان اور بنگلہ دیش ہی میں جانا وپہچانا جاتا ہے۔ سارے عالم اسلام میں آپ کہیں بھی جا کر دیکھ لیجیے یا ایشیا، افریقہ اور یورپ کے ان ملکوں میں جہاں جہاں بھی مسلمان رہتے اور بستے ہیں، وہ ان دونوں گروہوں کے وجود وفکر سے بالکل لاعلم ہیں۔ یہ دونوں گروہ اگرچہ حنفی ہیں اور مشائخ طریقت کے سلاسل سے بھی منسلک ہیں، لیکن ان دونوں گروہوں کی اعتقادی، عملی اور فکری انتہا پسندی اور غلو نے مسلمانانِ برصغیر کے اسلامی دینی، علمی، عملی، فکری اور روحانی اتحاد کو بڑی زک پہنچائی ہے۔ ان کے مابین نفسانفسی نے آج غیر مسلمین کی نظروں میں اسلام کو بے وقعت اور مسلمانوں کو بے عزت بنا کر رکھ دیا ہے۔ دورِ حاضر کے ان دونوں فرقوں کی باہمی چپقلش اور مسائل میں اختلاف قطعاً بنیادی نہیں ہے بلکہ اس تنازعہ کے اندر نخوت، تکبر، انانیت، ذاتی اغراض اور خود نمائی وگروہی شناخت کے قیام کو بہت زیادہ دخل ہے۔ ان گروہوں کے سرخیلوں کی ذاتی تحقیق کو دین کی اساس قرار دینا اور ان کو زبردستی منواتے کا رجحان کیا ان کی کجروی کی علامت نہیں ہے؟ قابلِ تقلید حضراتِ ائمۂ اربعہ (حضرت امام اعظم ابوحنیفہ، حضرت امام شافعی، حضرت امام مالک، حضرت امام احمد بن حنبل) رضوان اللہ علیہم ہیں۔ اگر ان گروہوں کے سرخیلوں کی ذاتی تحقیق کو صرف اجتہادی قرار دے دیا جائے تو یہ تنازعہ آج بھی ختم ہو سکتا ہے لیکن اس دور کے کم علم اور ناقص العمل لوگ اجتہادی کے بجائے اسے تقلیدی رنگ دینا چاہتے ہیں، اسی لیے باہمی عداوت اور بغض ونفرت بڑھتی ہے اور اسلامی ودینی اتحاد فنا ہوتا ہے۔

جغرافیائی حیثیت سے رام پور ان گروہوں سے منسوب مقامات کے اعتبار سے درمیان میں واقع ہے اور اعتقادی، عملی وفکری حیثیت سے بھی علماء رام پور علیہم الرحمہ ان گروہوں کے مقابلہ میں اول دور سے

معتدل رہے ہیں، جیسا کہ اہلِ سنت و جماعت قدیم بدعتی فرقوں کے مقابلہ میں ہمیشہ سے معتدل یعنی درمیانہ مسلک والے رہے ہیں۔ اعتدال میں ہمیشہ خیر و برکت رہی ہے، اسی کو اسلام اور علماء اسلام نے نہ صرف پسند فرمایا ہے بلکہ اس کا حکم بھی دیا ہے۔ اور اسی اعتدال نے عالم بھر میں مسلمانوں کو دینی اور سیاسی دونوں اقتدار سے نوازا ہے جب تک اہلِ اسلام نے اعتدال کا دامن تھامے رکھا، وہ عالم بھر کے ساتھ ساتھ برصغیر میں بھی دینی اور حکومتی دونوں اعتبار سے سرخرو رہے اور جب برصغیر کے مسلمانوں نے اعتدال کی خیر و برکت والی راہ کو خیرباد کہہ دیا تو وہ دنیا میں بھی بے عزت ہوئے اور دینی اعتبار سے بھی وہ بربادی کے قریب تر پہنچ گئے۔ انتہا پسندی اور غلو کی راہ دین و دنیا دونوں کو تباہ کرنے والی راہ ہے۔

انگریزوں کے دور میں پیدا کرایا گیا یہ موجودہ گروہی فتنہ بھی قادیانیت کے عظیم فتنہ کی طرح ہے۔ انگریز اِن فتنوں کو بھڑکا کر اس ملک سے چلے گئے اور اپنے سیاسی جانشینوں کو جوان کے بعد دہلی کے راج دوار پر بیٹھے یہ فتنے حوالے کر گئے۔ کبھی کبھی یہ فتنے دب جاتے ہیں، لیکن جب ہندو حکمرانوں کے سیاسی اغراض کا تقاضا ہوتا ہے وہ ان فتنوں کو گروہ بند عناصر کے ذریعے پھر ابھار دیتے ہیں۔

۶ دسمبر ۱۹۹۲ء کو تاریخی بابری مسجد کو مرکزی حکومت کی شہ پر ہندوؤں نے دن دہاڑے شہید کر کے اپنی غیر انسانیت کا ثبوت پیش کر کے جس فرعونیت کا مظاہرہ کیا اور صنم خانہ قائم کر کے جس فسطائیت کا نقش قائم کیا تو اُس پُرفتن دور میں ہندوستان کے مسلمان دینی اور سیاسی دونوں اعتبار سے بہت حد تک متحد ہو گئے تھے، ان کے اتحاد کو دشمنانِ اسلام نے اپنے فرعونی اقتدار کے لیے خطرے کی علامت سمجھا تو انھوں نے انتہائی عیاری کے ساتھ کچھ عرصہ سے دبے ہوئے گروہی فتنہ کو دولت و ثروت اور اقتدار کا لالچ دے کر پھر زندہ کرا دیا جس فتنہ سے ملتِ اسلامیہ ہند گزشتہ تیس چالیس برسوں سے بے خبر اور لاتعلق تھی اور ہر اعتبار سے چین و سکون کی زندگی گذار رہی تھی، اُسے پھر اس گروہی فتنہ میں پھانس دیا گیا۔ دونوں گروہوں کے موجودہ اقتدار پسند رہنماؤں کے سامنے دولت و اقتدار کی بھرمار کر دی گئی اور آج مسلمانوں کو خانوں میں بانٹ کر ان کا دینی اتحاد پارہ پارہ کر دینے کی کوششیں بدستور جاری ہیں۔ خدا کرے مسلمان قوم عقل و ہوش سے کام لے کر اپنے دینی، ملی اتحاد کو قائم رکھنے کی عملی تدبیر کرے اور گروہ بندیوں سے محفوظ و مامون رہے۔ آمین

مذکورہ بالا گروہوں کے بانی، حضراتِ علماء رام پور کے علمی فیوض سے فیضیاب تھے۔ مدرسہ عالیہ رام پور جامعہ ازہر مصر کے بعد اپنے قیام ۱۷۷۴ء سے سلف صالحین علیہم الرحمہ کے معتدلانہ مسلک کا تمام عالم اسلام میں دوسرا ترجمان تھا۔ جناب مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلویؒ نے رام پور کے مشہور زمانہ عالم علامہ عبدالعلی خاں ریاضی داں وغیرہ کی خدمت میں حاضر ہو کر مدرسہ عالیہ رام پور میں علم حاصل کیا تھا۔ اسی طرح مولوی رشید احمد

مسلکِ اربابِ حق

صاحب گنگوہی رام پور کے مشہور عالم اور شیخ طریقت حضرت مولانا شاہ احمد سعید صاحبؒ مجددی کی خدمت میں حاضر ہو کر ان کے علمی فیض سے فیضیاب ہوئے تھے۔ اسی طرح ان گروہوں کے بعض دوسرے اہل علم بھی رام پور کے علما کرام کے براہ راست یا بالواسطہ تلامذہ رہے ہیں، اور وہ اہلِ علم علماء رام پور کے علم وفضل اور زہد وتقویٰ میں رطب اللسان رہے ہیں۔ خود مولانا بریلوی رام پور کے سالار علماء حضرت مولانا ارشاد حسین صاحبؒ مجددی وغیرہ کے بڑے معترف تھے اور ان سے علمی استفادہ کیا کرتے تھے۔

جب بعض فروعی مسائل کے اختلاف نے ان دونوں گروہوں کو ایک دوسرے کے مقابلہ پر لا کھڑا کیا تو سارے علماء رام پور بشمول حضرت مولانا ارشاد حسین صاحب مجددی، حضرت مولانا مفتی عبد الغفار خاں صاحب، حضرت مولانا سلامت اللہ صاحب، حضرت مولانا حافظ عنایت اللہ خاں صاحب، حضرت مولانا سید حسن شاہ صاحب محدث، حضرت مولانا سید محمد شاہ صاحب محدث، حضرت مولانا منور علی صاحب محدث، حضرت مولانا مفتی سعد اللہ صاحب، حضرت مولانا محمد فضل حق صاحب رام پوری، حضرت مولانا شاہ وزیر محمد خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہم وغیرہ وغیرہ تمام علماء وفضلاء رام پور اس گروہی اختلاف سے بالکل الگ تھلگ رہے اور ان حضرات نے اس گروہ بندی کے سلسلہ میں وہی مبارک طریقہ اختیار کیا جو متقدمین اہلِ سنت وجماعت کے اربابِ حق نے قدیم بدعتی فرقوں کے معاملہ میں معتدلانہ طریقۂ حقہ اختیار فرمایا تھا۔

علماء رام پور کی علمی، روحانی اور تحقیقی افضلیت ان گروہوں کے ارباب علم پر مسلّم اور واضح ہے، اس لیے کہ دونوں گروہوں کے سرخیل علماء حضرات علماء رام پور علیہم الرحمہ کے براہ راست تلامذہ رہے ہیں۔ اسی طرح مدرسہ عالیہ کو دیوبند اور بریلی کے مدارس پر کلی فضیلت قدیم سے حاصل ہے۔ مدرسۂ دیوبند کا قیام مدرسہ عالیہ رام پور سے تقریباً ایک صدی بعد ہوا ہے اور مدرسۂ بریلی کا قیام تو مدرسۂ عالیہ سے ایک سو سال سے بھی زیادہ بعد کی بات ہے۔ حقیقت خود واضح ہے کہ علماء رام پور ان دونوں گروہوں کے علماء سے علم و فضل، زہد وتقویٰ اور تحقیق میں فضیلت رکھتے ہیں اور مدرسۂ عالیہ رام پور کو مذکورہ بالا مدارس پر قدیمی فوقیت اور افضیلت حاصل ہے۔

علماء رام پور، علماء فرنگی محل لکھنؤ، علماء خیر آباد، علماء علی گڑھ، علماء بدایوں اور علماء دہلی وغیرہ عالم اسلام میں اہل سنت وجماعت کے معتدلانہ مسلک ونظریہ کے ترجمان مانے گئے ہیں۔

حضرت علامہ مولانا شاہ وجیہ الدین احمد خاں صاحب قادری مجددی قدس سرہ اپنے اسلاف علماء علیہم الرحمہ کے سچے جانشین اور ان کے معتدلانہ مسلک کے نہ صرف ترجمان بلکہ رام پور کے مسلمانوں کی اسلامی، دینی، علمی، عملی، فکری اور روحانی اقدار اور ان کی باہمی اخوت ومحبت کی روشن علامت تھے۔ آپ کے مسلک و نظریہ

سے اختلاف رکھنے والے اربابِ علم بھی آپ کی علمی، تحقیقی اور روحانی فضیلتوں کے بڑے معترف تھے، حضرتؒ کے علم و فضل، زہد و تقویٰ، محققانہ بصیرت اور صدقِ حال و مقال کا رعب و دبدبہ گروہ بند معاصر علماء و فضلا پر قائم تھا۔ ہر مسلک کے عالم کی نظر میں آپ کی شانِ محبوبی قائم تھی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اسی شان سے متصف فرمایا تھا جو شان ہمیں امت کی بعض برگزیدہ شخصیات جیسے حضرت امام غزالی، حضرت غوث الثقلین، حضرت امامِ ربانی مجدد الف ثانی، حضرت شاہ ولی اللہ محدث اور حضرت شاہ عبدالعزیز محدث رحمۃ اللہ علیہم وغیرہ کے حالات و سوانح میں نظر آتی ہے۔ وہ عالم جو باعمل ہوتا ہے اور ہر معاملہ میں صدقِ حال و مقال اس کا شیوہ، تو اسے مخلوقِ خدا میں محبوبی شان بتوسل حضور صلی اللہ علیہ وسلم مِن جانب اللہ عطا ہوتی ہے۔ حضرتؒ نے اپنے مواعظِ حسنہ، خطبات، درس و تدریس اور تصنیف و تالیف میں اپنے اسلافِ کرامؒ کا پسندیدہ طریقہ جو "خیرالامور اوسطہا" کا مصداق یعنی اعتدال اور میانہ روی کی مبارک راہ کو خود بھی اختیار فرمایا اور مسلمانانِ برصغیر کو بھی اسی پاک اور نورانی راہ کو اپنانے کی ہر موقع پر تلقین فرمائی۔ حضرتؒ مسلمانانِ برصغیر کی اسلامی، دینی، علمی، اخلاقی اور معاشرتی اتحاد کی ایسی شمع تھے، جس کی نوری شعاعوں سے مسلمانانِ برصغیر کے قلوب آج تک روشن و منور ہیں۔ اسی معتدلانہ مسلکِ اہلِ سنت کو جو قرونِ خیر سے چلا آرہا ہے اور عرب و عجم کے حضراتِ احناف، موالک، شوافع اور حنابلہ تقریباً بارہ صدیوں سے جس کی عالم بھر میں اشاعت فرماتے رہے، علماء رام پور، علماء فرنگی محل لکھنؤ، علماء خیر آباد، علماء علی گڑھ، علماء بدایوں وغیرہ ان کی نیابت میں اسی کارِ خیر کو پوری یکسوئی اور خالص نیک نیتی و رضائے الٰہی کے واسطے اپنے اپنے ادوار میں مکمل طور سے انجام دیتے رہے، جس کے بڑے مفید نتائج ملت اسلامیہ کو حاصل ہو۔

حضراتِ علماء رام پور علیہم الرحمہ میں سے کسی ایک عالمِ برحق نے کبھی کسی مسلمان کو ذرا ذرا سی بات پر اپنی نفسانیت کی بنا پر نہ تو بدعتی کہا اور نہ مشرک۔ اسی طرح انھوں نے کبھی کسی مسلمان کو اپنے نفس امارہ کی خوشنودی کے لیے ذرا ذرا سی بات پر کافر بھی نہیں کہا۔ اس لیے کہ خوفِ خدا سے ان کے قلوب لبریز تھے اور نفسانیت کا ان میں ذرا بھی شائبہ نہ تھا۔ علماء رام پور جمہور اہلِ اسلام کے طریقہ پر کامل طور سے قائم تھے اور آج بھی ہیں۔

کسی مسلمان کو اگر مشرک یا کافر کہا جائے گا تو وہ واقعی میں اگر مشرک یا کافر ہے تو خیر، ورنہ شرک یا کفر لوٹ کر خود اس کی گردن کا طوق بن جائے گا۔ ظاہر ہے کہ یا تو جسے کافر یا مشرک کہا گیا وہ کافر یا مشرک ہوگا اور اگر جسے کافر یا مشرک کہا گیا وہ واقعی میں کافر یا مشرک نہیں ہے تو پھر کسی مسلمان کو کافر یا مشرک کہنے والا خود کافر یا مشرک ہوگا۔ علماء رام پور اسے کافر یا مشرک جانتے ہیں جو جمہور اہلِ اسلام کے نزدیک بالاتفاق کافر یا مشرک ہو۔ جیسے قادیانی، بہائی، غلاۃ یعنی نصیری رافضی (نصیری روافض کا یہ خبیث عقیدہ ہے کہ حضر

مسلکِ اربابِ حق

سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کی ذات میں اللہ حلول کرگیا ہے۔ معاذاللہ، استغفراللہ)

کسی مسئلہ میں اگر علماء اسلام کے نزدیک اختلاف ہوتا ہے تو اس مسئلہ میں کسی فریق کے لیے یہ ہرگز مناسب نہیں کہ وہ زور زبردستی کرے اور جبر سے کام لے کر اپنی ذاتی تحقیق کو دوسرے علماء حق سے منوانے کی کوشش کرے۔ اجتہاد میں رایوں کا اختلاف ہر زمانہ میں ہوتا رہا ہے اور قیامت تک ہوتا رہے گا۔ یہ کوئی بری چیز نہیں۔ موجودہ گروہ بند عناصر کے سرخیل علماء اگر "صاحب فتح القدیر"، "صاحب ہدایہ"، "صاحب مرقاۃ المفاتیح" اور علامہ شامی وغیرہ جلیل القدر فقہاؒ ومحدثینؒ سے بعض مسائل میں اختلاف کر سکتے ہیں تو دوسرے فقہا ومحدثین اگر موجودہ فرقہ بند عناصر کے سرخیل علماء سے بعض مسائل میں اختلاف کرتے ہیں تو اس میں کون سی قباحت ہے، کیا قیامت ہے؟ اپنا اپنا علم اور اپنی اپنی تحقیق ہے۔

رام پور کی انفرادیت ہر اعتبار سے واضح اور روشن ہے۔ شعر وادب کے میدان میں آپ دیکھیں ایک طرف لکھنؤ شعر وادب میں مشہور ہے تو دوسری طرف دہلی۔ رام پور شعر وادب کا جو تیسرا مرکز کہا جاتا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں کی شاعری اور ادب میں نہ لکھنؤ کی سی افسانہ نگاری ہے اور نہ زبان کا تکلف اور نہ دہلی کی سی قصیدہ خوانی ہے، بلکہ رام پور کے فن شعر وشاعری میں حقیقت نگاری ہے جو لکھنؤ اور دہلی کے ادب سے اسے اسی لیے ممتاز کرتی ہے۔ اسے اگر لکھنؤ اور دہلی کے شعر وادب کے مقابلہ پر اعتدالی ادب کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا۔

سیاسی میدان میں رام پور کو آپ دیکھیں گے تو اس سرزمین پر کیسے کیسے اعلیٰ کردار کے ذہین سیاستداں گذرے ہیں جنھوں نے دنیا بھر میں اپنی پہچان بنائی۔ مولانا محمد علی جوہر اور مولانا شوکت علی جو علی برادران کے لقب سے مشہور ہیں۔ دنیائے سیاست میں ان کا آج تک کوئی ثانی پیدا نہ ہوا۔ نہ ان میں سیاست کی انتہا پسندی تھی اور نہ بزدلی اور خوشامد خوری۔ مذکورہ بالا سیاسی حضرات کو اگر معتدل سیاسی رہنما کہیں تو یہ غلط نہ ہوگا۔

جب روہیلہ سردار افغانستان سے یہاں آئے تو انھوں نے جس خطہ کو اپنا مسکن قرار دیا تو وہ علاقہ روہیل کھنڈ کہلایا جس کا مرکزی مقام رام پور قرار پایا۔ روہیلوں نے یہاں کی جغرافیائی حیثیت اور آب وہوا کو اپنے لیے بہترین قرار دیا اور کہا کہ اس علاقہ کی آب وہوا بہ نسبت دوسرے علاقوں کے نہ صرف صحت افزا بلکہ معتدل ہے۔

الغرض رام پور ہر اعتبار سے معتدل ہے، خواہ مسلکی میدان ہو یا شعر وادب کا میدان یا سیاسی میدان ہو یا موسمی ہر اعتبار سے علاقہ رام پور اپنے اعتدال اور میانہ روی کے اعتبار سے دنیا بھر میں اپنی منفرد شان کی حیثیت سے مشہور ومعروف ہے۔

فن علمِ کلام اور اس کے فوائد شریعتِ مطہرہ کے جتنے فنون ہیں، اُن میں ایک فن علمِ کلام بھی ہے۔ علمِ کلام کے بڑے بڑے ماہرین و کاملین ہر دور میں پیدا ہوتے رہے ہیں۔ اس فن کو باقاعدہ فن کی حیثیت امام ابوالحسن اشعریؒ اور امام ابومنصور ماتریدیؒ کے دور میں حاصل ہوئی۔ امام ابومنصور ماتریدی اور امام اشعریؒ نے قرآن و سنت کا خادم ہوکر اور اس کا ماتحت رہ کر اس فن کو اجاگر کیا۔ حجۃ الاسلام امام غزالیؒ، حکیم الاسلام امام فخرالدین رازیؒ اور سند المحققین رأس العلماء علامہ سعدالدین تفتازانیؒ وغیرہ جیسے علومِ عقلیہ کے ماہر اور مقتدایانِ دین علمِ کلام کے بالاتفاق سالار و پیشوا تسلیم کیے گئے۔ کتابُ اللہ اور سنّتِ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے حقائق، دقائق اور اُن کے اَسرار کو متکلمینؒ نے اس فن کے ذریعے سمجھا ہے۔ علمِ فقہ کی باریک بینیوں کو سمجھنے میں بھی علماء قدیم و جدید نے اس فن کے ذریعہ کام لیا ہے۔

علمِ کلام جس کا دوسرا نام علمِ عقائد ہے افراط و تفریط سے محفوظ رکھتا ہے، حق و باطل میں امتیاز پیدا کرتا ہے اور اعتدال و میانہ رَوی کو قائم رکھتا ہے متکلمینؒ کے عقلی دلائل ہمیشہ شریعتِ مطہرہ کے تابع رہے یہ حضرات شریعت کی حُدود سے کبھی باہر نہیں گئے۔ غرض یہ ہے کہ یہ فن قرآن و سنت کا حقیقی خادم اور خالص شرعی فن ہے۔

بعض اہلِ علم نے اس فن کو زیادہ قدر کی نگاہ سے نہیں دیکھا۔ غیر مقلدین وہابیہ خصوصاً اس فن کے مخالف رہے ہیں، وہ شریعت کے حقائق، دقائق اور اسرار سے ناواقف ہیں، اُن کی عقلی سوچ و فکر ہمیشہ محدود رہی ہے۔ جب تک شریعتِ مطہرہ کے حقائق و اسرار اور شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حقیقی منشا کو نہ سمجھا جائے مقصدِ شریعت (جسے حقیقتِ شریعت بھی کہتے ہیں) کماحقہٗ حاصل نہیں ہوسکتا۔ مثلاً غیر مقلدین رفعِ یدین کے سلسلے میں روایاتِ احادیث پر سطحی نظر رکھتے ہیں، اور اس پر عمل کرنے کو فقط سنّت اور رفعِ یدین نہ کرنے والے حضرات پر طعن و تشنیع سے کام لیتے ہیں۔ وہ یہ غور نہیں کرتے کہ رفعِ یدین کے راویان حضرات صحابہؓ کا خود اپنا عمل عدمِ رفعِ یدین تھا۔ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی مضبوط دلیل یہی ہے کہ رفعِ یدین کے سلسلے میں روایات کرنے والے اصحاب کا خود اپنا عمل ترکِ رفعِ یدین تھا۔ ائمہ ثلٰثہ (امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ) کی نظر احادیث کی روایات پر تھی اور امام اعظم ابوحنیفہؒ، حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی منشا اور آپ کے محبوب جاں نثار صحابہ رضی اللہ عنہم کے عمل پر نظر فرماتے تھے۔ کتابُ اللہ اور سنتِ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اسرار و حقائق پر حضرت امام اعظمؒ کی جو نظر تھی، وہ ہمارے نزدیک اتنی اور کسی کی نہ تھی۔ امام اعظمؒ کی فقاہت، ذکاوت، علم و عمل اور زُہد و تقویٰ میں شوافع، موالک اور حنابلہ ہمیشہ رطبُ اللسان رہے ہیں (آپ اسی کتاب میں پڑھیں گے) ائمہ ثلٰثہ اور دوسرے ائمہ دین سب حق پر

قائم تھے۔ سب کے سب قابلِ تعظیم و تکریم ہیں، نفسانیت کا شمہ بھر اثر کسی امام برحق پر کبھی نہ رہا، لیکن قرآن وسنت کا اصل مغز، شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کی منشا اور شریعت مطہرہ کے اسرار اور باریک بینیوں کو سمجھنے میں حضرت سیدنا امام اعظمؒ کی ذاتِ گرامی تمام ائمہ مجتہدین میں سب سے ممتاز تھی۔ اسی لیے امام شافعیؒ کو کہنا پڑا اَلنَّاسُ فِی الْفِقْہِ عِیَالُ اَبِیْ حَنِیْفَۃَ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ (کہ لوگ فقہ میں ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے محتاج ہیں)

الغرض متکلمین کے عقلی دلائل جو خالصتاً شرعی ہیں ان کے ذریعہ اشاعتِ اسلام، احیائے شریعت اور بقائے سُننِ نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا کام ہر دور میں احسن طریقہ پر ہوتا رہا ہے۔ اس فن (علم کلام) سے بے رغبتی نے ہمیں اسلامی، شرعی، اخلاقی اور روحانی بلندیوں سے دور کر دیا ہے۔ متکلمینؒ کے مشہور و معروف مقتدا حجۃ الاسلام امام غزالیؒ اور حکیم الاسلام امام فخر الدین رازیؒ وغیرہ دوسرے رفیع الدرجات علمی، و روحانی شخصیات کے اسلامی، دینی، علمی و عملی، اخلاقی، روحانی اور سماجی خدمات جو انھوں نے اپنے اپنے زمانہ میں انجام دی ہیں، دیکھیے کہ اسلام کو ان کی مبارک ذوات سے کتنے بے نظیر فوائد حاصل ہوئے۔ کسی اخبار یا رسالہ میں پڑھا تھا کہ یوروپ کے اکثر مستشرقین کا خیال ہے کہ "اگر اسلام میں امام غزالیؒ اور امام رازیؒ دو اور پیدا ہو گئے ہوتے تو پھر اسلام کے علاوہ دنیا میں دوسرا کوئی مذہب دکھائی نہیں دیتا۔"

گروہِ غیر مقلدین کی نظر سطحی اور سوچ و فکر محدود ہے۔ وہ علامہ ابن تیمیہ اور ان کے شاگرد علامہ ابن قیم کے پیروکار ہیں، انھیں ائمہ اربعہؒ کی تقلید سے تو تنفر ہے لیکن ہر مسئلہ میں ان مذکورہ علماء کی وہ خوب تقلید کرتے ہیں۔ علامہ ابن تیمیہ اور علامہ ابن قیم اپنے دور کے متبحر علما تھے، ان کے علم کی وسعت اپنی جگہ مسلم، لیکن شریعت کے گہرے معانی اس کے حقائق و دقائق تک نظر پہنچنا دوسری بات ہے۔ ابن تیمیہ اور ابن قیم کا علم اگر وسیع تھا تو سلفِ صالحینِ امتؒ کا علم وسیع ہونے کے ساتھ ساتھ عمیق بھی تھا، علم کلام سے غیر مقلدین کو اس لیے رغبت نہیں ہے کہ ان کی عقلی سوچ و فکر انتہائی محدود اور ان میں تفقہ فی الدین کی بہت بڑی کمزوری ہے۔

متکلمینؒ نے شریعتِ مطہرہ کی حد میں رہ کر عقلی استدلالات سے کام لیا۔ انھوں نے فرقہ ناجیہ اہل سنت وجماعت اور اس کے مقابلہ پر دوسرے فرقوں خوارج، روافض، قدریہ، جبریہ، کرامیہ، جہمیہ، مرجئہ وغیرہ کے مابین حق و باطل میں پوری طرح امتیاز پیدا کیا اور دودھ کا دودھ پانی کا پانی اور پھول کو پھول اور خار کو خار کر کے امت کے سامنے پیش کر دیا۔

دورِ حاضر کے دو گروہوں دیوبندی و بریلوی کے مابین کش مکش بھی محدود فکری سوچ کا نتیجہ ہے۔ سرزمین عرب

کے صوبہ نجد میں محمد بن عبد الوہاب نے بارہویں صدی ہجری میں ایک نئی فتنہ پرور تحریک کی بنیاد ڈالی۔ خالص توحید کا نعرہ بلند کرکے وہ اپنی تحریک کو آگے بڑھاتا رہا۔ جتنا توحید توحید پکارتا، اتنا ہی شانِ رسالت میں اپنی گستاخیاں بھی ظاہر کرتا۔ ترکی کی عظیم الشان اسلامی حکومت کے خلاف اس نے علم بغاوت بلند کیا اور اپنے گمراہ کُن عقائد کو اس نے امت سے بزور منوانا چاہا وہ بس اپنے پیروکاروں کو مؤمن کہتا اور جس نے اس کے فاسد نظریات کو قبول کرنے سے انکار کیا اسے شہید کرڈالتا تھا۔ حجاز مقدس کے علماء حرمین شریفین نے اس کے رد میں کتابیں تصنیف کیں اور جہاد بالعمل اور جہاد بالقلم سے کام لیا۔ ترکی حکومت کے ایک مردِ مجاہد غازی محمد علی پاشا نے جہاد بالسیف کے ذریعہ اس کے فتنہ کا قلع قمع کیا۔

اس نجدی شر کی ایک چنگاری اُڑکر ہندوستان کے دار السلطنت دہلی پہنچی، اور اس نے مولوی اسمٰعیل صاحب دہلوی کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ انھوں نے نجدی کا ترجمان بن کر ہندوستان میں وہابیت کی بنیاد ڈال دی، حالانکہ اُن کے جدِ امجد امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، عمِ محترم حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی، حضرت شاہ رفیع الدین محدث دہلوی، حضرت شاہ عبد القادر محدث دہلوی اور خود مولوی محمد اسمٰعیل صاحب کے والد ماجد حضرت شاہ عبد الغنی محدث دہلوی کی عظیم الشان دینی علمی، عملی، اخلاقی اور روحانی خدمات نے ہند اور بیرون ہند کیسے کیسے روح پرور انقلاب برپا کیے تھے۔ تفسیر، حدیث، فقہ اور تصوف کے میدانوں میں اس خاندان ولی اللہی کے کارنامے اظہر من الشمس ہیں۔ یہ ایک عجیب اتفاق ہے کہ اسی خاندان کے ایک فرد نے نجدی عقائد کا ترجمان بن کر اپنے آباء واجداد اور عمِ محترم کے حق طریقہ سے انحراف کرکے ایک غلط مثال قائم کردی۔ خوش عقیدہ مسلمانانِ ہند پر بے دھڑک شرک و بدعت کے فتوے دینے میں اپنے کو خوب نمایاں کیا۔ ان کی دیکھا دیکھی میں بعد کو بعض علماء دیوبند نے بھی اسی طرح کی روش اختیار کی اور مولوی اسمٰعیل صاحب کی کلی طور پر اور نجدی کی جزوی طور پر انھوں نے اتباع کرتے ہوئے ایسے فاسد عقائد کی اشاعت شروع کردی۔

مولوی اسمٰعیل صاحب دہلوی کے رد میں اور بعض علماء دیوبند کے رد میں علماء اہلِ سنت نے کتابیں تصنیف کیں اور امتِ اسلامیہ ہند کو نجدی وہابی کے فاسد عقائد سے محفوظ رکھنے کی کامیاب عملی تدبیریں اختیار کیں۔ کچھ عرصہ کے بعد یہ سنی نجدی قضیہ دیوبندی بریلوی کی شکل میں تبدیل ہوگیا۔ اس تبدیلی میں اعتدال کے بجائے تشدد اور جاہ پسندی کو بڑا دخل ہے۔ وہابیوں کے گمراہ کُن نظریات کو جمہور اہلِ سنت وجماعت کے علماء کرام ومشائخ عظام نے علمِ کلام کے کلیات کی روشنی میں دیکھا اور سمجھا اور علمِ کلام کے شرعی وعقلی استدلالات کے ذریعے اس کا رد کیا۔

مسلکِ اربابِ حق

لیکن فتویٰ تکفیر نہ دینے میں کمالِ احتیاط سے کام لیا ــــ بعض اربابِ علم نے اس مسئلہ کو فقہی جزیات کی روشنی میں دیکھا اور انھوں نے ہر وہابی پر خواہ اس نے کلی طور پر نجدی عقائد قبول کیے یا جزوی طور پر سب پر کفر کا فتویٰ دے دیا اور انتہا پسندی میں انھوں نے اس قدر حد سے تجاوز کیا کہ جن جمہور کو ان کے کفر میں شک تھا انھیں بھی کافر کہہ دیا (معاذاللہ) جواب میں ان اہلِ علم پر گروہ وہابیہ نے شرک و بدعت کے فتوے دے ڈالے۔

نجدی اور دورِ حاضر کے ان گروہوں میں اختلافِ عقائد تو بہت واضح ہے لیکن تشدد، غلو اور انتہا پسندی میں ان سب کے درمیان طبعاً مماثلت پائی جاتی ہے۔ ایک طبقہ نے مسلمانوں کو بدعتی اور مشرک بنانا شروع کر دیا اور دوسرے گروہ نے مسلمانوں کو کافر بنانا شروع کر دیا۔ اب اگر کوئی ہندوستان میں مسلمانوں کا شمار کرنا چاہے تو ان طبقوں کے بے سوچے سمجھے اور عجلت میں دیئے گئے فتووں کے باعث شاید چند ہزار ہی مسلمان بس ہندوستان میں پائے جائیں گے اور وہ بس وہی مسلمان ہوں گے جو ان طبقوں کے اعتبار سے قرار پائیں گے۔ ایک گروہ نے مشرک ساز فیکٹری قائم کر دی تو دوسرے نے کافر ساز فیکٹری لگا دی۔ یہ ہیں ان گروہ بند حضرات کی کارستانیاں (الاماں والحذر)

یہ حقیقت ہے کہ وہابیہ اس فتنہ کو پھیلانے کے پوری طرح ذمہ دار ہیں اور ان کی وہ متنازعہ کتابیں آج تک شائع کی جا رہی ہیں، یہ لوگ باز نہیں آ رہے ہیں۔ لیکن یہ بھی صحیح ہے کہ ردِ وہابیہ جیسا ہونا چاہیئے، آج کے دور میں نہیں ہو رہا ہے۔ متشددین کی جانب سے بدگوئی اور ہر طرح کے تشدد نے انھیں پھولنے پھلنے کا اس دور میں موقع اور زیادہ فراہم کر دیا ہے۔ جن حضرات علماء اہلسنت نے اعتدال کے ساتھ اور مثبت و تعمیری انداز میں وہابیہ کا رد کیا اور آج بھی کر رہے ہیں، ان کی عملی جد وجہد زیادہ کامیاب رہی ہے۔ اس سلسلے میں جمہور علماء اہل سنت جن میں علماءِ رام پور، علماءِ فرنگی محل لکھنؤ، علماءِ خیرآباد، علماءِ علی گڑھ، علماءِ دہلی، علماءِ بدایوں، علماءِ گولڑہ شریف اور علماءِ پھلواری شریف پٹنہ شامل ہیں۔ ان کی مساعی جمیلہ اس ردِ وہابیت میں پُر تاثیر اور سب سے بڑھ کر ہمیں نظر آتی ہیں۔

سوادِ اعظم اہل سنت وجماعت کے علماء ومشائخ جو اعتدال کی مبارک راہ کو اپناتے ہوئے "خَیْرُ الْاُمُوْرِ اَوْسَطُھَا" کا مصداق ہے۔ ان کی شان میں بھی ان گروہوں کے بعض بدگو اور انتہا پسند افراد طعن وتشنیع سے کام لینے لگے۔ چونکہ اس دیوبندی بریلوی چپقلش میں نفسانیت کو بہت زیاد دخل ہو گیا ہے۔ اس لیے مسلمانانِ ہند دیکھ رہے ہیں کہ ان دونوں گروہوں میں چھوٹے چھوٹے گروہ خدا جانے کتنے وجود میں آ گئے جو باہم برسرِ پیکار ہیں اور ایک دوسرے پر کفر و شرک و بدعت کے فتوے دینے میں عجلت سے کام لے رہے ہیں۔ ان کی نفسانیت نے انھیں ان کے متبعین کو ان سے برگشتہ کر دیا ہے اور وہ خود چھوٹے چھوٹے

گروپوں میں تقسیم ہو کر ایک دوسرے پر کفر و شرک و بدعت کے فتووں کے خنجر سے زخمی کرتے ہوئے آج نظر آرہے ہیں، یہ سب کیا ہے؟ قارئین غور فرمائیں۔ یہ ان جمہور علماء، اہلِ سنت و مشائخ کی خاموشی، صبر، نیک نیتی اور ان کی حقانیت کا کرشمہ ہے اور اللہ کے غیظ و غضب کی نشانی کہ وہ خود آپس میں ایک دوسرے کو اسلام سے خارج کر دینے پر تُل گئے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ خوفِ خدا نہ اُدھر ہے نہ اِدھر۔ للّٰہیت نہ اُس گروہ میں ہے نہ اِس گروہ میں۔ بس دنیاوی منافع کے حصول کی شدید خواہش، اپنی برتری اور گروہی شناخت کی فکر اور سیاست کی عیاری نے ان کی عقلوں پر پردے ڈال رکھے ہیں۔

ہندوستان کے سیاسی حالات جو دشمنانِ اسلام کٹر ہندو فرقہ پرستوں نے پیدا کر دیئے ہیں کہ اسلام اور مسلمانوں کے وجود کو وہ برداشت کرنے ہی کو تیار نہیں ہیں، ان کا اسلامی تشخص، ان کا مسلم پرسنل لا، ان کی مساجد، مدارس اور خانقاہیں سب ان کی زد پر ہیں۔ ایسے رونما ہونے والے ناگفتہ بہ حالات نے دیہات، قصبات اور شہروں کے رہنے والے عام مسلمانوں کو اب پوری طرح بیدار کر دیا ہے اور وہ خوب سمجھنے لگے ہیں کہ باہمی نفسا نفسی، آپسی گروہ بندی ملتِ اسلامیہ کے لیے کس قدر خطرناک حالات پیدا کر رہی ہے اور اس کا فائدہ ملک کے دشمنانِ اسلام اور ہندو حکومت کس طرح اٹھا رہی ہے۔

قارئین غور فرمائیں کہ دونوں گروہوں میں جو مبلغین یا واعظین جذباتی اور دھواں دھار تقریریں کرنے اور مجمع اکٹھا کرنے میں مہارت رکھتے ہیں، حکومتِ وقت اور ہندو سیاسی جماعتیں اپنی اپنی پارٹیوں میں شامل کر کے ان گروہ بند افراد میں سے کسی کو پارلیمنٹ کا ممبر نامزد کر دیتی ہیں۔ کسی کو اسمبلی کا رکن اور کسی کو ایم۔ایل۔سی بنا دیتی ہیں اور پھر ان کی مذہبیت وقت کی سیاست کی غلاظت میں پھنس کر ملتِ اسلامیہ کی عزت و آبرو کو نیلام کر دیتی ہے۔ مذہبی حیثیت سے یہ لوگ مسلمانوں کو پہلے ہی سے خانوں میں بانٹ چکے ہیں۔ دین کے نام پر سیاست کرنے والے یہ لوگ ذاتی مفادات کے حصول، عہدوں کے لالچ اور دولت کی حرص و ہوس میں دشمنانِ اسلام کی زلفوں کے اسیر ہو کر مسلمانانِ ہند کو خانوں میں تقسیم کرنے کا کام اس دور میں خوب کر رہے ہیں۔

یہ ملک تو ہندو اکثریت کا ملک ہے۔ یہاں یہ گروہ بند افراد جو کچھ کر رہے ہیں وہ تو سب کے سامنے عیاں ہے۔ ذرا مسلم اکثریت کے ملک پاکستان پر بھی ایک نظر ڈال لیجیے کہ اسی مسلکی تعصب اور گروہ بندی کی کشمکش میں آج قیامِ پاکستان کو اکیاون سال گذر چکے وہاں شرعی قوانین کا نفاذ نہ ہو سکا۔ بلکہ حال ہی میں عالمِ اسلام یہ بھی تماشا دیکھ چکا ہے کہ گروہ بند لوگ قومی اسمبلی میں شریعت بل کی سخت ترین مخالفت میں اپنے ملک کی اسلام بیزار اور دین مخالف سیاسی جماعتوں سے بھی کہیں آگے رہے، کیونکہ یہ کام ایک سیاسی حکمران

کر رہا تھا۔ جمعیۃ العلماءِ اسلام (دیوبندی مسلک کی حامی) یا جمعیۃ العلماء پاکستان (بریلوی نظریات کی حامی) یا جماعت اسلامی (مودودی افکار کی حامی) یا جمعیۃ اہلِ حدیث (غیر مقلدانہ نظریہ کی حامی) ان سب جماعتوں میں کیا کوئی ایک جماعت بھی اسلامی نظام کے نفاذ میں ذرا بھی مخلص نظر آتی ہے؟ اگر یہ مسلکی گروہ اسلام کے تعلق سے مخلص ہوتے تو قیام پاکستان کے اول دور ہی میں شرعی قوانین نافذ کرا لیتے (تحریک فقہ جعفریہ کا تو ذکر ہی بے سود ہے یہ اہل تشیع کی پارٹی ہے جس کا کام خلافتِ عباسیہ کے دور سے اسلام اور مسلمانوں کی تخریب رہا ہے جس کا آج بھی پاکستان میں تخریب کاری اور قتل و قتال کی شکل میں مظاہرہ دیکھنے کو مل رہا ہے)

برصغیر کے دونوں مسلمان ملکوں پاکستان اور بنگلہ دیش میں جماعت اسلامی کی شاطرانہ سیاست کو کون نہیں جانتا کہ منہ سے اسلامی نظام کی حمایت اور عمل کھلا ہوا اسلام مخالف۔ مغربی جمہوریت کی راہ پر چلنے والے یہ لوگ کس منہ سے شریعت کے نفاذ کی بات کرتے ہیں؟ اور اگر کسی حکمراں نے شریعت بل قومی اسمبلی میں پیش کر دیا تو اس کی شدید مخالفت میں سڑکوں پر آنے میں بھی انھیں عار محسوس نہیں ہوتا۔ یہ کون سی تحریک اسلامی ہے؟ یہ تو ساری دنیا میں اسلام کو مذاق کا موضوع بنانے والی انتہائی درجہ کی مذموم حرکت ہے۔

مسلمانانِ برصغیر سے ہماری گزارش ہے کہ وہ مذہب کے نام پر قائم ان سیاسی پارٹیوں کے اصل اور پوشیدہ کردار کو دیکھنے کی کوشش کریں۔ ان کی ظاہری دینداری اور اسلام و شریعت کے نعرے صرف سیاسی اغراض کے حصول کے واسطے ہی ہیں، ان میں اخلاص شمہ بھر بھی کہیں نظر نہیں آتا۔ ہمیں صرف سلفِ صالحینؒ کے طریقۂ مبارکہ کو اختیار کرنا چاہیئے اور کسی مذہبی گروہ بندی کے چکر میں نہیں پڑنا چاہیئے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ فن علمِ کلام خیر و شر اور حق و باطل میں امتیاز پیدا کر کے اہل اسلام کو احتیاط کا دامن تھامے رکھنے کا معتدلانہ اور حقانی راستہ فراہم کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جمہور علماء برصغیر اسی علم کلام کے عقلی و نقلی دلائل کی مضبوطی کے باعث بفضل خداوندی اس فتنہ کی دلدل سے خود بھی محفوظ رہے اور امت اسلامیہ ہند کی بہت بڑی اکثریت کو آج بھی اس گروہی شر سے محفوظ رکھے ہوئے ہیں۔ اس تنازعہ نے مسلمانوں کی معاشرتی زندگی کو کس طرح تہہ و بالا کر کے رکھ دیا، ذرا اس پر بھی نظر ڈالیں۔ اس قضیہ کے جب زہریلے اثرات پھیلے تو اس نے باپ کو بیٹے سے متنفر کر دیا، بیٹے کو باپ کا باغی بنا دیا، شوہر کو بیوی سے علیحدہ کر دیا اور بیوی کو شوہر سے بے زار کر دیا۔ بہت سے مواقع پر استاد

وشاگرد اوشیخ ومرید کے مقدس رشتے کو توڑ کر رکھ دیا۔ بہت سے شاگرد اپنے اساتذۂ کرام کہ جنھوں نے دن رات محنت کر کے انھیں علم وعمل اور اخلاق کی روشنی سے نوازا تھا۔ ان کی جانی مالی ہر طرح سے مدد یں کی تھیں، بعد کو وہ ایسے مشفق ومحترم اساتذہ کے حق میں گستاخ اور دریدہ دہن بن گئے۔ غرض یہ کہ اس قضیہ نے خاندانی رشتوں، اسلامی اتحاد، ملی اخوت ومحبت اور بڑوں کی تعظیم وتکریم سب کو فنا کر کے رکھ دیا۔

اس نفسانی قضیہ سے امت کو محفوظ ومامون رکھنے کے لیے علماءِ ہند کی بڑی اکثریت نے درس وتدریس اور وعظ ونصیحت کے ساتھ ساتھ تصنیفات وتالیفات سے بھی خاصا کام لیا، جو ملّتِ اسلامیہ برصغیر کے لیے بڑا باعثِ رحمت وبرکت ثابت ہوا۔ انہی سلفِ صالحینؒ کی مبارک کوششوں کی ایک کامیاب اور نہایت موثر علمی، دینی اور عملی جد وجہد سلفِ صالحین کے سچے جانشین بقیۃ السلف خطیب اعظم ہند مصلح الامت سالارِ اہلِ سنت حضرت مولانا شاہ وجیہ الدین احمد خاں صاحب حنفی، قادری، نقشبندی، مجددی قدس سرہٗ کی نہایت مدلل، مؤثر اور دل و روح کو ایمانی شعاعوں سے منور کرنے والی یہ تصنیف "کلامی الخیر مسلکِ اربابِ حق" بھی ہے، جو اب تک کی تمام مثبت اور تعمیری کوششوں میں سے ایک لاجواب کوشش ہے۔

ہمیں آج کے گروہ بند عناصر سے یہ کہنا ہے کہ وہ خوب پیشِ نظر رکھیں کہ ان کے سرخیلِ علماء نے علماءِ رام پور علیہم الرحمۃ کا احترام کیا ہے، ان کی تعظیم کی ہے اُن کے علمی فیوض سے اپنی علمی تشنگی کو دور کیا ہے، لہٰذا موجودہ گروہ بند عناصر کے اقوال وافعال کی زد خود ان کے اکابر پر بھی پڑتی ہے۔ اس بات کو مسلمانانِ برصغیر خوب پیشِ نظر رکھیں کہ کسی عالمِ برحق کی شان میں ادنیٰ سی تحقیر وگستاخی کا وبال خود گروہ بند عناصر کی گردنوں کا طوق بن کر رہتا ہے اور اس زمانہ میں صاف نظر آرہا ہے کہ جو ناعاقبت اندیش کم علم ناقص العقل لوگ علماءِ رام پور، علماءِ فرنگی محل لکھنؤ، علماءِ خیر آباد، علماءِ علی گڑھ اور علماءِ بدایوں وغیرہ کی تحقیر و توہین کے مرتکب ہوئے۔ آج انہی کے ہم عقیدہ اور انہی کے ہم خیال انھیں کافر یا مشرک وبدعتی تک کہہ رہے ہیں۔ کیا یہ اللہ تعالیٰ کے غیظ وغضب کی نشانی نہیں؟ نفسانیت، انانیت، تکبر، دنیاوی اغراض، دولت و اقتدار کی ہوس یہ سب کچھ کراتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے مخلص مومن بندے ہر وقت اللہ کے غیظ وغضب سے ڈرتے ہیں اور اس کی جبّاری وقہّاری شان سے پناہ مانگتے ہیں اور ہر وقت اس کی شانِ غفّاری وستّاری اور رحیمی وکریمی کے طالب رہتے ہیں۔ علماءِ رام پور جمہور اہلِ اسلام کے مبارک طریقۂ حقہ پر گامزن رہے اور معتدلانہ اعتقادی وعملی امورِ خیر میں ہمہ تن مصروف رہ کر دنیا بھر میں اپنے علم وفضل اور زہد وتقویٰ اور تحقیقی بصیرت کو مثبت اور تعمیری

اندازمیں منواتے رہے۔ بقیۃ السلف حضرت سیدی مرشدی مولانا شاہ وجیہ الدین احمد خاں صاحب حنفی قادری مجددی قدس سرہ کی ذاتِ گرامی اپنے معاصر علماء ومشائخ میں اسی لیے ممتاز تھی کہ آپ کی ذاتِ بابرکت اخلاق محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا سچا اور کامل نمونہ تھی جس کی وجہ سے آپ محبوبِ رب العالمین بھی ہوئے اور محبوبِ خلائق بھی، یہ اعلیٰ اور امتیازی شان امت میں جن مذکورہ بالا حضرات کو حاصل تھی ان کی نیابت میں آپ کو بھی اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی تھی۔ ذَالِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ (یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے مرحمت فرماتا ہے اور اللہ صاحب فضل وعظمت ہے)

ایک وُسوسہ اور اس کا جواب

کہا جاتا ہے کہ مسلک تو بس دو ہی ہیں۔ ایک بریلوی دوسرا دیوبندی۔ آدمی یا تو بریلوی بن جائے یا دیوبندی۔ یہ تیسرا مکتبِ فکر اعتدالی کون سا ہے؟ علماء رام پور سمیت دوسرے بہت سے علماء ومشائخ اعتدال والی راہ اپناتے ہیں جو ہماری سمجھ سے بالاتر ہے۔ ہم اُن کے وسوسہ کا مدلل جواب پیش کرتے ہیں ملاحظہ ہو۔

روافض اور خوارج کے درمیان اہلِ سنت وجماعت کا معتدلانہ مسلک ہے۔ قدریہ اور جبریہ کے درمیان اہلِ سنت وجماعت کا معتدلانہ مسلک ہے۔ معتزلہ اور مرجئہ کے درمیان اہلِ سنت و جماعت کا معتدلانہ مسلک ہے۔ جہمیہ اور کرامیہ کے مقابلے میں اہل سنت وجماعت کا مسلک ونظریہ معتدل رہا ہے۔ اسی طرح موجودہ دور کے دونوں (حنفی) فکری گروہ بریلوی اور دیوبندی کے مقابلے میں حضراتِ علماء ومشائخ رام پور، علماءِ خیر آباد، علماء فرنگی محل لکھنؤ، علماءِ علی گڑھ، علماءِ دہلی، علماءِ گولڑہ شریف (راولپنڈی، اسلام آباد، پاکستان) اور علماء پھلواری شریف پٹنہ وعلماء بدایوں وغیرہ جمہور اہلِ سنت وجماعت معتدلانہ مسلک ونظریہ رکھتے تھے اور آج بھی رکھتے ہیں اور مذکورہ بالا جمہور علماء ومشائخ اہلِ سنت ان دونوں گروہوں کی افراط وتفریط والی راہ سے ایسے ہی بے نیاز ومتنفر ہے جیسے کہ قدیم بدعتی فرقوں کے گمراہ کن نظریات اور ان کی انتہا پسندی والی راہ سے جمہور حضراتِ علماء ومشائخ اہلِ سنت وجماعت ہمیشہ سے بے نیاز اور متنفر رہے ہیں۔

اب جبکہ معتدلانہ مسلک ونظریہ (بقول گروہ بند عناصر) کوئی معنیٰ ہی نہیں رکھتا تو جناب ہماری آپ سے التماس ہے کہ آج سے آپ بھی اپنے کو قدیم بدعتی فرقوں کے مقابلے میں جو اہلِ سنت کہتے اور سمجھتے ہیں اب اہلِ سنت ہرگز نہ لکھیں اور نہ کہیں۔ اس لیے کہ اہل سنت کا مسلک ہمیشہ سے قدیم بدعتی فرقوں کے مقابلے میں معتدل رہا ہے۔ آپ لوگ وسوسۂ نفسانی کا شکار ہو کر اعتدال والی راہ کو ہمارے لیے اگر پسند نہیں کرتے تو ہم بھی آپ کے لیے یہ پسند نہیں کرتے آپ اپنے کو اہلِ سنت وجماعت

لکھیں اور کہیں۔ آپ کی احمقانہ بات کی زد تو خود آپ پر بھی پڑتی ہے۔ لہٰذا اعتدال والی راہ آپ پہلے فی الفور ترک کریں اور ایک طرف ہو جائیں۔ یا رافضی بن جائیے یا خارجی۔ جبری ہو جائیے یا قدری۔ معتزلی بن جائیے یا مُرجی۔ جہمی ہو جائیے یا کرّامی۔ مطلب یہ ہے کہ آپ لوگ بھی ایک طرف ہو جائیے۔ درمیان میں اہلِ سنت بن کر نہ رہیے۔ کیونکہ درمیانی راہ صرف حضرات اہلِ سنت وجماعت کی ہے۔ جسے آپ محض وسوسۂ نفسانی کی وجہ سے لغو سمجھتے ہیں۔ جب آپ لوگ قدیم بدعتی فرقوں کے مقابلے میں معتدلانہ مسلک رکھنے کا دعویٰ کرتے ہیں تو ہم جمہور اہلِ اسلام بھی دورِ حاضر کے دونوں گروہ دیوبندی اور بریلوی کے بعض غلو آمیز اور افراط و تفریط پر مبنی نظریات کے مقابلے میں معتدلانہ مسلک رکھتے ہیں۔ آپ صاحبان اب تو سمجھ گئے ہوں گے کہ اعتدال والی راہ کیا ہے۔ "اتبعوا السواد الاعظم" سے مراد کیا ہے اور "خیر الامور اوسطھا" کا کیا مطلب ہے۔ تو جناب آج سے آپ اپنے دل سے یہ نفسانی وسوسہ نکال دیں جو آپ کو خود فریبی میں مبتلا کیے ہوئے ہے۔

اعتدال میں ہمیشہ خیر و برکت رہی ہے۔ یہ اعتدال حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین، تابعین حق، ائمہ مجتہدین اور علماء خیر و مشائخ اسلام علیہم الرحمہ کا طریقہ حقہ ہے جس پر علماء رام پور سمیت سارے جمہور اہلِ سنت علماء و مشائخ علیہم الرحمہ پہلے بھی قائم رہے اور آج بھی اسی پر قائم ہیں۔

ہماری آج بھی آپ حضرات کے حق میں یہی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اعتدال کی راہ پر قائم فرمائے اور افراط و تفریط سے محفوظ رکھے۔ آمین

فرقہ وہابیہ میں بعض نرم طبقے نظر آتے ہیں اور بعض انتہائی متشدد۔ لیکن تفریط کی راہ تقریباً ہر ایک نے اپنا رکھی ہے۔ تفریط کی راہ فرقہ خوارج کی گمراہ کن راہ ہے۔ اس لیے وہابیہ میں رنگِ خروج نمایاں نظر آتا ہے۔ بریلوی مشرب والوں نے افراط کی راہ کو اختیار کیا جو روافض کی گمراہ کن راہ ہے اس لیے بریلوی مکتبِ فکر کے لوگوں میں رفض کی جھلک نظر آتی ہے۔ یہ دونوں راہیں امت مسلمہ کے حق میں باعثِ ہلاکت ہیں۔ امتِ مسلمہ کے حق میں وہی راہ پُرنور باعثِ خیر و برکت اور باعثِ نجات ہے جو قدیم سے اہلِ سنت وجماعت کی مبارک راہ ہے جسے معتدل ہونے کا شرف حاصل ہے۔ جو حضرات صحابہ اور ائمہ مجتہدین اور علماء ربانیین علیہم الرحمہ کی راہ ہے جو ہر گمراہ فرقہ کے مقابلہ میں بین بین ہے۔ امید ہے کہ اس وضاحت کے بعد یہ صاحبان ہماری بات کو سمجھ گئے ہوں گے اور آئندہ اعتدالی راہ کو مذاق کا موضوع نہ بنائیں گے۔ ہم ان کی بات کا مدلل جواب پیش کر چکے۔

یہ امر مُسلّم ہے کہ جمہور اہل اسلام کی تائید نہ گروہ دیوبند کو حاصل ہے اور نہ طبقہ بریلوی کو۔

مسلکِ اربابِ حق

گروہ بند عناصر خواہ کتنا ہی پروپیگنڈہ کریں، اہلِ عقل ودانش ان کے دجل وفریب سے واقف ہیں اور مقلدین ائمہ اربعہؓ ہمیشہ سے معتدلانہ مسلک ونظریہ رکھتے ہیں اور انھیں عالم بھر کے جمہو اہل اسلام کی مکمل تائید حاصل ہے۔

اپنے اپنے گروہوں کے چند اہلِ علم کی ذاتی تحقیقات کو جمہور اہلِ اسلام سے زبردستی منوانے کا رجحان صحت مندانہ ہرگز نہیں ہے۔ علماء اہل سنت رام پور اور دوسرے علماءِ اہل سنت وجماعت نے مسائل میں اپنی اپنی تحقیقات پیش کیں لیکن زور زبردستی سے منوانے کا رجحان ان حضرات میں ہرگز نہیں پایا جاتا۔ اُن اہلِ علم کی ذاتی تحقیقات کو اگر اجتہادی تحقیقات سمجھ لیا جائے تو نزاع آج ہی ختم ہوسکتا ہے۔ اگر اسے تقلیدی قرار دیا جائے گا تو نزاع ختم ہونے کے بجائے اور زیادہ بڑھے گا جیسا کہ ایک صدی سے یہ زور زبردستی والی روایت ابھی تک جاری ہے۔ جب دونوں گروہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی تقلید کرتے ہیں تو پھر دوسروں سے اپنے اپنے علماء کی ذاتی تحقیقات کو زبردستی منوانے کا رجحان کیا معنیٰ رکھتا ہے؟ آپ بھی حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے مقلدین ہیں اور الحمدللہ ہم بھی حضرت امام اعظمؒ کے مقلدین ہیں۔ ہم سے یہ کیوں توقع کہ ہم چودھویں صدی ہجری کے علمائے کے مقلدین بن جائیں۔ ہم ان کے علمی مقام اور ذی استعداد ہونے کے قائل ہیں لیکن چودھویں صدی ہجری کے دیوبندی اور بریلوی علماء کے مقلد تو نہیں بن سکتے اس لیے کہ وہ ائمہ اربعہ علیہم الرحمہ کے علم وفضل زہد وتقویٰ اور ذہانت میں برابر تو کجا ان کے مقابلے میں ذرہ ناچیز بھی نہیں۔ یہ کتنی بڑی دریدہ دہنی ہے کہ دونوں گروہ اپنے اپنے سرخیلوں کی ذاتی تحقیقات کو ایسا درجہ دینے میں جٹ گئے جس سے یہ لازم آنے لگا کہ چودھویں صدی ہجری کے علماؑ اور قرونِ خیر کے ائمہ اربعہؓ جیسے ہم پلہ ہوں۔ استغفراللہ۔ العیاذ باللہ۔ اس فاسد نظریہ کو ترک کیجیے اور ملت اسلامیہ کی دینی رہنمائی کا مثبت انداز اختیار کیجیے۔ آج کے حالات آپ کے پیش نظر بھی ہیں، وقت کے تقاضے کیا ہیں؟ کیا اب بھی آپ خواب غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔ اس ملک کی ہندو اکثریتی حکومت، اسلام اور مسلمانوں، دونوں کو برداشت کرنے کو تیار نہیں ہے اور وہ ہماری آئندہ نسل کو دین وایمان سے یکسر محروم کر دینے کی سازشوں کے جال پھیلانے میں سرگرم ہو چکی ہے۔ بلکہ آئین کو تبدیل کر کے وہ صرف مسلمانوں ہی کو ان کے دین وایمان سے محروم کرنا چاہتی ہے۔ آپ فروعی مسائل میں اختلافات کو صحت مندانہ طریقہ پر رکھیے، اسے دنیاوی اغراض اور باہمی انتشار کا ذریعہ مت بنائیے۔

گروہ بندیوں اور فرقہ بندیوں سے امت کو بہت نقصان پہنچ چکا، خدارا اب باز آجائیے اور تفریق بین المسلمین کے بجائے اتحاد بین المسلمین کے لیے خود کو وقف کیجیے۔ آپ لوگوں کی طرف

سے پیدا کردہ اختلافات دشمنانِ اسلام کے لیے سنہری موقع فراہم کر دیتے ہیں جس کا وہ ہر طرح سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ قوم مسلم خسارہ میں ہی رہتی ہے جس کی ذمہ داری پوری طرح گروہ بند حضرات ہی پر عائد ہوتی ہے۔

علماءِ رام پور علیہم الرحمہ نے گروہ بند حضرات کے اہلِ علم کو اپنے علمی فیض سے فیضیاب کیا ہے۔ لہٰذا علماءِ رام پور کے مبارک نظریہ اور معتدلانہ مسلک کی اتباع تو آپ کو کرنا چاہیے۔ اس لیے کہ مفضول افضل کی اطاعت کرتا ہے۔ افضل مفضول کی اطاعت کبھی نہیں کرتا علماء رام پور علیہم الرحمہ علم و فضل اور زہد و تقویٰ میں دورِ حاضر کے گروہ بند عناصر کے سرخیل علماء سے بہت افضل و اعلیٰ تھے۔ کوئی مانے یا نہ مانے، زمانہ تو حقیقت کو مان کر رہتا ہے۔ اہل عقل و دانش تسلیم کرتے ہیں۔

علماء رام پور افضل ہو کر مفضول کی اطاعت کیوں کریں؟ اطاعت وہ کرے جس کے پاس اپنا کوئی علمی اور روحانی سرمایہ نہ ہو، الحمد للہ علماء رام پور کے پاس اپنا علمی، تحقیقی اور روحانی سارا سرمایہ موجود ہے۔ اس کا ثبوت ہم پیش کر چکے کہ انھوں نے اپنے علمی اور تحقیقی سرمایہ سے گروہ بند عناصر کے اکابر علماء کو فیضیاب کیا ہے۔

مسلمانانِ برصغیر سے التماس ہے کہ آپ اپنے اسلافِ کرامؒ کے قدیمی طور و طریقے پر قائم رہیے۔ جمہور اہل سنت و جماعت کے علماءِ حق اور مشائخ طریقت دونوں گروہوں کے علماء سے علم و فضل میں کم تھے ورنہ روحانیت میں۔

یہی حال علماء حق رام پور اور حضرات مشائخ رام پور کا ہے کہ وہ دیو بندی اور بریلوی علماء و مشائخ سے الحمد للہ ہر میدان میں بہت اعلیٰ و افضل رہے۔ اعتدال میں ہی خیر و برکت ہے اور یہی راہ عافیت و سلامتی کی راہ ہے۔

خطیب اعظم بحر الشریعت والطریقت حضرت مولانا شاہ وجیہ الدین احمد خاں صاحب حنفی قادری مجددی قدس سرہٗ فرمایا کرتے تھے جب رام پور میں حضرت سیدنا حافظ شاہ سید جمال اللہ، حضرت سیدنا شاہ درگاہی محبوب الٰہی، حضرت شاہ عبد الکریم المعروف ملا فقیر اخوند، حضرت مولانا شاہ سید جمال الدین صاحب چشتی نظامی اور حضرت سید شاہ عبد اللہ قادری بغدادی رحمۃ اللہ علیہم وغیرہ اولوالعزم مشائخ اور عظیم المرتبت اولیاء کے روحانی فیوض و برکات موجود ہیں اور حضرت مولانا فضل حق صاحب رام پوری، حضرت سید حسن شاہ صاحب محدث، حضرت سید محمد شاہ صاحب محدث، حضرت مولانا محمد منیب خاں صاحب، حضرت شاہ احمد سعید صاحب مجددی، حضرت مولانا ارشاد حسین صاحب مجددی، حضرت مولانا منور علی صاحب محدث، حضرت مولانا حافظ شاہ وزیر احمد صاحب محدث، حضرت مولانا شاہ وزیر محمد خاں صاحب، حضرت مولانا حافظ عنایت اللہ خاں صاحب، حضرت مولانا مفتی عبد الغفار خاں صاحب، حضرت

مولانا عبد العلی خان منطقی، حضرت مولانا عبد العلی خاں ریاضی داں، حضرت مولانا عبد الرحیم خاں تراہی، حضرت مولانا سلامت اللہ صاحب، حضرت مولانا احمد امین خاں پشاوری اور حضرت مولانا معز اللہ خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہم وغیرہ باکمال ذی استعداد محقق علماء کرام کے اعلیٰ علمی اور تحقیقی کارنامے موجود ہیں تو اب ہمیں کسی بیرونی گروہ کے مولوی یا عالم کی پیروی کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ رام پور کے علماء کرام نے تو خود ان گروہوں کے اکابر علماء کو علم کی دولت سے نوازا ہے۔ مسلمانانِ رامپور اگر گروہ بندیوں کے چکر میں الجھیں گے اور اپنے مایہ ناز علماء و مشائخ عظام کو چھوڑ کر بیرونی گروہ بند علماء کی چوکھٹ پر جا کر ان کی اتباع کریں گے تو یہ ایسے لوگوں کی بد نصیبی ہوگی۔

الغرض حضرت مصنفؒ "مسلکِ اربابِ حق" نے حضراتِ صحابہ و تابعین حق رضی اللہ تعالیٰ عنہم او ائمہ دین رحمۃ اللہ علیہم کے مبارک اور معتدلانہ مسلک و نظریات کو بعینہٖ اُسی نہج پر مسلمانانِ برصغیر کے سامنے پیش فرمایا ہے، جیسا کہ سلفِ صالحین اہلِ سنت و جماعت کے حضرات علماءِ حق علیہم الرحمہ کا ہمیشہ سے شیوہ رہا ہے۔ حضرتؒ کا یہ عظیم الشان اور مبارک کارنامہ بے مثل ہے اور ملتِ اسلامیہ پر بڑا احسان ہے۔

ہاں اب یہ غور کرنا اور اس پر عمل کرنا مسلمانانِ برصغیر کا کام ہے کہ وہ اب تک دینِ حنیف کی جس معتدلانہ راہ پر چلتے رہے ہیں اُسی پر قائم رہتے ہیں یا اپنے لیے اُس راہ کا انتخاب کرتے ہیں جو راہ انھیں ایک صدی قبل انگریزوں نے ایجاد کرا کر دکھائی ہے اور جو ہمارے اسلافِ کرام علیہم الرحمہ کی مخالف راہ ہے جو مسلمانوں کو انتشار و افتراق کی طرف لے جانے والی ہے۔

ایک ضروری اور اہم بات یہ عرض کر دینا بھی فائدہ سے خالی نہیں کہ حضرتؒ نے مخلصین و متوسلین کے اصرار پر اس صدی کی چھٹی دہائی کے اوائل میں "دستور العمل" نام سے ایک رسالہ خود اپنے قلم سے تحریر فرمایا تھا جو اولاً حضرتؒ کی کتابوں کی الماری میں عرصہ دراز تک رکھا رہا اور پھر آپ نے اپنے تلمیذ رشید و مخلص و خلیفہ مجاز استاذی حضرت مولانا محبوب علی صاحب مفتی و محدث جامع العلوم فرقانیہ کو عنایت فرما دیا، جو آپ کی تحویل میں رہا۔ راقم السطور کی درخواست پر حضرت مفتی صاحب مدظلہٗ نے وہ مسودہ احقر کو عطا فرما دیا۔ اس مسودہ کو لے کر راقم نے حضرتؒ سے درخواست کی کہ اس مختصر "دستور العمل" رسالہ میں خاص و عام کے فائدہ کے لیے کچھ مزید اضافے فرما دیں۔ حضرتؒ نے فرمایا، نہ دماغ میں قوت ہے اور نہ نظر میں طاقت ہے۔ میری کمزوری طبیعت اس کا موقع اب نہیں دیتی۔ تم ایسا کرو کہ بعد نماز مغرب یا بعد نماز عشا میرے پاس قلم کاپی لے کر بیٹھ جاؤ، میں بولتا جاؤں گا تم لکھتے جانا۔ چنانچہ وہ مسودہ چند سال میں مکمل ہو گیا۔ اور پھر حضرتؒ کو بغرض اصلاح از اول تا آخر دوبارہ سنا بھی دیا گیا۔ حضرتؒ سے اس کتاب کا نام رکھنے کی فرمائش کی گئی۔ ارشاد فرمایا کہ میں نے اس کتاب میں اہلِ سنت و جماعت کے اربابِ حق کا مسلک پیش کیا ہے۔ اس کا نام "مسلکِ اربابِ حق" بہتر رہے گا۔ حضرتؒ کی حیات

طیبہ کے آخری زمانہ ۱۴۰۶ھ میں اس مسودہ کی تکمیل ہوئی اور ۱۴۰۷ھ میں آپ واصل بحق ہوئے۔ ——

جناب رحمت علی خاں رام پوری جنھوں نے بڑی عقیدت وخلوص کے ساتھ اس کتاب کی کتابت کی۔ انھوں نے اس کتاب کی تکمیل کا تاریخی مادہ نکالا "کلامی الخیر۔ مسلکِ اربابِ حقّ" دوسرا تاریخی مادہ جناب مولانا عبدالہادی خاں صاحب کاوشؔ اور جناب رحمت علی خاں رام پوری کی مشترکہ کاوشوں سے ظہور پذیر ہوا ——

(۱۴۰۶ھ)

وَاِنَّهٗ كِتَابٌ نُّوْرِیٌّ مُّصَدَّقٌ مِّنْ زُبُرِ الْاَوَّلِیْنَ

۱۴۰۶ ھ

(تحقیق یہ واضح (روشن) کتاب ہے جو سلف صالحین کی جانب سے تصدیق شدہ ہے)

یاد رہے "مُصَدَّقٌ" میں دال پر فتح پڑھا جائے جس کے معنیٰ تصدیق کی ہوئی یعنی تصدیق شدہ ہے، اول والوں کی جانب سے یعنی سلف صالحینؒ کی کتب سے۔ اس کے علاوہ مزید تاریخی مادّے جناب رحمت علی خاں رام پوری کی کاوشوں کا نتیجہ ہیں:

تکمیلِ کلامِ خیر ۱۴۰۶ھ — توفیق خیر ۱۴۰۲ھ

ترتیب وحواشی: تحقیق الکلام بدینِ حنیف مسلکِ اربابِ حق ۱۴۱۸ھ

تاریخ کتابت: خاتمہ مع الخیر ۱۹۹۷ء

مسودہ میں تحریری اضافوں کا آغاز حضرتؒ نے ۱۴۰۲ھ/۱۹۸۲ء میں فرمایا، جو حضرتؒ کی علالت کے باعث متعدد بار مہینوں منقطع بھی ہوتا رہا۔ بالآخر ۱۴۰۶ھ/۱۹۸۶ء کے اوائل میں یہ کام تکمیل کے مرحلہ کو پہنچ گیا۔ ——

جس زمانہ میں حضرتؒ اضافے فرما رہے تھے تو مجلس میں وقتاً فوقتاً یہ حضرات بھی گاہے بگاہے تشریف لاتے رہتے تھے جو اس کے شاہد ہیں۔ ان چند صادق القول، ثقہ اور معتبر شخصیات کے اسماء گرامی یہ ہیں:

۱۔ حضرت مولانا مفتی محبوب علی صاحب مدظلہٗ
۲۔ حضرت مولانا قاری ریاض الدین احمد خاں صاحب مدظلہٗ
۳۔ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب شمسی مدظلہٗ
۴۔ حضرت مولانا قاری اختر علی صاحب مدظلہٗ
۵۔ حضرت مولانا سردار شاہ خاں صاحب مدظلہٗ
۶۔ جناب عبدالسلام خاں صاحب (سرمہ والے)
۷۔ جناب مولانا سید احمد علی المعروف خوشنود میاں صاحب
۸۔ جناب مولوی قاری ظفر علی انجم سلمہٗ
۹۔ جناب مسرت حسین خاں آزادؔ
۱۰۔ مولانا قاری عبدالستار خاں صاحب حبیبی (مقیم حال کراچی)
۱۱۔ مولوی عبدالقدوس خاں المعروف سلیم صاحب رام پوری (اسسٹنٹ لائبریرین مولانا آزاد لائبریری مسلم یونیورسٹی علی گڑھ)
۱۲۔ مولانا عبدالہادی خاں صاحب کاوشؔ

ایک چیز یہ بھی پیش نظر رہنا ضروری ہے کہ حضرتؒ کے دستِ مبارک کا قلمی نسخہ رسالہ "دستور العمل" الحمدللہ آج بھی احقر کے پاس موجود ومحفوظ ہے۔ پورے مسودے میں اضافے حضرتؒ نے بعد میں نہیں فرمائے، بلکہ صرف

چند مضامین میں اضافے فرمائے۔ جیسے کہ "توحیدِ باری تعالیٰ"۔ "صفاتِ باری تعالیٰ" اور "خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا وُرودِ مسعود" وغیرہ۔ ان عنوانات کے علاوہ باقی مضامین و عنوانات جو قدیم مسودہ میں حضرت کے قلم مبارک سے تحریر کیے ہوئے ہیں ان میں حضرت نے مزید اضافے نہیں فرمائے۔

ہندوستان، پاکستان میں حضرت کے مخلصین و متوسلین اور رسالہ "ضیاء وجیہ" کے قارئین کے شدید اصرار پر اس کتاب کو زیادہ سے زیادہ حوالوں اور حواشی کے ساتھ اور زیادہ مدلل و مفید عام بنا کر شائع کرنے کی طرف توجہ کی گئی۔ احقر اپنی بے بضاعتی اور عدیم الفرصتی کے باعث اپنے کو عاجز پاتا رہا۔ بالآخر اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم پر اعتماد کر کے ہمت پیدا ہوئی اور اس کی ترتیب کے واسطے جو حضرت نے احقر سے اپنی حیاتِ مبارکہ میں فرمایا تھا اس کا آغاز ماہ جون ۱۹۹۶ء میں کیا اور حوالوں و حواشی سے مزین کر کے اس کام کو کتابت کے مرحلہ تک پہنچایا گیا۔ کوشش کی گئی ہے کہ حوالے جہاں تک ممکن ہو سکے پیش کر دیئے۔ بعض حوالوں کی تلاش جاری ہے۔ ان شاء اللہ انھیں آئندہ ایڈیشن میں پیش کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ لیکن یہ کام اور حضرت کی تحقیقات کوئی آسان کام نہ تھا۔ محض اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے اور یہ وسیلہ خاصہ ہے سرورِ کائنات آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا اور توجہاتِ عالیہ اور فیض ہے حضراتِ کاملین کا اور ثمرہ ہے حضرتِ مصنف "کلامی الخیر۔ مسلکِ اَرْبَابِ حَقّ" کا ــــــ

قارئین سے گذارش ہے کہ اس کتاب کی ترتیب و اشاعت کی ذمہ داری چونکہ احقر کے کاندھوں پر تھی اس لیے اس کتاب کے حوالوں اور حواشی میں کوئی خامی نظر آئے تو وہ اس کم علم اور خطاکار کی خطا مان کر نظر انداز فرما دی جائے اور احقر کے حسن خاتمہ کے لیے رب تعالیٰ کے حضور میں دعائے خیر سے یاد فرمائیں۔

فہرست کتاب کے بعد "تعارف" کے عنوان سے حضرت الاستاذ مولانا قاری ریاض الدین احمد خاں صاحب قادری مجددی مدظلہ جو حضرت سیدی خطیب اعظم قدس سرہٗ کی تیار کردہ نامور اور جید علماء و فضلاء کی جماعت میں کامل شخصیت ہیں اور فنونِ معقولات و منقولات میں یدِ طولیٰ رکھتے ہیں۔ آپ نے ان کا مضمون ملاحظہ فرمایا۔ حضرت موصوف اس دورِ حاضر میں ایک کامل العلم بافیض ہستی ہیں، جن کے علم و عمل، زہد و تقویٰ، بصیرت، صداقت اور راست بازی کے خاص و عام سب قائل ہیں۔ دورِ حاضر میں آپ نے اس کتاب کی افادیت و اہمیت، وضاحت کے ساتھ بیان فرما دی ہے اور آپ نے حضرت خطیبِ اعظمؒ کے عظیم الشان کارناموں بالخصوص "مسلکِ اربابِ حق" کی تصنیف کو حضرت مجددِ اعظم الف ثانیؒ کے بے مثل تجدیدی کارناموں کی تکمیل قرار دیا ہے۔ مسلمانانِ رام پور کو بالخصوص اور مسلمانانِ ہند و بیرونِ ہند کو بالعموم متوجہ کیا ہے کہ وہ اعتدال والا راستہ اختیار کریں، جو قرونِ خیر سے چلا آرہا ہے۔

اس کے بعد مشہور علمی وادبی شخصیت محبِّ مکرم جناب پروفیسر ڈاکٹر نثار احمد فاروقی (صدر شعبۂ عربی دہلی یونیورسٹی دہلی) کا تاثر بعنوان "پیش لفظ"، ملاحظہ فرمایا جس میں محترم فاروقی صاحب نے دورِ حاضر میں اس کتاب کی اشاعت اور تصنیف کی اہمیت کو بیان فرمایا ہے۔ عالی مقام جناب پروفیسر نثار احمد صاحب فاروقی موجودہ دور کی اہلِ علم وفضل ہستیوں میں سے ایک ایسی ہستی ہیں جن کا علمی مقام کافی بلند اور مطالعہ بڑا کثیر ہے۔ متعدد موضوعات پر آپ کی بہت سی تصانیف طبع ہو چکی ہیں جو اہلِ علم کے حلقوں میں قدر ومنزلت کے ساتھ دیکھی جاتی ہیں۔ پروفیسر صاحب موصوف کا خاص الخاص موضوع علم تصوف رہا ہے اور اس موضوع پر بھی آپ کی گراں قدر تصانیف بکثرت شائع ہو چکی ہیں۔ آپ امروہہ کے نامور علمی وروحانی خاندان کے چشم وچراغ ہیں۔ امروہہ کے مشہور عالم حضرت مولانا مفتی نسیم احمد صاحب فریدیؒ آپ کے حقیقی ماموں تھے۔ خانقاہ عالیہ حضرت شاہ عبد الہادی چشتی امروہوی کے اس وقت آپ صاحبِ سجّادہ ہیں۔ "نوادرِ امدادیہ"، میں آپ نے علماءِ دیوبند کے افکار ونظریات کا بہترین رد کیا ہے اور ثابت کیا ہے کہ علماءِ دیوبند کے مرشد حضرت الحاج شاہ محمد امداد اللہ مہاجر مکی علیہ الرحمہ کے جو عقائد اور افکار ونظریات تھے، ان کے بعض مریدین وخلفاء (علماءِ دیوبند) کے عقائد ونظریات اپنے محترم شیخ طریقت کے بالکل برعکس تھے۔

پروفیسر فاروقی صاحب نے کتاب کی اشاعت کا تاریخی مادّہ نکالا، جو بہت خوب ہے:

خَیْرُ الْاُمُوْرِ اَوْسَطُھَا مسلکِ صواب

۱۴۱۹ھ

احقر کی درخواست پر ان دونوں اہلِ علم حضرات نے اس کتاب کے لیے "تعارف" اور "پیش لفظ" کے عنوانات سے اپنے اپنے تاثرات تحریر فرما کر اس کتاب کی افادیت میں نمایاں اضافہ کیا ہے۔ احقر ان دونوں حضرات کا صمیمِ قلب کے ساتھ ممنون ومتشکر ہے۔

ان حضرات کے علاوہ اُستاذی حضرت مولانا مفتی محبوب علی صاحب مدظلہٗ قادری وجیہی محدّث و مفتی جامع العلوم فرقانیہ، حضرت مولانا سردار شاہ خاں صاحب قادری وجیہی سکریٹری "الادارۃ الشرعیۃ" رامپور، اُستاذی مولانا محمد یوسف صاحب شمسی فرقانی صدر المدرسین جامع العلوم فرقانیہ، مولانا سید احمد علی صاحب المعروف خوشنود میاں مدرس جامع العلوم فرقانیہ نے بھی کتاب کی ترتیب واشاعت میں اپنے مفید مشوروں سے نوازا۔ اور عزیزم مولوی محمد ریحان خاں سلمہٗ مدرس جامع العلوم فرقانیہ اور عزیزم مولوی توصیف الرحمن

صاحب سلمہٗ نے اس کتاب کے واسطے حوالوں کی تلاش میں بے حد مدد کی اور دورانِ کتابت جناب رحمت علی خاں رام پوری بھی اپنے مفید مشوروں سے وقتاً فوقتاً نوازتے رہے۔

احقران سب حضرات کا تہ دل سے ممنون ومتشکر ہے۔ باری تعالیٰ سے دعا ہے کہ ان تمام حضرات کو اجرِ عظیم سے نوازے اور انھیں طویل عمر، صحت وسلامتی کے ساتھ عنایت فرمائے اور ان کا سایہ اہلِ اسلام پر تادیر قائم رکھے۔ آمین

وجاہت اللہ خاں قادری مجددی وجیہی

(نبیرۂ حضرت خطیبِ اعظم مولانا شاہ وجیہ الدین احمد خاں صاحب قدس سرہٗ)

۲۵ رجب ۱۴۱۸ھ

۲۷ نومبر ۱۹۹۷ء

آغاز

مسلکِ اربابِ حق

بسم اللہ الرحمن الرحیم

گزارشِ مصنّف

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْاَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَاَتْبَاعِہٖ وَعِبَادِہٖ ھُدَاۃُ الدِّیْنِ الْقَوِیْمِ۔

امابعد :

آپ حضرات انسان ہیں، مسلمان ہیں۔ اس لیے آپ کو فرائضِ انسانیت کی انجام دہی کے ساتھ شرائعِ اسلامیہ سے واقفیت بہت ضروری ہے۔ اس کے بعد ایک مسلمان کی حیثیت سے آپ پر لازم ہے کہ آپ اپنی اعتقادی عملی اور اخلاقی اصلاح ضرور کریں۔ ورنہ بغیر دینی اصلاح کیے جو اعمال انجام دیے جائیں گے اس میں خیر و برکات کا حصول بہت دشوار ہوگا۔ پس ضروری ہے کہ آپ اللہ رب العزۃ جل شانہٗ و عم نوالہٗ کے بتائے ہوئے احکام اور اُس کے حبیبِ مکرم خاتم النبیین اشرف المرسلین حضور احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامین پر عمل کرنے کی پوری کوشش فرمائیں۔

احقر العباد

وجیہ الدین احمد خاں حنفی قادری مجددی رام پوری

۲۵ رجب المرجب ۱۴۰۶ھ

مارچ ۱۹۸۶ء

سببِ تصنیف

ہندوستان میں عقائد، اعمال، اخلاقیات اور عملیات کے لیے بے شمار تصانیف شائع ہوچکی ہیں۔ لیکن دنیا کا یہ بھی دستور ہے کہ جس کو کسی عالم یا شیخ سے عقیدت ہوتی ہے تو وہ اس کی طرف رجوع کرتا ہے اور جب اس کا وہ معتمد علیہ کسی امر کی تصدیق کرے تو بہ دل و جان اسے وہ مان لیتا ہے اور اس پر عمل کرتا ہے۔

میرے ذریعے سے جو اشخاص سلسلۂ بیعت میں داخل ہیں وہ زبانی یا بذریعے خطوط مجھ سے احوال دریافت کرتے رہتے ہیں۔ لیکن کبھی اس میں دشواری لاحق ہوتی ہے۔ اس لیے یہ مختصر کتاب مسلکِ اربابِ حق (کلامی الخیر مسلکِ اربابِ حق) تصنیف کرنا پڑی۔ اس میں اختصار کے ساتھ ضروری مسائل درج کیے ہیں۔ ان کے ساتھ ساتھ تصوف کے سلسلے میں بھی کچھ تحریر کر دیا ہے۔

جو حضرات اربابِ علم و دانش ہیں، وہ دینی کتابوں کے مطالعہ سے حضرات علمائے برحق (حضرات اہلِ سنت و جماعت) رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کی تصانیف سے خود اخذ مسائل کر سکتے ہیں۔ اسی طرح جو حضرات تصوف کا ذوق و شوق رکھتے ہیں، وہ بھی حضراتِ صوفیۂ برحق رحمۃ اللہ علیہم کی تصانیف کے مطالعہ سے تصوف کی باریک اصطلاحات اور اسرار و نکات کو سمجھ سکتے ہیں۔ البتہ درصورتِ اختلاف اُن کو غالباً میرے رجحان کا حال معلوم کرنا ضروری ہوگا۔ ایسی حالت میں یہ کتاب اُن کے لیے انشاء اللہ تعالیٰ مفید رہے گی اور جو اشخاص خود عالم نہیں ہیں بلکہ معمولی اردو خواں ہیں، ان کے لیے یہ کتاب ان شاء اللہ بھی مفید رہے گی۔

میں ایک بات واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ ہمارا مسلک وہی ہے جو حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ عظام رضی اللہ عنہم سے لے کر اب تک جمہور اہلِ اسلام کا رہا ہے۔ اگر کوئی شخص ہماری کسی بات کو اُس کے خلاف سمجھے تو یہ اس کی غلطی ہوگی، کیونکہ میں نے اس کتاب میں جمہور اہلِ اسلام کا نظریہ و مسلک پیش کیا ہے۔

یہ مختصر کتاب آج سے تقریباً پینتیس، چالیس سال قبل میں نے دستور العمل کے نام سے تحریر کی تھی، لیکن شائع کرنے کا موقع نہ مل پایا۔ اب اس کتاب کو میرے بڑے نواسے عزیزم مولوی قاری وجاہت اللہ خاں

سلمہ اللہ تعالیٰ نے شائع کرنے کے سلسلے میں اجازت چاہی اور ان کا اصرار یہ بھی رہا کہ اس میں مزید اضافے کیے جائیں۔ ضعف اور کمزوری کی وجہ سے نہ میری نظر میں طاقت اور نہ دماغی قوت۔ اس لیے میرے نواسے قلم کاپی لے کر بعد نمازِ مغرب اور کبھی بعد نمازِ عشا میرے پاس بیٹھ جاتے۔ میں بولتا جاتا، وہ تحریر کرتے جاتے۔ کچھ عرصہ میں ماشاءاللہ اچھے خاصے مضامین جمع ہوگئے۔ میں نے عزیزم مولوی قاری وجاہت اللہ خاں سلمہٗ کو مضامین ترتیب دینے کو کہا۔ انھوں نے بہت کم مدت میں الحمدللہ پوری کتاب کو ترتیب دے لیا۔ اور پھر مِنْ اَوَّلِہٖ اِلیٰ اٰخِرِہٖ کتاب کو مجھے سنا بھی دیا۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ عزیزم سلمہ اللہ تعالیٰ کی محنت و کاوش قبول فرمائے اور انھیں اجرِ عظیم عطا فرمائے۔ اللہ تعالیٰ بتوسل سرورِ کائنات حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وسلم وبطفیل حضرات اولیاء کرام رحمۃ اللہ علیہم میری مدد فرمائے اور صحیح و معتبر مضامین تحریر کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اور یہ کتاب طبع ہوکر اہلِ اسلام کے لیے نافع ہو۔ آمین

یارب العٰلمین وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہٖ محمدٍ وآلہٖ واصحابہٖ واتباعہٖ اجمعین۔

احقر العباد

وجیہ الدین احمد خاں حنفی قادری مجددی رام پوری

۲۶ رجب المرجب ۱۴۰۶ھ

مارچ ۱۹۸۶ء

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

لوازمِ انسانیت

انسان اپنی فطرت کے لحاظ سے بہتر سے بہتر طریقِ کار کی صلاحیت رکھتا ہے۔ لیکن خاندانی رسم و رواج، ملکی ماحول، بروں کی صحبت اکثر اسے تباہی اور ہلاکت کے گڑھے میں گرا دیتی ہے۔ اس لیے ہر انسان کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے فرائض منصبی سے واقف ہو اور یہ سمجھے کہ خدائے برتر جل شانہٗ و عم نوالہٗ نے تمام کائنات سے جب انسان کو عقلی اور عملی حیثیت سے بہتر بنایا ہے تو اس کے لیے کیا مناسب ہے اور کیا مناسب نہیں۔ انسان کو بحیثیت مخلوق ہونے کے اپنے خالق کی طرف جھکنا، اس سے ڈرنا، اسی سے امیدیں رکھنا، جس طرح ضروری ہیں، اس کی مخلوق پر رحم کھانا حتی الوسع خلقِ خدا کی اعانت کرنا بھی اس پر واجب ہے۔ اپنی زندگی میں آپ اور آپ کے اہل و عیال و دیگر اہلِ خانہ اپنی ضروریات میں مالی احتیاج رکھتے ہیں، اس لیے کسی نہ کسی طریقۂ معاش کی طرف قدم بڑھانا اور تحصیل مال کرنا ضروری ہوگا۔ قطع نظر اسلامی قوانین کے کہ جن کا ذکر بقدر ضرورت آئندہ آئے گا۔ عقلی طور پر بعض معاش کے طریقے مستحسن اور بعض ذریعے ناپسندیدہ ہیں، بلا قیدِ مذہب و ملت یہ تفریق مسلّم ہے۔ آپ کو کاروباری لائن میں ہمیشہ برے طریقوں سے گریز کرنا لازم ہے۔ دریوزہ گری (بھیک مانگنا) چور چکاری، مکاری اور فریب سے ہمیشہ پرہیز کیجیے۔ تجارت، زراعت، ملازمت، صنعت و حرفت، محنت و مزدوری جس سے آپ کو مناسبت ہو، وہ اختیار کیجیے۔ کوئی کام بھی ہو محنت سے کیجیے۔ جن لوگوں سے اپنے پیشے میں معاملات ہوں ان سے انتہائی اخلاق سے پیش آئیے۔ خوشامد اور ایسا انکسار جس سے طبیعت کی دنائت ثابت ہو یا مکر و فریب سمجھے جانے کا خطرہ ہو، ہرگز نہ کیجیے۔ ایسی لاپرواہی اور اظہار استغنا جس سے تکبر اور غرور معلوم ہو، اختیار نہ کیجیے۔ تمام اسباب ظاہری فراہم ہونے کے بعد اگر کامیابی ہو تو آدمی اس پر شیخی نہ مارے۔ متانت اور تہذیب کے ساتھ شکر ادا کرے، اور اتفاق سے اگر ناکامی ہو تو

بے صبری اور پریشانی کا رونا نہ روتا پھرے۔ اعتدال اور میانہ روی ہر شعبۂ زندگی میں مبارک اور کامیاب رہتی ہے۔ حصولِ مال کے بعد بھی یہی درمیانی روبیہ ہر شخص کو باقی رکھنا چاہیے یعنی کسی وقت آمدنی سے خرچہ نہ بڑھائے بلکہ کچھ نہ کچھ پس انداز کرتا رہے تاکہ آمدنی نہ ہونے کی حالت میں کسی کے سامنے ہاتھ نہ پھیلانا پڑے۔ انتہائی مجبوری میں کسی سے قرض بھی حاصل کیا جائے تو مضائقہ نہیں۔ لیکن تمام ضروریات پر قرضہ کی جلد سے جلد ادائیگی کو مقدم رکھا جائے۔ اگر آپ ایسا کریں گے تو عزت کی زندگی بسر کریں گے اور آپ کا مستقبل روشن ہوگا، ورنہ لوگوں کی نظروں سے آپ گر جائیں گے اور آئندہ بے اعتباری اور نادہندی کا داغ آپ کو ذلیل وخوار کردے گا۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دورِ پاک میں بعض صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم حاضر ہوتے تھے اور ان کو کمائی کرنے کا موقع نہیں ملتا تھا، اس لیے کہ وہ آپ کی بیان کردہ احادیث یاد کرتے تھے اور امتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے لیے سرمایۂ علوم مہیا کرتے تھے اور یادِ الٰہی، رجوع الی اللہ میں بھی مشغول رہا کرتے تھے، یہ حضرات مسجد نبوی کے اس چبوترہ پر قیام فرما رہتے تھے جس کو عربی میں صُفّہ کہتے ہیں۔ حقیقت میں وہ مسجد جو اُس وقت بیت المقدس کی جانب رُخ رکھتی تھی، وہی ان کی خانقاہ بھی تھی اور وہی مدرسہ بھی تھا۔ یہ اصحابِ صُفّہ متوکّل علی اللہ تھے اور قناعت کے خوگر تھے۔ تین تین دن کے فاقے ہونے کے بعد بھی کسی کے سامنے دستِ سوال قطعًا دراز نہیں کرتے تھے۔ بعض اوقات نقاہت کی وجہ سے ان حضرات پر غشی طاری ہوجاتی تھی، یہاں تک کہ بعض لوگوں کو یہ گمان ہوتا تھا کہ یہ دیوانے ہوگئے ہیں۔

یہ حضراتِ اصحابِ صُفّہ تین قسم کی خدمات انجام دیتے تھے۔ ایک عبادتِ الٰہی، دوسرے حفظِ احادیث، تیسرے وقتِ ضرورت سپاہیانہ لباس میں چھوٹے لشکروں کے ساتھ جانا ان کا شیوہ تھا۔ پس صُفّہ ایک طرف فوجی مرکز تھا، دوسری طرف خانقاہ، تیسری طرف مدرسہ۔ انہی اربابِ صُفّہ میں سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ہیں، جو غزوۂ خیبر کے بعد ہجرت کی ساتویں سال اسلام لائے تھے اور تین سال حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر رہ کر پانچ ہزار تین سو چوہتر (۵۳۷۴) احادیث کا سرمایہ اپنے قلب میں محفوظ کرلیا، جس سے امتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کو بہت نفع پہنچا اور بحمداللہ تعالیٰ آج تک نفع پہنچ رہا ہے اور انشاء اللہ تعالیٰ قیامت تک پہنچتا رہے گا۔

بعض حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہجرت کر کے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع کرتے تھے اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کی دوستی کسی انصاری صحابی سے کرا دیتے تھے، ان کے ذریعے بہت سہولت ہوتی تھی اور باہمی تعاون سے اُن کی زندگی بہترین ہو جاتی تھی۔ حضرت سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو عشرہ مبشرہ میں سے ایک جلیل القدر صحابی ہیں اور ہجرت کر کے حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوئے تھے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد بن ربیع انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ان کی دوستی کرا دی تھی۔ حضرت سعد بن ربیع انصاری رضی اللہ عنہ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے کہا کہ میں جس مال کی ملکیت کا مالک ہوں اس میں سے نصف آپ لے لیجیے، میری دو بیویاں ہیں ایک کو میں طلاق دے دوں گا، جب اس کی عدت پوری ہو جائے تو آپ اس سے نکاح کر لینا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے جواب میں اُن سے کہا کہ آپ کا مال آپ کو مبارک ہو اور بیویاں بھی آپ کو مبارک۔ مجھے آپ بازار لے جا کر دکانداروں سے متعارف کرا دیجیے۔ چنانچہ حضرت سعد بن ربیع انصاری رضی اللہ عنہ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو اپنے ساتھ لے جا کر دکانداروں سے ان کا تعارف کرا دیا۔ اس تعارف کے بعد حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے چیزیں خریدیں اور فروخت کیں۔ اس تجارت میں ان کو منافع بھی حاصل ہوئے اور انھوں نے شادی بھی کی، مہر بھی ادا کیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت بابرکت میں جب وہ حاضر ہوئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے علامات سے یہ سمجھا کہ عبدالرحمٰن بن عوف رضی نے شادی کر لی۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے ارشاد فرمایا: مہر میں کیا دیا۔ انھوں نے عرض کیا اے رسول کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) پانچ درہم سونا دیا۔[1]

اس واقعہ سے یہ چیز واضح ہو گئی کہ کسب کے ذرائع میں سے تجارت بہت عمدہ ذریعہ ہے۔ حضور سید المرسلین خاتم النبیین رحمۃً للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مال سے تجارت کی تھی اور اس تجارت کے ذریعے آپ کو منافع ہوئے تھے۔[2] شریعت مطہرہ میں اس کو مضاربت کہتے ہیں۔ مال ایک شخص کا ہو اور دوسرا شخص کام کرے، عمل کے بدلے میں جو منفعت ہو وہ اس کے لیے نعمت ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مال پر نظر نہ رکھی بلکہ اپنی جد و جہد سے مال حاصل کیا۔ ہمت مرداں مددِ خدا، ہمیشہ کارآمد ہوتی ہے۔ لہٰذا دنائت اور طمع و لالچ سے انسان کو کام نہیں کرنا چاہیے۔

[1] بخاری جلد اول کتاب المناقب ص ۵۳۳ [2] شرح المواہب اللدنیہ المعروف الزرقانی جزاول ص ۲۳۹-۲۳۸

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں ایک صحابی حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میری امداد فرمایئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمھارے پاس مال کیا ہے؟ انھوں نے عرض کیا اے رسولِ کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) میرے پاس ایک کملی ہے اور ایک بادیہ۔ آپ نے ارشاد فرمایا، لے آؤ۔ چنانچہ انھوں نے حکم کی تعمیل کی۔ وہ کملی اور بادیہ لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ آقائے دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، اسے کون خریدتا ہے۔ ایک صحابی نے عرض کیا کہ میں ایک درہم دیتا ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اس پر کون اضافہ کرتا ہے۔ دوسرے صحابی نے عرض کیا، میں دو درہم دیتا ہوں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، لاؤ۔ دو درہم وصول فرمانے کے بعد ان صحابی سے فرمایا کہ ایک درہم اپنی بیوی کو دیدو۔ اور ایک درہم کی کلہاڑی خرید لاؤ۔ چنانچہ انھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد عالی کی تعمیل کی۔ جب وہ کلہاڑی لے کر دربارِ نبوی میں حاضر ہوئے تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے اس میں دستہ لگایا، پھر ارشاد فرمایا، جنگل کو جاؤ، لکڑیاں کاٹو اور فروخت کرو، اور پندرہ روز تک ہم تمھیں مدینہ منورہ میں نہ دیکھیں۔ ان صحابی نے سید العرب والعجم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانِ گرامی کے مطابق عمل کیا۔ اللہ تعالیٰ نے محنت اور جد وجہد کے صلہ میں انھیں مال عطا فرمایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ یہ کام تمھارے حق میں مبارک ہوا اور اس کی وجہ سے غیروں سے سوالات کرنے سے اللہ تعالیٰ نے تمھیں محفوظ رکھا۔ [1]

اس حدیث شریف سے ایک مسئلہ تو یہ معلوم ہوا کہ نیلام جائز ہے۔ دوسرا فائدہ یہ بھی ہوا کہ بڑوں کا کام ہے کہ چھوٹوں کی حتی المقدور اعانت کریں، جیسے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے ان کی کلہاڑی میں دستہ ڈالا۔ تیسرے یہ بھی معلوم ہوا کہ چھوٹوں کا منصب ہے کہ وہ بڑوں کی اطاعت و فرماں برداری کریں اور خود داری کے ساتھ دولت حاصل کریں، طمع و لالچ کا دامن نہ پھیلائیں اور ذلت و خواری کے ساتھ مال حاصل کرنے کی کوشش ہرگز نہ کریں۔

اے قناعت بر تو رحمت از تو گنجے یافتم

اے دنائت بر تو لعنت از تو رنجے یافتم

اہلِ خانہ سے معاملہ

اپنے اہلِ خانہ کی خدمت، بچوں کی تربیت و تعلیم کو تمام اخراجات پر مقدم رکھا جائے۔ پرورش متعلقین میں ایسا بخل نہ کیا جائے کہ وہ آپ کی ذات سے متنفر ہو جائیں اور آپ کے مرنے کی آرزو کرنے لگیں، نہ ایسا اسراف اور بدخرچی

[1] ابو داؤد شریف، جلد ۱، کتاب الزکوٰۃ، باب ما یجوز فیہ المسئلۃ ص ۲۳۲

کا عادی بنایا جائے کہ آپ کا سرمایہ ختم ہوجائے اور ان کے اخلاق تباہ و برباد ہوجائیں۔ وہی میانہ روی جس کا تذکرہ پہلے آچکا ہے، ہر جگہ کام دے گی۔

گھریلو معاملات کے متعلق حکمت کے شعبوں میں سے تدبیرِ منزل ہے، جس کو مُعاشرہ بھی کہتے ہیں۔ تہذیبِ اخلاق کے بعد یہ دوسری منزل ہے۔ انسان کا تعلق ماں باپ اور بیوی بچوں سے ہوتا ہے اس کے لیے دانائی اور حُسنِ سلوک کا بھی برتاؤ کرے۔ تعظیم و تکریم میں باپ کو ترجیح دے اور داد و دہش میں ماں کا زیادہ خیال رکھے۔ بچوں پر رعب اور اقبال رکھے، مگر نرمی اور اخلاق کو ہاتھ سے نہ جانے دے اور ان کی تربیت و تعلیم میں بھی دینداری کو اہم سمجھے۔ حضور خاتم النبیین اشرف المرسلین جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانِ عالی ہے:

مروا اولادکم بالصلوٰۃ وھم ابناء سبع سنین واضربوھم علیھا وھم ابناء عشر[1]

یعنی اولاد کو نماز کا حکم دو جس وقت ان کی عمر سات سال کی ہوجائے اور جب وہ دس سال کے ہوجائیں تو زد و کوب سے بھی کام لو۔

لیکن ایسی مار نہ دی جائے جس سے ان کے جسم کے اعضاء کو نقصان پہنچے۔ دنیاداری اور کمائی کا جب وقت آئے تو اس میں بھی حسنِ تدبیر سے کام لے۔ حلال ذرائع سے مال کمانے کی ترغیب دی جائے۔ چوری چکاری، جوے، لاٹری اور سٹہ وغیرہ کا عادی نہ بنایا جائے۔ تربیت میں نظر سے زائد کام لے اور ہاتھ پاؤں سے کم۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت بابرکت میں حضرت سیدنا انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ دس سال کی عمر میں حاضر ہوئے تھے اور بیس سال کی عمر میں اس خدمت سے سبکدوش ہوئے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمات انجام دیتے تھے اور بمقتضائے بشریت اُن سے کوئی نہ کوئی سہو بھی ہوتا ہوگا، مگر رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی ان سے یہ نہیں فرمایا کہ تم نے یہ کام کیوں کیا اور فلاں کام کیوں نہیں[2]۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وقتاً فوقتاً انھیں دینی اور دنیوی تعلیم بھی دیتے رہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے ذریعے بہت سا سرمایۂ شریعت امت کے لیے فراہم ہوا۔ ان کی والدہ ماجدہ نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں پیش کیا تھا[3] اور یہ عرض کیا تھا کہ اے رسولِ کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) میں آپ کی خدمت کے لیے انھیں لائی ہوں۔

---

[1] ابوداؤد، جلد ۱، کتاب الصلوٰۃ۔ باب متیٰ یؤمر الغلام بالصلوٰۃ ص ۷۱ [2] ترمذی شریف جلد ۲۔ ابوابُ البر والصلۃ۔ ص ۲۲
[3] بخاری جلد ۲۔ کتاب النکاح ص ۷۷۶

بڑے خوش نصیب ہیں وہ والدین جو اپنے بچوں کے لیے، نیک، صالح، متقی اللہ والوں کی صحبت تلاش کریں۔ حضرت مولانا جلال الدین رومی علیہ الرحمہ کا مشہور شعر ہے :

صحبتِ صالح ترا صالح کند
صحبتِ طالح ترا طالح کند

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے دورِ مقدس میں آپ کی صحبتِ پاک کے علاوہ دوسری کوئی صحبت اور نہ تھی، مگر یہ صحبت صرف حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حاصل ہوئی۔ آپ کے وصال کے بعد ہر زمانہ میں کچھ نہ کچھ صالحین ملتے رہے اور اب بھی مل جاتے ہیں۔ البتہ پہلے صلحاء کی کثرت تھی، اب قلت ہے۔ اگر کسی کو خاصانِ خدا اور اولیاء کرام میسر آجائیں تو یہ اس کی بڑی خوش نصیبی ہے۔ اگر اولیاء کرام نہ ملیں تو کم از کم صالحین کی صحبت اختیار کرنا چاہیے۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ برے لوگوں کی صحبت سے انسان عملی اور علمی دولت سے محروم ہو جاتا ہے اور کبھی اعمالِ بد کا خوگر ہو جاتا ہے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ اخیار کی صحبت حاصل کرو، اس لیے کہ جو شخص عطر فروش کے پاس بیٹھے گا اس سے عطر خریدے گا یا کم از کم اس کے عطر کی خوشبو سے دماغ ضرور معطر ہو جائے گا۔ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بُری صحبت سے اجتناب (پرہیز) کرو۔ اس لیے کہ جو بھٹی دھوکنے والے کے پاس بیٹھے گا تو اس کا دھواں اس کے دماغ میں پہنچے گا اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس کی آتشی چنگاریوں سے اس کے بدن یا کپڑوں کو نقصان پہنچے۔[1]

تجربہ سے یہ بات ثابت ہے کہ اکثر نوجوان بد طینت افراد کی صحبت سے شرابی، جواری، سینما، سٹہ اور لاٹری کے عادی اور چور، ڈکیت بن جاتے ہیں، اور اچھی صحبتوں سے پابندِ شریعت ہونے کی توفیق حاصل ہو جاتی ہے، دنیا داری میں بھی ان کا نیک مشورہ مفید ہوتا ہے۔

بچوں کے لیے پہلی تعلیم ماں کے ذریعے سے ہوتی ہے ، اگر ماں دینی تعلیم سے واقف، خوش کلام، خوش اخلاق اور نیک اعمال کی حامل ہوتی ہے تو اس کی اولاد بھی خصائلِ حسنہ کی عادی ہو جاتی

---

[1] یہ عبارت اس حدیث کی تشریح ہے: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مثل الجلیس الصالح والجلیسِ السوء کمثل صاحب المسك وکیر الحداد لا یعدمك من صاحب المسك إما ان تشتریه وإما تجد ریحهٗ وکیر الحداد یحرق بیتك او ثوبك او تجد منه ریحًا خبیثةً۔ بخاری شریف جلد ا کتاب البیوع۔ باب فی العطار وبیع المسک ص ۲۸۲۔ اسی حدیث کے دوسرے نسخہ میں بدنك کا لفظ مذکور ہے۔

ہے۔ عورتوں کے مزاج میں عام طور پر احسان فراموشی کا بھی مادہ ہے، اس کا شوہر تمام عمر اس کے نان و نفقہ کا انتظام کرتا ہے اور ہر طرح آرام پہنچانے کی کوشش کرتا ہے لیکن کبھی کسی ایک چیز میں ان کی بات نہیں مانتا تو وہ بے ساختہ یہ کہہ دیتی ہیں کہ ہم نے اس گھر میں کبھی کوئی بہتری نہیں دیکھی۔ سرورِ کائنات ارواحنا فداہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ:

"عورت کی پیدائش پسلی سے ہے جس طرح پسلی ٹیڑھی ہوتی ہے اسی طرح عورت میں بھی کجی باقی رہتی ہے، اگر اسے سیدھا کرنے کی کوشش کی جائے گی تو اندیشہ ہے کہ کہیں رشتۂ ازدواج منقطع ہو جائے۔ نیز عورتوں سے منافع حاصل کرتے رہو اور بالکل کجی دور کرنے کی کوشش نہ کرو حسن اخلاق کا برتاؤ ہاتھ سے نہ جانے دیا جائے۔" [1]

حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ:

"تم میں بہتر آدمی وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے لیے بہتر ہو اور میں اپنے اہل و عیال کے لیے تم سب میں بہتر ہوں۔" [2]

اس کا ثبوت یوں ہوتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں نہ لذیذ غذائیں تھیں، نہ عمدہ لباس، نہ زیور اور نہ آرائش۔ مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن آپ کے حسنِ اخلاق اور حسنِ تدبیر سے بہت خوش تھیں۔ ایک مرتبہ کچھ شکایت کی تھی تو اللہ جل شانہٗ وعم نوالہٗ نے قرآن عظیم میں یہ آیۃ کریمہ نازل فرمائی:

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ	اے نبی کہہ دیجیے اپنی بیویوں سے کہ اگر تم
تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ	دنیاوی زندگی اور زینت و رونق کی طالب
اُمَتِّعْكُنَّ وَاُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ۝ وَاِنْ	ہو تو ہم تمہیں کچھ سامان دے کر رخصت
كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ	کر دیں اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول کو

---

[1] یہ عبارت اس حدیث کی تشریح ہے۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان المرأۃ خلقت من ضلع لن تستقیم لک علی طریقۃ فان استمتعت بہا استمتعت بہا وبہا عوج وان ذہبت تقیمہا کسرتہا وکسرہا طلاقہا۔ مسلم جلد ۱، کتاب الرضاع، ص ۴۷۵

[2] یہ عبارت اس حدیث کی تشریح ہے۔ خیرکم خیرکم لاھلہ وانا خیرکم لاھلی ابن ماجہ، کتاب النکاح، باب حسن معاشرۃ النساء۔ ص ۱۴۳

الْاٰخِرَۃَ فَاِنَّ اللّٰہَ اَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْکُنَّ اَجْرًا عَظِیْمًا ۝ — اور دارِ آخرت کو پسند کرتی ہو تو اللہ نے نیکوکار عورتوں کے لیے اجرِ عظیم تیار کیا ہے۔

اس آیۃ کریمہ کے نزول کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیۃ شریفہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو سنائی۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فوراً عرض کیا کہ اے رسول کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) میں اللہ اور اس کے رسول اور دارِ آخرت کو پسند کرتی ہوں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا تھا کہ ”اپنے والدین سے مشورہ بھی کر لو۔“ ام المومنین نے عرض کیا کہ ”اے رسولِ کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا آپ کے معاملہ میں میں اپنے والدین کا انتظار کروں گی؟“ اس کے بعد انھوں نے عرض کیا کہ ”مجھے اللہ جل شانہٗ وعم نوالہٗ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پسند ہیں اور آخرت پر میری نظر ہے۔“ اس کے بعد ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ اے رسول کریم! جب آپ یہ آیۃ کریمہ دوسری بیویوں کو سنائیں تو ان سے یہ نہ فرمائیے گا کہ عائشہ نے ہمیں پسند کر لیا ہے۔ اس فقرے میں وہ دوسری بیویوں کا امتحان کرنا چاہتی تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”ہم ہر بیوی کے سامنے یہ کہیں گے کہ عائشہ نے ہمیں پسند کر لیا ہے تاکہ وہ بھی خیر کی طرف مائل ہو جائیں[1]۔“ اس کے بعد کسی زوجہ مطہرہ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی سوال نہیں کیا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری حیات مبارکہ میں پوری زندگیاں گزار دیں، بلکہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد بھی اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق بیوگی کی زندگیاں گزار دیں۔ حالانکہ دوسری ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن تو عمر رسیدہ تھیں، مگر ام المؤمنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی عمر اٹھارہ سال تھی۔ مستورات اس واقعہ سے سبق حاصل کریں کہ نیک بیوی کا یہ شیوہ ہونا چاہیے اور مردوں کا یہ منصب ہے کہ اپنی وسعت کے مطابق داد و دہش میں کوئی کمی نہ کریں اور کلام میں ایسی خوش اخلاقی اختیار کریں کہ بیویاں شوہروں سے مانوس رہیں۔ زد و کوب سے پرہیز کریں۔ گالی گلوچ اور فحش کلامی سے پوری طرح اجتناب کریں۔ یہ خوش اعمالی اور خوش اخلاقی جس طرح بیویوں کے معاملہ میں مفید ہے، اگر اللہ تعالیٰ اولاد مرحمت فرمائے تو ان کے لیے نافع و ضروری ہے، تاکہ بچے اور بچیاں ابتداء سے تہذیب اور سلیقہ کے عادی ہوں۔ چار پانچ سال کی عمر سے دینی تعلیم شروع کر دیں اور سات سال کی عمر میں نماز پنجگانہ ادا کرنے کا بچوں کو حکم دیں۔ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ دس سال کی عمر میں اگر بچے دینی احکام اور نماز وغیرہ کا اہتمام کرنے میں سستی برتیں تو معمولی زد و کوب کے ذریعے ان کو ان چیزوں کا عادی بنائیں،

[1] یہ عبارت مسلم شریف جلد ۱ کی حدیث مبارک کا مفہوم ہے۔ کتاب الطلاق۔ باب بیان ان تخییرہ امرأۃ ص ۴۸۰

اور یہ فریضہ والدین مل کر انجام دیں۔ اگر والدین اپنی اولاد کو اس عمر میں دیندار بنا دیں گے تو جوانی میں بھی بہتر نتیجہ برآمد ہوگا۔ اس زمانے میں بعض والدین لاپرواہی سے کام لیتے ہیں اور بعض بد اخلاقی کا خوگر کر دیتے ہیں۔

اللہ جل شانہٗ وعم نوالہٗ مسلمانوں کو بہترین اخلاق اور صالح اعمال کا پابند بنائے تاکہ تہذیب الاخلاق کے بعد اچھے معاشرہ اور عمدہ تدبیر منزل کا وہ مظاہرہ کر سکیں۔ مالی معاملات میں نہ تو بخل سے کام لیں اور نہ بدخرچی اختیار کریں تاکہ اعتدالِ زندگی کے سب گھر والے خوگر ہوں۔

اقارب سے تعلقات

انسانی فطرت کا تقاضا ہے کہ جس قدر خون کا لگاؤ زائد ہوتا ہے، ہمدردی اور محبت بھی اسی قدر ہوتی ہے۔ بعض عارضی امور اقارب کے درمیان کشیدگی پیدا کر دیتے ہیں، اور وہ کشیدگی مقدمہ بازی اور جنگ و جدال کی حد تک بھی پہنچ جاتی ہے۔ لیکن اصل تعلق خاندانی کسی وقت ختم نہیں ہوتا۔ اس لیے انسان کو چاہیے کہ حتی الوسع اپنے خاندانی تعلقات کو ہمیشہ باقی رکھے اور امکانی طاقت سے مالی وجانی ہمدردی سے گریز نہ کرے۔ لیکن انصاف کو نظر انداز بھی نہ ہونے دے۔ بعض اشخاص ہمدردیٔ برادری میں دوسروں پر ظلم وستم روا رکھتے ہیں۔ یہاں تک کہ جھوٹ، مکر و فریب بھی اپنے اعزا کی خاطر گوارا کرتے ہیں۔ یہ طریقہ شریفانہ نہیں بلکہ عقلی روشنی میں بہت گرا ہوا شیوہ ہے۔

اقارب میں والدین کا رتبہ سب سے مقدم ہے۔

دنیا میں کسی انسان کا کسی انسان پر اس قدر احسان نہیں جو والدین کا اولاد پر ہے جسمانی اور دنیاوی زندگی میں قدرتِ مخفیہ نے سب سے پہلا اور بڑا مربی ماں باپ کو بنایا۔ سخت افسوس ہے اس اولاد پر جو جوان ہو کر اپنے عیش وعشرت یا لہویت ولغویت میں اس درجہ مشغول ہو جاتی ہے کہ بوڑھے والدین اس کی نظر سے اوجھل ہو جاتے ہیں اور ان کو پیرانہ سالی میں خون کے گھونٹ پی کر موت کا انتظار کرنا پڑتا ہے۔

والدین کے بعد دوسرے اقارب کے ساتھ ہمدردانہ اور مخلصانہ رویہ انسان کا فریضہ ہے۔ تعجب ہے کہ بعض افراد اغیار کا ہر طرح خیال رکھتے ہیں اور اپنوں کو بیگانہ بنا دیتے ہیں۔

قرآن عظیم میں ہے:

وَاٰتَی الْمَالَ عَلٰی حُبِّهٖ ذَوِی الْقُرْبٰی — اور دیا مال اس کی محبت میں قرابت داروں کو۔

آیت مذکورہ میں اللہ تعالیٰ نے اقارب کو سب سے مقدم رکھا ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صلہ رحمی کو غیب میں پیدا کیا۔ وہ عرش اعظم سے چمٹ گئی اور باری تعالیٰ سے اس نے عرض کیا کہ میں اس بات سے پناہ مانگتی ہوں کہ لوگ میرا خیال نہیں کریں گے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے صلہ رحمی جو تیرا خیال کرے گا، میں اس کا خیال کروں گا اور جو تیرے رشتے کو منقطع کرے گا، میں بھی اس سے انقطاع اختیار کروں گا۔[1]

جو لوگ صلۂ رحمی کا خیال رکھتے ہیں ان کے گھر میں برکات ہوتے ہیں اور عمر میں اضافہ ہوتا ہے۔

شریعتِ مطہرہ نے کفائت کا اعتبار کیا ہے اس میں ایک گوشہ صلۂ رحمی کا بھی ہے۔ شریعت کا مقصود یہ ہے کہ نسبی رشتہ مستحکم کیا جائے، تاکہ باہمی تعاون کا سلسلہ جاری رہے۔

شادی کے بعد خسرال اور اس کے خاندان سے تعلق پیدا ہو جاتا ہے۔ انسان کے ذمہ ضروری ہے کہ جیسے اپنے جدّی رشتے کا خیال رکھے اسی طرح بیوی کے رشتے داروں کا بھی خیال کرے۔ اللہ تعالیٰ نے نسبی اور خسرالی رشتے کو نعمت فرمایا ہے۔ قرآن عظیم کی آیۃ مبارکہ ہے:

وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ مِنَ الْمَاءِ بَشَرًا فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّصِهْرًا

یعنی اللہ تعالیٰ نے پانی سے بشر کو پیدا کیا اور اسے صاحب نسب بنایا اور خسرال کے رشتے کی بھی نعمت عطا فرمائی۔

پانی سے پیدائش کے یہ معنیٰ ہیں کہ عناصرِ اربعہ میں پانی کو خصوصیت سے دخل ہے، یا مراد یہ ہے کہ اولاد کی پیدائش میں مادہ نطفیہ کو والدین کے ذریعے سے دخل ہے۔ والدین کے متعلق پہلے تحریر کیا جا چکا ہے۔ اب چچا کے متعلق غور فرمائیے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک حدیث پاک میں ارشاد فرماتے ہیں۔

اِنَّ عَمَّ الرَّجُلِ صِنْوُ اَبِيْهِ[2]

یعنی دادا سے دو شاخیں چلتی ہیں، ایک شاخ باپ ہوتا ہے اور دوسری شاخ چچا۔

یہ تو آپ کو معلوم ہی ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے والد ماجد جناب عبداللہ آپ کی ولادت

---

[1] یہ عبارت اس حدیث کی تشریح ہے:

"خلق الله الخلق فلما فرغ منه قامت الرحم فاخذت بحقوا لرحمن فقال له مه قالت هذا مقام العائذ بك من القطيعة قال الا ترضين ان اصل من وصلك واقطع من قطعك"

بخاری شریف، جلد ۲۔ کتاب التفسیر سورہ الذین کفروا۔ باب قولہ وتقطعوا ارحامکم ص ۷۱۶

[2] مسلم شریف، جلد ۱، کتاب الزکوٰۃ۔ ص ۳۱۶

باسعادت سے قبل ہی وفات پا چکے تھے۔ مگر آپ کے دو چچا حضرت سیدنا امیر حمزہ و حضرت سیدنا عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما مسلمان ہوئے تھے، ان دونوں کا حضور بے حد خیال فرماتے تھے۔ حضرت سیدنا امیر حمزہ رضی اللہ عنہ تو جنگِ اُحد میں شہید ہو گئے تھے، مگر حضرت سیدنا عباس رضی اللہ عنہ باقی تھے۔ اگرچہ اسلام کی قبولیت میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے تاخیر کی تھی، لیکن پھر بھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم چچا ہونے کے تعلق سے ان کا احترام کرتے تھے۔ صحابۂ عظام رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی اُن کی تعظیم و تکریم اور وقعت کرتے تھے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد خلیفۂ ثانی امیر المؤمنین حضرت سیدنا فاروق اعظم عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ دعائے استسقا میں حضرت سیدنا عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بڑا اپنا کر ان سے دعا کراتے تھے۔ یہ چند نمونے ہم نے صلۂ رحمی کے پیش کیے۔ اسی پر دوسرے اقارب کے سلسلے میں بھی قیاس کر لیجیے۔

احباب سے برتاؤ

اول تو آپ زائد دوست بنانے کی کوشش نہ کیجیے۔ اس لیے کہ دوست بنانا تو سہل ہے لیکن حقوقِ دوستی ادا کرنا بہت مشکل ہے۔ دوسرے عقل اور تجربہ سے پہلے یہ اندازہ کر لیجیے کہ دوست کی دوستی کسی مصلحت اور غرض پر مبنی ہے یا محض خلوص پر۔ ہر زمانہ میں یہ رونا رویا گیا ہے کہ دوست میسر نہیں آتا، پھر اس زمانہ میں سچا دوست مل جانا تو عنقا ہے۔ اگر کوئی شخص آپ کا دوست ہو جائے تو حتی الوسع دوستی کو نبھائیے اور امکانی خدمت مالی و جانی میں دریغ نہ کیجیے۔ اگر تلخ تجربہ یہ ثابت کر دے کہ یہ دوست فی الواقع دوست نہیں، یا اپنی کمزوری کی بنا پر اس کی صحبت آپ کی عزت و آبرو کے لیے باعثِ خطرہ ہے تو ایک لمحہ کے لیے بھی اس سے تعلق نہ رکھیے۔

یوں تو جتنے مؤمنین ہیں سب آپس میں بھائی بھائی ہیں، اس لیے کہ قرآنِ کریم اس پر شاہد ہے:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ — مومنین آپس میں بھائی بھائی ہیں

مگر بعض لوگوں سے زائد تعلقات ہوتے ہیں، جیساکہ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین کو انصار کا دوست بنایا۔ انصار نے انتہائی ایثار اور ہمدردی کا ثبوت دیا۔ یہ محبت کسی دنیاوی غرض کے لیے نہ تھی، بلکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب پاک روحی فداہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا کے لیے تھی۔ انصار کی ہمدردی کا کچھ نمونہ ہم پہلے پیش کر چکے ہیں۔

بخاری شریف میں ہے:

اَلْحُبُّ فِی اللّٰهِ وَالْبُغْضُ فِی اللّٰهِ مِنَ الْاِیْمَانِ [1] — یعنی اللہ کے دوستوں سے محبت کرنا اور اللہ کے دشمنوں سے بے تعلقی برتنا بھی ایمانیات میں داخل ہے

---

[1] بخاری شریف، جلد ۱، کتاب الایمان، باب قول النبی بنی الاسلام علی خمس۔ ص ۶

بڑے خوش نصیب ہیں وہ لوگ جن کو خوش اخلاق دوست میسر آجائیں۔ دوست ہمیشہ دیندار کو بنانا چاہیے، تاکہ اس کی صحبت اور تعاون سے دین باقی رہے اور دیانت میں ترقی ہو۔ لامذہب انسان، بدعقیدہ یا بے عمل یا بدکردار آدمی اگر دوست ہوگا تو اس کے ذریعے سے قوی اندیشہ ہے کہ دین میں کہیں خلل واقع نہ ہو جائے، لیکن تمام دوستیوں کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ کی دوستی کو ترجیح دینا چاہیے تاکہ دوست کی مروت سے اللہ تعالیٰ کے احکام میں نقصان نہ پیدا ہو۔ یوں تو دولت کی فراوانی میں بہت سے لوگ دوست بن جاتے ہیں مگر دوستی کا امتحان زبوں حالی میں ہوتا ہے:

دوست آں باشد کہ گیرد دستِ دوست
در پریشاں حالی و درماندگی

حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے بعد انسانوں میں سے اپنے محبوب جاں نثار صحابی حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دوست بنایا تھا۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ہجرت کے موقع پر ساتھ دیا، حالانکہ وہ خطرات کا وقت تھا اور جس قدر اُن کی مالیت تھی، وہ سب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں پر نثار کر دی۔ اُن کی اس جاں نثاری کو دیکھ کر سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لَوْ کُنْتُ مُتَّخِذًا خَلِیْلًا غَیْرَ رَبِّیْ لَاتَّخَذْتُ اَبَابَکْرٍ خَلِیْلًا مُتَّفَقٌ عَلَیْهِ [1]

یعنی اگر میں پروردگار کے علاوہ کسی کو حقیقی دوست بناتا تو ابوبکر کو بناتا۔

یہی حدیث شریف ہے جس سے تمام صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی مبارک جماعت میں حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی افضلیت ثابت ہوتی ہے، جو فرقہ ناجیہ اہلِ حق یعنی اہلِ سنت وجماعت کا حقانی مذہب ہے۔

دوستانہ تعلقات سے انسان کے عادات و خصائل کا بھی پتہ چلتا ہے۔ اگر دوستوں میں بداخلاقی ہو تو بداخلاقی کا اور خوش اخلاقی ہو تو خوش اخلاقی کا اثر ہوتا ہے۔ کسی انسان کے حالات کا اندازہ کرنا ہو تو احباب کے حالات کو دیکھنا چاہیے۔ اگر ان کے حالات اچھے ہوں گے تو اس شخص کے حالات بھی اچھے ہوں گے۔

حضرت سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی طرف یہ شعر منسوب ہے:

---

[1] مشکوٰۃ المصابیح۔ باب مناقب ابی بکر ن الصدیق رضی اللہ عنہ۔ ص ۵۵۴

عَنِ الْمَرْءِ لَا تَسْئَلْ وَسَلْ عَنْ قَرِيْنِهٖ
فَاِنَّ الْقَرِيْنَ بِالْمُقَارِنِ يَقْتَدِىْ

یعنی آدمی کا حال دریافت مت کر، اس کے ساتھی کا حال دریافت کر، اس لیے کہ آدمی اپنے ساتھی کی اقتدا کرتا ہے۔

دوستوں پر جانی و مالی ایسا بوجھ نہ ڈالنا چاہیئے، جس سے وہ تنگ آجائیں اگر معمولی تعلق ہو تو زائد اس کی صحبت اختیار نہ کرنا چاہیئے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان عالی ہے:

زُرْ غِبًّا تَزْدَدْ حُبًّا [1]

گاہے گاہے ملاقات کرو تو محبت میں اضافہ ہوگا۔

اگر تعلقات زائد ہوں تو روزانہ ملاقات کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم روزانہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملاقات فرمایا کرتے تھے۔ دوستی میں دینی مصالح کا خیال دنیاوی ضرورتوں سے زائد کرنا چاہیئے۔ حکیم سنائی کا قطعہ ہے۔

ہم چو بلبل دوستیٔ گل گزیں
تا شوی با خرمنِ گل ہم نشیں
زاغ چوں مردار را شد ہم نفس
یارِ اُو مردار خواہد بود و بس

ترجمہ: بلبل کی طرح گلاب کی دوستی اختیار کر تاکہ چمن گلاب میں تو زندگی گذارے۔ کوّا چونکہ مردار کا دوست بنا تو اس کا یار مردار ہی ہوگا۔

اہلِ محلہ سے معاملات

جو شخص اپنے پڑوسیوں کو خوش رکھتا ہے، ہر ضرورت کے وقت وہ آرام سے رہتا ہے۔ خاندان کے افراد اور احباب مختلف مقامات پر منتشر ہوتے ہیں، ہر وقت ان کا جمع ہونا اور ہر تکلیف سے مطلع ہو کر ہمدردی

---

[1] یہ اِس حدیث کے الفاظ ہیں:

قِيْلَ لَهٗ يَا اَبَا هُرَيْرَةَ اَيْنَ كُنْتَ اَمْسِ قَالَ زُرْتُ نَاسًا مِنْ اَهْلِىْ فَقَالَ يَا اَبَا هُرَيْرَةَ زُرْ غِبًّا تَزْدَدْ حُبًّا۔

کہا گیا اے ابوہریرہ کل تم کہاں تھے، انھوں نے کہا میں گھر والوں سے ملنے چلا گیا تھا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے ابوہریرہ گاہے گاہے ملاقات کرو تو محبت میں اضافہ ہوگا۔

المواہب اللدنیہ۔ الجزء الاول۔ المقصد الثالث فیما فضلہ اللہ تعالیٰ بہ من کمال خلقتہ الخ۔ ص ۳۴۱ مصنف علامہ شیخ شہاب الدین احمد بن محمد بن ابی بکر الخطیب الواعظ القسطلانیؒ

کرنا آسان نہیں۔ موت وزیست میں بعد اہل خانہ دوسرے نمبر کے شرکار پڑوسی ہوتے ہیں۔ داد و دہش، قرضہ اُدھار اور دیگر ضروریات میں اُن کی پُرخلوص شرکت کیجیے۔ اگر پڑوسیوں میں کچھ بھی انسانیت ہے تو وہ آپ کی خوش اخلاقی کی قدر کریں گے اور ہر وقت کام آئیں گے۔ حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

مَازَالَ جِبْرِيْلُ يُوْصِيْنِي بِالْجَارِ حَتّٰى ظَنَنْتُ اَنَّهٗ سَيُوَرِّثُهٗ [1]

یعنی جبریل امین علیہ السلام ہمیشہ پڑوسی کے حق میں مجھے مشورے دیتے ہیں۔ یہاں تک کہ میرے خیال میں آیا کہ عنقریب اس کو وارث بنادیں گے۔

شریعت مطہرہ میں پڑوسی کا اس قدر حق ہے کہ اگر کوئی جائیداد فروخت کی جائے تو پہلے پڑوسی کو دی جائے، اگر وہ انکار کرے تو پھر کسی غیر کو دی جائے، اس کو "شفعہ" کہتے ہیں، اور اس کی تفصیل فقہ کی کتب میں مذکور ہے۔

"جامع التفاسیر" میں نواب قطب الدین خاں صاحبؒ نے یہ حدیث نقل کی ہے:

"کسی شخص نے رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے پڑوسی کی شکایت کی، حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو اپنا سامان نکال کر مکان کے باہر رکھ دے، اس شخص نے ایسا ہی کیا، چاروں طرف سے لوگ آئے اور انھوں نے کہا تم نے سامان گھر میں سے کیوں نکالا، اس نے جواب میں کہا کہ میرا پڑوسی مجھے تنگ کرتا ہے، ایسی حالت میں، میں کہیں اور چلا جاؤں گا۔ سب لوگوں نے یہ ماجرا سن کر اس کے پڑوسی کو برا بھلا کہا۔ اس کا یہ اثر ہوا کہ اس کے پڑوسی نے معذرت کی اور وعدہ کیا کہ میں آئندہ تمھیں نہیں ستاؤں گا، تم اپنا سامان اپنے گھر میں رکھ لو۔" [2]

زناکاری بہت بڑی لعنت ہے، لیکن حضور خاتم النبیین اشرف المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "پڑوسی کی بیوی سے ناجائز تعلقات پیدا کرنا بہت بُری بلا ہے۔" [3]

---

[1] بخاری شریف جلد ۱۔ کتاب الادب۔ باب الوصایا بالجار ص ۸۸۹

[2] جامع التفاسیر ہمیں دستیاب نہ ہو سکی۔ البتہ الادب المفرد۔ جزء اول باب شکایۃ الجار۔ مطبع التازیہ (مصر) ص ۲۱ پر یہ حدیث مذکور ہے: عن ابی ھریرۃ قال قال رجل یا رسول اللہ ان لی جارا یؤذینی الخ

[3] یہ عبارت اس حدیث کا مفہوم ہے: ان تزانی حلیلۃ جارک۔ بخاری شریف جلد ۲۔ کتاب الدیات وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا الخ ص ۱۰۱۴

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا ہے کہ "عورتیں جب کھانا تیار کریں تو سالن میں ایک چمچی پانی کا اضافہ کر دیں اور اپنی پڑوسن سے دریافت کریں کہ اگر تمھارے یہاں سالن نہ ہو تو میں پیش کر دوں"۔[1] ان مختصر واقعات سے قارئین کو اندازہ ہو گیا ہو گا کہ اقارب سے پڑوسی کچھ نہیں ہیں۔ افسوس ہے کہ اس دور میں برادرانِ اسلام بعض یا اکثر حقوقِ جوار کا خیال نہیں رکھتے۔

اہل کار و حکام سے برتاؤ

جس ملک میں آپ رہیں زندگی کو ایسا منضبط کیجیے کہ حکام کی طرف آپ کو زائد رجوع کرنے کی ضرورت ہی نہ ہو اور نہ اپنی زندگی کو ایسا مشتبہ بنائیے کہ حکام تک آپ کی شکایتیں پہنچیں اور آپ کو خواہ مخواہ مقدمات میں الجھنا پڑے۔ اگر اتفاق سے کسی معاملہ میں آپ کو کسی حاکم تک پہنچنا پڑے تو اس سے بات سچی کہیے اور اس کے رتبے کا بھی خیال رکھیے۔ اپنا جانی و مالی نقصان گوارا کیجیے، لیکن جھوٹے مقدمہ اور جھوٹے شہادت سے ہمیشہ پرہیز کیجیے۔ چالاک اور عیار آدمی مکاری اور فریب کاری سے بعض اوقات حکام کو دھوکا دیتا ہے اور اپنے وقتی مقصد میں کامیاب بھی ہو جاتا ہے۔ لیکن اس کی زندگی حکومت اور عوام دونوں کی نظروں میں حقیر ہو جاتی ہے۔ اور منافع سے کہیں زائد اس کے نقصانات ہو جاتے ہیں۔

مسلم پرسنل لا کی حفاظت مسلمانوں کا فریضہ ہے

دستورِ اساسی اور قوانین بنیادی کے تحت جو حقوق مسلمانوں کو حاصل ہیں۔ ان حقوق کی حفاظت کرنا چاہیے۔ اگر بعض حکام بعض دین فروش مسلمانوں سے دھوکا کھا کر حقوق تلف کرتے ہیں یا اس میں کمی گوارا کرتے ہیں، ایسے حقوق کے مطالبہ کے لیے حکومت کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ اسی میں سے "مسلم پرسنل لا" (قانون شریعت) ہے۔ جس کی حفاظت مسلمانوں کا فریضہ ہے۔

قومی یک جہتی کا فاسد نظریہ

بعض لوگ نام کے مسلمان تو کہلاتے ہیں مگر انھیں اسلام اور شریعت سے دور کا تعلق بھی نہیں، ان کی زبان اور قلم پر یہ الفاظ آتے ہیں کہ ملک کا قانون سب لوگوں کے لیے یکساں ہونا چاہیے۔ انھیں اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ صاحبِ مذہب کے نزدیک یہ یکسانیت ناممکن ہے۔

---

[1] یہ عبارت اس حدیث شریف کا مفہوم ہے: اذا طبخت مرقا فاکثر ماءہ ثم انظر اھل بیت من جیرانک فاصبھم منھا بمعروف۔ مسلم شریف جلد ۲۔ کتاب البر والصلۃ۔ باب الوصیۃ بالجار والاحسان الیہ۔ ص ۳۲۹

جو لوگ لے پالک (گود لیے ہوئے) کو حقوق دلانا چاہتے ہیں یا تعداد ازدواج کی ممانعت کرتے ہیں، بہت ممکن ہے کہ آئندہ وہ یہ بھی کہیں کہ نماز، روزہ اور دینی احکام پر عمل ترک کر دو، مساجد میں تالا ڈال دو، حج کا جانا ترک کر دو، قربانی کی رسم کو مفقود کر دو، ملک میں یک جہتی اختیار کرو۔

میں نے اب تک یک جہتی کا فلسفہ نہیں سمجھا۔ ہندوستان کے اندر چھوٹے سے چھوٹے قد کا بھی انسان ہے اور دراز قد بھی ہزاروں کی تعداد میں آباد ہیں۔ کیا طویل القامت انسان کے پاؤں کاٹے جائیں گے یا ان کے سر قلم کیے جائیں گے تاکہ یک جہتی ہو جائے۔ اسی طرح ملک میں حسین وجمیل بھی ہیں اور سیاہ فام کالی رنگت کے لوگ بھی ہیں، کیا سب کے چہروں پر کالے رنگ سے اتحاد پیدا کیا جائے گا؟ بعض لوگ عالی دماغ ہیں، بلند حوصلہ ہیں اور بعض کم ہمت اور بیوقوف ان کو کس طرح یکساں کیا جائے گا۔ بعض لوگ کرتہ اور پاجامہ پہنتے ہیں اور بعض لوگ دھوتی کا استعمال کرتے ہیں، بعض لوگ پگڑی باندھنے کے عادی ہیں اور بعض برہنہ سر ہونے پر فخر کرتے ہیں، ان کے درمیان یک جہتی کی کیا صورت ہوگی۔

عدل وانصاف ہی کا نام یک جہتی ہے

احقر کے نزدیک یک جہتی کا مطلب یہ ہے کہ کوئی انسان دوستی یا قرابت کے رشتے سے کسی کو ترجیح نہ دے اور حقدار کو اس کا پورا حق پہنچایا جائے خواہ وہ کسی بھی مذہب و ملت کا ہو۔ دوسرے الفاظ میں یوں کہیے کہ عدل وانصاف حبل متین اپنے ہاتھ سے نہ چھوڑنا چاہیے، ظلم وستم کسی پر روا نہ رکھنا چاہیے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عدل وانصاف کے سلسلے میں یہودیوں کو مسلمانوں کے مقابلہ میں ترجیح دی ہے۔

بعض لوگوں میں قومی عصبیت ہوتی ہے، وہ اپنی قوم، اپنی برادری، اپنے فرقے اور اپنے خاندان کو ترجیح دے کر عدل وانصاف کا خون کرتے ہیں۔ اسلام نے اس کو روا نہیں رکھا ـــــ حضور رحمۃ للعالمین سید الاولین والآخرین جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی مشہور ہے:

لَا فَضْلَ لِعَرَبِيٍّ عَلٰى عَجَمِيٍّ وَلَا لِعَجَمِيٍّ عَلٰى عَرَبِيٍّ وَلَا لِاَحْمَرَ عَلٰى اَسْوَدَ وَلَا لِاَسْوَدَ عَلٰى اَحْمَرَ اِلَّا بِالتَّقْوٰى [1]

یعنی عربی کو عجمی پر کوئی فضیلت نہیں اور عجمی کو عربی پر فضیلت نہیں اور گورے کو کالے پر اور کالے کو گورے پر کوئی فضیلت نہیں مگر تقوے کے سبب سے۔

---

[1] مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲۔ ص ۱۵۵

(باقی اگلے صفحہ پر)

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ سفر سے واپس تشریف لارہے تھے کہ راستہ میں حضرت اُسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ صغیر سن ملے جو ایک غلام کے لڑکے تھے، ان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آگے سواری پر بٹھالیا، ذرا اور آگے بڑھے تو حضرت سیدنا امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ ملے، وہ بھی کم سن تھے، آپ نے فرمایا ان کو بھی ہماری سواری پر بٹھادو۔ آگے کی جگہ چونکہ غلام زادہ حضرت اُسامہ رضی اللہ عنہ سے پُر ہوچکی تھی، اس لیے اپنے نواسۂ اکبر حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کو پیچھے بٹھایا۔ حالانکہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ حضرت سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے فرزندِ ارجمند، حضرت سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے لختِ جگر تھے۔ اس سلسلے میں بخاری شریف کی دو احادیث کا خلاصہ یہاں نقل کیا جارہا ہے:

ایک موقع پر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دودھ نوش فرمایا، برتن میں کچھ باقی رہ گیا۔ حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم کے سیدھے ہاتھ کی طرف ایک اَعرابی (دیہاتی) شخص تھے۔ اور بائیں جانب آپ کے محبوب جاں نثار سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ آپ نے اپنا پسماندہ (بچا ہوا) بابرکت دودھ اَعرابی کو عنایت فرمادیا[1] اس لیے کہ وہ دائیں طرف تھے۔ حالانکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا رتبہ تو بہت ارفع و اعلیٰ تھا۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے بلندیٔ مرتبہ کا خیال نہیں فرمایا۔ دوسرے موقع پر ایک مجلس پاک میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ جو اس وقت کم سن تھے دائیں جانب بیٹھے تھے اور بائیں جانب حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اور بعض بزرگ صحابہ بیٹھے ہوئے تھے۔ مشروب لایا گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نوش فرمایا، برتن میں کچھ باقی رہ گیا۔ آپ نے ابن عباسؓ سے فرمایا کہ یہ حق تمھارا ہے اس لیے کہ تم دائیں طرف بیٹھے ہو، اگر تم اجازت دو تو میں ان لوگوں کو دے دوں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا "اے رسولِ کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کا پسماندہ (بچا ہوا) میں کسی کے لیے بھی گوارا نہیں کرسکتا۔ یہ بابرکت مشروب تو میں خود پیوں گا۔ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ

(بقیہ حاشیہ) ترمذی جلد ۲۔ باب المناقب فی ثقیف و بنی حنیفۃ ص ۲۳۴ پر ہے "الناس کلھم بنو آدم و آدم خلق من التراب" مشکوٰۃ المصابیح باب المفاخرۃ والعصبیۃ ص ۴۱۸ پر ہے "الناس کلھم بنو آدم و آدم من تراب" حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر جو عظیم الشان خطبہ دیا تھا اسی خطبہ میں یہ بھی ارشاد ہوا تھا۔ ان احادیث کا مفہوم ایک ہی ہے البتہ روایات میں الفاظ کا تفاوت ہے۔

[1] بخاری جلد ۲۔ کتاب الاشربۃ باب الایمن فالایمن فی الشرب۔ ص ۸۴۰۔

مشروب انھیں عنایت فرمادیا۔[1] اس موقع پر بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بلندی مراتب کا خیال نہیں فرمایا بلکہ قانونِ شریعت کا لحاظ فرمایا۔ شریعتِ مطہرہ یہ کہتی ہے کہ جب کوئی چیز کسی کو پیش کی جائے تو داہنی طرف سے شروع کی جائے۔

احقر کے نزدیک یک جہتی اس عدل وانصاف کے علاوہ کوئی دوسری چیز نہیں۔ جب لباس اور صورت، قدو قامت، رنگ وروپ وغیرہ میں یک جہتی نہیں ہوسکتی تو مذہب اور دین میں یک جہتی کیسے ممکن ہے؟

تعجب ہے ان لوگوں پر جن کا نام تو اسلامی ہے، مسلمانوں کے گھروں میں پیدا ہوئے ہیں، لیکن اُن کے دلوں میں سے اسلام کا احترام اور شریعت مطہرہ کی عظمت وتقدس نکل چکا ہے۔ اس لیے وہ مذہبی یک جہتی کے راگ اَلاپتے رہتے ہیں ——— یہی حال کھانے پینے اور رہن سہن کا ہے۔ بعض قومیں گائے کے گوشت کو پسند نہیں کرتیں اور بعض حضرات خنزیر کا گوشت نجس یعنی ناپاک جانتے ہیں۔ یہاں پر بھی اگر یک جہتی اختیار کی جائے تو مسلمانوں کو (العیاذ باللہ، الاماں، الحفیظ) خنزیر اور ہندوؤں کو گائے کھانا پڑے گی۔ ہندوستان کے بعض صوبوں میں چاول خوراک ہے اور بعض صوبوں میں گیہوں استعمال کیا جاتا ہے، یہاں پر بھی اگر یک جہتی کی کوشش کی جائے گی تو یا تو سب کو چاول کھانا پڑیں گے یا پھر گیہوں کو غذا بنائیں گے، یہ ناممکن تو نہیں، مگر اس قدر دشوار ہے کہ اس کو عادتاً ناممکن ہی کہا جائے گا ——— زمینوں کی پیداوار بھی جُدا جُدا ہے۔ کہیں چاول بکثرت پیدا ہوتا ہے، کہیں گیہوں، کہیں چنا، جوار اور مکا۔ اگر اس میں بھی یک جہتی کا لحاظ رکھا جائے گا تو پیداوار میں سخت نقصان ہوگا اور عادتاً کھانے والوں کو تکلیف ہوگی۔ پیشہ کے لحاظ سے بعض خاندان پولیس اور فوج کے اہل ہوتے ہیں اور بعض دفتری نظام کو پسند کرتے ہیں، بعض تجارت کو، تو بعض صنعت وحرفت کو ترجیح دیتے ہیں، بعض محنت ومزدوری پر زندگی بسر کرتے ہیں۔ ان پیشوں میں اگر یک جہتی اختیار کی جائے گی تو یا تو سب فوجی ہوجائیں گے یا پولیس مین، یا سب کے سب تاجر یا منشی اور یا سب کے سب مزدور وجفاکش ہوجائیں گے تو پھر نظامِ ملکی ہی درہم برہم ہوجائے گا۔

ہر کسے را بہر کارے ساختند   میلِ اُو را در دلش انداختند

لہٰذا اہلِ اسلام کو چاہیے کہ وہ قانونِ شریعت کے مطابق اس ملک میں اپنی زندگی عزت و شرافت اور خودداری کے ساتھ گذاریں۔

---

[1] بخاری جلد ۲۔ کتاب الاشربہ۔ باب ہل یستأذن الرجل الخ، ص ۸۴۰

محسنوں سے حسنِ سلوک

دنیا میں رہ کر ہر انسان کو علاوہ والدین کے دوسروں کا بھی احسان مند ہونا پڑتا ہے، کسی سے علم حاصل کرتا ہے، کسی سے صنعت و حرفت سیکھتا ہے، کسی سے وقت ضرورت قرضہ لیتا ہے، کسی سے مشورہ کرتا ہے، کسی سے معاملہ میں سفارش کراتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ شریف الطبع انسان وہ ہے جو احسان اور بھلائی کرنے والے کا شکر گذار ہو، دامے، درمے، قدمے، سخنے جو اس کی ہمدردی کر سکتا ہے کرے، دل سے اس کی عظمت کرے اور زبان سے اس کے احسان کا اقرار کرے۔ اگر کوئی بدلہ نہیں کر سکتا تو جزاک اللہ کہہ کر اللہ تعالیٰ کے حوالے کرے۔ احسان فراموشی اور محسن کشی شریفوں کا شیوہ نہیں، بلکہ رذیلانہ عادت ہے۔ قرآن عظیم شاہد ہے :

هَلْ جَزَاءُ الْإِحْسَانِ إِلَّا الْإِحْسَانُ — بھلائی کی جزا بھلائی کے علاوہ اور کوئی نہیں

بعض قبائل نے بغیر اسلام قبول کیے ہوئے کچھ ہمدردیاں کی تھیں، تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا بھی شکریہ ادا کیا تھا۔

جنگ بدر میں جب ابوجہل اور دوسرے کفار مارے گئے تو ان کی لاشوں کو قریش نے طلب کیا۔ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر مُطعم بن عدی زندہ ہوتا اور وہ لاشوں کو طلب کرتا تو ہم ان لاشوں کو دے دیتے [1] اس لیے کہ قریش نے جو عہد نامہ لکھ کر کعبہ میں لٹکایا تھا جس میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ماننے والوں سے بے تعلقی کا اعلان تھا کہ نہ ان سے شادی بیاہ کے تعلقات رکھے جائیں، نہ ان سے خرید و فروخت کے معاملات رکھے جائیں۔ اس وقت مُطعم بن عدی نے اس عہد نامہ کی مخالفت کی تھی اس کی بھلائی کو یاد کر کے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ ہم اس کی سفارش کو مانتے، یہ بھی ایک احسان کے بدلہ میں احسان تھا۔

جب کوئی سلام علیک کرتا تھا تو یہ دعائیہ جملہ بھی ایک احسان تھا، حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے جواب میں وَعَلَيْكُمُ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ ارشاد فرماتے تھے۔ سلام کرنا اور پھر اس کا جواب مسلمان کے لیے ہے، کافر یا مشرک کے لیے نہیں ہے اور یہی عام مسلمانوں کو بھی تعلیم تھی۔ اگر کوئی چیز پیش کرتا تو سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم جزاک اللہ فرماتے تھے۔

"تعلیم المتعلم" میں حضرت سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی طرف منسوب ہے :

---

[1] بخاری جلد ۱۔ کتاب الجہاد۔ باب ما من النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی الاساریٰ الخ ص ۴۴۳

اَنَا عَبْدُ مَنْ عَلَّمَنِیْ حَرْفًا وَّاحِدًا	جس نے مجھے ایک حرف بھی سکھا دیا میں اس
فَاِنْ شَاءَ بَاعَ وَاِنْ شَاءَ اَعْتَقَ	کا غلام ہوں چاہے وہ مجھے بیچ دے اور اگر چاہے تو
وَاِنْ شَاءَ اِسْتَرَقَّ [1]	آزاد کر دے اور اگر چاہے تو غلام بنالے۔

احسان کے بدلہ میں احسان تو ایک فطری چیز ہے۔ لیکن حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمت عالی یہ رہنمائی کرتی ہے کہ جو برائی بھی کرے، اس کے ساتھ بھی بھلائی کی جائے۔ اس سلسلہ میں آپ کا فرمان عالی ہے:

صِلْ مَنْ قَطَعَكَ وَاعْفُ	جو تجھ سے بے تعلقی اختیار کرے اس سے بھی تو میل
عَمَّنْ ظَلَمَكَ وَاَحْسِنْ اِلٰی	کر اور جو تیرے اوپر ظلم کرے تو اسے معاف کر اور
مَنْ اَسَاءَ اِلَیْكَ [2]	جو تیرے ساتھ برائی کا برتاؤ کرے اس کے ساتھ
	بھلائی کر۔

حضرت شیخ سعدی شیرازی علیہ الرحمہ کا مشہور شعر ہے:

بدی را بدی سہل باشد جزا — اگر مردی اَحْسِنْ اِلٰی مَنْ اَسَاءَ

باشندگان مکہ نے بیس سال تک حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بہت ستایا، لیکن فتح مکہ کے بعد جب حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم کو غلبہ حاصل ہو گیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ مکہ کو معافی کا پیغام سنایا، یہاں تک فرمایا کہ:

مَنْ دَخَلَ دَارَ اَبِیْ سُفْیَانَ	جو ابوسفیان کے گھر میں بھی داخل ہو جائے
فَهُوَ اٰمِنٌ [3]	اسے امن ہے۔

حالانکہ ابوسفیان نے ابوجہل کے مرنے کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت اذیت پہنچائی تھی۔ چنانچہ انہی احسانات کا یہ مبارک نتیجہ تھا کہ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ مسلمان ہو کر اسلام کے سچے خادم بنے اور صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی مبارک جماعت میں داخل ہوئے۔

---

[1] تعلیم المتعلم۔ فصل فی تعظیم العلم واہلہ۔ ص ۵۳ [2] نور الانوار۔ شرح خطبۃ المتن۔ ص ۳
مسند امام احمد جزء رابع۔ حدیث عقبہ بن عامر الجہنی ص ۱۵۸ پر ہے صل من قطعک و اعط من حرمک و اعف عمن ظلمک۔ اور مسند امام احمد ہی میں ہے صل من قطعک و اعط من حرمک و اعرض عمن ظلمک ص ۱۴۸،
ان احادیث کا مفہوم ایک ہی ہے البتہ روایاتِ احادیث میں تھوڑا الفاظ کا تفاوت ہے۔
[3] مسلم شریف جلد ۲۔ کتاب الجہاد۔ باب فتح مکہ۔ ص ۱۰۴

حضرت یوسف علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو ان کے بھائیوں نے بہت ستایا، لیکن مصر کے حاکم ہونے کے بعد جب بھائی اُن کے سامنے آئے تو حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انھیں معاف فرما دیا اور انھیں ملامت تک نہ کی۔

کاش ہم مسلمان حضراتِ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام خاص کر سید الانبیاء، افضل الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک طریقوں کو اپنے لیے مشعلِ راہ بنائیں۔ مگر اس زمانے میں اہلِ اسلام کا یہ حال ہے کہ کسی کے ساتھ اگر احسان کیا جائے تو بجائے دوست کے وہ دشمن جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کی بداخلاقی بہت سے غیر مسلموں کو اسلام قبول کرنے سے روکتی ہے بلکہ بعض غیر مسلم تو صاف کہہ دیتے ہیں کہ اسلام بہت سچا اور پاکیزہ مذہب ہے، لیکن مسلمانوں کے احوال اس قدر خراب ہیں کہ زمرۂ مسلمین میں داخل ہونے کو ہمارا دل نہیں چاہتا۔

بڑوں کی عظمت اور چھوٹوں پر شفقت

کوئی آدمی جملہ امور میں سب سے بڑا نہیں ہوتا ہے کسی سے عمر میں کم ہوتا ہے، کسی سے علم و فضل کے اعتبار سے ناقص ہوتا ہے، کوئی زہد و عبادت میں کسی سے بہتر ہوتا ہے، کسی کو خدمتِ خلق کی فضیلت حاصل ہوتی ہے، کسی کا قوم میں اعتبار اور اقتدار زائد ہوتا ہے۔ الغرض جو شخص کسی انسان سے بہتر ہے، اس کی عظمت اور توقیر ضروری ہے۔

اسی طرح جو اشخاص عمر اور رتبہ میں کم ہوں اُن پر شفقت کرنا، اُن کے ساتھ مہربانی سے پیش آنا، وقتی یا دائمی اُن کی اعانت کرنا بھی انسانی فریضہ ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پاک ہے:

لَیْسَ مِنَّا مَنْ لَّمْ یَرْحَمْ صَغِیْرَنَا وَلَمْ یُوَقِّرْ کَبِیْرَنَا [1]

یعنی جو ہمارے چھوٹوں پر رحم نہ کرے اور بڑوں کی توقیر نہ کرے وہ ہمارے طریقہ پر نہیں ہے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت حلیمہ سعدیہ نے دودھ پلایا تھا، جب وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئیں تو آپ نے اُن کے لیے اپنی چادر مبارک بچھا دی اور اس پر بٹھا کر انتہائی محبت کے ساتھ ان سے باتیں کیں۔ جناب حلیمہ سعدیہ، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقی والدہ نہیں تھیں، بلکہ رضاعی والدہ تھیں [2] اس وجہ سے اُن کی تعظیم و توقیر کی۔ حالانکہ اگر غور کیا جائے تو تمام کائنات رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی کی احسان مند ہے۔

---

[1] ترمذی جلد ۲۔ ابواب البر والصلۃ۔ باب ماجاء فی رحمۃ الصبیان۔ ص ۱۴ [2] ابو داؤد جلد ۲۔ کتاب الادب، باب فی بر الوالدین۔ ص ۷۰۰

اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے:

لَوْلَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الْخَلْقَ ؎۱ اگر آپ نہ ہوتے تو میں مخلوق کو پیدا نہیں کرتا۔

جناب حلیمہ سعدیہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عمر میں بڑی تھیں۔ اس لیے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کی اس ظاہری بڑائی کا خیال فرماتے ہوئے اُن کا احترام کیا۔

ابوطالب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا تھے اور انھوں نے آپ کے ساتھ بہت ہمدردیاں کی تھیں۔ افسوس کہ ابوطالب نے اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ اہل سنت وجماعت کی یہی تحقیق ہے۔ ابوطالب کے انتقال کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا کو اسلام کی تلقین کی۔ انھوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات عالیہ کو دیکھ کر آپ کے رتبۂ اعلیٰ کا اقرار کیا، مگر ایمان کے اندر جس گرویدگی کی ضرورت ہے وہ انھیں حاصل نہیں ہوئی، اور وہ اپنے قدیمی طریقہ پر ہی قائم رہے ——— "تاریخ دُوَلُ العرب" میں ان کے یہ فقرے مذکور ہیں:

قَدْ جَاءَ بِأَمْرٍ قَبِلَهُ یعنی میرے بھتیجہ (حضور صلی اللہ علیہ وسلم) ایسی چیز
الْجَنَانُ وَ اَنْكَرَهُ اللِّسَانُ لے کر آئے ہیں جس کو دل قبول کرتا ہے مگر عارِ قومی کی
مَخَافَةَ الشَّنَآنِ ؎۲ وجہ سے زبان اس کا انکار کرتی ہے۔

"حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اُن کے اسلام قبول نہ کرنے سے بہت افسوس ہوا اور فرمایا، وہ دوزخ کے گڑھے میں بہت نیچے تھے، میں نے ان کو نکال کر اوپر والے حصہ میں پہنچا دیا، لیکن اب بھی اُن کے پاؤں میں آتشیں جوتے ہیں جس سے ان کا دماغ ہانڈی کی طرح کھولتا ہے۔" ؎۳

؎۱ المواہب اللدنیہ میں ایک حدیث شریف میں اللہ تعالیٰ کا ارشادِ عالی یوں ہے:

"لَوْلَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الدُّنْيَا" اگر آپ نہ ہوتے تو میں دنیا کو پیدا نہیں کرتا

(حضرت مولانا مفتی محبوب علی صاحب مدظلہ کا قول ہے کہ حضرت قدس سرہٗ نے مجھ سے فرمایا تھا کہ خاتم المحدثین استاذی حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیریؒ نے درس کے دوران فرمایا تھا کہ اس مضمون کی ساری احادیث شریف میں میرے نزدیک یہ "لَوْلَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الْخَلْقَ" والی حدیث سند کے اعتبار سے زیادہ قوی ہے۔)

المواہب اللدنیہ جلد ۱۔ حدیث سلمان عن ابن عساکر۔ ص ۱۶

؎۲ تاریخ دُوَل العرب۔ الجزء الاول۔ ص ۱۲۵۔ طبع اول ۱۳۱۵ھ۔ مؤلف: محمد طلعت حرب (باقی اگلے صفحہ پر)

برابر والوں سے حُسنِ اخلاق

جن لوگوں سے مساوات اور برابری کی نسبت ہے ان سے اخلاق سے ملنا اور کسی موقع پر ان کو حقیر نظروں سے نہ دیکھنا بلکہ اعزاز و توقیر کرنا، حتی الوسع بہتر مشورے اور مالی خدمات سے پیش آنا بھی ہر شخص کے لیے ضروری ہے حسن تدبر سے یہ ثابت کر دینا چاہیے کہ اُن کے وقار علمی یا اقتدار مالی سے اس کو حسد نہیں ہے بلکہ مسرت اور خوشی ہے۔ وہ ان کے تنزل کا خواہاں نہیں ہے بلکہ ان کی ترقی کا خواہش مند ہے۔

الغرض انسان کو اس دنیائے فانی میں مختصر زندگی کے دوران حتی الوسع ایسا ہر دلعزیز بننا چاہیے کہ لوگ اس کی حیاتِ دیرینہ کے آرزو مند ہوں اور اس کے اعزاز سے مسرور اس کی تکلیف سے غمگین، اس کی موت کے وقت لوگ یہ سمجھیں کہ زمین ایک اہم ہستی سے خالی ہو گئی، آنکھوں سے آنسو بہائیں یا نہ بہائیں، لیکن ہر جاننے والے کا دل روئے اور رُوح بے چین ہو جائے۔ اسی مضمون کو ان دو شعروں میں ادا کیا گیا ہے:

یاد آور کہ وقتِ زادنِ تو	یاد کر تیرے پیدا ہوتے وقت تمام ہنس
ہمہ خنداں بدند تو گریاں	رہے تھے اور تو رو رہا تھا اس طرح زندگی
آں چناں زی کہ وقتِ مردنِ تو	گذار کہ تیرے مرتے وقت مخلوق رو رہی
خلق گریہ کنند و تو خنداں	ہو اور تو ہنستا ہو۔

ہم نے اس مختصر سے مضمون میں نہ کسی آیت قرآنی کو پیش کیا، نہ حدیث نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو، بلکہ تجربہ اور عقل کی روشنی میں جو امور عالم میں مسلم ہیں، ان کو بیان کیا ہے تاکہ مسلمان یہ سمجھیں کہ بہت سے اشخاص ایسی صفات سے بھی محروم ہوتے ہیں جو تقاضائے انسانیت ہیں۔ اسی قسم کی باتوں کو جب کوئی غیر مسلم دیکھتا ہے تو اس کو موقع ملتا ہے کہ وہ اکابرِ اسلام پر نکتہ چینی کرے، بلکہ عموماً اس قسم کی باتیں کی جاتی ہیں

(بقیہ حاشیہ)

؎ ہم ابوطالب کے سلسلے میں دو احادیث شریف نقل کر رہے ہیں۔ مذکورہ بالا عبارت ان احادیث کی تشریح ہے۔

"وجدته فی غمرات من النار فاخرجته ضحضاح"

مسلم شریف جلد ا۔ باب شفاعة النبی صلی اللہ علیہ وسلم لابی طالب والتخفیف عنه بسببه۔ ص ۱۱۵

"ان اھون اھل النار عذابا من له نعلان وشراكان من نار یغلی منهما دماغه كما یغلی المرجل"

مسلم شریف جلد ا۔ باب الدلیل علی ان من مات علی الكفر لا ینفعه عمل۔ ص ۱۱۵

اور مسلمانوں کو ان کے اکابر سے یہ کہہ کر پھیرا جاتا ہے کہ جس گروہ میں انسانیت بھی نہ ہو، وہ حق پرست کس طرح ہو سکتا ہے۔ ضعیف العقیدہ مسلمان اس دھوکے میں مبتلا ہو کر اسلام اور پیغمبرِ اسلام حضور خاتم النبیین اشرف المرسلین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے متنفر ہو جاتے ہیں اور جب وہ اسلام اور پیغمبرِ اسلام آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی متنفر ہوئے تو آپ کے جانشینوں سے کس طرح خوش عقیدہ ہو سکتے ہیں اسی بنا پر سلف صالحین جو جامعِ شریعت و طریقت تھے اور معاصی سے بہت پرہیز کرنے والے اور اخلاقِ حمیدہ سے آراستہ تھے، اُن سے بھی تنفر اور کراہت لازمی نتیجہ ہے۔ اسی کا یہ اثر ہے کہ حضرات ائمہ برحق رحمۃ اللہ علیہم کے تفقہات اور خاصانِ خدا اور مقربانِ بارگاہِ الٰہی کی تحقیقات پر وہ لوگ ہنسی اڑاتے ہیں، حالانکہ یہ حق پرست گروہ اُن کی نکتہ چینیوں سے مبرا و منزہ ہے۔ ــــــــ مسلمانوں کو اس پر غور کرنا چاہیے کہ وہ عموماً پستی کی طرف ایک عرصۂ دراز سے جا رہے ہیں اور اہلِ اسلام کی موجودہ اکثریت اُن خوبیوں سے محروم ہے جو قرآن و حدیث نے انھیں عطا کی ہیں، مگر مسلمان کا یہ تنزل اور کمال سے محرومی اس کا اپنا ذاتی نقصان ہے۔ تعلیمِ قرآنی اور ہدایتِ نبوی کی ہرگز کوئی خامی نہیں ہے، بہت سے گم گشتگانِ راہ اپنی اغراضِ نفسانی کی بنا پر لاتعداد کوتاہیاں کر رہے ہیں اور بیشمار عیوب میں مبتلا ہیں لیکن اس کی ذمہ داری محض انھیں کی ذات پر ہے، اربابِ حق اور اربابِ رشد و ہدایت اس سے بالکل بری ہیں۔

مریض اگر دوا استعمال نہ کرے اور پرہیز سے گریز، تو مرض سے متعلق طبیب اور ڈاکٹر کی ذمہ داری ختم ہو جاتی ہے اور سارا الزام مریض پر آتا ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ زمانۂ حال کے مسلمانوں کی کمزوریاں سلف صالحین رحمۃ اللہ علیہم کے لیے باعثِ الزام قرار دی جاتی ہیں، اور پاک و مقبولانِ بارگاہِ خداوندی کے حق میں برے خیالات قائم کر کے اپنی عقبیٰ خراب کی جاتی ہے۔

اسلامی اِصلاح

میں پہلے تحریر کرچکا ہوں کہ ہر مسلمان اسلام کی دولت ونعمت سے نوازا گیا ہے۔ تقاضائے انسانیت کا مجمل خاکہ پیش کرنے کے بعد عرض ہے کہ اسلام دنیا میں اس لیے آیا ہے کہ انسان کو مکمل انسان بنادے۔ بعض امورِ خیر کو انسان سمجھتا نہیں۔ اس لیے کہ انسان کی عقل محدود ہے۔ بعض مقام پر سمجھتا ضرور ہے، لیکن قوائے شہوانیت اور غضبانیت اس کے دماغ پر ایسے مسلط ہوتے ہیں کہ وہ عقلی فیصلوں کو پسِ پشت ڈال دیتا ہے۔ بعض اوقات بری صحبت، بری تربیت، خیر وشر میں امتیاز کھو دیتی ہے، نتیجے میں وہ خیر کو شر اور شر کو خیر تصور کرلیتا ہے۔ یہ امور بڑھتے بڑھتے آدمی کو جانور بنادیتے ہیں، اس کا کمال مٹ کر خاک میں مل جاتا ہے، اور وہ انسان خود بھی ایک دن اس نقصان کے دائرہ میں چکر کاٹتا ہوا خاک میں مل جاتا ہے۔

اللہ جل شانہ، وعم نوالہ، کا بے حد کرم اور فضل ہے کہ اس نے آدمی کو آدمی بنانے کے لیے اپنے مخصوص بندوں کو ہدایت اور رہنمائی کے لیے جلوہ گر فرمایا۔ جن کو اسلامی اصطلاح میں انبیاء اور رُسل کہا جاتا ہے۔

قرآن مجید میں ارشادِ ربانی ہے:

فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ط

یعنی اللہ تعالیٰ جل شانہ وعم نوالہ نے انبیاء کو مبعوث فرمایا، مبشر اور نذیر بنایا اور ان کے ساتھ کتابیں اتاریں تاکہ وہ لوگوں کے درمیان ان کی اختلافی چیزوں میں فیصلہ فرمائے۔

اس آیتہ کریمہ سے واضح ہوگیا کہ انسان، حضراتِ انبیاءِ کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے احکام اور اُن کے فیصلوں کو تمام قوانین دنیاوی سے بالاتر سمجھے۔

دنیا میں عقل کے گھوڑے دوڑا کر مختلف قوانین ایجاد کیے جاتے ہیں، مگر بہت جلد ان قوانین میں نقصانات نظر آنے لگتے ہیں، ان نقائص کو دیکھتے ہوئے قوانین اور آئین میں تبدیلیاں کی جاتی رہتی ہیں۔ انسان فلسفی

ہو یا سائنس داں تجربات سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلی تحقیقات اسی انسان کی غلط تھیں اور دوسری تحقیق کی طرف اس انسان کا رجحان ہو جاتا ہے۔

لیکن حضراتِ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے اصول بنیادی اور قوانین ایسے اساسی ہوتے ہیں کہ اس میں کسی غلط طریقہ کو ذرا سی بھی راہ نہیں ہوتی تھی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اپنی رائے سے کوئی بات نہیں فرماتے تھے، بلکہ علمِ خداوندی اور حکمتِ ربانی نے ان حضرات کی جو رہنمائی کی، اسی پر گامزن رہے۔

یاد رکھیے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے علم میں چونکہ نقصان اور غلطی کا قطعاً احتمال نہیں، اس لیے انبیاء کرام علیہم السلام کے فیصلوں میں بھی ہرگز کوئی نقص نہیں ہوتا۔ البتہ مرورِ زمانہ اور انسان کی تدریجی ترقی کو مدنظر رکھتے ہوئے فروعات کے اندر اختلاف ضرور ہوتا ہے۔

سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے دورِ مبارک میں انسان بامِ عروج پر پہنچ چکا تھا، لہٰذا ایسا قانون ہمارے سردار آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمایا گیا کہ زمانہ کتنی ہی کروٹیں بدلے، مگر وہ قانون ہر زمانے میں اور ہر ملک کے لیے یکساں مفید ہے، بلکہ ضروری ہے۔ اسی لیے نبوت ورسالت ختم فرما دی گئی اور نبی کی آمد ہمیشہ کے لیے بند ہو گئی ــــــــ قرآن عظیم نے کھلی ہوئی شہادت دی کہ:

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ۔ (یعنی حضور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی مرد بالغ کے والد نہیں ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور تمام انبیاء کے خاتم (یعنی نبوت کو ختم کرنے والے)

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد عالی ہے:

وَاَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ لَا نَبِيَّ بَعْدِيْ [1] — اور میں خاتم النبیین ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا ہے کہ:

"تیس کذاب، دجال نبوت کا دعویٰ کریں گے، مگر سب کا دعویٰ باطل اور جھوٹا ہوگا" [2]

---

[1] ابوداؤد شریف، جلد ۲، کتاب الفتن، ص ۵۸۴

[2] یہ عبارت اس حدیث شریف کا مفہوم ہے:

لا تقوم الساعة حتیٰ ینبعث کذابون دجالون قریب من ثلثین کلهم یزعم انه رسول الله۔

جامع الترمذی، جلد ۲، ابواب الفتن، باب ماجاء لا تقوم الساعة حتی یخرج کذابون۔ ص ۴۵

چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ آپ کے بعد مختلف زمانوں میں جھوٹے مدعیان نبوت پیدا ہوئے۔ ان ہی جھوٹے مکاروں میں سے ایک مرزا غلام احمد قادیانی بھی ہوا اور باب اللہ اور بہاء اللہ بھی۔ بہت سے بدقسمت قادیانی ہو گئے اور بہت سے بدنصیب بہائی ہو گئے، جن کے کافر ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ جملہ اہلِ اسلام اور تمام اربابِ حق کا اس پر اتفاق ہے۔

حضراتِ انبیاءِ کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام نے توہم پرستی کو ہمیشہ مٹانے کی کوششیں کیں۔ اس زمانے میں بھی بے شمار مسلمان کم علمی یا جہالت کی بنا پر توہم پرستی کا شکار رہیں۔ بعض اوقات ایسے اعمال بھی اختیار کرتے ہیں جس سے کہ شرک اور کفر بھی نمایاں ہوتا ہے۔

کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہی مشعلِ راہ ہیں، مگر ان دونوں بابرکت چیزوں سے دفعاتِ قوانین کا استخراج بہت دشوار ہے۔ اس لیے خالق کائنات جل شانہٗ وعم نوالہٗ نے امت میں اولوالعزم ائمہ کرام، علمائے صالحین اور اولیائے کاملین پیدا فرما دیئے، جنھوں نے فقہ کا چراغ اور تصوف کی شمع روشن کر دی۔ مگر افسوس یہ ہے کہ لباسِ عالمانہ اور پوشاکِ مشائخانہ کو بعد میں زیادہ تر ایسے لوگوں نے اختیار کر لیا جو اس کے اہل نہیں تھے۔ حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ قیامت کب ہوگی؟ آپ نے ارشاد فرمایا:

اِذَا وُسِّدَ الْاَمْرُ اِلٰی غَیْرِ اَھْلِہٖ	یعنی جب معاملات نااہلوں کے سپرد ہو جائیں
فَانْتَظِرِ السَّاعَۃَ [1]	تو قیامت کا انتظار کرنا۔

بعض مسلمانوں نے اس دور میں امت کے بزرگوں کا طریقہ چھوڑ دیا اور اپنی رائے کے بندے ہو گئے اسی وجہ سے اسلام میں قسم قسم کے رخنے پیدا ہو گئے اور اصلی خاکہ نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

خدا کرے کہ بندگانِ خدا کو توفیق عطا ہو کہ وہ توہم پرستی، خودنمائی، خودرائی، خودپسندی، خودبینی اور بدبینی کو ترک کر دیں اور تمام مسلّماتِ دین سے روگردانی نہ کریں۔ لیکن یہ کام سیکھنے والوں کی صلاحیت اور استعداد پر موقوف ہے۔ حق پرست ارباب علم کا منصب ہے کہ جب کبھی نامناسب عمل کو دیکھیں تو اس کی اصلاح کرنے کی کوشش کریں، خواہ کوئی مانے یا نہ مانے۔ حدیث شریف میں ہے:

مَنْ رَّاٰی مُنْکَرًا فَلْیُغَیِّرْہُ بِیَدِہٖ فَاِنْ لَّمْ	یعنی جو شخص کسی بری بات کو دیکھے اپنے ہاتھ سے
یَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِہٖ فَاِنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِہٖ	اس کو مٹانے کی کوشش کرے اور اگر اس کی استطاعت

---

[1] بخاری شریف، جلد ۱، کتاب العلم۔ ص ۱۴

وَذَالِكَ اَضْعَفُ الْاِيْمَانِ [1] نہ ہو تو زبان سے ہدایت کرے اور اگر کسی مقام پر لب کشائی کا موقع نہ ہو تو دل سے اس کو برا سمجھے اور یہ ناقص قسم کی ایمانداری ہے۔

مصلحین کو چاہیے کہ اپنے عمل و کردار اور اخلاقیات پر پورا کنٹرول کریں، تاکہ ان کا احترام اور ان کی تعظیم و تکریم خلائق کے دل میں جاگزیں ہو۔ جو خود اپنے کو اصلاح پذیر نہ کر سکے تو دوسروں کی کیا اصلاح کرے گا۔ اُو خویشتن گم ست کرا رہبری کند۔ مشہور ہے کہ:

خفتہ را خفتہ کے کند بیدار — سوتا ہوا سوتے کو کیا جائے گا

اس زمانے میں نصیحت کا قبول کرنا اور ہدایت کی راہ پر چلنا اور بڑے کی بات کا ماننا مفقود ہو گیا ہے۔ اسی طرح مصلحین میں بھی بے حد کمزوریاں پیدا ہو گئی ہیں۔ اب اصلاح کا معاملہ محض توفیقِ ربانی اور کرمِ خداوندی پر ہے۔

الحمد للہ مصلحین میں کچھ حق پرست حضرات بفضلہ تعالیٰ اب بھی مل جاتے ہیں اور تشنہ گانِ آب ہدایت بھی کچھ میسر آجاتے ہیں۔ مصلحین اس امر کی حرص نہ کریں کہ بہت بڑی جماعت ان کے مواعظ اور نصائح سے مستفید ہو۔ اگر ان کو دو چار افراد صلاح پسند مل جائیں تو اصلاح میں دریغ نہ کریں۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان گرامی ہے اور حضرت سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی طرف خطاب ہے کہ:

لَاَنْ يَّهْدِىَ اللّٰهُ بِكَ رَجُلًا وَّاحِدًا خَيْرٌ لَّكَ مِنْ اَنْ يَّكُوْنَ لَكَ حُمْرُ النَّعَمِ [2]

یعنی اے علی ایک آدمی کا ہدایت پانا / سرخ اونٹوں کے مل جانے سے بہتر ہے

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب بیعت لیا کرتے تھے تو

وَالنُّصْحِ لِكُلِّ مُسْلِمٍ [3] مطلب یہ ہے کہ ہر مسلمان سے ہمدردی کا وعدہ کرو۔

کا اضافہ فرمایا کرتے تھے۔ دنیاوی ہمدردیاں تو ہوتی رہتی ہیں اصل ہمدردی یہ ہے کہ اپنی آخرت کو درست

---

[1] نسائی شریف، جلد ۲، کتاب الایمان، باب تفاضل اہل الایمان۔ ص ۲۶۹

[2] بخاری شریف، جلد اول، کتاب المناقب، باب مناقب علی بن ابی طالب۔ ص ۵۲۵

[3] بخاری شریف، جلد اول، کتاب الایمان، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم الدین النصیحۃ للہ ولرسولہ الخ۔ ص ۱۳

کیا جائے اور آخرت کے معاملات میں جب انسان کی اصلاح ہو جائے گی تو پھر دنیاوی امور میں بھی اس کی اصلاح خود بخود ہو جائے گی۔

الغرض مسلمان کا فریضہ ہے کہ ہر مسلمان کو نیکی اور صلاح کی راہ دکھائے اور آخرت کے ہولناک عذاب سے ڈرائے ـــــــ قرآن عظیم میں مومنین کے نام ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ۔

یعنی اے مومنو! اپنی ذوات اور اپنے اہل و عیال کو اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن انسان بھی ہوں گے اور پتھر بھی۔

اس زمانے میں دنیا کی ترقی پر نظر رکھتے ہوئے مسلمان اپنے بچوں کو عیسائیوں کے اسکول اور دوسری غیر مسلم اقوام کی درس گاہوں میں داخل کر لیتے ہیں، جہاں بچوں پر عیسائیت اور کفر و شرک وغیرہ کا رنگ چڑھ جاتا ہے۔ بچپن میں جو نقوش دماغ میں مرتسم ہو جاتے ہیں وہ جوانی اور بڑھاپے میں بھی باقی رہتے ہیں۔ مسلمان جان بوجھ کر دین کی تباہی گوارا کرتے ہیں۔ ایسی قوم دوسری غیر مسلم اقوام کی کیا اصلاح کر سکتی ہے۔

لَنْ يُصْلِحَ عَطَّارٌ مَا أَفْسَدَهُ الدَّهْرُ

یعنی عطار ہرگز درست نہ کر سکے گا جس کو اہل زمانہ نے خراب کر دیا ہو۔

خاتم الانبیاء

صلی اللہ علیہ وسلم کا ورودِ مسعود

جملہ انبیاءِ کرام ومرسلین عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام برگزیدۂ خلق اور مقربانِ بارگاہ الٰہی ہونے میں تو یکساں ہیں۔ وحی کا نزول سب انبیاءِ کرام ومرسلین عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام پر ہوا۔ گناہوں سے تمام انبیاء ومرسلین علیہم الصلوٰۃ والسلام کو معصوم بنایا گیا، معجزات سے ہر ایک کو سرفرازی حاصل ہوئی۔ لیکن باہم مراتب میں تفاوت ضرور رکھا گیا۔ قرآنِ عظیم کی اس آیۃ کریمہ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ:

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ م	یہ رسول ہیں بعض کو بعض پر ہم نے فضیلت دی۔

جملہ رسل عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام میں فضیلتِ اعلیٰ ہمارے اور کائنات کے سردار حضور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مرحمت ہوئی۔ دیکھیے قرآنِ مجید:

وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ ط	بعض (انبیاء) کے درجات بہت اونچے کیے۔

مفسرین کرام رحمۃ اللہ علیہم کی تحقیق کے مطابق اس لفظ بعض سے مراد حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس ہے۔ قرآنِ کریم میں دوسرے مقام پر دیکھیے:

وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ط وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ○	(اے رسول) آپ کو وہ باتیں بتائیں جسے آپ نہیں جانتے تھے اور اللہ کا کرم آپ پر بہت زائد ہے۔

بطورِ نمونہ قرآن کریم کی دو آیتیں ذکر کی گئیں، ورنہ کثیر آیات سے خاتم الانبیاء حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی افضلیت کا ثبوت ہوتا ہے۔ حدیث مبارک میں مصرح ہے:

اَنَا سَيِّدُ وُلْدِ اٰدَمَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا فَخْرَ [1]	میں تمام اولادِ آدم کا سردار ہوں قیامت کے دن، اور مجھے تکبر نہیں

---

[1] جامع الترمذی جلد ۲، ابواب التفسیر سورہ بنی اسرائیل۔ ص ۱۴۵

امتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے اربابِ حق کا مسلّمہ اجماعی مسئلہ ہے کہ حضور خاتم الانبیاء، رحمۃٌ للعالمین جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ جیسا کہ کلمہ شہادت میں ہے:

اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ۔

یعنی میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔

مگر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام کائنات سے افضل سب سے ارفع اور بہترین ہیں، اسی کو ان اشعار میں بیان کیا گیا ہے۔

یا صاحب الجمال و یا سید البشر　　من وجهك المنير لقد نوّر القمر
لا یمکن الثناء كما كان حقه　　بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

الحمد للہ ہم اہلِ اسلام ایسے نبی محترم کی امت میں داخل ہیں۔ اس نعمتِ عظیمہ کا شکر یہ یہ ہے کہ ہم دل سے اس انعام کی بے حد قدر کریں، زبان سے اس کا اقرار کریں اور اعمال سے اس کا ثبوت دیں کہ فی الواقع ہم اس عظیم نعمت کے قدر دان ہیں۔

فی زمانہ بے دینی کا سیلاب عالم میں آیا ہوا ہے، الحاد کی وبا پوری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لینا چاہتی ہے۔ بے شمار مسلمان عبد اللہ اور عبد الرحمٰن نام ضرور رکھتے ہیں۔ لیکن کوئی اللہ جل شانہٗ وعم نوالہٗ کے وجود کا منکر ہے، کوئی معاد (آخرت) کا منکر، کوئی حضرات انبیاء کرام ورسل عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو اپنا جیسا ہی ایک آدمی تصور کرتا ہے، کوئی انبیاء کرام علیہم السلام کے معجزات پر ہنسی اڑاتا ہے، کوئی حیاتِ عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا منکر، کوئی معراجِ جسمانی کا تمسخر اڑاتا ہے۔ کوئی اولیاء کرام رحمۃ اللہ علیہم کی فضیلت اور ان کی کرامات کا انکار کرتا ہے، کسی شخص کی نظر میں ثوابِ قبر عذابِ قبر، پل صراط، وزنِ اعمال، حساب وکتاب، جنت ودوزخ اور دیدارِ خداوی ایک قسم کے دھوکے ہیں، جیسے ماں اپنے بچوں کو دیا کرتی ہے۔ یہ خیالات اور عقیدے آج بہت سے مسلمانوں کے دماغ میں قائم ہو گئے ہیں۔ ماں کا مقصد صرف تربیتِ اولاد ہے، وہ جو تدبیر حسنِ تربیت کے لیے اپنی نظر میں بہتر سمجھتی ہے، کر گزرتی ہے، اسے جھوٹ اور مکر سے بھی گریز نہیں ہوتا (العیاذ باللہ) حضورِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسے بدعقیدہ لوگ صرف ایک لیڈر کی حیثیت دیتے ہیں، جو اجرائے سیاست کے لیے ہر تدبیر کام میں لا سکتا ہے، خواہ واقعات کے خلاف ہی اسے لب کشائی

کرنا پڑے۔

جمہور اہل اسلام کے حق پرست طبقات دورِ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے لے کر اب تک قرآن عظیم اور احادیث شریفہ کی روشنی میں یہ سمجھتے رہے اور یہی عام مسلمانوں کو سمجھاتے رہے کہ نبی اور رسول انسان ضرور ہوا کرتے تھے، لیکن ان کی ہستی گرامی جملہ مخلوقات میں ایک خاص امتیاز رکھتی تھی۔ اُن کی روحِ مقدس علائقِ دنیا سے پاک وصاف ہوا کرتی تھی۔ اُن کا اصل مقصد تقرب خداوندی تھا، دنیائے فانی کی اصلاح اور ضروریاتِ زندگی کی فراہمی ضرور اُن کے پیشِ نظر رہتی تھی۔ لیکن ہر نبی اور ہر رسول کا مقصود بالذات آخرت کے لیے سرمایہ مہیا کرنا اور جناب باری تعالیٰ عزّ اسمہٗ کو راضی کرنا تھا۔ اس رضائے الٰہی کے حاصل کرنے میں جان ومال کی بازی لگا دینا ہر نبی و رسول کے نزدیک معمولی بات تھی۔ صداقت اور امانت ہر نبی و رسول کا پہلا کمال تھا جس کی بنا پر اس کی معزز اور موقر زندگی پر اعتماد کیا جاتا تھا۔ صدقِ مقال ہی ایک ایسا جوہر ہے جو انسان کو معتبر اور معتمد بنا سکتا ہے۔ اگر آدمی سچا نہ ہو تو وہ پھول بکھیرے یا جواہر لٹائے کسی طرح قابل اعتماد نہیں، اس کی ہر ہر بات میں غرض نفسانی کا احتمال ہو سکتا ہے۔

اس عقیدے کے مستحکم ہونے کے بعد کیا یہ ممکن ہے کہ آخرت کے متعلق جو امور زبانِ انبیاءِ کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام سے ظاہر ہوئے انھیں بہلاوا یا دھوکا کہا جائے، ہرگز نہیں۔

الغرض ہر نبی و رسول کی مبارک آمد نعمتِ الٰہی تھی لیکن سرور کائنات خاتم النبیین اشرف المرسلین رحمۃ للعالمین شفیع المذنبین حضور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ایسی نعمت کبریٰ ہے، جس کی نظیر دوسری اور کوئی نعمت نہیں ہو سکتی۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کا احسان بڑے اہتمام سے اپنی سچی کتاب آسمانی قرآن عظیم میں بیان فرمایا کہ:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ	بلاشبہ اللہ نے مومنین پر احسان فرمایا کہ ان ہی
بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ	میں سے ایک رسول بھیجا جو ان کے سامنے اس کی
يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ	آیتیں تلاوت کرتا ہے، ان کو نکھارتا ہے، ان کو
وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ	کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے۔ اور وہ لوگ
كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ○	پہلے یقیناً کھلی ہوئی گمراہی میں تھے۔

شرافتِ انسانی بلکہ فطرتِ حیوانی کا تقاضا ہے کہ احسان کا شکریہ ادا کیا جائے، اپنے محسن کی عظمت اور اس کا احترام کیا جائے، جو جانور آپ کی زیر تربیت کھانے پینے اور دوسری قسم کا آرام حاصل کرتے ہیں وہ

اپنے آقا کا اپنی حیثیت کے مطابق اکرام کرتے ہیں، اس کی آواز پر دوڑے ہوئے آتے ہیں۔ ایسی حالت میں اشرفِ کائنات کا اولاً اور برگزیدہ کائنات کا ثانیاً تہِ دل سے شکریہ ادا کیا جائے، جس کا اثر زبان سے بشکلِ اعتراف اور اعضائے بدنی سے بہ صورتِ اعمال نمایاں طور پر ظاہر ہو۔ پوری انسانی زندگی اس امر پر گواہ ہو کہ یہ انسان اللہ تعالیٰ کا بندہ ہے اور اس کے رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی ہے۔

افسوس صد افسوس ہم مسلمانوں پر کہ ہم اپنے کو بندۂ خدائے برتر اور غلام خیر البشر صلی اللہ علیہ کہتے ہوئے بھی اس کا عملی ثبوت دینے سے قاصر ہیں۔

وہ برادرانِ اسلام جو کسی بھی سلسلۂ طریقت سے وابستہ ہیں، ان سے گزارش ہے کہ آپ اپنے منصب کو پہچانیں اور اس کے مطابق اپنے عقائد، اعمال اور اخلاق کو درست فرمائیں تاکہ آپ کی زندگی دنیا کو بتا سکے کہ آپ ایک بہترین لڑی کے موتی ہیں۔ آپ نے اگر رسمی بیعت کر لی اور اُن تعلیمات سے غافل رہے تو لوگوں کو آپ پر ہی نہیں بلکہ مشائخ طریقت رحمۃ اللہ علیہم پر ہنسی اڑانے کا موقع ملے گا ——— جملہ برادران اسلام سے بہ عرض ہے کہ آپ اپنے رتبے کو پہچاننے کی کوشش کیجیے۔

اللہ تعالیٰ کا ہم پر اور آپ پر یہ کتنا بڑا کرم ہے کہ اس نے ہمیں مسلمان بنایا اور الحمد للہ ہمیں اپنے حبیبِ مکرم سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں پیدا فرمایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے ہمیں اپنی لاجواب مقدس کتاب یعنی قرآن عظیم عطا فرمایا اور ایسی جامع شریعت ہمیں عنایت فرمائی کہ جس کے اندر دینی اور دنیاوی دونوں زندگیوں کے ہر ہر مسئلہ کا مکمل حل موجود ہے۔ آپ اپنے عقائد، اعمال اور اخلاق کو صحیح کر کے غیر مسلمین کے سامنے ایسا پیش کریں جو اپنی نظیر آپ ہو اور وہ غیر مسلمین جب آپ کے چہرے کو دیکھیں تو بے ساختہ کہہ دیں کہ اسلام یقیناً حق دین ہے۔ سچا و پاکیزہ دین ہے اور پھر انھیں اسلام اور اسلامیات کا مذاق اڑانے کا موقع نہ ملے۔

سب سے پہلے آپ کے لیے ضروری ہے کہ آپ اپنے عقائد کو قرآن مجید اور احادیث شریفہ کی روشنی میں درست کریں۔ قرآن کریم نورِ اسلام ہے اور حدیث ضیاءِ دین ہے۔ لیکن بہت سے کج رَو اپنے اغراضِ نفسانیہ کی خاطر اسی کتابِ آسمانی اور حدیث خاتم الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے خیالاتِ باطلہ اور عقائدِ فاسدہ پر محمول کرتے ہیں۔ اس لیے آپ کے واسطے ضروری ہے کہ آپ سلف صالحین رحمۃ اللہ علیہم اور جمہور مسلمین کے معتبر اقوال کو پیش نظر رکھیں اور امتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے اجماع اور اتفاق نے جو سانچہ تیار کیا ہے، اسی میں اپنے نظریات اور خیالات کو ڈھالیں، اس راہ سے مسلمان راہِ حق پا سکتا ہے اور کسی جگہ اسے لغزش کا خطرہ نہیں رہتا۔

اگر اپنی رائے سے کوئی شخص خود قرآن وحدیث کو بلا مددِ تحقیقِ جمہور سمجھے اور سمجھانے کی کوشش کرے تو وہ قادیانی بن کر ختمِ نبوت کا انکار کر سکتا ہے (اَلْعِیَاذُ بِاللّٰہ) اور نیچری ہو کر معجزاتِ انبیاءِ کرام ومرسلین عظام علیہم السلام پر تمسخر اڑا سکتا ہے۔ شیعہ فرقہ (قومِ روافض) کی راہ اختیار کر کے جمہور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم پر (نَعُوْذُ بِاللّٰہ) تبرا، اور خارجی طریقہ اختیار کر کے اہلِ بیت اطہار اور آلِ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام پر طعنہ زنی کر سکتا ہے (اَلْعِیَاذُ بِاللّٰہ) یہ بھی خطرہ رہتا ہے کہ کہیں قدری بن کر تقدیرِ الٰہی کا منکر ہو جائے، یا جبری طریقہ اختیار کر کے اپنے کو بے قصور ثابت کر دے۔

عالمِ اسلام میں اس طرح کی وبائیں ہمیشہ موجود رہی ہیں اور اس وقت تو آزادی کے نام پر انسان اپنے دینی سرمایہ کو برباد کرنے کے لیے ہمہ تن تیار ہے۔

الغرض ہر مسلمان کے لیے یہ عقیدہ رکھنا بہت ضروری ہے کہ حضور سید المرسلین خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی پر نبوت ورسالت کا دور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو گیا۔ اس لیے کہ آپ خاتم النبیین ہیں (صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وازواجہ وبارک وسلم)

وجودِ باری تعالیٰ

جلّ شانہٗ وعمّ نوالہٗ

اَللّٰہُ تعالیٰ یقیناً موجود ہے۔ اس کے وجود میں کوئی تردّد اور تامّل نہیں، نیز اس کے وجود کی نہ ابتدا ہے اور نہ انتہا۔ وہ اپنے وجود میں کسی کا محتاج نہ تھا، نہ ہے اور نہ آئندہ ہوگا۔ وہ ہمیشہ سے ہے اسی کو ازلی کہتے ہیں۔ وہ ہمیشہ رہے گا اسی کو ابدی کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہر ممکن شئے پر قادر ہے، جو چاہے کرے اور جو چاہے نہ کرے۔ اس کے مقدورات کی انتہا نہیں۔ وہ صاحبِ ارادہ ہے۔ اس کا ارادہ انسانی، جناتی، ملکی ارادہ پر غالب ہے۔ وہ جب چاہتا ہے اور جس طرح چاہتا ہے اور جس وقت چاہتا ہے اپنے ارادے سے چیزوں کو نمودار فرماتا ہے۔ ارادہ کے لیے علم کا ہونا ضروری ہے۔ اس کا علم ایسا محیط ہے کہ جو تمام ممکنات کو شامل ہے اپنی ذات واجب الوجود اور اپنے صفاتِ واجبہ کو وہ بخوبی جانتا ہے۔ علم کے لیے حیات اور زندگی لازم ہے۔ ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ اس کے وجود کی نہ ابتدا ہے نہ انتہا، اس لیے اس کی زندگی بھی دائمی ہے، اس کے لیے موت ناممکن ہے۔ وہ ہر آواز کو سنتا ہے، ہر چیز کو دیکھتا ہے، اس لیے اس کو سَمِیْع وبَصِیْر کہتے ہیں۔ اس کی ذاتِ عالی میں ایک صفت کلام ہے، جس کے آثار میں آسمانی کتابیں ہیں۔ انھیں مقدس کتابوں میں سب سے افضل اور اعلیٰ کتاب قرآنِ مجید ہے۔ اس کی ایک صفتِ تخلیق بھی ہے، جس کو تکوین بھی کہتے ہیں۔ یعنی عدم سے نکال کر وجود میں اشیاء کو لانا اسی صفتِ عالیہ کا کام ہے۔

یہ واضح رہے کہ صفاتِ باری تعالیٰ سب قدیم ہیں اور وہ صفات کسی کا عطیہ نہیں۔ وہ ذاتِ خلّاق خود بخود ہے اور خود اس کے صفات ہیں۔ ایسی عالی ذات پاک ہی اس قابل ہے کہ ہر صاحبِ فہم اپنی جان اپنا مال انتہائی تذلّل کے ساتھ اپنے کو بندہ جان کر اس کو آقائے حقیقی مان کر اس کے سامنے پیش کر دے، اور جن جن طریقوں سے اس کے حبیب پاک روحی فداہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے سامنے جھکنے اور دبنے کا طور وطرز بتایا ہے۔ اس طرح اس کے دربارِ عالی میں جھکے، اسی کو عبادت کہتے ہیں۔ اسی بنا پر سوائے ایک ذات کے کوئی شئے قابلِ عبادت نہیں، یہی مطلب ہے کلمۂ توحید لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا۔

کائناتِ ارضی وسماوی میں کوئی شئے کسی درجہ بلند پر فائز ہو، اس کا وقار اور قدر شریعت مطہرہ کے بتائے ہوئے طریقے سے ضرور کی جائے، لیکن معبود سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کو بھی نہ سمجھا جائے اور نہ کہا

جائے۔ شریعت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سجدہ سوائے اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کے کسی کے لیے ہرگز جائز نہیں کیا گیا ہے۔ اس لیے مسجود بھی وہی ایک ذاتِ پاک ہی ہے۔

عالم میں حاجت براری کے مختلف ذرائع اور اسباب، مسبب الاسباب نے ضرور مہیا فرمائے ہیں بچہ کی تربیت کے لیے والدین، علاج کے لیے طبیب اور ڈاکٹر، انتظامِ ملکی کے لیے حکومتیں، مقدمات کے فیصلوں کے لیے عدالتیں، تعلیم کے لیے اساتذہ، ارشادِ باطنی و ہدایتِ روحانی کے لیے مشائخ کرام و اولیائے عظام، اور سب سے زائد بلند پایہ عظیم المرتبت حضرات انبیاءِ کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام، خاص کر سید الاولین والآخرین خاتم النبیین اشرف المرسلین حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مقرر فرمایا۔ علیٰ قدرِ مراتب ہر ایک سے حاجتِ دنیا یا ضرورتِ دین یا فلاحِ دارین پوری ہو رہی ہیں۔ لیکن درپردہ ہر ایک کے کام میں حقیقی طور پر وہی ذات عالی کارفرما ہے جس کو ہم اور آپ "اللہ" کہتے ہیں۔ اسی لیے عالم کا ہر فرد ہر وقت اور ہر جگہ اس کا محتاج ہے اور وہ سب سے بے نیاز ہے، کسی کا محتاج وہ نہ پہلے تھا، نہ اب ہے اور نہ آئندہ کبھی ہوگا، نہ یہ اس کی ذات عالی کے لیے زیبا، اسی معنی کے لحاظ سے اس کو "صَمَدٌ" کہتے ہیں، جو سورۂ اخلاص میں مذکور ہے۔

جو شخص اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتا ہے اور اس کی فرماں برداری بجا لاتا ہے، اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک طریقہ کو اپنے لیے راہِ نجات جانتا ہے، اس سے وہ خوش ہوتا ہے اور اپنی خوشی کا اظہار بشکل ثواب آخرت میں ضرور فرمائے گا بشرطیکہ اطاعت شعار کا خاتمہ بخیر ہوا ہو۔ ہو سکتا ہے کہ دنیا میں بھی تھوڑا یا بہت صلہ مرحمت فرمائے۔ یہ ثواب دینا اس کے رحم و کرم کا تقاضا ہے، ورنہ وہ کسی سے مجبور نہیں کہ ثواب اس پر لازم ہو، یہی مطلب ہے هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ (وہ بہت بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے) کا۔

اُسی کے قبضۂ قدرت میں ہر بندہ کی زندگی اور موت ہے، وہی جلاتا ہے اور وہی مارتا ہے۔ یہی مطلب ہے یُحْیِیْ وَ یُمِیْتُ کا۔

جو شخص اس کے احکام سے سرتابی کرتا ہے اور یہ سرکشی حدِ کفر تک پہنچ جاتی ہے اور اسی پر اس کو موت آجاتی ہے، اس کے لیے سوائے عذاب کے اور کچھ نہیں۔ کافر کے لیے نجات کا کوئی ذریعہ نہیں۔ ہاں اگر وہ بندہ زندگی میں اپنے کفر سے تائب ہو جائے اور دولتِ ایمان سے سرفراز تو اس کے سابقہ گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور جو باتیں مسلم کے لیے ہیں وہ اس کے لیے بھی مہیا ہو جاتی ہیں۔

کوئی بندہ مسلم تو ہو یعنی عقائد اس کے صحیح ہوں، مگر عملی خامیاں اس میں باقی ہوں، اس نے اگر توبہ نہ کی اور موت آگئی تو اللہ جل شانہٗ وعم نوالہٗ کو اختیار ہے، خواہ مغفرت فرمائے یا اوّل کچھ عذاب دے، پھر نجات مرحمت فرما کر جنتی بنا دے۔

الغرض مومن کو نہ اس کی رحمت سے ناامید ہونا چاہیے اور نہ اس کی ذاتِ عالی سے بے خوف۔ اس کو "سَتَّارُ العُیُوبِ" اور "غَفَّارُ الذُّنُوبِ" سمجھتے ہوئے یہ بھی عقیدہ رکھنا ضروری ہے کہ وہ ذاتِ پاک "قَہَّار" اور "جَبَّار" بھی ہے۔

البتہ موت کے وقت حاضرین کا فریضہ ہے کہ مومن کو رحمت کی امید زائد دلائیں، اور مرنے والے کے سامنے کلماتِ خیر کہیں یعنی آیاتِ رحمت اور اس کے مطالب پیش کریں، تاکہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے ساتھ مرنے والے کی نیک گمانی میں اضافہ ہو، یہ حسنِ ظن ان شاء اللہ تعالیٰ مفید اور کارآمد ہوگا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے وقت کے لیے یہی تعلیم دی ہے، "جو صحاح کی کتب میں مذکور ہے۔"[1]

اللہ تعالیٰ جل شانہٗ وعم نوالہٗ کی ذات پاک جملہ عیوب ونقائص سے بالکل پاک وصاف ہے، اس کی ذات پاک میں کمی اور خامی کا کوئی شائبہ نہیں، اور نہ اس کے لیے یہ امر ممکن اور زیبا ہے، بلکہ بعض وہ امور جو بندوں کے لیے کمال شمار ہوتے ہیں، خدائے برتر جل شانہٗ وعم نوالہٗ کے لیے وہ عیب ہیں مثلاً شادی شدہ ہونا، صاحبِ اولاد ہونا ایسی نعمتیں ہیں جن کی آرزو کی جاتی ہے۔ لیکن اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نہ کسی کی اولاد ہے اور نہ اس کی کوئی اولاد، نہ اس کی بیوی، نہ اس کی نسبی رشتہ داریاں، اس لیے کہ یہ امور جسم اور مادہ سے تعلق رکھتے ہیں جو صرف مخلوق کے لیے زیبا ہیں۔ خالقِ کائنات جل شانہٗ وعم نوالہٗ جو اپنی حقیقت اور اپنے وجود کے لحاظ سے شانِ یکتائی رکھتا ہے اور اس کا مثل ناممکن ہے، ان چیزوں سے بالکل منزہ اور پاک وصاف ہے۔ یہی مطلب ہے اس سورۃ مبارکہ کا:

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۚ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۚ لَمْ يَلِدْ ۙ وَلَمْ يُوْلَدْ ۙ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۧ	(اے رسول) کہہ دیجیے اللہ یکتا ہے اور تمام خلائق کا مرجع سب سے بے نیاز، نہ اس سے کوئی ولادت ہوئی اور نہ وہ کسی سے پیدا ہوا اور نہ اس کی کوئی شے مثل۔

خلاصہ یہ ہے کہ اس کے سوا جس کو عالم کہتے ہیں، سب اس کی مخلوق ہے، نہ کسی کو قدامت حاصل ہے، نہ اس سے بے نیازی، سب اسی کے محتاج ہیں اور اسی کے کرم سے فیض یاب ہیں۔

---

[1] مریض کے پاس یا مرنے والے کے پاس حاضرین پر ضروری ہے کہ وہ کلماتِ خیر کہیں۔ اس سلسلہ میں ہم حدیث شریف پیش کر رہے ہیں جو مسلم شریف میں ہے:

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا حضرتم المریض او قال المیت فقولوا خیرا فان الملٰئکۃ یؤمنون علٰی ماتقولون۔ مسلم شریف، جلد ۱، کتاب الجنائز ص ۳۰۰

مَوالیدِ ثلٰثہ

عالم میں جو چیزیں ہمیں محسوس ہوتی ہیں وہ موالید (جمع مولود) ثلٰثہ ہیں، یعنی تین قسم کی مخلوقات ہیں۔

جمادات

مَوالیدِ ثلٰثہ میں سے پہلی قسم جمادات ہیں، جن میں عناصرِ اربعہ پہاڑ، معدنیات سب شامل ہیں۔ جمادات کے معدنیات میں عجیب وغریب تاثیریں موجود ہیں جو اطبا نے اور اہلِ نجوم نے اپنی کتابوں میں بیان کی ہیں۔ ان بے جان جمادات میں تاثیراتِ عجیبہ کا پیدا کرنا کس کا کام ہے، اگر یہ کہا جائے کہ ان کے طبائع نے یہ آثار نمایاں کیے ہیں تو پھر یہ دریافت کیا جائے گا کہ طبائع میں قوتِ ادراک بھی ہے یا نہیں، بہ ظاہر ان میں ادراک نہیں، اور جب قوتِ انکشاف ہی نہیں تو وہ کس طرح ان عجائب وغرائب کا مرکز ہو سکتی ہیں۔ اس دور میں جو لوگ اللہ تعالیٰ کے وجود کے منکر ہیں وہ کہتے ہیں کہ ایک طاقت ہے جسے ایتھر کہتے ہیں۔ وہ ان تاثیرات کا خالق ہے۔ یہاں پر بھی وہی سوال ہو گا کہ ایتھر میں قوتِ ادراک ہے یا نہیں، اگر نہیں تو جو طبیعت کا تھا وہی حال ایتھر کا ہوا، اور اگر اس ایتھر میں انکشافِ تام ہے اور اگر قدرتِ کاملِ اور ان عیوب سے وہ منزہ ہے جو ہم نے اللہ تعالیٰ کے لیے بیان کیے ہیں تو آپ اس کا نام ایتھر رکھیں، ہم اہلِ اسلام کہیں گے کہ وہ اللہ تعالیٰ ہے۔

نبَاتات

دوسری قسم عالم میں نباتات ہیں۔ بے شمار درخت، بے گنتی سبزیاں، بے حد اناج، بھانت بھانت کے پھول وپھل۔ اس عالم میں نباتات کا شمار انسان کے لیے قریب قریب ناممکن ہے۔ اس لیے کہ مختلف ممالک میں مختلف اقسام کی سبزیاں پیدا ہوتی ہیں جن میں سے ہم نے بعض کو دیکھا بھی نہیں ہے۔ ان سبزہ زاروں میں پھول اور اُن کی رنگتیں، نزاکت اور لطافت، پھل اور اُن میں لذتیں، بعض دواؤں میں مفید اور نافع۔ الغرض جڑی بوٹیوں میں بے شمار منافع ہیں جن میں سے بعض چیزوں کو ڈاکٹروں اور طبیبوں نے سمجھا ہے اور بعض سائنسدانوں نے اس کا تجربہ بھی کیا ہے، لیکن پھر بھی تمام نباتات پر احاطہ کرنے کا کوئی دعویٰ نہیں کر سکتا۔

میرے ایک مخلص نے مجھ سے بیان کیا کہ ہم کسوٹی پہاڑ پر پہنچے، وہاں مختلف اقسام کے پھول ہمیں نظر آئے۔ ہم نے احباب سے مشورہ کیا کہ ہر قسم میں سے صرف ایک پھول حاصل کرو، تھوڑی دور چلنے کے بعد ہماری گودیں پھولوں سے بھر گئیں، مگر پھولوں کی اقسام ختم نہیں ہوئیں۔ ہر پھول کی وضع قطع اور اس کی ملاست ولطافت اور دیکھنے اور سونگھنے کے بعد عقلِ سلیم یہ فیصلہ کرتی ہے:

برگِ درختانِ سبز در نظرِ ہوشیار
ہر ورقے دفتریست معرفتِ کردگار

(حضرت شیخ سعدیؒ)

ناظرین انصاف سے کہیں کہ نباتات کے یہ کمالات وہی ہستی نمودار فرما سکتی ہے جو کامل قدرت کی حامل ہو اور پورا انکشاف اس کو حاصل ہو، ایسی حالت میں ہم مجبور ہیں کہ خلاّقِ دو عالم کا اقرار کریں اور اس کے وجود کے اعتراف سے پرہیز نہ کریں۔

حیوانات

تیسری قسم موالیدِ ثلثہ میں سے حیوانات ہیں۔ حیوانات کچھ چرندے ہیں، جیسے گدھا، گھوڑا، گائے، بھینس وغیرہ۔ اور کچھ درندے ہیں، جیسے شیر، چیتا، تیندوا اور بھالو وغیرہ، کچھ پرندے ہیں جیسے طوطا، مینا، طوطی اور لعل، کچھ حیوانات، کیڑے مکوڑے ہیں، جیسے سانپ، بچھو وغیرہ اور کچھ حیوانات دریائی ہیں جیسے مچھلیاں اور دیگر پانی کے جانور۔ ان حیوانات کی اقسام ہمیں سب کی سب نہیں معلوم۔ چڑیا خانوں اور عجائب گھروں میں کچھ تھوڑے سے حیوانات ہماری نظروں میں آئے ہیں۔ لیکن ان اقسام کے اصناف اور انواع پر ہم احاطہ نہ کر سکے۔

بمبئی اور کراچی کے مچھلی گھروں میں عجیب عجیب قسم کی مچھلیاں ہم نے دیکھیں، جن کے بدن پر انتہائی خوب صورت رنگ پائے اور ایسا معلوم ہوا کہ جیسے کسی ماہر پینٹر نے یہ رنگ و روپ بنائے ہوں۔

پرندوں میں چھوٹے سے چھوٹا طوطا چڑیا برابر نظر آئے اور بڑے سے بڑا مرغ برابر۔ ان طوطوں کی آوازیں اور رنگت و روپ دیکھنے کے بعد کہنا پڑا کہ یہ قدرتِ خلاق ہی کا تماشا ہے۔ بے حس اور بے عقل مادہ یا طبیعت یا حرکت یا ایتھر اس کے موجد نہیں۔

اشرف المخلوقات

حیوانات کی اقسام میں سے اعلیٰ اور افضل نوع انسان ہے، جسے اشرف المخلوقات بھی کہتے ہیں۔ انسان کے مادی جسم میں بے شمار مشینیں ہیں۔ دماغ کی مشینیں اپنی جگہ کام کر رہی ہیں، اور اس میں مختلف دائروں کی شکل میں کچھ حصے ہیں، کسی میں طاقتِ باصرہ، کسی میں طاقتِ سامعہ، کسی میں قوتِ شامّہ، کسی میں قوتِ ذائقہ، کسی میں قوتِ لامسہ، کسی میں قوتِ حافظہ، کسی میں قوتِ واہمہ، کسی میں طاقتِ خیالیہ، کہیں طاقتِ متصرفہ اور کہیں حسِ مشترک۔ اس بنا پر دماغ ہمارے علم کے مطابق کم از کم دس مشینوں کا مجموعہ ہے۔ اصلی تحقیق اور پورا انکشاف تو بشر کے لیے ناممکن ہے، مگر ہم سے زائد ڈاکٹر اور سائنس داں کر سکتے ہیں۔

دوسری مشین معدہ ہے، جو کھانے کو ہضم کرتا ہے، فضلے کو آنتوں کی طرف منتقل کر دیتا ہے اور کارآمد حصے کو جگر کی طرف منتقل کر دیتا ہے۔ جگر بھی ایک مشین ہے، جو از سرِ نو کھانے کے جوہر کو پکاتا ہے اور اس میں مختلف چیزیں بنتی ہیں، مگر اصلی جوہر (خون) کو وہ دل کے حوالے کر دیتا ہے۔ دل اور پھیپھڑوں میں از سرِ نو اس کو صاف کیا جاتا ہے، اور رگوں کے ذریعے سے پورے بدن میں اس کا پھیلاؤ ہوتا ہے خون کی

رفتار گھنٹے میں سات میل بتائی گئی ہے۔ اس رفتار میں کمی اور بیشی ہونے پر خون کی رفتار تیز (HIGH BLOOD PRESSURE) یا دھیمی (LOW) ہو جاتی ہے۔

رُوح کی حقیقت اور اس کی قِسمیں

اطباء کی تحقیق کے مطابق دل کے خون کی بھاپ روحِ حیوانی کہی جاتی ہے اور جگر کی بھاپ کو وہ روحِ طبعی کہتے ہیں۔ یہ جملہ ارواح ماتحت ہیں اس روحِ انسانی کے کہ جس کی حقیقت سے اللہ جل شانہٗ وعم نوالہٗ واقف ہے۔ قرآن کریم میں ہے کہ:

وَيَسْـَٔلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ ۖ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي وَمَا أُوتِيتُم مِّنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا ٥

اور آپ سے وہ روح کے بارے میں سوال کرتے ہیں آپ کہہ دیجیے کہ روح امر ربی ہے اور تمھیں (اس کے بارے میں) تھوڑا سا علم دیا گیا ہے

روحِ انسانی ہی اصل میں انسان ہے اور جسمانی روحیں اور مادہ بدن اس کے آلات اور خوادم ہیں۔ روحِ انسانی یا نفسِ ناطقہ یا جیو آتما جب بدن سے تعلق ختم کر دیتی ہے تو تمام روحیں ختم ہو جاتی ہیں اور خون جم جاتا ہے، نہ اس میں رفتار باقی رہتی ہے، نہ حرارت۔ اس لیے مناطقہ اور فلاسفہ قدیم نے روح اور نفسِ ناطقہ کی تعریف میں کہا ہے کہ وہ ایک مجرد چیز ہے، جو بدن سے تدبیر اور تصرف کا تعلق رکھتی ہے۔

دماغ

انسان نے اپنی زندگی میں بے شمار اقسام کی مشینیں تیار کیں، لیکن ان تمام مشینوں کا مدار ایک معمولی سا لوتھڑا ہے جس کو دماغ یا بھیجہ کہتے ہیں۔ مشینوں کی ایجاد تو سائنس دانوں کی طرف منسوب کی جا سکتی ہیں۔ لیکن دماغ جو دیکھنے کے اعتبار سے قلیل سا پارچہ ہے، کسی سائنس داں یا ڈاکٹر کا بنایا ہوا نہیں۔ اس کی بناوٹ کے لیے خلاقِ حقیقی اللہ تعالیٰ جل شانہٗ وعم نوالہٗ کا اقرار کرنا پڑے گا۔

اندکے باتو بگفتم غمِ دل ترسیدم
کہ دل آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار ست

نظامِ فلکیات اور قدرتِ باری تعالیٰ

میں نے اب تک قارئین کتاب کے سامنے کرہ ارض اور کرہ آب کے مختصر حالات پیش کیے گئے۔ اگر آپ زمین اور سمندر سے اونچی منزل پر پہنچیں تو پہلے آپ کو ہوا کا کرہ ملے گا۔ ہوا وہ دولت و نعمت ہے کہ ہر جاندار کی زندگی کا اسی پر مدار ہے۔ اس ہوا میں مختلف قسم کے طبقات ہیں، کہیں گرد آمیز جسے غبار کہتے ہیں، کہیں آتشیں مادہ اس میں رونما ہوتا ہے تو یہ دُخان (دھواں) بن جاتی

ہے، کبھی اجزائے ماہیہ اس میں مل جاتے ہیں تو یہ بخارات بن جاتی ہے۔ کہیں ان آلات سے پاک ہو کر لطیف ہو جاتی ہے۔ ہر طبقہ کے آثار جدا جدا ہیں' اور ان آثار کی بنا پر کرۂ ارض پر کبھی مضر، کبھی مفید اور نافع کیفیات پیدا ہوتی ہیں، کبھی اس کی رفتار میں ایسا تموّج (زور) پیدا ہوتا ہے کہ سیکڑوں آبادیوں کو تباہ اور ہزاروں انسانوں کو ہلاک کر دیتی ہے۔ ماہرینِ سائنس اس کے کمالات کو ہم سے زائد سمجھتے ہیں۔

مگر افسوس ہے کہ ہوائی کمالات تو ان ماہرین سائنس کے پیشِ نظر ہیں، مگر ان کمالات کے حقیقی موجد خالق کائنات جل شانہٗ وعم نوالہٗ کی طرف ان کی توجہ یا تو بالکل نہیں ہوتی، بلکہ اس کے وجود تک کا وہ لوگ انکار کر دیتے ہیں یا اعتقادی توجہ ہوتی ہے لیکن عمل سے وہ لوگ غافل ہوتے ہیں۔

خوش نصیب انسان وہ ہے جو ان مادّیات کے کمالات کو معرفتِ باری تعالیٰ کا ذریعہ بنائے اور قدرتِ قادرِ مطلق کا انکار نہ کرے اور صنعتِ صانعِ برحق کی یاد سے غافل نہ ہو۔

اس ہوائی کرہ کے بالائی حصہ میں کواکب اور نجوم کے بے شمار طبقات ہیں جن میں شمس و قمر نمایاں حیثیت رکھتے ہیں، لیکن یہ قُرب اور نزدیکی کے لحاظ سے ہے۔ بعید منازل میں نہیں معلوم کتنے ستارے ہیں اور کیا کیا اُن کے آثار ہیں۔

معرفتِ باری تعالیٰ

علمِ ہیئت اور علمِ نجوم کے جاننے والوں نے بہت سے کواکب کا حال لکھا ہے، لیکن وہ بھی پوری دنیائے نجوم پر احاطہ نہ کر سکے۔ خالقِ کائنات جل شانہٗ وعم نوالہٗ ہی جانے کہ یہ نجوم کا سلسلہ کہاں تک پہنچا ہے۔ جو شخص ارضیات میں اعضائے حیوانی سے واقف ہے اور فلکیات میں نجوم کی سعادت اور نحوست سے مطلع ہے، وہ معرفتِ خالقِ کائنات میں بڑا ماہر ہو سکتا ہے۔ امام المتکلمین امام فخر الدین محمد الرازی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ:

مَنْ لَمْ يَعْرِفِ الْهَيْئَةَ وَالتَّشْرِيحَ فَهُوَ عِنِّيْنٌ فِيْ مَعْرِفَةِ اللّٰهِ تَعَالٰى [1]

یعنی جو شخص علم ہیئت (فلکیات) اور علم تشریح (جراحی) سے واقف نہیں ہے وہ اللہ تعالیٰ کی معرفت میں ناقص ہے۔

ہم پورے مقدورات کا احصاء (شمار) تو نہ کر سکے اور نہ ہمارے لیے ممکن ہے، لیکن علویات اور سفلیات کے نمونے آپ کے سامنے پیش کر دیئے۔ اب جس قدر علوم سے آپ کی واقفیت ہے آپ اس کے مطابق زیادہ سے زیادہ صنعتیں اور حکمتیں برآمد کر سکیں گے۔

خالقِ کائنات کی طرف توجہ بہت ضروری ہے

الغرض مخلوقات کا جس قدر بھی کسی کو علم ہوگا، اسی قدر اس کا

[1] حوالہ دستیاب نہ ہو سکا۔ امام رازی کثیر التصانیف عالم جید گذرے ہیں۔

خالقِ کائنات کی طرف میلان ہوگا۔ محض مخلوقات میں پھنس کر رہ جانا اور خالقِ کائنات جل شانہٗ وعم نوالہٗ کی طرف توجہ نہ کرنا ایسا ہے کہ جیسے کوئی بچہ چھت پر پتنگ اڑا رہا ہو اور پتنگ اڑانے میں پیچھے ہٹتا ہو اور چھت پر آڑ نہ ہو تو وہ زمین پر گرے گا، اور ہلاک ہو جائے گا یہی حال مادّہ پرستوں کا ہے کہ وہ مادّیات میں منہمک ہیں اور اس کی بیخ و بُن تلاش کرنے میں سرگرداں اور حیران ہیں، مگر خالقِ مادّہ اور موجدِ مادّہ یعنی اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف اُن کی توجہ نہیں ہے۔

ایک شبہ اور اس کا جواب

ممکن ہے کہ کسی کے ذہن میں خطرہ پیدا ہو کہ مادّی دنیا میں جو آثار نمایاں ہیں۔ وہ بہت سے مفید اور نافع ہیں اور بہت سے مُضر اور نقصان رساں، تو کیا کمال کے ساتھ نقائص کا پیدا کرنا خالقِ کائنات کا کام ہے یا اتفاقی چیزیں ہیں کہ کبھی منفعت نمایاں ہوتی ہے اور کبھی نقصان۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ہم نے کمالات کا ذکر کیا ہے، خواہ وہ بعض کے لیے نافع ہوں اور بعض کے لیے مُضر۔ مُضرات بھی بعض اوقات انجام کے لحاظ سے نافع ہوتے ہیں، اور کبھی یہ چیز واضح بھی ہو جاتی ہے کہ ہم جس کو مضر اور ناقص سمجھتے تھے، وہ واقع میں مفید اور نافع ہے۔ پورے عالم کے تمام مصالح کو حکیم مطلق اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ ہی جان سکتا ہے۔ ہماری نظر بہت ناقص ہے۔

مفت ہم دیکھنے والوں میں گنے جاتے ہیں
آنکھ کس کی ہے نظر کس کی تماشا کس کا

(وفا رام پوری)

توحیدِ باری تعالیٰ

اہلِ اسلام کے نزدیک موجدِکائنات خالقِ موجودات صرف ایک ہی ذات ہے' اور وہ ذاتِ پاک قدیم ہے' اس کے لیے نہ کبھی عدم ہوا، نہ ہے اور نہ کبھی آئندہ ہوگا۔

عالم

عالَم ماسوا اللہ کو کہتے ہیں۔ خواہ وہ مادّی ہو یا روحانی۔ دیرینہ زمانے سے ہو یا حال کی پیداوار' سب کا خالق صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ قرآن مجید میں ارشادِ ربانی ہے کہ:

وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ج

اور تمھارا معبود ایک ہی ہے۔

توحید پر دلائل

توحید کے متعلق مختلف دلائل پیش کیے گئے ہیں۔ جن میں سے بعض ظنی ہیں اور انھیں تیقن کا رتبہ حاصل نہیں۔ بعض یقینی ہیں جن سے عقیدۂ توحید مستحکم ہوتا ہے۔

سہل اور عام فہم دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حبیب مکرم حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت' حقانیت' فہم و فراست، دانائی اور ذکاوت عالم بھر میں مسلّم ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی بہت سی چیزیں ایسی ہیں کہ ظاہری عقل کو وہاں تک رسائی نہیں ہے' چونکہ وہ عادت کے خلاف' رسم و رواج سے جدا اور مقبولیتِ عامّہ سے کوسوں دور۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سچا ماننے والے ان چیزوں کی تصدیق کرتے ہیں' ان ہی میں سے مسئلہ توحید بھی ہے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب سچا مان لیا اور آپ نے ارشاد فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ ہے تو ہر سچا ماننے والا مجبور ہے کہ اس مسئلہ میں بھی آپ کو صادق القول اور حق گو تصور کرے اور توحید پر ایمان لائے' خواہ کسی دلیل سے اس کے نزدیک توحید ثابت ہو یا نہ ہو۔ فرمانِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود سب سے بڑی روشن دلیل ہے۔

منطقیانہ اور فلسفیانہ طریقے پر جو دلائل توحید پر قائم کیے گئے ہیں' ان میں سب سے زیادہ قوی ایک حجت ہے' جسے برہانِ تمانع کہتے ہیں۔

علامہ سعدالدین تفتازانی علیہ الرحمہ نے اپنی مشہور زمانہ تصنیف "شرح عقائد نسفی" میں اس کو

بیان فرماہے اور یہ بُرہان قرآن عظیم کی مندرجہ ذیل آیۃ کریمہ سے اشارۃً وکنایۃً نکالا گیاہے کہ:

لَوْ کَانَ فِیْہِمَآ اٰلِہَۃٌ اِلَّا اللّٰہُ لَفَسَدَتَا ج	اگر ہوتے ان دونوں (آسمان وزمین) میں چند معبود اللہ کے علاوہ تو ان میں فساد آجاتا۔

برہانِ تمانع

برہانِ تمانع کی تفصیل یہ ہے کہ اگر دو خدا مانے جائیں تو یہ ممکن ہے کہ ایک خدا زید کو متحرک کرنا چاہے اور اُسی وقت میں دوسرا زید کو ساکن رکھنا چاہے، سکون اور حرکت چونکہ ضدّین ہیں۔ ایک وقت میں ایک محل پر ایک حیثیت سے جمع نہیں ہوسکتے۔ پس یا تو حرکت دینے والا خدا کامیاب ہوگا یا ساکن رکھنے والا خدا کامیاب ہوگا، جو کامیاب ہوگا وہ خدا کہلائے کا حقدار ہوگا اور جو ناکام ہوگا وہ عاجز اور خدائی سے محروم رہے گا اور اس کی مزید وضاحت دوسری آیۃ کریمہ میں ہے کہ:

وَلَعَلَا بَعْضُہُمْ عَلٰی بَعْضٍ ط	اور یقیناً (اس وقت) ان کا بعض بعض پر غالب آجاتا۔

اس برہانِ تمانع کو نئے نئے انداز سے علماء کرام نے پیش کیا ہے۔ علامہ جسر طرابلسی علیہ الرحمہ نے "رسالہ حمیدیہ" میں تفصیل کے ساتھ اس کو بیان فرمایا ہے۔

توحید کی مزید تفصیل

ہم اہلِ اسلام کے نزدیک خدائے برتر جلّ شانہٗ وعم نوالہٗ اپنی ذاتِ کریمانہ اور صفاتِ قدیمانہ کے لحاظ سے یکتاہے کوئی اس کی ذات وصفات میں شریک نہیں۔ ذات میں شریک نہ ہونا تو واضح ہے کہ عالم کے جملہ حقائق ممکنہ ہیں اور خدا کی ذات واجب بالذات ہے۔ واجب اور ممکن کبھی ایک ہو ہی نہیں سکتے۔ اسی طرح اس کے صفات بھی ذاتی ہیں۔ وہ کسی کا بھی مرہونِ منت نہیں۔ نیز یہ صفات ذاتِ قدیم کے ساتھ قدیم ہیں۔ ممکنات کو جو چیز بھی حاصل ہوتی ہے، وہ فقط اسی کی ذات کی تاثیر ہے۔ اسی طرح صفات جو ممکن میں پائے جاتے ہیں وہ مجازی اور ظاہری ہین۔ پس ممکن جس طرح ذات میں شریک نہیں ہوسکتا، اس کے صفات میں بھی شریک نہیں ہوسکتا۔ جو انسان اللہ جل شانہٗ وعم نوالہٗ کی ذات یا صفاتِ حقیقیہ میں شرکت کا دعویٰ کرے وہ مشرک، ملحد اور زندیق ہے۔

اللہ رحمٰن اور رحیم ہے، مگر اس کے رحم وکرم سے کوئی مقابلہ یا دعویٰ مساوات نہیں کرسکتا۔ پس صفاتِ باری تعالیٰ قدیم اور صفات کے آثار لامتناہی اور ممکنات کے آثار بے انتہا محدود ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا علم ازلی اور ابدی، لامتناہی اور قدیم ہے۔ بندے کا علم حادث

اور باری تعالیٰ کے کرم کا عطیہ ہے۔ یہی قرآن کریم میں ہے :

وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اور احاطہ نہیں کر سکتے وہ اس کے علم کا کچھ بھی
اِلَّا بِمَا شَآءَ ج مگر جتنا وہ چاہے

اللہ تعالیٰ جس کو علم دیتا ہے وہ اس کی عنایت ہے۔ باری تعالیٰ کے پورے علم کا کوئی احاطہ نہیں کر سکتا۔

اسی طرح تخلیق اہلِ سنت وجماعت کے نزدیک اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے۔ معتزلہ جو اہلِ بدعت کا ایک گروہ ہے، وہ کہتا ہے کہ بندہ اپنے افعال کا خود خالق ہے۔ معتزلہ کا یہ قول قرآن عظیم کی مندرجہ ذیل آیتہ کے خلاف ہے :

خَالِقُ کُلِّ شَیْءٍ م لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ج وہ ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے، اس کے سوا کوئی
فَاَنّٰی تُؤْفَكُوْنَ ہ معبود نہیں، تم کہاں بھٹکتے پھرتے ہو۔

یہ چند صفات نمونے کے طور پر ہم نے پیش کیے، بقیہ صفات کا بھی یہی حال ہے، پس ایسی صورت میں حقیقی بندہ ہونے کے باوجود کسی عاقل و بالغ کا کسی دوسرے کے لیے انتہائی تذلّل جسے عبادت کہتے ہیں، صحیح نہیں ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کو واجب الوجود یا معبود تصور کیا جائے گا تو وہ "شرکِ جلی" ہوگا اور اس کے متعلق قرآن عظیم میں ہے :

اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ بے شک اللہ شرک کی مغفرت نہیں فرمائے گا۔

جو لوگ اللہ تعالیٰ کے سوا دوسرے کو قدیم مانتے ہیں، جیسے بعض فلاسفہ کا مذہب ہے کہ خدا کے ساتھ مادہ بھی قدیم ہے، اور بعض لوگوں نے یہ بھی کہا ہے کہ روح بھی قدیم ہے، اس میں تو تین خداؤں کا ماننا لازم آیا جو کھلی ہوئی تثلیث ہے اور توحید کے بالکل خلاف۔ عیسائیوں کے مذہب سے میل کھاتی ہے۔ ہندو فلسفہ میں بھی پرکرتی (مادہ) اور جیو آتما (روح) کو قدیم کہا گیا ہے۔ یہ سب باتیں اہلِ حق یعنی اہلِ اسلام کے خلاف ہیں۔

توحید کے متعلق چند شبہات اور ان کے جوابات

پہلا شبہ ما نویہ اور مجوسیہ کا ہے جو دو خالقوں کے قائل ہیں۔

مجوسیہ کا نظریہ

یہ یہ کہتے ہیں کہ عالم میں خیرات کا بکثرت ظہور ہے اور اس کے مقابلہ میں شرور بھی بے حد ہیں۔ خیر اور شر میں تضاد ہے۔ مظہرِ خیر منبعِ شر نہیں ہو سکتا اور منبعِ شر مظہرِ خیر نہیں ہو سکتا۔ اس لیے دو خالقوں کا ماننا بقول مجوسیوں کے ضروری ہے۔ یہی ان کا

عقیدہ ہے، اور ان کے نزدیک جو مصدرِ خیر ہے اس کو وہ یزداں کہتے ہیں اور جو ان کے نزدیک مظہرِ شر ہے اس کو وہ اَہرَمن کہتے ہیں بعض لوگوں نے اَہرَمن سے مراد شیطان بھی لیا ہے۔ اس قول کی بنا پر شیطان مدِ مقابل اللہ تعالیٰ کا ہوا۔

مجوسی نظریہ کی تردید

باری تعالیٰ نے قرآن کریم میں اس قولِ باطل کی تردید میں فرمایا

لَا تَتَّخِذُوْٓا اِلٰـهَيْنِ اثْنَيْنِ ج — دو خدا مت بناؤ

اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ج — خدا صرف ایک ہی ہے

یہ شبہ کسی ظاہر بیں کی نظر میں شاید اہمیت رکھتا ہو، مگر ہر عاقل اس تصور کو کہ دو خدا ہیں، لغو اور باطل سمجھتا ہے۔

اس قوم پر تعجب ہوتا ہے کہ شخص واحد خواہ وہ شاہ ہو یا صدر جمہوریہ یا وزیر اعظم، ایک ہی وقت میں مختلف احکام صادر کرتا ہے۔ کسی کو قید و بند کی سزا دیتا ہے، کسی کو موت کے گھاٹ اتارتا ہے، کسی کو ترقی کے منازل سے اتار کر تحتانی مقام پر پہنچا کر ذلیل و خوار کر دیتا ہے۔ یہ سب چیزیں از قبیلہ شرور ہیں۔ وہی حاکم کسی شخص کو اعلیٰ مناصب عطا کرتا ہے اور نعمتوں اور دولتوں سے گھر بھر دیتا ہے، اپنے دربار میں عزت و آبرو کے ساتھ بٹھاتا ہے۔ یہ سب چیزیں خیرات میں شمار کی جاتی ہیں۔ یہ تو جاندار ہستیوں کے نمونے تھے۔ اب غیر جاندار چیزوں کے نمونے ملاحظہ ہوں۔

ایک انسان زمین پر کہیں چمن بناتا ہے، کہیں باغ لگاتا ہے، کہیں بلند پایہ عمارات تعمیر کراتا ہے اور اس کے مقابلہ میں کسی دوسری زمین کو وہ گھورے اور کوڑے کرکٹ کا گھر بنا دیتا ہے، کسی مقام پر بدبودار اور سڑی گلی چیزیں پھیلا کر دماغوں کو پریشان کرتا ہے۔ —— ان مثالوں سے ثابت ہوا کہ شخص واحد موجدِ شر اور موجدِ خیر ہو سکتا ہے۔

ہم اہلِ اسلام اگر ایک اللہ وحدہٗ لاشریک کو خالقِ خیر اور خالقِ شر مانیں تو کیا مضائقہ ہے۔ اللہ تعالیٰ حکیم و دانا ہے۔ ماضی اور استقبال کے مصالحے اس کے پیشِ نظر ہیں۔ کہیں خیر ہے تو وہ خیر ہے ہی لیکن جہاں بظاہر شر ہے وہ بھی کسی نہ کسی مرتبہ میں خیر ہی ہے۔

اللہ تعالیٰ جل شانہٗ وعم نوالہٗ کے صفات دو قسم کے ہیں۔

ایک جلالی: جس کے آثار سخت سردی، سخت گرمی، طوفانی ہوائیں، موسلا دھار بارشیں، زمینی زلزلے، اوپر سے پتھروں کا برسنا، زمین کا دھنس جانا، دریاؤں کے سیلاب سے انسان و حیوانات کا بہہ جانا، آبادیوں کا ویران ہو جانا، یہ سب حالات اللہ تعالیٰ کی صفاتِ جلالی کے آثار ہیں۔

دوسرے جمالی: معتدل برسات، صبح کے وقت نسیمِ سحر، گرمی کے موسم میں سرد ہوا، سردی کے موسم میں آتشیں مشینیں، بھوک کے وقت غذا کی فراہمی، پیاس کے وقت آبِ سرد، قبر میں جنت کی کھڑکیوں کا کھل جانا، محشر میں عرشِ اعلیٰ کے سایہ میں مقبولانِ بارگاہِ الٰہی کا لے لینا، صالحین کو جنت میں پہنچانا اور وہاں انواع واقسام کی نعمتوں سے نوازنا، اپنے دیدار سے سرفراز فرمانا اور حیاتِ جاودانی کا عطا فرمانا، یہ سب خیرات ہیں جن کا خالق و مالک صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

جہاں سوزی اگر در غمزہ آئی
شکر ریزی اگر در خندہ باشی

(حضرت امیر خسرو)

مانویہ کا نظریہ

مانویہ گروہ بھی دو خداؤں کا قائل ہے، لیکن ان کا مذہب بہت لچر اور گندہ ہے۔ یہ گروہ کہتا ہے کہ خیرات دن سے پیدا ہوتے ہیں اور شرور رات سے۔

مانوی نظریہ کی تردید

بھلا غور تو کیجیے کیسی لغویات ہے کہ آرام کی نیند، طالبینِ علوم کے لیے مطالعہ کا موقع، عُبّاد و زُہّاد کے لیے عبادت کی فرصت، یہ سب چیزیں رات ہی میں حاصل ہوتی ہیں اور یہ سب چیزیں از قبیلہ خیرات ہیں۔ دن میں معاش کے ذرائع، ترقی کے وسائل اگرچہ کثیر حاصل ہوتے ہیں، مگر گرمی کے موسم میں دوپہر کے وقت بادِ سموم کے جھونکے اور دھوپ کی تپش انسان کی مزاج پرسی کر لیتی ہے بلکہ بعض لوگ ہلاک بھی ہو جاتے ہیں، پھر کس طرح یہ گروہ دن کو مظہرِ خیر اور رات کو مظہرِ شر کہتا ہے۔

فلاسفہ کا نظریہ

دوسرا شبہ فلاسفہ کی طرف منسوب ہے۔ وہ یہ کہتے ہیں کہ واجب الوجود جل شانہٗ جب مؤثر حقیقی ہے تو اس کی تاثیر کے لیے متاثر ہونا بھی ضروری ہے، یعنی تاثیر کا قبول کرنے والا، اور اس تاثیر قبول کرنے والے کو وہ مادّہ کہتے ہیں۔ یہ بھی ان کا خیال ہے کہ مادّہ مختلف حالات سے دوچار ہوتا رہتا ہے اور اس میں نئی نئی قسم کی استعدادیں پیدا ہوتی جاتی ہیں۔ ان ہی استعدادوں کے موافق واجب تعالیٰ کی تاثیریں ہوتی ہیں ـــــ اس مضمون کو کسی شاعر نے یوں بیان کیا ہے:

نقصان ز قابل است وگرنہ علی الدوام
فیضِ سعادتش ہمہ کس را برابر است

اس کی مثال ایسی ہے کہ سورج روزانہ اپنی روشنی عالم میں پھیلاتا ہے، گہرے غاروں میں اندھیرا

رہتا ہے، بند کمرے تاریک رہتے ہیں، لیکن چٹیل میدان میں قلعی دار دیواریں روشن نظر آتی ہیں اور آئینہ سب سے زیادہ روشن ہو جاتا ہے۔ آفتاب ایک۔ اس کی روشنی ایک۔ مگر قبول کرنے والے اپنی اپنی استعداد میں مختلف، اس لیے اس کی روشنی میں بھی تفاوت۔

بہ ظاہر یہ شبہ اس بنا پر ہے کہ تاثیر کے لیے جس طرح فاعل کی ضرورت ہے، اسی طرح قابل کا موجود ہونا بھی ضروری ہے۔ کیونکہ معدوم تاثیر کو قبول نہیں کر سکتا۔ لہٰذا واجب کے ساتھ مادہ کی قدامت بھی ماننا پڑے گی۔

فلاسفہ کے نظریہ کی تردید

ہم اہلِ اسلام جواب میں یہ کہتے ہیں کہ آپ نے قابل کو تو فاعل کے ساتھ موجود مان لیا، لیکن قابل جو مختلف قسم کی صورتیں قبول کرتا ہے، وہ صورتیں یقیناً پہلے معدوم ہوتی ہیں اور بعد کو وجود میں آتی ہیں۔ اگر تاثیر کے لیے وجود ضروری ہوتا تو مادّہ قدیم کے ساتھ لامتناہی صُوَر کو بھی قدیم ماننا پڑتا، بلکہ اخیر میں تو یہ کہنا پڑتا کہ فاعل کی تاثیر ہی نہیں، مادہ بھی قدیم اور صورتیں بھی قدیم اور یہ چیز بداہت کے بالکل خلاف ہے۔

ہم اہلِ اسلام کے نزدیک قادرِ مطلق ہر ممکن شئی پر قدرت رکھتا ہے اور ممکن کے ظہور کے لیے اس کے ارادے کا تعلق کافی ہے۔ یہی قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ وَيَحْكُمُ مَا يُرِيدُ ٥	جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے اور اپنے ارادے کے مطابق فیصلہ فرماتا ہے۔

لائی حیات آئے قضا لے چلی چلے
اپنی خوشی نہ آئے، نہ اپنی خوشی چلے

(ذوق)

صفاتِ باری تعالیٰ

اللہ تعالیٰ کے اسمائے گرامی کثیر ہیں، اُن میں سے ننانوے اسماء مخصوص برکات کے حامل ہیں اس لیے وظیفہ کے طور پر اُن کا پڑھنا مسلمانوں کے لیے بہت مفید اور باعثِ خیر و برکت ہے۔ خدائے تعالیٰ کے اسمائے مبارکہ جن معانی سے مشتق ہیں ان کو صفات کہا جاتا ہے۔

معتزلہ کے نزدیک صفات ذات سے جدا حیثیت نہیں رکھتے۔ ذات کو چونکہ اپنا اور عالم کا انکشاف ہے اور اس کے انکشاف و علم سے کوئی مفہوم خواہ وہ ممتنع ہو یا واجب یا ممکن، خارج نہیں۔ اس حیثیت سے اسے عَلِیم اور عَلاّم کہتے ہیں۔

قرآن عظیم میں ہے :

عَالِمُ الْغَیْبِ وَالشَّہَادَۃِ وَھُوَ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْم — (اللہ تعالیٰ) عالم الغیب والشہادہ ہے اور وہ ہر شی کا جاننے والا ہے

اور اس قسم کی دوسری آیات شاہد ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کے سامنے اس کی ذات بھی ہے اور اغیار بھی ہیں، اس کی معلومات کی کوئی انتہا نہیں، اس لیے کہ ممتنعات اگرچہ ذات کے اعتبار سے ممتنع ہیں، مگر مفاہیم کے لحاظ سے لامتناہی ہیں۔ شَرِیْکُ الْبَارِیْ لَاشَیْئی اِجْتِمَاعُ النَّقِیْضَیْن اِرْتِفَاعُ النَّقِیْضَیْن ممتنعات کی مشہور مثالیں ہیں۔ ان مفہومات کے مصداقات تو ناممکن ہیں، لیکن مفہومات اور تصورات ممکن ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کے علم سے باہر نہیں۔ رہے ممکنات، موجودہ حیثیت سے تو وہ ضرور متناہی ہیں۔ لیکن احتمالات اور امکانات ابدی ہیں، اس کی کوئی انتہا نہیں، وہ تمام لامتناہی ممکنات اللہ تعالیٰ کے علم میں ہیں۔ اس کو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ وعم نوالہ اپنے لامتناہی علم سے جتنا چاہتا ہے مرحمت فرما دیتا ہے۔

بعض مدعیانِ فلسفہ جو حقیقت میں سوفسطائی ہیں۔ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو اپنی ذات کا علم تو ہے مگر غیر کا علم نہیں۔ بعض بے وقوف یہ کہتے ہیں کہ غیر کا علم تو ہے، مگر اللہ تعالیٰ کو اپنی ذات کا علم نہیں۔

"قاضی مبارک" نے سلّم العلوم کی شرح میں یہ اقوال نقل کیے ہیں اور ان سب فاسد نظریات

کی تردید کی ہے اور اہلِ حق یعنی اہلِ اسلام کا جو مسلک ہے وہی ثابت کیا ہے کہ باری تعالیٰ جل شانہٗ وعم نوالہٗ کو اپنی ذات اور صفات اور جمیع ممکنات کا ازلاً ابداً یکساں علم ہے۔

دوسری صفت قدرت ہے۔ قدرت کا تعلق صرف ممکنات سے ہوتا ہے۔ اس لیے کہ قدرت کے معنی ہیں:

اِنْ یَّشَاْ یَفْعَلْ وَاِنْ لَّمْ یَشَاْ لَمْ یَفْعَلْ — اگر چاہے تو کرے اور اگر نہ چاہے تو نہ کرے۔

یہ معنی وہیں صادق آسکتے ہیں جہاں وجود اور عدم کا برابر احتمال ہو۔ واجب کا چونکہ وجود ضروری ہے اور عدم کا احتمال نہیں اور ممتنع کا عدم ضروری ہے، وجود کا احتمال نہیں، تو وہاں قدرت کس طرح صحیح ہو سکتی ہے۔ ممکنات چونکہ لامتناہی ہیں جیسا کہ ہم مسئلہ علم میں بیان کر چکے ہیں، اس لیے مقدوراتِ باری تعالیٰ بھی لامتناہی ہیں، لیکن معلومات کی عدم تناہی واجب، ممتنع، ممکن تینوں کو شامل ہے، اور مقدورات کی لامتناہی کا تعلق صرف ممکنات سے ہے۔ دو مقدوروں میں سے ایک مقدور کی تخصیص، دو وقتوں میں ایک وقت کی تخصیص، دو محلوں میں ایک محل کی تخصیص، دو حیثیتوں میں سے ایک حیثیت کی تخصیص صفتِ ارادی کا کام ہے۔

کتبِ آسمانیہ میں جو الفاظ ہیں ان کی بنیاد اور اصل ذاتِ پروردگار میں موجود ہے۔ اس صفت کو کلامِ نفسی کہتے ہیں۔ وہ کلامِ نفسی جب ذاتِ جبریلِ امین (علیہ السلام) یا لوحِ محفوظ یا حضراتِ انبیاءِ کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام میں ظاہر ہوتا ہے، تو اس کو کلامِ لفظی کہتے ہیں۔

منکشفات میں بعض چیزیں از قبیلۂ مبصرات ہیں، اس وجہ سے اللہ تعالیٰ کو بَصِیْر کہتے ہیں۔ بعض چیزیں از قبیلۂ مسموعات ہیں، اس حیثیت سے اس کو سَمِیْع کہتے ہیں۔ سمع، بصر، علم، قدرت، ارادہ، کلام جملہ صفات کا مدار حیوٰۃ پر ہے۔ عطائے باری تعالیٰ سے ملائکہ، جنات، حیوانات اور انسان وغیرہ کو حیات حاصل ہوتی ہے، لیکن وہ مجازی اور ظاہری، زائل یا قابلِ زوال ہے ــــ لیکن اللہ تعالیٰ جل شانہٗ وعم نوالہٗ کی حیات ذاتی، حقیقی اور دائمی قائمی ہے جس میں زوال کا احتمال ہی نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ:

ھُوَالْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ۚ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ ۚ — وہ صاحبِ حیات اور دائم بقا ہے نہ اسے غنودگی لاحق ہوتی ہے اور نہ نیند

اَشاعرہ کے نزدیک یہ سات صفتیں زائد علی الذات ہیں اور قدیم ہیں۔ متکلمین نے ان صفات کو لَا عَیْن وَلَا غَیْر کہا ہے ــــ لَا عَیْن کا مطلب یہ ہے کہ مفہوم کے اعتبار سے یہ ذات سے جدا ہیں اور لَا غَیْر کا مطلب یہ ہے کہ کبھی ذات سے جدا نہیں ہوتیں۔

حضرت امام ابومنصور ماتُریدی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک آٹھویں صفت کا اضافہ کیا ہے جس کو وہ تخلیق اور تکوین کہتے ہیں۔ حنفیہ اس معاملہ میں امام ابومنصور ماتُریدی علیہ الرحمہ کے مقلد ہیں ـــــ اور شوافع[1] کا میلان جمہور اشاعرہ کی طرف ہے۔ امام ابوالحسن اشعری علیہ الرحمہ کا یہ خیال ہے کہ سمیع اور بصیر علیحدہ صفات نہیں۔ یہ صفت علم میں مندرج ہیں۔ اس بنا پر امام اشعری علیہ الرحمہ کے نزدیک پانچ صفات باقی رہتی ہیں، جس میں انھوں نے ایک صفتِ بقا کا اضافہ کیا ہے۔

اس تفصیل کے بعد معلوم ہوا کہ امام ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ چھ صفات اور جمہور اشاعرہ[2] سات صفات اور ماتُریدیہ[3] آٹھ صفات کے قائل ہیں۔

اہلِ بدعت میں سے معتزلہ ان صفات کے منکر تو نہیں مگر وہ کہتے ہیں کہ جملہ صفات عین ذات ہیں، زائد علی الذات نہیں۔ وہی ذات وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ مختلف حیثیات سے ان صفات کے ساتھ متصف ہے۔

قرآن عظیم اور احادیث شریفہ نے عینیت یا غیریت کا کوئی صریح فیصلہ نہیں فرمایا ہے۔ متکلمین کے نزدیک ان کا ثبوت استدلالی ہے یا الہامی ـــــ معتزلہ یہ سمجھتے ہیں کہ اگر ہم صفات کو زائد علی الذات مانیں گے تو تعدد قدما، لازم آئے گا جو شانِ توحید کے خلاف ہے۔

متکلمین کے نزدیک تعدد ذوات کا محال ہے، لیکن تعدد صفات میں کوئی مضائقہ نہیں ـــــ یہ مسئلہ علمِ کلام یعنی علم العقائد سے تعلق رکھتا ہے، جس میں ظنی استدلالات سے بھی کام لیا گیا ہے۔

ہم اہلِ اسلام کا منصب ہے کہ خدائے قدوس کی ذات اور صفات پر ایمان لائیں اور بقیہ نزاعات (جھگڑوں) میں نہ الجھیں۔

بچپن میں بچوں کو پڑھایا جاتا ہے:

اٰمَنْتُ بِاللّٰہِ کَمَا ھُوَ بِاَسْمَآئِہٖ وَصِفَاتِہٖ	میں اللہ پر ایمان لایا جیسے کہ وہ اپنے اسماء اور صفات کے ساتھ ہے۔

---

[1] حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ کے متبعین شوافع کہلاتے ہیں جو فقہ کے دوسرے امام ہیں۔

[2] علمِ کلام میں امام اشعری علیہ الرحمہ کے متبعین کو اشاعرہ کہا جاتا ہے۔

[3] علمِ کلام میں امام ابومنصور ماتریدی علیہ الرحمہ کے متبعین کو ماتریدیہ کہا جاتا ہے۔ ہم احناف علم عقائد یعنی علمِ کلام میں امام ابومنصور ماتریدی علیہ الرحمہ کی پیروی کرتے ہیں۔

مسدّس

ذات ہے ایک مگر شان کے لاکھوں ہیں ظہور — شمس تو ایک ہے لیکن ہے جہاں کُل پُرنور
عرش پر ہو کہ نہ ہو لاکھوں دلوں میں ہے حضور — کس سے نزدیک کہوں، کس سے کہوں اس کو میں دور

ذات ملتی ہے اسے ذات جو کھو دیتا ہے
تہ اسے ملتی ہے جو خود کو ڈبو دیتا ہے

(وجیہ رام پوری)

تنبیہ اللہ تعالیٰ جل شانہٗ وعم نوالہٗ کی ذات اور اسماء، وصفات کا اطلاق حقیقی طور پر تو ہر مقام پر ممتنع ہے۔ ظاہری اور مجازی لحاظ سے بعض اسماء۔ اور بعض صفات کا استعمال خلائق میں ہو سکتا ہے، مثلاً نرم مزاج انسان کو رحیم اور مخیر کو کریم کہتے ہیں۔

لیکن بعض اسماء۔ ایسے ہیں کہ ان کا استعمال غیرِ خدا پر کسی طرح بھی درست اور جائز نہیں۔ مثلاً رحمٰن، اللہ، معبود، مسجود، رب العالمین، عالم الغیب والشہادۃ، خالق کونین، مالکِ دوجہاں، رزّاقِ مطلق۔ یہ ایسے الفاظ ہیں، جن کو اگر غیرِ خدا پر اطلاق کیا جائے تو کھلا ہوا شرک ہوگا یا شرک کا خطرہ ہوگا۔

مسلمان کا منصب ہے کہ بہت سوچ سمجھ کر کسی واقفِ دین سے دریافت کر کے اسماء، کا استعمال کرے۔

شرک

شرکِ جلی

علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح عقائد نسفی میں تحریر فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ جل شانہٗ وعم نوالہٗ کے سوا کسی کو واجب الوجود یا معبود سمجھنا شرک ہے۔

قرآنِ عظیم میں ہے:

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ — بیشک اللہ شرک پر بخشش نہیں فرمائے گا۔

واجب الوجود اور معبودِ حقیقی صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ذاتِ گرامی ہے۔ اللہ جل شانہٗ وعم نوالہٗ کے علاوہ کسی بھی ذات کو واجب الوجود یا معبودِ حقیقی اگر تصور کیا گیا تو یہی شرکِ جلی ہے۔ جس کے بارے میں مذکورہ بالا آیتِ قرآنی میں واضح طور پر فرما دیا گیا کہ مشرک کی ہرگز بخشش نہیں ہوگی۔ شرک سے علامہ تفتازانی علیہ الرحمہ کی مراد شرکِ جلی ہے جس سے مسلمان کا ایمان سلب ہو جاتا ہے اور وہ کھلا ہوا مشرک اور کافر ہو جاتا ہے۔

شرکِ خفی

اگر کوئی مسلمان ریاکاری کے طور پر عبادتِ الٰہی کرے تو یہ شرکِ خفی ہے، اس لیے کہ اس شخص نے معبودِ حقیقی کا تصور چھوڑ کر خلقِ خدا کو منظورِ نظر رکھا۔ چونکہ ریاکار مسلمان ہے، اس لیے یہ گمان تو نہیں ہو سکتا کہ وہ خلقِ خدا کو معبود جان رہا ہے، مگر اس کا طور طریقہ ضرور اس پر گواہ ہے کہ گویا وہ غیرِ خدا کو معبود قرار دے رہا ہے۔

حضرت سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے آیۃ کریمہ

فَمَنْ کَانَ یَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّہٖ فَلْیَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا یُشْرِکْ بِعِبَادَۃِ رَبِّہٖٓ اَحَدًا ۝

پس جو اپنے رب سے ملاقات کی امید رکھتا ہے اس کو نیک عمل کرنا چاہیے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہیں کرنا چاہیے۔

کی تفسیر میں یہی فرمایا ہے۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے بعض مکاتیب میں فرمایا ہے کہ "جو شخص اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر ہوائے نفسانی کو مطمح نظر قرار دے، وہ بھی خاصانِ

خدا کی نظر میں مشرک ہے، لیکن وہی بات کہ یہ شرکِ خفی ہے اور اس کے استدلال میں حضرت امام موصوفؒ نے آیتہ کریمہ

اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ کیا تم نے غور کیا اس پر جس نے اپنا خدا اپنی خواہش کو بنالیا۔

کو پیش کیا ہے۔

ایک شبہ اور اس کا جواب

بعض اوقات دل میں یہ بات کھٹکتی ہے کہ بعض لوگ اللہ تعالیٰ کے وجود کے منکر ہیں، پھر اُن پر مشرک ہونے کا اطلاق کس طرح صحیح ہوگا، بلکہ یہ شبہ بھی ہوگا کہ شاید اس کی معافی ہوجائے۔

چونکہ باری تعالیٰ نے فرمایا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ بیشک اللہ شرک کی مغفرت تو نہیں فرمائے گا

مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ج لیکن اس کے سوا جس کو چاہے گا معاف فرمائے گا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ دنیا کا ہر کافر مشرک ضرور ہے، وہ صراحتہً کہے یا نہ کہے، فی الواقع وہ اپنی خواہشِ نفس اور وسوسۂ شیطانی کو خدا بناتا ہے، لہٰذا وہ مستحقِ مغفرت نہیں۔

ایمان اور کفر

جو چیزیں شریعتِ مطہرہ میں کھلم کھلا ثابت ہیں، اُن کی تصدیق کرنا مومن کے ایمان کے لیے ضروری ہے۔ بدیہی الثبوت امور میں سے اگر کسی ایک چیز کا بھی انکار کرے گا تو وہ کافر ہو جائے گا۔

علماء کرام نے بداہتِ ثبوت کی قید اس لیے لگائی ہے کہ بعض مسائلِ فرعیہ میں حضرات ائمہ کرام رحمۃ اللہ علیہم اور دوسرے علماء میں اختلاف ہے۔ کوئی امام کسی امام سے کسی مسئلہ میں اختلاف کرتا ہے۔ کوئی عالم کسی عالم سے کسی مسئلہ میں اختلاف کرتا ہے، اگر یہ باتیں ثبوتِ قطعی کی حد تک نہیں پہنچی ہیں تو اس سے کفر لازم نہیں آئے گا۔

دین کے اصول اور عقائدِ حقہ جمہور اہلِ اسلام کے نزدیک خلفاً عن سلفٍ جن پر اتفاق ہے، ان میں سے ہر ایک بات کا زبان سے اقرار اور دل سے تصدیق ضروری ہوگی اور یہی ایمان ہے۔

پس معادِ جسمانی اور حساب و کتاب، جنت و دوزخ، مرنے کے بعد از سرِ نو زندگی اور اس زندگی میں جزائے اعمال اور سزائے بدکرداری وغیرہ یہ سب امور جو جمہور اہلِ اسلام کے نزدیک مسلم ہیں، اُن میں سے کسی ایک چیز کا اگر کوئی شخص انکار کرے گا تو وہ خارج عن الاسلام ہو جائے گا، اسی کا نام کفر ہے

نفاق یہ کفر کی بدترین قسم ہے۔ یعنی دل میں کفر ہو اور زبان پر اغراضِ دنیا کی خاطر اسلام و ایمان کا اقرار کیا جائے، ایسے بدترین لوگوں کے حق میں قرآن عظیم کی آیت ہے:

اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ فِی الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ۚ بیشک منافقین جہنم کے نچلے حصے میں ہوں گے۔

ایسے ہی لوگوں کو منافق کہا جاتا ہے۔

مُنافقِ عملی بعض لوگ ظاہر و باطن میں مسلمان ہوتے ہیں، مگر نفسانی خواہشات کی بنا پر منافقوں کی صفات اختیار کر لیتے ہیں، یعنی امانت میں خیانت، وعدہ خلافی، عہد شکنی، گفتگو میں دروغ بیانی، کلام میں بدتمیزی، ایسے لوگوں کو منافقِ عملی کہا جاتا ہے۔ یہ صفت بدترین فسق و فجور کی ہے۔

فسق احکام خداوندی کی مخالفت کرنا جو چیزیں از قبیلۂ مامورات ہیں، اُن کو ترک کرنا اور جو چیزیں

منہیات کے قبیلہ سے ہیں، ان کو اختیار کرنا، مثلاً عمداً نماز کو چھوڑنا، دوسرے ارکانِ اسلام کو عمداً ترک کرنا، شراب پینا، جوا کھیلنا، لاٹری اور سٹے کا کاروبار کرنا، سود لینا اور دینا، رشوت لینا، چوری ڈکیتی کرنا، جھوٹ بولنا، غیبت کرنا، کسی کی عزت کو خراب کرنا، زنا کرنا، دوسرے کا مال غصب کرنا وغیرہ، یہ فسق ہے۔ جو لوگ ان کاموں کے مرتکب ہوتے ہیں، انھیں فاسق کہا جاتا ہے۔

فرقۂ ناجیہ اہلِ سنت وجماعت کے نزدیک اگر فاسق نے توبہ نہیں کی ہے تو اللہ تعالیٰ کو اختیار ہے کہ وہ اسے شفاعتِ خاصان خدا سے یا محض اپنے فضل وکرم سے معاف فرمادے، یا بقدر جرم اس کو سزا دے۔ سزا کی مدت پوری ہونے کے بعد اسے جنت میں داخل فرمادے۔

خارجی فرقہ جو اہلِ بدعت میں سے ایک بدترین گروہ ہے، وہ کہتا ہے کہ گناہ کبیرہ سے انسان کافر ہوجاتا ہے۔ اس کے لیے توبہ اور تجدیدِ ایمان ضروری ہے۔

اہلِ بدعت معتزلہ کہتے ہیں کہ گناہِ کبیرہ کرنے والا مومن بھی نہیں اور کافر بھی نہیں بلکہ درمیان میں معلّق ہے۔ لیکن کافر کی طرح عذاب دائمی کا مستحق ہے۔

پس خوارج اور معتزلہ میں اصطلاح کا فرق ہوا، ماحصل کے لحاظ سے دونوں کے نزدیک مرتکبِ گناہ کبیرہ دائماً قائماً جہنمی ہے اور اس کے لیے نجات کی کوئی صورت نہیں۔

بدعت

فسق کے اقسام میں سب سے زائد بری چیز بدعت ہے۔ احکام شرعیہ کے ثبوت کے لیے چار دلیلوں کی ضرورت ہے اور وہ یہ ہیں: ۱- کتاب اللہ یعنی قرآنِ مجید ۲- سنّت یعنی احادیثِ رسول
۳- اجماعِ امت ۴- قیاسِ مجتہد

جو چیز ان چار دلیلوں میں سے کسی سے کلیتہً یا جزئیتہً، صراحتہً یا اشارۃً ثابت ہو وہ معتبر ہے، خواہ اُسے شرعی کہیے یا سنّت ——— اور جو شے ان چار دلیلوں میں سے کسی دلیل سے ثابت نہ ہو وہ بدعت ہے۔ ——— اس لیے علمائے حق نے بدعت کی تشریح یوں کی ہے:

اِعْتِقَادُ خِلَافِ الْمَعْرُوْفِ فِی الشَّرْعِ — جو چیز شریعت سے معلوم ہے اس کے خلاف اعتقاد کرنا۔

حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

مَنْ اَحْدَثَ فِیْ اَمْرِنَا هٰذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ [1] — جس نے ہمارے دین میں وہ چیز ایجاد کی جس کی دین میں کوئی اصل نہیں، وہ مردود ہے۔

جو اس قسم کے عقیدے رکھتا ہے، وہ مبتدع کہلاتا ہے۔ رسول انور صلی اللہ علیہ وسلم بدعتی کے بارے میں فرماتے ہیں:

لَا یُقْبَلُ مِنْهُ صَرْفٌ وَّلَا عَدْلٌ [2] — نہ اس کی فرضی مقبول ہے اور نہ نفلی (عبادت)

بدعتی اگر دین کی بدیہی اور قطعی چیزوں میں سے کسی چیز کا انکار کرے اور کسی قسم کے اشتباہ کا بھی خدشہ نہ ہو تو وہ کافر ہے ——— جیسے بعض روافض کہتے ہیں کہ حضرت سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہٗ خدا ہیں، (استغفر اللہ) ایسے لوگوں کو غُلاۃ اور تفصیلی کہتے ہیں، اس طرح کے عقیدے رکھنے والے کھلے کافر ہیں۔ ——— جو اہلِ بدعت کسی ایسی چیز کا انکار کرتے ہیں جس کے لیے اُن کو شبہ پیدا کرنے کا موقع مل جاتا ہے، وہ کافر نہیں ہیں، بلکہ بدعتی ہیں۔

---

[1] بخاری شریف جلد ۱۔ کتاب الصلح ص ۳۷۱
[2] بخاری شریف جلد ۱۔ کتاب فضائل المدینہ، باب حرم المدینہ ص ۲۵۱

اہلِ بدعت کے چند مشہور فرقے

فرقہ خوارج

خوارج جمع خارجی کی ہے ۔ خارجی انھیں اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ خلیفہ رابع حضرت سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے مبارک طریقہ سے انحراف کر بیٹھے تھے اور امیرالمؤمنین کی فوج سے انھوں نے بغاوت کی تھی ۔ چنانچہ یہ لوگ امیرالمؤمنین حضرت سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ، سیدۃ نساء اہل الجنۃ حضرت سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا، حضرت سیدنا امام حسن اور حضرت سیّدنا امام حسین رضی اللہ عنہما و دیگر حضراتِ اہلِ بیت اطہار رضی اللہ عنہم کے حق میں سخت گستاخ ہیں (العیاذ باللہ) ———— اسی بدبخت فرقہ کے لوگوں نے ہی خلیفہ رابع سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہٗ کو شہید کیا تھا۔

خوارج، صرف خلیفۂ اول افضل البشر بعد الانبیاء، سیدنا حضرت ابوبکر صدیق اور خلیفۂ ثانی امیرالمؤمنین فاروق اعظم حضرت سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو ہی مانتے ہیں اور ان کی خلافت کو بھی صحیح جانتے ہیں، باقی دونوں خلفائے برحق حضرت عثمان ذی النورین اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہما کے حق میں سخت بدعقیدہ اور گستاخ ہیں (العیاذ باللہ)

خوارج کے عقائدِ باطلہ میں سے ان کا ایک عقیدہ یہ ہے کہ مرتکب کبیرہ کافر ہے ۔ دوسرا عقیدہ یہ ہے کہ اہلِ قبلہ کا چار حالتوں میں خون مُباح اور حلال ہے ۔ ۱۔ جب گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرے ۔ ۲۔ کوئی بدعت رائج کرے ۔ ۳۔ سلطانِ وقت سے بغاوت کرے ۴۔ فرائض ترک کرے اور ترک کو حلال جانے ۔ یہی مذہب فرقۂ معتزلہ کا بھی ہے ۔

اہلِ سنت وجماعت کا حق مسلک

مگر فرقۂ ناجیہ اہل سنت وجماعت کے نزدیک تین حالتوں میں اہلِ قبلہ کا خون مُباح ہے ۔

۱۔ اسلام کے بعد مرتد ہوجائے یعنی کافر ہوجائے ۲۔ مُحصِن (شادی شدہ) ہونے کے بعد زنا کرے ۔ ۳۔ کسی کو بغیر حق کے قتل کردے ۔ اور باغی کا قتل کرنا اس وقت تک جائز ہے جب تک کہ وہ مقابلہ پر رہے اور جب مقابلہ کرنا ترک کردے تو اس کا قتل کرنا ٹھیک نہیں ہے

اہلِ سنت وجماعت کے نزدیک مرتکبِ کبیرہ کافر نہیں، بلکہ فاسق ہے۔

بعض اربابِ علم کا یہ کہنا ہے کہ امتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں سب سے پہلے معتزلہ اور خوارج نے تکفیر کی ہے۔ ان خوارج کے بہت سے طبقے ہیں، بعض بدعتی ہیں اور بعض حدِ کفر تک پہنچے ہوئے ہیں۔

فرقہ روافض

ان کے بالمقابل قوم روافض ہے جن کو شیعہ بھی کہا جاتا ہے "تحفہ اثنا عشریہ" میں حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے بائیس فرقے بیان کیے ہیں، سب کے سب بدعتی ہیں۔ بعض تبرائی روافض ہیں جو خلفائے ثلٰثہ خلیفہ اول حضرت سیدنا صدیق اکبر، خلیفہ ثانی حضرت سیدنا فاروق اعظم اور خلیفہ ثالث حضرت سیدنا عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہم، جملہ ازواجِ مطہرات یعنی اُمہات المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہن (سوائے حضرت سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا) اور چند مخصوص صحابۂ کرام کو چھوڑ کر تمام حضراتِ صحابہ عظام رضی اللہ عنہم پر لعن طعن کرتے ہیں (العیاذ باللہ)

روافض صرف حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ، سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا، حضرت امام حسن و حضرت امام حسین رضی اللہ عنہما اور آلِ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی کو مانتے ہیں۔ باقی حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حق میں سخت بدعقیدہ اور گستاخ ہیں، جو بہت بڑی بدبختی کی علامت ہے۔

جمہور اہلِ اسلام کے نزدیک یہ فرقہ بدعتی ہے، البتہ ان روافض میں بعض غلاۃ اور نصیری ہیں جن کے عقائد بہت ہی مردود ہیں۔ ان غلاۃ اور نصیری فرقوں کا ایک عقیدۂ باطلہ یہ ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ میں خدا حلول کر گیا ہے، یعنی حضرت علی کرم اللہ وجہہ خدا ہیں (العیاذ باللہ، استغفر اللہ) جملہ اہلِ اسلام کے نزدیک بالاتفاق غُلاۃ اور نصیری کافر ہیں۔

البتہ روافض کے بدعتی فرقوں میں نرم تفضیلی ہیں، وہ سیدنا حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کو افضلِ صحابہ مانتے ہیں مگر خلفائے ثلاثہ حضرت صدیق اکبر، حضرت فاروق اعظم اور حضرت عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہم کی خلافت کو صحیح جانتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ اصل میں تو جانشین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حضرت علی کرم اللہ وجہہ تھے اور ان ہی کو منصب خلافت پر سب سے پہلے فائز ہونا چاہیے تھا، لیکن اگر ایسا ہوتا تو خلفائے ثلٰثہ خلافت سے محروم رہ جاتے، کیونکہ ان خلفاء ثلٰثہ کی وفات حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے پہلے ہونا تھی۔

ان تفضیلیوں کا یہ خیال سراسر لغو اور غلط ہے۔ اس لیے کہ خلیفۂ اول حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی امامت وخلافت کو افضلیت کی بنا پر جمہور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے تسلیم کیا تھا۔ ان کے بعد

حضرت سیدنا فاروق اعظم عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کو بقیہ صحابہ کرام میں سے افضل مانا تھا۔ اس کے بعد سیدنا حضرت عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہ کی خلافت کو حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے تسلیم کیا تھا۔ اس لیے اہلِ حق یعنی اہلِ سنت و جماعت کے نزدیک فضیلت الشیخین علامتِ اہلِ سنت ہے۔

حضرت سیدنا عثمان ذی النورین اور حضرت سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہما یہ دونوں حضرات سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد تھے اور یکے بعد دیگرے خلیفہ ہوئے، اس لیے محبتِ ختنین بھی سنّیت کی علامت ہے۔

رافضی وضو میں پاؤں کا دھونا ضروری نہیں سمجھتے، بلکہ مسح کرنے کو وہ کافی سمجھتے ہیں، البتہ اگر پاؤں پر چرمی یا بھاری موزہ ہو تو اس پر مسح کرنا صحیح ہے۔ مسح علی الخفین کا بھی بعض لوگوں نے انکار کیا ہے۔

اہلِ سنّت و جماعت کا حق مسلک

اہلِ سنت و جماعت کے نزدیک چرمی یا بھاری موزہ پر مسح کرنا صحیح ہے۔ اس لیے حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان ہے کہ اہل سنت کی علامات تین چیزیں ہیں۔

۱۔ فضیلت الشیخین ۲۔ محبۃ الختنین ۳۔ مسح علی الخفین

اہلِ سنت و جماعت تمام حضرات صحابہ، آلِ رسول، ازواج مطہرات کا احترام اور ان کی تعظیم و تکریم کرتے ہیں۔ حضرات خلفائے راشدین کی افضلیت کے قائل ہیں اور جیسے ان کی ترتیب خلافت ہے، اسی کے مطابق ان کے مراتب کے قائل ہیں۔ البتہ شیخین کرام کو تمام صحابہ میں افضل جانتے ہیں، اور حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تمام صحابہ کرام کی مبارک جماعت میں کلی فضیلت کے قائل ہیں۔

محبت ختنین کا مطلب یہ ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں دامادوں حضرت عثمان ذی النورین اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہما سے محبت اور ان کی تعظیم اور ان کے مراتب کے قائل ہیں۔

برادران اہل سنت و جماعت کو اسی طریقہ حقہ کے مطابق عمل کرنا ضروری ہے، کیونکہ یہی حقانی طریقہ ہے۔

فرقۂ معتزلہ

اس فرقہ کے لوگوں کا عقیدۂ باطلہ ہے کہ مرتکبِ کبیرہ نہ بالکل مومن ہے اور نہ بالکل کافر ہے، بلکہ وہ ایمان اور کفر کے درمیان معلق ہے۔ یہ فرقہ مشہور تابعی جلیل القدر محدث اور عظیم المرتبت ولی حضرت امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں پیدا ہوا۔ جب حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کو یہ معلوم ہوا کہ مسلمانوں میں ایک گروہ ایسا پیدا ہو گیا ہے

جو کہتا ہے کہ مرتکبِ کبیرہ نہ مومن ہے اور نہ کافر، بلکہ وہ ایمان اور کفر کے درمیان میں ہے تو حضرت حسن بصری علیہ الرحمہ نے فرمایا :

هٰؤُلَآءِ اِعْتَزَلُوْا   یعنی یہ لوگ دین کے حق طریقہ سے کنارہ کش ہو گئے۔

تب سے اس عقیدے کے لوگ معتزلہ کہلانے لگے۔ اس فرقے کا بانی واصل بن عطا تھا، جس نے اپنے محترم استاد حضرت امام حسن بصری علیہ الرحمہ کی مجلس پاک میں ان سے مخالفت کی تھی تو حضرت حسن بصریؒ نے اس کے جواب میں فرمایا تھا کہ اِعْتَزَلَ عَنَّا معتزلہ کے عقائد باطل اور فاسد ہیں اور یہ گروہ بدعتی ہے۔

اس فرقہ کے برخلاف ہم اہل سنت و جماعت کا عقیدہ ہے کہ مرتکب کبیرہ فاسق ہے، کافر نہیں۔ یہی حقانی مسلک ہے۔

فرقہ کرامیہ

اس فرقے کا مشہور عقیدۂ فاسدہ یہ ہے کہ :

لَا تَضُرُّ مَعَ الْاِیْمَانِ مَعْصِیَةٌ   یعنی ایمان کے ہوتے ہوئے کوئی گناہ نقصان دہ نہیں۔

ظاہری طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس فرقہ کے نزدیک معصیت (گناہ) کی کوئی سزا نہیں ہے۔ اس کا مطلب یہ نکلتا ہے کہ بندہ کتنے ہی بڑے بڑے گناہوں کا مرتکب ہوتا رہے، اسے اس کی نہ کوئی سزا ملے گی اور نہ کوئی مواخذہ ہوگا۔ (اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ - اَلْعِیَاذُ بِاللّٰہِ)

کتنا گستاخانہ، بے باکانہ، لچر عقیدہ ہے۔ حالانکہ یہ عقیدہ قرآن عظیم اور احادیث شریفہ کے بالکل خلاف ہے۔ ایسی حالت میں اس فرقے کا زمرۂ مومنین میں شمار کرنا مناسب نہیں ہے۔

فرقۂ قدریہ

یہ بھی اہل بدعت میں سے ہے۔ اس فرقہ کے لوگ کہتے ہیں کہ تقدیر الٰہی کا مطلب یہ ہے کہ اللہ جل شانہٗ وعم نوالہٗ نے ازل میں جان لیا ہے کہ فلاں شخص یہ کام نہیں کرے گا، لیکن اللہ تعالیٰ نے مشیت و ارادہ سے کوئی فیصلہ نہیں فرمایا۔ بندہ اپنے اختیار سے خود خلق افعال کرتا ہے، قضا و قدر الٰہی کو اس میں کوئی دخل نہیں ہے، یعنی مشیتِ ایزدی اور تخلیق خداوندی کو بندہ کے افعال میں کوئی دخل ہی نہیں ہے۔ بندہ اپنے افعال میں خدا کا محتاج بھی نہیں ہے۔ بندہ جو کچھ اپنے اختیار اور ارادہ سے خلق افعال کرتا ہے، اس کی جزا یا سزا پائے گا۔ یہ قدریہ گروہ بھی معتزلہ گروہ کی قسم ہے۔

اہلِ سنّت کا حق مسلک

حضراتِ اہلِ سنّت جو ناجی ہیں، ان کا عقیدہ متوسط اور حقانی ہے۔ وہ بندے کو افعال میں نہ مجبور محض مانتے ہیں اور نہ

بندے کو افعال میں قادر جانتے ہیں، بلکہ کسب میں بندے کو مختار مانتے ہیں اور یہ اختیار بھی اللہ تعالیٰ کا عطیہ جانتے ہیں۔

فرقہ جبریہ اس فرقے کا عقیدہ ہے کہ انسان اور غیر انسان سب مجبور ہیں، خداوند قدوس جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے، بندے کے ارادے کو اس میں کوئی دخل نہیں، وہ تو مجبور محض ہے —— قدریہ اور جبریہ دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں، کیونکہ قدریہ بندے کو قادر کہتے ہیں اور جبریہ بندے کو مکمل عاجز و مجبور مانتے ہیں۔

اہلِ حق کا عقیدہ حضرات اہلِ حق یعنی اہل سنّت و جماعت یہ فرماتے ہیں کہ ہر چیز مشیتِ ایزدی سے ہے، مگر افعالِ اختیاریہ میں بندے کی مشیت کو بھی دخل ہے۔ قرآن مجید اس پر شاہد ہے

وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ	تم کسی چیز کا بھی ارادہ نہیں کرتے ہو
اَنْ یَّشَآءَ اللّٰہُ ط	مگر یہ کہ اللہ چاہے

یہاں پر مشیت کی نسبت اللہ تعالیٰ اور بندہ دونوں کی طرف کی گئی ہے اور یہ بات قدری و جبری دونوں گروہوں کے خلاف ہے۔ الغرض یہ مسئلہ بہت دقیق اور عمیق ہے۔ اس کی گہرائی تک پہنچنا انسان کے لیے بہت دشوار ہے۔

ہم اہلِ اسلام کا منصب ہے کہ وہ یہ اعتقاد رکھیں کہ ہر چیز مشیتِ ایزدی اور تخلیق خداوندی سے ہے۔ لیکن ہم جو اپنے اختیارات سے کام کرتے ہیں اس میں ہم حق پر ہیں یا باطل پر۔ حق پر ہیں تو ثواب پائیں گے اور باطل امور کو انجام دیں گے تو عذاب کے مستحق ہوں گے۔

فرقہ مُرجِئہ اہلِ بدعت میں سے ایک فرقہ یہ بھی ہے اس کے عقائد بہت ہی لچر ہیں مشہور قول یہ ہے کہ اس کے نزدیک ایمان کے بعد عمل کی کوئی اہمیت نہیں۔ اعمال اچھے ہوں یا بُرے ہر صورت میں انسان ناجی ہے اگر اس کا ایمان درست ہے۔ مطلب اس کا یہ ہے کہ ایمان کے ہوتے ہوئے گناہِ کبائر سے بندے کو کوئی ضرر نہیں پہنچے گا۔ کہتے ہیں کہ بندہ نہ نماز پڑھے نہ روزہ رکھے اور نہ دوسرے اعمالِ صالحہ انجام دے، تب بھی اس پر کوئی مواخذہ نہیں ہوگا۔ بس ایمان ان کو نجات دے گا —— مُرجئہ اور جبریہ میں زیادہ فرق نہیں ہے۔ ان میں بھی بہت سے فرقے ہیں۔ ہر فرقہ کے عقائد مردود ہیں۔ اس فرقہ کی تحقیقات میں مختلف اقوال ہیں۔ تفصیل کے لیے کتاب "الملل والنحل" کا مطالعہ فرمائیں۔

فرقہ وہابیہ

اہلِ بدعت میں سے ایک فرقہ وہابیہ کا بھی ہے۔ اس کا موجد محمد بن عبدالوہاب نامی ہے جو نجد کا رہنے والا تھا۔ ابن عبدالوہاب قوم بنی تمیم میں سے تھا۔ نجد کے مضافات میں مقام عینیہ میں ۱۱۱۵ھ کو پیدا ہوا۔ اس کے والد نے اسے علومِ دینیہ کی تعلیم دلائی۔ جوان ہوکر عجیب وغریب خیالات اس کے دل میں پیدا ہوئے۔ خلافت عثمانیہ کے خلاف متعدد مرتبہ خروج کیا۔ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں بغاوت کرائی۔ حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور بزرگانِ دین کے مزاراتِ مقدسہ اور ان پر بنے ہوئے گنبدوں کا مخالف تھا، کہتا تھا کہ شعائر اللہ (اللہ کی یادگاروں) کی تعظیم شرک ہے۔ اس کے نزدیک جملہ مسلمان مردوں کو غلام اور مسلمان عورتوں کو باندی بنانا جائز ہے۔ اس کو دعویٰ تو حنبلیت کا تھا، لیکن حقیقت میں حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے طریقہ پر عمل پیرا نہ تھا۔ جب اس نے مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ پر قبضہ کیا تو سلطنت عثمانیہ کے ایک مردِ مجاہد محمد علی پاشا مصری نے وہاں سے اس کو نکال باہر کیا۔

فقہ حنفی کے مشہور مستند عالم، فقیہ کامل علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ نے "باب البغاۃ" جلد ثالث میں تحریر فرمایا ہے کہ اس نے عثمانی سلطنت اسلامیہ (ترکی) سے بغاوت کی اور صرف اپنے ماننے والوں کو مسلمان کہا، باقی مسلمانوں کو مشرک بتایا۔ اس قوم نے حنبلی ہونے کا دعویٰ کیا لیکن درحقیقت یہ قوم وہابیہ امام احمد بن حنبل علیہ الرحمہ کے طریقے سے منحرف ہوگئی۔ مکہ معظمہ ومدینہ منورہ پر خروج کیا اور خوش عقیدہ مسلمانوں کو مشرک کہہ کر تہ تیغ کیا، ہزاروں مسلمان شہید کر ڈالے۔[1]

علاوہ نجد کے دوسرے ممالک اور ہمارے ملک ہندوستان میں بھی اس کے عقائد کی اشاعت ہوئی۔ اس کی کتاب "کتاب التوحید" ہندوستان میں بھی پہنچی۔ بعض مسلمان کلاً یا جزءً متاثر ہوئے، ان ہی کو ہم وہابیہ کہتے ہیں۔

بعض افراد میں اس کا تجربہ ہوا ہے کہ انسان اولاً وہابی ہوتا ہے۔ خاصانِ خدا کے حق میں جب وہ گستاخی کا عادی ہوجاتا ہے تو عدم تقلید کی راہ اختیار کرلیتا ہے۔ ائمہ اربعہ رحمۃ اللہ علیہم جو جمہور اہلِ اسلام کے نزدیک معتبر محترم اور ثقہ ہیں۔ ان میں سے کسی ایک کی تقلید کو یہ غیر مقلد وہابیہ فرقہ ناجائز سمجھتا ہے، بلکہ بعض اوقات یہ بدعتی فرقہ اہلِ حق یعنی اہل سنت وجماعت کی تحقیر کرتا ہے۔ عدم تقلید جب کسی شخص میں راسخ ہوجاتی ہے تو وہ نیچری ہوجاتا ہے۔ نیچری فرقہ معجزاتِ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور کراماتِ

---

[1] شامی جلد ۳۔ باب البغاۃ۔ ص ۴۲۷۔ مطبوعہ مصری

اولیاء عظام کا بھی انکار کرتا ہے۔ حالانکہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے معجزات اور اولیاء اللہ کی کرامات قرآنِ عظیم اور احادیث شریفہ سے ثابت ہیں۔ یہ فرقہ جب نیچریت سے زائد ترقی کرتا ہے تو کبھی نبوت کا انکار اور کبھی اللہ تعالیٰ کے وجود تک کا انکار کر کے کھلا کافر ہو جاتا ہے۔ شمس العلماء، علامہ ابو محمد عبدالحق حقانی علیہ الرحمہ نے اپنی "تفسیر حقانی" میں بھی اسی طرح کا خیال ظاہر کیا ہے۔

عام طور پر وہابیوں کو دیکھا ہے کہ وہ مائل بہ خروج ہوتے ہیں۔ یہ بدعتی فرقہ اہلِ اسلام کے لیے بہت خطرناک ہے۔ اس فرقہ کے پھیلائے ہوئے فتنوں کا قلع قمع کرنے کے لیے بہت سے علماء حق نے قدم بڑھایا ہے۔

وہابیوں کے مفاسد کا قلع قمع اور علماءِ حق کا اقدام

ہمارے نزدیک اس فرقہ کی تردید اور اس کے باطل عقائد اور فاسد نظریات کو مٹنے میں جن حضراتِ علماءِ اہل سنت وجماعت نے اعتدال ومیانہ روی اور انصاف سے کام لیا ہے وہ بہت خوش نصیب اور مقبولانِ بارگاہِ الٰہی تھے۔ چند علماء نے اس فرقہ کی تردید میں غلو کی راہ اختیار کی، جو ہمارے نزدیک پسندیدہ نہیں۔ کیونکہ اُن کے غلو آمیز رویہ کی وجہ سے مسلمانوں میں تفریق، انتشار، عداوت، بغض، قتل وقتال، مقدمہ بازیاں اور فوجداریاں ہوئیں۔ بھائی بھائی کا دشمن، باپ بیٹے کا دشمن اور شاگرد استاد سے منحرف ہو گئے۔ اس فرقہ کے رَد میں جن اہلِ علم نے غلو سے کام لیا اس سے مسلکِ اہلِ سُنّت وجماعت کو بجائے نفع کے نقصان زائد پہنچا۔ آج عالم یہ ہے کہ بے لکھا پڑھا جہّال کا طبقہ تو غلو کرنے والوں کے گروہ میں ضرور نظر آئے گا۔ لیکن لکھا پڑھا دانشور اہلِ علم کا طبقہ غلو کرنے والوں سے نفرت کرتا ہے اور ان کی نفرت کی زد جمہور اہلِ سُنّت اور اربابِ حق پر بھی پڑتی ہے۔

اللہ تعالیٰ ان غلو کرنے والوں کو عقل سلیم عطا فرما کر خیر کی توفیق عنایت فرمائے۔ آمین

نجدی قوم

ہم پہلے تحریر کر چکے ہیں کہ علامہ شامی علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب "ردالمحتار" میں تحریر فرمایا ہے کہ ابن عبدالوہاب نجدی کی ماننے والی قوم حنبلی ہونے کا دعویٰ کرتی ہے لیکن ان کا یہ دعویٰ جھوٹا ہے، بلکہ یہ لوگ ابن عبدالوہاب نجدی کے پیروکار ہیں اور اسے اپنا مقتدا و پیشوا کہتے ہیں۔

ابنِ عبدالوہاب نجدی کا عقیدہ

اس شخص کے بارے میں ضمناً پہلے تحریر ہو چکا ہے ابن عبدالوہاب مزاج کا انتہائی متشدد تھا اور سخت

بدعقیدہ[1] انسان تھا۔ تمام عالم کے مسلمانوں کو مشرک و کافر کہتا تھا۔ اپنی قوم اور اپنے پیروکاروں کے سوا کسی کو مسلمان ہی نہیں سمجھتا تھا۔ اب ذرا اس کی اور اس کے پیروکاروں کی گستاخی، بدعقیدگی اور ریاکاری دیکھیے کہ حرمین شریفین پر حملہ کے زمانہ میں اس بدنصیب نے "جنت المعلیٰ" اور "جنت البقیع" میں آرام فرما حضراتِ صحابہ، ازواجِ مطہرات، آلِ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام، تابعین، جلیل القدر ائمہ کرام رضوان اللہ علیہم اور عظیم المرتبت محدثین، اولیاءِ کرام، صلحاء اور اتقیاء کے بے شمار مزاراتِ مقدسہ کے نشانات تک ختم کر ڈالے اور ان مزاراتِ مقدسہ پر جو خوشنما گنبد سلاطینِ[2] اسلامیہ عثمانیہ نے بنوائے تھے مسمار کر دیئے۔ زائرینِ حرمین شریفین ان مزاراتِ مقدسہ پر حاضر ہو کر فیوض و برکات سے مالا مال ہوا کرتے تھے۔ بہت سے

---

[1] یہ تو کتاب کے اول حصہ سے معلوم ہو چکا کہ علامہ ابن عابدین شامی علیہ الرحمہ نے "شامی جلد ۳۔ باب البغاۃ میں نجدیوں کو خوارج فرمایا ہے چونکہ خوارج نے خلیفہ رابع امیر المومنین اسد اللہ الغالب حضرت سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی حق خلافت کے خلاف بغاوت کر کے آپ کے خلاف خروج کیا، اس لیے وہ خارجی کہلائے۔ ابن عبدالوہاب نجدی نے بھی طریقۂ حقہ اہل سنت و جماعت سے انحراف کیا۔ اس نے اسلامی سلطنت عثمانیہ (ترکی) کے خلاف بغاوت کی اور سلطانِ عادل کے خلاف اس نے اپنے زمانہ میں خروج کیا۔ اس لیے شیخ نجد اور اس کے پیروکار بھی خوارج ہیں۔

خاتم المحدثین سند المحققین امام العصر حضرت علامہ انور شاہ کشمیری نوّر اللہ مرقدہٗ "فیض الباری علیٰ صحیح البخاری" میں ابن عبدالوہاب نجدی کے بارے میں فرماتے ہیں: اما محمد بن عبد الوھاب النجدی فانہ کان رجلاً بلیداً قلیل العلم فکان یتسارع الی الحکم بالکفر ولا ینبغی ان یقتحم فی ھذا الوادی الا من یکون متیقظا متقنا عارفا بوجوہ الکفر و اسبابہ (الجزء الاول ص ۱۷۰۔ مطبع حجازی قاہرہ مصر مطبوعہ ۱۹۳۸ء)

ترجمہ: محمد بن عبدالوہاب نجدی ایک کند ذہن شخص تھا، کم علم تھا۔ وہ جلد بازی کرتا تھا کفر کا حکم لگانے میں۔ اس میدان میں قدم رکھنا صرف اسی شخص کا کام ہے جو بیداریٔ مغز اور پائداریٔ علم رکھنے والا ہو، پھر وہ معرفت بھی رکھتا ہو کفر کے وجوہ و اسباب کی۔

حضرت علامہ کشمیریؒ راسخ العقیدہ حنفی اور جلیل القدر محدث و محقق تھے۔ آپ کی وفات (۱۳۵۲ھ) کے بعد آج تک برصغیر میں ایسا محدث جو محقق و مدقق بھی ہو، نظر نہ آیا۔ حضرت خطیب اعظمؒ آپ کے باکمال تلامذہ میں سے ایک ذکی اور صاحب کمال تلمیذ رشید تھے۔ علامہ کشمیریؒ کی ذات اور ان کے علم و فضل پر بڑے بڑے نامور علماء و فضلاء ناز کیا کرتے تھے۔ آپ کی ہستی اربابِ علم کی صف میں 'اٰیۃٌ مِّن اٰیاتِ اللّٰہ' تھی۔ آپ کا مسلک جمہور اولیاء کا تھا۔ آپ قطعاً دیوبندی وہابی مسلک کو پسند نہیں کرتے تھے۔ بلکہ متنازعہ علماء دیوبند کی بعض نامناسب عبارتوں سے آپ کو

(باقی اگلے صفحہ پر)

(بقیہ سلسلہ حاشیہ) ________

تنفر تھا۔ ساری عمر حدیث شریف کی اشاعت اور خدمت میں گذاری۔ حضرت خطیبِ اعظمؒ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت شاہ صاحبؒ کے کارنامے تجدیدی ہیں، وہ اپنے زمانہ کے مجدد تھے۔ قادیانیت اور غیر مقلدیت کے خلاف ان کے کارنامے اظہر من الشمس ہیں۔ خصوصاً قادیانیت کے رد میں آپ کی ذات اپنے عہد میں منفرد نظر آتی ہے ________ حضرت خطیب اعظم قدس سرہ کے حالات میں حضرت مولانا سردار شاہ خاں صاحب قادری وجیہی مدظلہٗ اپنی تالیف "حالاتِ مشائخ" میں فرماتے ہیں کہ:

"حضرت قبلہ دامت فیوضہم نے متعدد بار فرمایا کہ میں نے دیوبند میں استاذ محترم حضرت علامہ مولانا انور شاہ صاحب کشمیریؒ جیسا کامل العلم خصوصاً فن حدیث میں ماہر ذات ان کے علاوہ اور کوئی نہیں پائی۔ حضرت علامہ کشمیریؒ فرماتے تھے، فقہ کے بیاسی علوم ہیں۔ اکیاسی پر الحمد للہ مجھے عبور حاصل ہے۔ البتہ بیاسویں علم پر میں حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی چوکھٹ کا محتاج ہوں۔" (ص ۲۲۹، ناشر مکتبہ وزیریہ نیشنل پریس رام پور۔ مطبوعہ ۱۴۰۳ھ/۱۹۸۳ء)

اسی کتاب میں ہے کہ حضرت خطیبِ اعظمؒ نے فرمایا ہے کہ: "وہ سلفِ صالحینؒ کے قدم بقدم تھے اللہ تعالیٰ کے محبوب سید اللعالمین حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور خاصانِ خدا و مقربانِ بارگاہِ الٰہی کے بڑے عاشق اور ان کے اسماءِ مبارکہ کو انتہائی تعظیم و تکریم کے ساتھ لینے والے تھے۔ بڑے پاک سیرت اور صاحب حال علامہ تھے۔ میں نے اپنی طالب علمی کے زمانے میں کبھی ان کی زبان سے کوئی لفظ ایسا نہیں سنا جس سے کہ وہابیت کا احساس ہوتا، وہ دیگر دیوبندی مسلک کے علماء کی طرح متشدد ہرگز نہ تھے۔ ان کی نظر میں حدیث شریف کا کتنا احترام تھا۔ اس واقعہ سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ شاہ صاحب کشمیریؒ پان رغبت کے ساتھ کھاتے تھے، لیکن دورانِ سبق پان نہیں کھاتے تھے کسی کے سوال کرنے پر جواب میں فرمایا "میں پان بڑے شوق سے کھاتا ہوں۔ لیکن حدیث شریف کے سبق کے دوران میرا دل یہ گوارا نہیں کرتا کہ منہ میں پان کے ساتھ تمباکو ہو اور زبان سے قال قال رسول اللہ صلی علیہ وسلم ادا ہوتا ہو، مجھے یہ پسند نہیں۔" (ص ۳۰-۲۲۹) ________ اللہ تعالیٰ نے حضرت علامہ کشمیریؒ کے اندر یہ کمال عطا فرمایا تھا کہ آپ حدیث کو فقہ حنفی کے حق میں اور اس کی دلیل میں ثابت فرمادیا کرتے تھے۔ آپ ابن تیمیہ اور ابن قیم کے نظریات کا رد کرنے میں ماہر تھے۔ ابن عبد الوہاب نجدی کے بارے میں آپ کا نظریہ پہلے ظاہر ہوچکا کہ وہ کند ذہن اور کم علم تھا۔ جو شخص ذہانت سے محروم ہوتا ہے وہ اس تکبر میں مبتلا ہوجاتا ہے کہ مجھ سے بڑا علم والا اور کوئی نہیں شیخ نجد چونکہ غبی اور کم علم تھا اس لیے اسے بھی یہ غرور ہوگیا تھا کہ وہ بڑا اعلم رکھنے والا اور مصلح وقت ہے۔ علماء حرمین شریفین رحمۃ اللہ علیہم سمیت ہندوستان کے کثیر علماء و صالحین علیہم الرحمہ نے اس کے فاسد خیالات کا بہت عمدہ رد فرمایا ہے جو بڑا مبارک اقدام ہے۔ علماءِ احناف، علماءِ مالکیہ، علماءِ شافعیہ اور علماء حنبلیہ سب اس کا رد کرنے میں پیش پیش رہے ہیں۔ ؎ سلاطین عثمانیہ اسلام کے شیدائی اور آقائے دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے عاشق تھے۔ یہ عمارات ان کی والہانہ عقیدت و محبت کا جیتا جاگتا ثبوت تھیں۔ گنبدِ خضریٰ کو وہ ہاتھ نہ لگا سکا۔ عالمِ اسلام میں اس کے اس اقدام پر اس وقت بڑی بے چینی پیدا ہوگئی تھی۔ مگر بہت جلد یہ فتنہ دفع ہوگیا۔

مقلدین ائمہ کرامؒ بھی اس کے عقائدِ فاسدہ کو کلیتہً یا جزئیتہً پسند کرتے ہیں۔ اہلِ سنت وجماعت کے اربابِ حق کے نزدیک وہ بھی وہابی ہیں۔

ابن عبدالوہاب نجدی کی موت ۱۲۰۶ھ میں ہوئی۔

کتابُ التوحید

اسی گستاخ اور بدعقیدہ شخص کی کتاب "کتاب التوحید" ہے۔ فرقہ وہابیہ کے لوگ اس کی اشاعت کرنے کو اسلام کی بہت بڑی خدمت سمجھتے ہیں۔ موجودہ حکومت سعودیہ عربیہ لاکھوں کی تعداد میں ہر سال اس کتاب کو طبع کرا کر حجاج میں تقسیم کراتی ہے۔ ہمارے ملک ہندوستان میں بھی بعض غالی وہابی اور غیر مقلدین اکثر اس کے تراجم شائع کراتے رہتے ہیں ——— یہ کتاب کیا ہے، گستاخیوں کا مجموعہ ہے۔ توحید کی حمایت میں اس قدر غلو اور مبالغہ سے کام لیا گیا ہے کہ اللہ کی پناہ۔

"وہ لکھتا ہے کہ دنیا میں شرک تعظیمِ غیر اللہ سے پیدا ہوا ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی تعظیم نہیں کرنا چاہئے"۔ شوقِ توحید میں یہ فقرہ اس کے قلم سے نکل گیا۔ لیکن اُس وقت اسے نہ قرآنِ عظیم کا خیال رہا اور نہ حدیث شریف کا۔

شعائر اللہ کی تعظیم کا ثبوت

بے شک اللہ تعالیٰ نے شرک سے ضرور منع فرمایا ہے، لیکن اُس شیٔ کی تعظیم کا حکم دیا ہے جس کو خود

---

[1] کتاب التوحید نامی کتاب تو ابن عبدالوہاب نجدی کی مشہور ہے ہی جس میں توحید کے غلو میں اس نے دربارِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں بڑی گستاخانہ باتیں لکھی ہیں اور تعظیمِ غیر اللہ کو اس نے شرک کہا ہے لیکن اس کے بعض اور رسائل کا بھی ذکر ملتا ہے۔ حضرت قبلہ خطیب اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا قولِ باطل مندرجہ بالا عبارت میں جو نقل فرمایا ہے جس میں اس کا خیال ہے کہ "دنیا میں شرک تعظیم غیر اللہ سے پیدا ہوا ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی تعظیم نہیں کرنا چاہئے"۔ وہ غالباً اسی رسالہ کی عبارت ہے جو علماءِ حرمین شریفین کو اس نے اپنی پیروی کے لیے بھیجا تھا۔ وہ رسالہ تو ہمیں دستیاب نہ ہوسکا، لیکن ہمیں ایک معتبر قول اور حوالہ ملتا ہے جو "جوہر منیر" (مؤلفہ مولانا فیض احمد صاحب فیض جامعہ غوثیہ گولڑہ شریف ضلع راولپنڈی پاکستان) کی چھٹی فصل ص ۲۶۱-۲۶۲ میں مذکور ہے۔ جسے ہم من وعن شائع کر رہے ہیں۔ ملاحظہ ہو:

"حرمین شریفین اور دیگر ممالکِ اسلامیہ کے علماءِ اہلِ سنت اپنی اپنی تصانیف میں فرقہ وہابیہ کو گمراہ اور خارجی قرار دے چکے تھے۔ چنانچہ علامہ زینی دحلانؒ مفتی مکہ مکرمہ کی کتاب "الدرر السنیۃ" اس پر شاہد ہے اور فقہ حنفی کے مشہور عالم علامہ ابن عابدین شامیؒ نے بھی حاشیہ درِ مختار باب الخوارج میں فرقہ وہابیہ کو خوارج میں شمار کیا ہے

(باقی اگلے صفحہ پر)

اللہ تعالیٰ نے عظمت[1] مرحمت فرمائی ہے۔ قرآنِ عظیم میں ہے:

وَمَنۡ يُّعَظِّمۡ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنۡ تَقۡوَى الۡقُلُوۡبِ ٥ — جس نے اللہ کی یادگاروں کی تعظیم کی تو یہ دل کا تقویٰ ہے

محترم بندوں کی توقیر و احترام سے قرآنِ عظیم پُر ہے۔ ملائکہ عظام کی تعریف کرتے ہوئے ارشاد ربانی ہے:

(بقیہ حاشیہ)

اور اس وقت کے اکثر علماء ہند بھی محمد بن عبد الوہاب کی تردید میں بہت کچھ لکھ چکے تھے۔ چنانچہ مولوی محمد حیدر اللہ خاں درانی المجددی النقشبندی اپنی کتاب "درۃ الدرانی" میں لکھتے ہیں کہ مورخ ملطبرون نے اپنی کتاب "جغرافیہ عمومیہ" مطبوعہ مصر کی تیسری جلد معربہ رفاعہ بک ناظر مدرستہ الالسنہ میں لکھا ہے کہ محمد بن عبد الوہاب نے لوگوں کے سامنے یہ عقیدہ پیش کیا تھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اگرچہ خدا کے رسول اور دوست ہیں مگر ان کی مدح اور تعظیم از قبیل شرک ہے اور چونکہ لوگوں کا یہ شرک اللہ تعالیٰ کو پسند نہ آیا، لہٰذا اس نے مجھے اپنی طرف سے بھیجا ہے، تاکہ میں لوگوں کو سیدھے راستہ کی طرف رہنمائی کروں پس جو کوئی مجھے قبول کرے گا وہ دوستوں میں سے ہے اور جو میرا حکم نہ مانے گا وہ عذاب کا مستحق ہے اور اس کا قتل بلا شبہ واجب ہے۔

علماء مکہ کی طرف ابن عبد الوہاب نجدی کا رسالۂ دعوت: محمد بن عبد الوہاب کا جو رسالہ علمائے مکہ کی طرف بطور دعوتِ حجت بھیجا گیا تھا اس میں تحریر تھا کہ جو شخص نبی کو اپنا ولی یا شفیع سمجھتا ہے، وہ اور ابو جہل شرک میں برابر ہیں جو شخص اپنی حاجت کے وقت یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کہتا ہے اگرچہ ان کے متعلق سب باتوں میں بندۂ عاجز ہونے کا اعتقاد رکھتا ہو تو بھی مشرک ہو جاتا ہے اور تجھے ان باتوں میں ہمارا شیخ ابن تیمیہ بس ہے۔ اور یہ ثابت ہو چکا ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی قبر اور مشاہد اور مساجد اور آثار کی طرف سفر کر کے جانا شرک اکبر ہے۔ اسی رسالہ میں مزید یہ تحریر تھا:

اَمَّا السَّابِقُوۡنَ فَاللَّاتُ وَالسُّوَاعُ وَالۡعُزّٰى وَاَمَّا اللَّاحِقُوۡنَ مُحَمَّدٌ وَّعَلِيٌّ وَّعَبۡدُ الۡقَادِرِ۔ (معاذ اللہ)

"پہلے بت لات اور سُواع اور عُزّیٰ تھے اور موجودہ بت محمد، اور علی اور عبد القادر ہیں"۔ (معاذ اللہ)

شیخ نجدی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اطہر اور مشاہد اور مساجد اور آثار کی طرف سفر کر کے جانے کو شرک اکبر کہہ رہا ہے اور تعظیم نبی کو از قبیل شرک بتا رہا ہے۔ اس کا یہ باطل عقیدہ کہ "دنیا میں شرک تعظیم غیر اللہ" سے پیدا ہوا ہے اس کے اس قول وعقیدہ سے اس کی جہالت ثابت ہو رہی ہے۔" (از مہر منیر)

حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیری محدث نے "فیض الباری" میں ابن عبد الوہاب نجدی کے متعلق جو فرمایا ہے:

كَانَ رَجُلًا بَلِيۡدًا قَلِيۡلُ الۡعِلۡمِ (وہ کند ذہن شخص تھا کم علم تھا) بالکل صحیح فرمایا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ سلامتی عقل سے محروم شخص تھا اسی لیے اس کی زبان وقلم سے ایسے فاسد اور بیہودہ اقوال سرزد ہوئے (اللہ تعالیٰ اپنی پناہ میں رکھے آمین)

[1] اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں

(حاشیہ عظمت لہ) ____________________

لہ حضرت مصنف قدس سرہٗ کی مکمل وضاحت کے بعد چنداں ضرورت نہیں کہ مزید کچھ تحریر کیا جائے۔ لیکن مخالفین کو خوب اچھی طرح سمجھانا مقصود ہے کہ وہ ان واضح ثبوت کو دیکھتے ہوئے اس پر غور کیوں نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ خود اپنے کلام مجید میں بار بار شعائر اللہ (اللہ کی یادگار) کی تعظیم کا حکم اپنے بندوں کو دے رہا ہے۔ ملاحظہ ہو:

وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ لَكُمْ فِيْهَا خَيْرٌ

ترجمہ: اور (مسلمانو!)، ہم نے تمہارے لیے (قربانی) کے اونٹ کو اللہ کی نشانیوں میں سے بنا دیا ہے۔ تمہارے لیے ان میں فوائد بھی ہیں۔

ارشاد ربانی ہے:

اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ ○ ترجمہ: تمہارا دوست تو صرف اللہ اور اس کا رسول اور وہ لوگ جو ایمان دار ہیں جو نماز پڑھتے ہیں اور جو زکوٰۃ دیتے ہیں اور وہ جھکے رہتے ہیں۔

قرآن مجید ہمیں حکم دیتا ہے کہ سید الانبیاء، امام المرسلین رحمۃ للعالمین خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا شفیع سمجھو۔ ملاحظہ ہو:

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ○ ترجمہ: اور اگر وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں اور پھر وہ آپ کے پاس آئیں اور اللہ سے معافی مانگیں اور رسول ان کی سفارش بھی کریں تو وہ ضرور اللہ کو مائل بہ کرم اور رحیم پائیں گے۔

فرقہ وہابیہ نجدیہ کے لوگ نہ تو قرآن عظیم کے ارشادات پر غور کرتے ہیں اور نہ معتبر ثقہ علماء سلف علیہم الرحمہ کی تفاسیر کو تسلیم کرتے ہیں بس اپنے نفس کی تقلید کو اپنا دین و اعتقاد قرار دیتے ہیں۔ ذرا "تفسیر النسفی" الجزء الاول (تالیف) الشیخ الامام المعظم محی السنۃ صاحب علم المعانی والبیان حافظ الملۃ والدین ابوالبرکات علامہ عبداللہ بن احمد بن محمود النسفی رحمۃ اللہ علیہ المتوفی باختلاف روایات ۷۰۱ھ، ۷۱۰ھ، ۷۱۱ھ) میں آیۃ کریمہ وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ الخ کے ذیل میں ایک واقعہ مذکور ہے جسے علماء حق تسلیم کرتے ہیں۔ ملاحظہ ہو:

قیل جاء اعرابی بعد دفنه علیه السلام فرمی بنفسه علی قبره وحثا من ترابه علی رأسه وقال یارسول الله قلت فسمعنا وکان فیما انزل علیك وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ الآیة وقد ظلمت نفسی وجئتك استغفر الله من ذنبی فاستغفر لی من ربی فنودی من قبره قد غفر لك۔

ترجمہ: ایک اعرابی آیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مدفون ہونے کے بعد پس اپنی جان کو لے کر قبرِ مبارک کے آگے ڈال دیا اور قبرِ مبارک کی مٹی سے اپنے سر کو آلودہ کیا اور عرض کیا اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ نے فرمایا اور ہم نے سنا اور جو اللہ کا کلام آپ پر اترا اس میں یہ بھی ہے کہ اور اگر وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں پھر آپ کے پاس آئیں اور اللہ سے معافی

(باقی اگلے صفحہ پر)

بِاَيْدِىْ سَفَرَةٍ ۙ ترجمہ (قرآن صحائف میں ہے) جو محترم اور نکوکار کاتبین کے
كِرَامٍ بَرَرَةٍ ۙ ہاتھوں میں ہے۔

دوسرے مقام پر ملائکہ کاتبین اعمال کے حق میں فرمانِ الٰہی ہے:

وَاِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ ۙ ترجمہ (اے انسانو!) تم پر نگہبان مقرر ہیں جو محترم اور
كِرَامًا كَاتِبِيْنَ ۙ نکوکار ہیں۔

تیسرے مقام پر جملہ ملائکہ عظام کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ ترجمہ بلکہ وہ محترم بندے ہیں

چوتھے مقام پر سردار ملائکہ حضرت جبریل امین علیہ السلام کے متعلق فرمایا:

اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ۙ ذِىْ ترجمہ یہ (قرآن) گفتگو ہے ایک پیامبر محترم کی جو صاحب
قُوَّةٍ عِنْدَ ذِى الْعَرْشِ مَكِيْنٍ ۙ قوت ہے اور عرش والے کے نزدیک ذی رتبہ
مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِيْنٍ ۙ وہاں سردار اور امانت دار ہیں۔

ان تمام آیاتِ قرآنی سے ملائکہ کی بزرگی اور احترام واضح طور پر ثابت ہوتا ہے اور ان بزرگیوں کے

(بقیہ حاشیہ)

مانگیں اور رسول ان کی سفارش بھی کریں (اے اللہ تو اس کی مغفرت فرما) تو وہ ضرور اللہ کو مائل بہ کرم اور رحیم پائیں گے: میں نے اپنی جان پر ظلم کیا ہے اور آپ کے پاس حاضر ہوا ہوں اپنے گناہوں پر اللہ سے معافی مانگتا ہوں، آپ بھی میری مغفرت کے لیے میرے پروردگار سے معافی کی درخواست کر دیجیے۔ حضور کی قبر مبارک سے آواز آئی کہ تیری مغفرت ہوگئی۔

الحاصل یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو شعائر اللہ کی تعظیم و تکریم کا جو حکم دیا ہے وہ جب تک مؤمن کے قلب میں جاگزیں نہیں ہوگا۔ اس وقت تک ایمان بھی کامل نہیں ہوگا۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام خاص کر امام الانبیاء اشرف الرسل روحی فداہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کامل محبت اور آپ کی عظمت و احترام کا ہونا بہت ہی ضروری ہے۔ قرآنِ کریم اور احادیثِ صحیحہ سے ثابت اور واضح ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گناہ گار امتیوں کی سفارش فرمائیں گے۔ جب نابالغ بچے اور بچیاں اپنے والدین کی سفارش کریں گے تو یہ کیسے ممکن ہے کہ محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کو سفارش کرنے کا اختیار حاصل نہیں؟ یقیناً حضور صلی اللہ علیہ وسلم شفیع ہیں اور مقام محمود آپ کو عطا ہوگا اور انا لہا انا لہا کی مبارک صدا روز محشر گناہ گار امتیوں کے لیے رحمت کا باعث ہوگی۔ آپ کا ارشاد عالی حق ہے، وہ ظاہر ہو کر رہے گا۔ (ان شاء اللہ تعالیٰ)

اگر کوئی قرآن مجید اور تفاسیر اور احادیثِ صحیحہ کی ہدایات کو ان وضاحتوں کے بعد بھی نہ مانے تو اس شخص کی اس بدنصیبی کا علاج سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کسی کے پاس نہیں ہے۔ وَاللّٰهُ يَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (اور اللہ جسے چاہتا ہے اسے صراط مستقیم کی ہدایت عطا فرماتا ہے)

اظہار سے مقصود یہ ہے کہ امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام ان ملائکہ کو معظم و محترم سمجھیں اور کوئی بات سوءِ ادب کی ان کے متعلق منہ سے نہ نکالیں۔ فرشتوں کے متعلق قرآنِ مجید میں جا بجا اس قسم کی نصوص آپ کو ملیں گی۔ علاوہ ملائکہ عظام کے حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا تذکرہ قرآن عظیم اور احادیث شریفہ میں عزت و وقار کے ساتھ کیا گیا ہے۔ خصوصاً سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق تو سورۂ حجرات میں یہاں تک ارشاد فرمادیا کہ نبی روحی فداہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز پر اپنی آواز کو بلند نہ کرو اور اس طرح زور سے گفتگو بھی نہ کرو جس طرح آپس میں گفتگو کیا کرتے ہو اور اگر ایسا کرو گے تو تمہارے اعمال باطل ہو جائیں گے اور تمہیں خبر بھی نہیں ہوگی۔ قرآنِ عظیم میں ہے:

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَنْ تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ ۝

ترجمہ: اے ایمان والو! اپنی آواز کو نبی کی آواز سے اونچا نہ کرو اور ان سے کرخت گفتگو بھی نہ کرو جس طرح ایک دوسرے سے کرتے ہو اس خوف سے کہ تمہارے اعمال بے کار ہو جائیں اور تمہیں خبر بھی نہ ہو۔

الغرض اللہ تعالیٰ نے اپنے بندگان خاص کی تعظیم اور شعائر خاصہ کی توقیر کا حکم دیا ہے ـــــ ہاں تعظیم میں اس قدر مبالغہ کہ اس سے شرک یا کفر کا شائبہ پیدا ہو جائے۔ وہ ضرور ممنوع ہے۔

ابن عبدالوہاب نجدی کی کتابوں خصوصاً "کتاب التوحید" کے مطالعہ سے متبعین اہلِ سنت و جماعت کو پرہیز کرنا چاہیئے۔ کیونکہ یہ خاصانِ خدا کی عظمت کا خاتمہ کر دینے اور بد عقیدہ کر دینے والی کتاب ہے۔ وہابیہ کے نزدیک ابن تیمیہ، ابن قیم اور ابن عبدالوہاب نجدی کی کتابوں کی بڑی اہمیت ہے۔ وجہ اس کی صاف ہے کہ بد عقیدگی وہابیوں کا عام شیوہ ہے ـــــ اہلِ سنت و جماعت ایسی کتابوں کے مطالعہ سے اور ان کی اشاعت سے بے زار ہیں۔

فرقۂ غیر مقلدین

شریعت مطہرہ کی چار حق جماعتوں حنفیہ، مالکیہ، شافعیہ اور حنبلیہ میں سے کسی ایک گروہ میں داخل ہو کر اعمال کو انجام دینا اور چاروں ائمہ برحق حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، حضرت امام مالک، حضرت امام شافعی اور حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہم میں سے کسی ایک امام کی تقلید کرنا اس پر چوتھی صدی ہجری میں اجماع امت ہو چکا ہے۔ اہل سنت و جماعت کسی ایک امام برحق کے ضرور متبع ہیں۔

الحمدللہ ہم احناف حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مقلد اور متبع ہیں۔ آپ کی اتباع پر ہمیں فخر ہے۔

غیر مقلدین تقلید ائمہ کرام کو برا تصور کرتے ہیں۔ اہل سنت و جماعت کی زبان میں ان کو غیر مقلد اسی وجہ سے کہا جاتا ہے۔

ان غیر مقلدین کا خیال ہے کہ مسائلِ شرعیہ "کتاب اللہ" اور سنت رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے نکالے

جائیں اور کسی خاص امام کی تقلید نہ کی جائے ـــــ نفسِ تقلید سے تو یہ فرقہ بھی انکار نہیں کرسکتا۔ اس لیے کہ وہ راویانِ حدیث کی تو تقلید کرتا ہے، اہلِ لغت کی تقلید کرتا ہے اور حضرات ائمہ کرام رحمۃ اللہ علیہم کے اقوال میں سے کسی قول کو ترجیح دیتا ہے۔ چوتھی صدی ہجری میں جوامتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں اجماع ہوا ہے کہ چار ائمہؒ کے علاوہ کسی اور کی تقلید نہ کی جائے۔ اس اجماع کی یہ فرقہ مخالفت کرتا ہے۔ بہت سے اقوالِ ائمہؒ میں جو کسی ایک قول کو ترجیح دیتے ہیں، وہ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم مرجحین میں ہیں۔ مرجحین مجتہدین کا ایک نیچا طبقہ ہے جس کا رتبہ غیر مقلدین کو حاصل نہیں ہے ـــــ بحرالرائق میں ہے کہ :

مَنْ خَالَفَ السَّلَفَ فَهُوَ الْمُبْتَدِعُ ترجمہ جس نے سلف (صالحین) کی مخالفت کی پس وہ بدعتی ہے۔

اگر غور کیا جائے تو یہ فرقہ اپنے کو حضرت سیدنا امام اعظم، حضرت امام مالک، حضرت امام شافعی اور حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہم سے اَعْلَم سمجھتا ہے جو صریحی تکبر ہے اور خاصانِ خدا کی تحقیر ہے۔

ہمارے نزدیک یہ فرقہ اہل بدعت میں سے ہے۔ بعض لوگوں نے اس کو اہل سنت میں شمار کیا ہے۔ مگر ہم مقلدینِ امام اعظمؒ اس فرقہ کو سلفِ صالحین ائمہ رحمۃ اللہ علیہم کی مخالفت اور اُن سے عناد رکھنے پر بدعتی ہی قرار دیتے ہیں۔ جن اربابِ علم نے ان کو اہلِ سنت میں شمار کیا ہے، غالباً ان غیر مقلدین کو کہا ہے جو ائمہ کرامؒ کی تحقیر و تذلیل نہیں کرتے، بلکہ امام الائمہ سراج الامت امام اعظمؒ نے خود فرمایا ہے کہ :

اِذَا صَحَّ الْحَدِيْثُ فَهُوَ مَذْهَبِيْ[1] یعنی میرے قول کے خلاف اگر کسی قوی حدیث سے کوئی چیز ثابت ہو تو وہی میرا مذہب ہے۔ ایسے حضرات بھی ہماری نظر میں قلیل العلم اور کم ظرف ہیں۔

غور کرنے کا مقام ہے کہ حضرت امام اعظمؒ کے وصال کو صدیاں گذر گئیں۔ ۱۵۰ھ میں آپ کا وصال ہوا۔ اس وقت سے لے کر اب تک بڑے بڑے نامور علماء، صالحین، مختلف علوم و فنون کے امام حضرات، صلحاء، اتقیاء اور بے شمار اولیاء عظامؒ نے ان کے مذہب کی تقلید کی۔ اتفاق سے اگر کوئی مسئلہ کمزور نظر آیا تو جمہور حنفیہ نے اسے چھوڑ دیا یا عمومِ بلوہ یا مجبوری اور ضرورت یا مصلحتِ عامہ اگر نظر آئی تو اس مقام پر بھی امام اعظمؒ کے قول کو چھوڑ دیا گیا۔

مثلاً حضرت امام اعظمؒ کا قول ہے کہ عبادت پر اجرت لینا ناجائز ہے۔ لہٰذا امام، مؤذن، مدرس دینیات، قاری قرآن کریم کی تنخواہوں کا مقرر کرنا امام اعظمؒ کی تحقیق کے خلاف ہے۔

حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا قول صحیح اور قوی ہے۔ "ایک صحابیٔ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) نے کسی کو قرآن

---

[1] وروی الحاکم والبیہقی عن الشافعی انہ کان یقول اذا صح الحدیث فہو مذہبی
کتاب الانصاف ص ۵۰۔ مطبوعہ ۱۴۱۰ھ۔ مکتبہ استنبول (ترکی)

کریم پڑھایا، اور پڑھنے والے نے اپنے استاد کو ایک کمان نذر کی۔ ان صحابی نے رسول انور صلی اللہ علیہ وسلم کے دربارِ عالی میں حاضر ہو کر یہ واقعہ پیش کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر تو آتش کی کمان لگانا چاہتا ہے تو اس کی کمان قبول کرلے[1]

متاخرین حنفیہ نے اس قول کو صحیح اور قوی سمجھتے ہوئے یہ غور کیا کہ پہلے زمانہ میں ائمہ، مؤذنین، مدرسین اور قراء کفایت شعار اور متوکل علی اللہ تھے۔ ان کے مخلصین ہدایا کے ذریعہ ان کی خاطر و مدارات کیا کرتے تھے۔ اس لیے تنخواہوں کے تقرر کی کوئی ضرورت نہیں تھی لیکن دورِ آخر میں ائمہ، مؤذنین، مدرسین اور قراء قانع و متوکل نہیں رہے اور مسلمان ان کے حالات سے غافل اور لاپرواہ ہوگئے۔ ایسی حالت میں اگر تنخواہوں کا تقرر نہ ہوتا تو مسجدیں ویران ہو جاتیں، مدارسِ اسلامیہ خالی ہو جاتے اور اسلام کا شیرازہ بکھر کر رہ جاتا۔ اس لیے متاخرین علماء نے فتویٰ دیا کہ تنخواہیں مقرر کی جائیں۔ جیسا کہ قاضی خاں نے اپنے "فتاویٰ" میں تصریح کی ہے۔

دوسرے طور پر اس مسئلہ کو یوں سمجھیے کہ قبیحین اگر سامنے ہوں تو اہون قبیحین "کم قباحت والی چیز" کو اختیار کیا جائے۔ قرآن عظیم اس پر شاہد ہے کہ:

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ ... فَمَنِ اضْطُرَّ فِي مَخْمَصَةٍ	ترجمہ حرام کیا گیا تم پر مُردار اور خون (دم مسفوح) اور سور کا گوشت اور جس پر ذبح کے وقت غیر خدا کا نام لیا جائے ... پس جو لاچار ہو جائے بھوک میں۔

یعنی محرمات کا استعمال امرِ قبیح ہے۔ لیکن کسی مومن کی جان کا جانا اس سے زائد برا یعنی اَقبح ہے۔ پس باری تعالیٰ نے کرم فرمایا اور اجازت دی کہ اہونِ قبیحین کو اختیار کریں اور اَقبح یعنی زیادہ بری چیز کو گوارا نہ کریں۔

پس غیر مقلدین کا یہ کہنا کہ جو حدیثیں ہم بخاری شریف اور مسلم شریف اور دوسری صحاح کی کتب میں دیکھتے ہیں۔ اگر ان کے خلاف امام اعظمؒ کا قول ہوتا ہے تو ہم اسے ترک کر دیتے ہیں۔

غیر مقلدین کا غلط نظریہ غیر مقلدین کا یہ خیال کہ صحیح البخاری اور صحیح المسلم پر ہی صحاح کا انحصار ہے، بالکل غلط ہے۔ امام حاکم ابو عبداللہؒ[2] نیشاپوری رحمۃ اللہ کی

---

[1] عربی عبارت اس حدیث کا مفہوم ہے: عن ابی بن کعب قال علمت رجلاً القرآن فاھدیٰ الی قوساً فذکرت ذالک لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال ان اخذ تھا اخذت قوساً من نار

ابن ماجہ شریف۔ ابواب التجارات۔ باب الاجر علی تعلیم القرآن۔ ص ۱۵۷

[2] ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ بن محمد بن حمدویہ بن نعیم نیشاپوریؒ المتوفی ۴۰۵ھ۔ علم حدیث کے امام تھے، حاکم ان کا لقب ہے۔ حاکم محدثینؒ کی اصطلاح میں اسے کہتے ہیں جسے دس لاکھ حدیثیں یاد ہوں۔

"مستدرک"، "صحیح ابن حبان[1]"، "صحیح ابو عوانہ[2]"، "صحیح ابن سکن"، معتبر کتابیں ہیں۔ بعض چیزیں جو صحاح ستہ میں نہیں ملتیں، وہ ان کتابوں میں مذکور ہیں۔ لہٰذا غیر مقلدین کا یہ نظریہ قطعاً غلط ہے۔

بہت سے غیر مقلدین جنازہ کی نماز کو غائبانہ جائز سمجھتے ہیں اور اس پر حبشہ کے بادشاہ نجاشی کے واقعہ کو حجت لاتے ہیں کہ نجاشی کا جب انتقال ہوا تو ان کا جنازہ حبشہ میں تھا اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی غائبانہ نمازِ جنازہ پڑھی تھی۔

جنازہ کی غائبانہ نماز کا پڑھنا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خاصہ اور حضرات حنفیہ کا مسلک

حضرات حنفیہ کا اس مسئلہ میں جو مسلک ہے وہ پیش کرتا ہوں۔ علمائے احناف رحمۃ اللہ علیہم فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو غائبانہ نماز جنازہ پڑھی تو وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی خصوصیت ہے۔ حنفیہ کے نزدیک غائبانہ نماز جنازہ صحیح نہیں ہے۔

اس پر غیر مقلدین کہتے ہیں کہ حنفیہ نے جو دعویٰ خصوصیت کیا ہے وہ بلا دلیل ہے ـــــ ہم احناف کا کہنا یہ ہے کہ یہ غیر مقلدین کی ناواقفیت، کم علمی اور کم عقلی کا نتیجہ ہے ـــــ صحیح ابن حبان میں سند قوی کے ساتھ یہ حدیث شریف مذکور ہے:

عن عمران بن حصین وھم لایظنون الا ان جنازتہ بین یدیہ[3]	یعنی صحابہ کرام سمجھ رہے تھے کہ نجاشی کا جنازہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہے۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سمجھ رہے تھے کہ نجاشی کا جنازہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہے۔ اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ نے پردے اٹھا دیئے تھے، اس لیے جنازہ آپ کے سامنے تھا۔

اب اس بات پر غور کیجیے کہ اس زمانہ میں کس شخص میں یہ قوت ہے کہ غائبانہ جنازہ اس کے سامنے آجائے۔ اسی طریقہ سے بہت سی باتیں حنفیت میں ایسی ہیں کہ جن کا ثبوت صحاح ستہ میں نہیں ہے۔ مثلاً حج کے موقع پر دسویں تاریخ کی ترتیب یہ ہے کہ رمی کی جائے۔ بعد کو قربانی کی جائے، اس کے بعد سر منڈایا جائے یا بال کتروائے

---

[1] ابوحاتم محمد بن حبان بن احمد بن حبان بن معاذ معبد تمیمی بستیؒ المتوفی ۳۵۴ھ علم حدیث کے امام تھے۔

[2] یعقوب اسحٰق بن ابراہیم بن یزید اسفرائنی نیشاپوریؒ المتوفی ۳۱۶ھ۔ یہ بھی زبردست عالم اور فن حدیث کے امام تھے۔

[3] العرف الشذی علیٰ جامع الترمذی۔ ابواب الجنائز۔ باب التکبیر علی الجنازۃ ص ۳۴۹ للعلامۃ الفھامۃ المحدث الجلیل محمد انور شاہ الکشمیریؒ۔ بحوالہ صحیح ابن حبان

جائیں۔ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس ترتیب کے خلاف عمل کیا اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس کا تذکرہ کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

وَلَا حَرَجَ [1]

اس میں کوئی مضائقہ نہیں

حضرات حنفیہ فرماتے ہیں کہ وَلَا حَرَجَ کا مطلب یہ ہے کہ حج مقبول ہوگا لیکن کفارہ میں دَم (خون) دینا پڑے گا۔ اس قربانی کا ذکر صحاحِ ستہ میں کہیں نہیں ہے۔ البتہ مصنف ابن ابی شیبہ میں مذکور ہے کہ قربانی کرنا ہوگی۔

امام اعظمؒ پر ترکِ احادیث کا جھوٹا الزام اور اس کا جواب

غیر مقلدین کو نہ جانے کیوں حضرت امام اعظم علیہ الرحمہ کی ذاتِ گرامی سے بغض و عداوت ہے۔ امام موصوفؒ کی ذاتِ بابرکت پر یہ الزام کہ وہ صحیح احادیث کو جان بوجھ کر ترک کر دیا کرتے تھے اور اپنی رائے اور قیاس ہی کو ترجیح دیا کرتے تھے۔ یہ بہتان سراسر جھوٹ، نفرت اور تعصب پر مبنی ہے۔

حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت باسعادت ۸۰ھ میں ہوئی۔ حضرات صحابہ عظام رضی اللہ عنہم میں سے تو آپ نے جلیل القدر صحابیٔ رسول حضرت سیدنا انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا۔ حضرت انس رضی اللہ کی رویت محدثین کرامؒ سے ثابت ہے۔ البتہ دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا دیکھنا اختلافی مسئلہ ہے۔ مگر حضراتِ تابعین جلیل القدر سے اُن کی ملاقاتیں ہوئیں اور اُن سے علوم حاصل کرنے کا امام موصوفؒ کو موقع ملا۔ ایسی حالت میں یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ حضرت امام اعظمؒ نے جان بوجھ کر صحیح احادیث کو ترک کیا۔ حالانکہ مؤرخین، نامور علماء صالحین جلیل القدر ائمہ دین، محدثین اور اولو العزم اولیاء کاملین رحمۃ اللہ علیہم کا اس بات پر اتفاق ہے کہ حضرت امام موصوفؒ اپنے زمانہ میں اَوْرَعُ النَّاس (لوگوں میں سب سے زیادہ پرہیز گار) اور اَعْلَمُ النَّاس (لوگوں میں سب سے زیادہ جاننے والے) تھے۔

ایک غیر مقلد سے گفتگو اور اس کے الزام کا مدلل جواب

بعض غیر مقلدین یہ کہتے ہیں کہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو صرف تیرہ [2] احادیث پہنچی تھیں، جو مؤطا امام محمد میں مذکور ہیں۔ غیر مقلدین مؤطا امام محمد کے حال سے واقف ہی نہیں ہیں۔ مؤطا امام محمد حقیقت میں مؤطا امام مالک ہے اور اس میں جو روایات منقول ہیں، وہ حضرت امام مالکؒ سے مروی ہیں۔

---

[1] جامع الترمذی جلد ۱۔ ابواب الحج۔ باب ما جاء فی من حلق الخ۔ ص ۱۱۱

[2] حضرت مصنف قدس سرہٗ نے جو تیرہ احادیث کا ذکر فرمایا ہے۔ یہ قول حضرتؒ نے غیر مقلدین کا نقل فرمایا ہے جو امام اعظم کی تحقیر کے لیے وہ لوگ بیان کرتے ہیں۔ (باقی اگلے صفحہ پر)

بقیہ
سلسلہ حاشیہ

یہ صحیح ہے کہ موطا امام محمد میں حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے مروی براہ راست تیرہ ۱۳ احادیث مذکور ہیں جیسا کہ عمدۃ المحققین علامۃ العصر حضرت ابوالحسنات مولانا محمد عبدالحی فرنگی محلی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ نے "التعلیق الممجّد علیٰ مؤطا الامام محمد" میں صفحہ ۳۹ (مکتبہ رحیمیہ دیوبند) پر تحریر فرمایا ہے کہ منہا عن ابی حنیفۃ رحمۃ اللہ تعالیٰ ثلثۃ عشر (ان میں سے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے تیرہ ۱۳ احادیث مذکور ہیں) حضرت کے قول کی تائید "التعلیق الممجّد علیٰ مؤطا الامام محمد" میں مذکور عبارت سے ہوتی ہے۔ اب اس کی اصل وجہ اور حقیقت کو سمجھ لیجیے۔

حضرت امام اعظم رحمہ اللہ کی شان اقدس میں غیر مقلدین دانستہ طور پر یہ کہہ کر گستاخی کرتے ہیں کہ "لو بس امام ابوحنیفہ سے تو صرف تیرہ احادیث ہی تو مذکور ہیں۔ گویا وہ بڑے قلیل العلم تھے، حدیث کو جانتے ہی نہیں تھے یا اگر جانتے بھی تھے تو وہ جان بوجھ کر صحیح احادیث کو ترک کیا کرتے تھے" (معاذ اللہ) تیرہ کا عدد چونکہ قلت پر دلالت کر رہا ہے جو جہالت کے مترادف ہے۔ یہ دیدہ و دانستہ گستاخی اور بے ادبی غیر مقلدین کی طرف سے اس لیے باعث حیرت نہیں کہ غیر مقلدین امام اعظم کی مبارک ذات سے خصوصی بغض و عناد رکھتے ہیں۔ ان کا تنفر اور بدعقیدگی واضح ہے۔ وہ تقلیل کے در پے رہتے ہیں اور اپنے نفس کو خوش کرنے اور مسلمانوں کو حضرت سیدنا امام اعظم کی ذاتِ انور سے متنفر کرنے کے تیرہ کے قلیل عدد کو بیان کرتے ہیں۔ حضرت امام اعظم حفاظ احادیث میں سے ہیں۔ علامہ شمس الدین ذہبی نے اپنی کتاب "تذکرۃ الحفاظ" میں حضرت امام موصوف کا اسمِ مبارک حفاظ حدیث میں بیان فرمایا ہے۔ حضراتِ محدثین کی اصطلاح میں "حافظ" اس محدث کو کہتے ہیں جسے ایک لاکھ یا اس سے زائد احادیث یاد ہوں۔ امت میں بے شمار حضرات حفاظ احادیث گذرے ہیں انہی میں حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں۔ حضرت مصنف "مسلکِ اربابِ حق" نے اپنی تصنیف لطیف "حدیثی اصول" میں علامہ شمس الدین ذہبی کی کتاب "تذکرۃ الحفاظ" کے حوالہ سے امام موصوف کو حفاظِ احادیث میں شمار کیا ہے۔ ہم حضرت مصنف قدس سرہٗ کی عبارت من و عن نقل کر رہے ہیں۔

"جب شمس الدین ذہبی نے اپنی کتاب "تذکرۃ الحفاظ" میں اُن کا اسم گرامی حفاظِ حدیث میں درج کیا ہے تو کیا اس کے بعد بھی ان کے محدثانہ مرتبہ میں کلام ہو سکتا ہے؟ ہاں روایتِ حدیث کے لیے ان کی شرطیں سخت تھیں، اس لیے روایاتِ حدیث کی کثرت درجۂ تعارف میں نہیں آئی۔ یہ اقتدا اور تقلید صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی تھی۔ عالم اسلام واقف ہے کہ صحبتِ دیرینہ جس قدر ابوبکر رضی اللہ عنہ کو حاصل تھی اس کی نظیر دشوار ہے، مگر کتب احادیث میں ملاحظہ فرمایئے کہ ان کی روایات کس قدر کم ہیں۔ اس کمی کا سبب ان کی احتیاط تھی، وہی احتیاط امام اعظم نے اختیار فرمائی۔ البتہ بیانِ مسائل میں اخفاء اور بخل نہ صدیق اکبر نے کیا نہ امام اعظم نے۔ اگر (العیاذ باللہ) ایسا ہوتا تو کتمانِ علم کا داغ اُن کے نفوسِ مقدسہ پر آتا۔ مگر باری تعالیٰ نے اس دھبے سے محفوظ رکھا۔ (حدیثی اصول ص ۸۶)

حضرت امام اعظم کی قلتِ روایات کی اصل وجہ ثابت ہو چکی کہ حضرت امام عالی مقام حدیث کی روایت

بقیہ سلسلہ حاشیہ

کے معاملہ میں بہت ہی محتاط تھے۔ انھوں نے روایت اور حدیث کے تحمل کی شرائط میں شدت فرمائی ہے۔ علامہ عبدالرحمن بن محمد بن خلدون مالکی (۸۰۸ھ) نے اپنی کتاب مقدمہ میں صفحہ ۴۴۴-۴۴۵ میں امام اعظمؒ کے سلسلہ میں ایک ضعیف قول نقل کیا ہے اور پھر اسی مقام پر اس کی پرزور تردید بھی کی ہے۔ ملاحظہ ہو:

واعلم ایضاً ان الأئمة المجتهدين تفاوتوا فی الاکثار من هذه الضاعه والاقلال فابو حنیفة رضی اللہ تعالیٰ عنہ یقال بلغت روایته الی سبعة عشر حدیثاً او نحوها، ومالك رحمه اللہ تعالیٰ انما صح عنده مافی کتاب الموطا وغایتها ثلاثمائة حدیث او نحوها واحمد بن حنبل رحمه اللہ تعالیٰ فی مسنده خمسون الف حدیث ولکل ما اداه الیه اجتهاده فی ذالك وقد تقول بعض المبغضین المتعسفین الی ان منهم من كان قلیل البضاعة فی الحدیث فلهذا اقلت روایته ولاسبیل الی هذا المعتقد فی کبائر الأئمة لأن الشریعة انما توخذ من الکتاب والسنة ومن کان قلیل البضاعة من الحدیث فیتعین علیه طلبه وروایته والجد والتشمیر فی ذالك لیاخذ الذین عن اصول صحیحة ویتلقی الاحکام عن صاحبها المبلغ لها وانما قلل منهم من قلل الروایة لاجل المطاعن التی تعترضه فیها والعلل التی تعترض فی طرقها سیما والجرح مقدم عند الاکثر فیؤدیه الاجتهاد الی ترك الاخذ بما یعرض مثل ذالك فیه من الاحادیث وطرق الاسانید و یکثر ذالك فتقل روایته لضعف فی الطرق، هذا مع ان اهل الحجاز اکثر روایة للحدیث من اهل العراق لان المدینة دار الهجرة ومأوی الصحابة ومن انتقل منهم الی العراق کان شغلهم بالجهاد اکثر والامام ابو حنیفة انما قلت روایته لما شدد فی شروط الروایة والتحمل وضعف روایة الحدیث الیقینی اذا عارضها الفعل النفسی وقلت من اجلها روایةٌ فقل حدیثه لا لانه ترك روایة الحدیث متعمداً فحاشاه من ذالك ویدل علی انه من کبار المجتهدین فی علم الحدیث اعتماد مذهبه بینهم والتعویل علیه واعتباره رداً و قبولاً واما غیره من المحدثین وهم الجمهور فتوسعوا فی شروط وکثر حدیثهم والکل عن اجتهاد وقد توسع اصحابه من بعده فی الشروط وکثرت روایتهم، وروی الطحاویؒ فاکثر وکتب مسنده وهو جلیل القدر الا انه لا یعدل الصحیحین لان الشروط التی اعتمدها البخاریؒ ومسلمؒ فی کتابیهما مجمع علیها بین الامة کما قالوه وشروط الطحاویؒ غیر متفق علیها کالروایة عن المستور الحال وغیره فلهذا اقدم الصحیحان بل وکتب السنن المعروفة علیه لتاخر شرطه عن شروطهم ومن اجل هذا قیل فی الصحیحین بالاجماع علی قبولهما

بقیہ سلسلۂ حاشیہ ____________

من جهة الاجماع علىٰ صحة مافيهما من الشروط المتفق عليها فلا تأخذك ريبة فى ذالك - فالقوم احق الناس بالظن الجميل بهم و التماس المخارج الصحيحة لهم ، و الله سبحانهٗ و تعالىٰ اعلم بما فى حقائق الامور -

ترجمہ : جان لیجیے کہ مجتہدین ائمہ کا احادیث مبارکہ سے استدلال کرنے میں کمی اور زیادتی کا تفاوت ہے حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سلسلہ میں کہا گیا ہے کہ ان کی روایات کی تعداد سترہ یا اس کے قریب ہے اور جو روایات امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک صحت کو پہنچی ہیں وہ ان کی مؤطا میں ہیں اور ان روایات کی انتہا تین سو یا اس کے قریب ہے اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی مسند میں پچاس ہزار احادیث ہیں جس کے اجتہاد سے جو ثابت ہوا وہی ہر ایک نے کیا۔ بعض بغض اور تعصب رکھنے والے افراد نے بہتان لگایا ہے کہ حدیث میں جس کی قابلیت کم تھی اس کی روایت کم ہوئی۔ لیکن اکابر آئمہ کے سلسلہ میں اس طرح کی قطعاً گنجائش نہیں ہے۔ کیونکہ شریعت کا بیان قرآن وسنت (حدیث) سے ہوتا ہے اور قرآن وسنت سے ہی اس کا اخذ ہوا کرتا ہے۔ حدیث میں جس کی قابلیت کم ہو اس کے واسطے لازم ہے کہ وہ حدیث کا طلب گار ہو اور اس کی روایت کرے اور وہ طلبِ احادیث میں پوری جدوجہد کرے تاکہ اس کے صحیح اصول سے دین کو حاصل کرے اور رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم جو صاحبِ شریعت ہیں آپ کی ذاتِ انور سے احکام حاصل کرے اور حضرات ائمہ میں سے جس کی روایت کم رہی ہے اس کی وجوہ وہ مطاعن اور علتیں ہیں جو روایت میں پیش آیا کرتی ہیں اور خصوصاً اس حال میں کہ اکثر محدثین کے نزدیک جرح تعدیل پر مقدم ہے۔ اس حال میں مجتہد کا اجتہاد ایسی روایات کو چھوڑنے کی طرف جاتا ہے کہ جن کے لفظوں میں اور اسانید کے طریقوں میں اختلاف پایا جاتا ہو۔ اور یہ بات بھی ہے کہ اہلِ حجاز اہلِ عراق کی بہ نسبت روایتِ حدیث زائد کرتے ہیں۔ اس لیے کہ مدینہ شریفہ مقامِ ہجرت ہے اور صحابہ کرام کی جائے سکونت ہے۔ اور ان میں سے جو عراق کو منتقل ہوا اس کا شغلِ جہاد زائد رہا۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی قلتِ روایات کی وجہ یہ ہے کہ آپ نے روایت اور حدیث کے تحمل کی شرائط میں سختی اختیار فرمائی ہے، اور فرمایا ہے کہ اگر راوی کا خود اپنا فعل اس کی روایت سے مختلف ہو، وہ روایت ضعیف ہے خواہ اس کو عدول نے نقل فرمایا ہو (جیسا کہ حدیث کی روایت میں رفع یدین کا ذکر موجود ہے مگر اس حدیث کی روایت کرنے والے صحابی خود رفع یدین نہیں کیا کرتے تھے) ان وجوہ کی بنا پر آپ کی روایتیں کم ہیں، نہ یہ کہ آپ نے قصداً احادیث کی روایات کو ترک کیا ہے۔ اس سے آپ قطعاً بری ہیں اور اس صورت میں واضح ہے کہ آپ حدیث کے علم میں اعلیٰ مقام والے مجتہدین میں سے ہیں۔ کیونکہ کبار محدثین نے آپ کے مسلک پر اعتماد و یقین کیا ہے اور آپ کی جانب سے رد و قبول کو وقعت و اہمیت دی ہے۔ اور آپ کے علاوہ دوسرے جمہور محدثین نے شرطوں میں وسعت اختیار کی ہیں لہٰذا ان کی روایات زائد ہوئیں۔ یہ تمام ان کا اجتہاد ہے، اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے بعد آپ کے اصحاب نے بھی شرائط

بقیہ سلسلہ حاشیہ

میں توسیع اختیار کی۔ اپنی کتاب "مسند" جو اعلیٰ درجہ کی ہے، لکھی لیکن وہ صحیحین کے رتبہ کی نہیں ہے۔ اس لیے کہ جن شرائط پر امام (محمد بن اسمٰعیل) بخاری اور امام مسلم (بن الحجاج القشیری) رحمۃ اللہ علیہما نے اپنی اپنی کتب تحریر فرمائی ہیں۔ ان شرائط پر ساری امت کا اجماع ہے، جس کو علماءِ دین نے بیان فرمایا ہے اور امام طحاویؒ کی شرطوں پر تمام امت کا اتفاق نہیں ہے۔ جیسے مستور الحال (جس کا حال معلوم نہیں ہو) وغیرہ روایت ہے۔ اس بنا پر صحیح البخاری اور صحیح المسلم اور دوسری مشہور کتبِ احادیث اس پر مقدم ہیں۔ کیونکہ طحاویؒ کی شرائط ان کی شرطوں سے مؤخر (کم رتبہ کی ہیں) ہیں۔ اسی بنا پر فرمایا گیا ہے صحیح البخاری اور صحیح المسلم کی روایات بالاتفاق و بالاجماع مقبول ہیں کیونکہ ان کی شروط کو بالاجماع سب کی جانب سے مقبولیت کا درجہ حاصل ہے۔ تم اس چیز میں شک و شبہ نہ کرو، یہ سب (حضرات) زیادہ حقدار ہیں کہ ان کے حق میں اچھا گمان رکھا جائے، ان کے حق میں صحیح الفاظ (یعنی احترام کے ساتھ انھیں بولا بھی جائے اور انھیں سمجھا بھی جائے) استعمال کیے جائیں۔ اور اللہ پاک ہے اور بہت بلند ہے وہ بہت اچھی طرح امور کی حقیقتوں سے باخبر ہے۔"

ہم نے علامہ ابن خلدون کی بہترین رائے جو انھوں نے حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق قائم کی وہ پیش کر دی، امام اعظمؒ کی ہستی تو ایسی نایاب ہستی ہے اس امت میں کہ جس کی نظیر پیش کرنا ائمہ مجتہدین میں ممکن نہیں۔ بڑے بڑے نامور ائمہ مجتہدین اور علماءِ اعلام نے اپنی اپنی کتب میں آپ کی مدح سرائی کی ہے۔ مالکیہ، شافعیہ اور حنبلیہ سب آپ کی مدح پر نازاں ہیں۔ طوالت کی خاطر ہم دوسرے علماءِ اعلام کی عبارتیں پیش کرنے سے قاصر ہیں۔ البتہ قارئین کی معلومات کے لیے بعض اکابر علماءِ کرام کے اسماء اور ان کی کتابوں کا ذکر اس لیے کیا جا رہا ہے کہ سلف صالحینؒ کی ان کتابوں کا مطالعہ کرنے کے بعد ہی پتہ چلے گا کہ اس آفتابِ دین (امام اعظمؒ) کا علم و فضل، زہد و تقویٰ، آپ کی خشیتِ الٰہی اور درجۂ اجتہاد کیا تھا۔ مندرجہ ذیل کتب کا مطالعہ ضرور فرمائیں۔

۱ — الخیرات الحسان فی مناقب الامام الاعظم ابو حنیفہ النعمان رضی اللہ عنہ: تصنیف علامہ ابن حجر ہیتمی مکی شافعیؒ
۲ — اخبار ابی حنیفہ و اصحابہ — تصنیف محدث قاضی علامہ ابو عبداللہ حسین بن علی صیمریؒ
۳ — المناقب — " صدر الائمہ ابو المؤید الموفق بن احمد مکیؒ
۴ — تاریخ بغداد — " علامہ حافظ ابو بکر احمد بن علی خطیب بغدادیؒ
۵ — ابو حنیفہ بطل الحریۃ — " علامہ عبد الحکیم جندیؒ
۶ — النشر فی قراءت العشر — " حافظ ابو الخیر محمد بن جزریؒ
۷ — عقود الجمان فی مناقب الامام ابی حنیفۃ النعمانؒ — " علامہ شمس الدین محمد بن یوسف صالحی شامی شافعیؒ
۸ — تبییض الصحیفہ فی مناقب الامام ابی حنیفہؒ — " علامہ حافظ جلال الدین سیوطی شافعیؒ
۹ — البدایہ والنہایہ — " حافظ عماد الدین ابو الفداء اسمٰعیل بن کثیر دمشقی شافعیؒ

بقیہ سلسلہ حاشیہ

۱۰— شذرات الذہب — تصنیف: علامہ ابن عماد حنبلیؒ

۱۱— عقود الجواہر المنیفہ فی ادلۃ مذہب الامام ابی حنیفہؒ — " علامہ سید محمد مرتضیٰ الحسینی والزبیدیؒ

۱۲— اعلام الموقعین — " علامہ ابن قیم

۱۳— المیزان الشعرانیہ — " علامہ عبدالوہاب بن احمد شعرانی شافعیؒ

۱۴— کتاب الاستغناء فی الکنی — " امام حافظ ابو عمر یوسف بن عبد البرؒ مالکی مغربی

۱۵— مناقب الامام ابی حنیفہ وصاحبیہ ابو یوسف ومحمد بن الحسن — " علامہ حافظ ابو عبد اللہ محمد بن احمد بن عثمان ذہبی شافعیؒ

۱۶— منہاج السنۃ النبویہ — " علامہ تقی الدین احمد بن تیمیہ حرّانی دمشقی حنبلی

۱۷— وفیاتُ الاعیانِ واَنباءُ اَبناءِ الزّمان — " علامہ ابو العباس شمس الدین احمد بن محمد بن ابی بکر بن خلکان برکی اَربِلی شافعیؒ قاضی القضاۃ

۱۸— تاریخ الخمیس فی احوال انفس نفیس — " علامہ شیخ حسین بن محمد بن حسن الدیار بکریؒ

۱۹— النجوم الزاہرہ فی ملوک مصر والقاہرہ — " جمال الدین ابو المحاسن یوسف بن تغری بردی اتابکی بشبغاوی ظاہریؒ

۲۰— مکتوبات امام ربانی کے دفتر دوم کا مکتوبؑ ۵۵ میں — " حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی قدس سرہٗ

۲۱— الانتقاء — " علامہ ابن عبد البر مالکیؒ

۲۲— المعتمد فی المعتقد معروف بہ تورپشتی — " امام ابو عبد اللہ فضل اللہ شہاب الدین بن ابو سعید الحسن تاج الدین بن الحسین بن یوسف التورپشتیؒ

۲۳— تنسیق النظام فی مُسند الامام — " نابغۃ العصر عبقری الہند علامہ ابو الحسن محمد حسن بن ظہور حسن بن شمس علی حنفی سنبھلیؒ

۲۴— جامع مسانید الامام الاعظمؒ — " علامہ ابو المؤید محمد بن محمود بن محمد بن حسن العربی الخوارزمیؒ

۲۵— تذکرۃ الحفاظ — " علامہ شمس الدین ذہبیؒ

حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے فضائلِ کثیرہ و کمالاتِ عُلیا کو متقدمین سلف صالحین علیہم الرحمۃ والرضوان نے اپنی لاجواب تصانیف میں بڑے فخر کے ساتھ بیان کیا ہے۔ ہمارا کہنا یہ ہے کہ غیر مقلدین ذرا اپنے پیشواؤں علامہ ابن تیمیہ اور علامہ ابن قیم کی تصانیف ہی کا مطالعہ کر لیتے کہ امام الائمہ سراج الامت حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی بلند شان میں یہ علماء کتنے رطب اللسان ہیں اور انھوں نے امام الائمہؒ کی کیسی کیسی مدح سرائی کی ہے۔ آپ حضرات کو تقلیدِ امامِ اعظمؒ سے چڑ ہے۔ لیکن ابن تیمیہ اور ابن قیم کی تقلید اور ان کی پیروی کا بڑا دعویٰ ہے تو کم از کم اس میدان میں بھی ان کی تقلید و

بقیہ سلسلہ حاشیہ

پیروی کر لیتے اور حضرت امام عالی مقامؒ سے حسن ظن اور خوش عقیدگی کا ثبوت دے دیتے۔ لیکن آپ کی یہ دوہری پالیسی ضرور ہمارے لیے باعثِ حیرت ہے۔

دو سو پندرہ احادیث میں امام اعظمؒ کی امتیازی شان [215]: علامہ امام اجل ابوالمؤید محمد بن محمود بن محمد بن حسن خوارزمیؒ رحمۃ اللہ علیہ (ولادت ۵۹۳ھ، وفات ۶۵۵ھ) نے امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی مسند کو جمع کیا ہے جس کو "جامع مسانید الامام الاعظم" کہتے ہیں۔ علامہ خوارزمیؒ نے بڑا عمدہ خطبہ "جامع مسانید" کا تحریر فرمایا ہے جو پڑھنے اور دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ انھوں نے تحریر فرمایا ہے کہ اس مسند کو تحریر کرنے کی اصل وجہ یہ ہوئی کہ میں نے ملکِ شام میں بعض جہلاء کو یہ کہتے سنا کہ حضرت امام موصوفؒ کی روایاتِ حدیث قلیل ہیں اور ایک کم عقل اور ناقص العلم نے امام محمد بن ادریس شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی مُسند جس کو علامہ ابوالعباس محمد بن یعقوب اصم نے جمع کیا ہے اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی مؤطا اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی مُسند سے استدلال لاتے ہوئے حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا ذکر بے ادبی کے ساتھ کیا۔ اس ناقص العلم کی یہ بات سن کر میری دینی حمیّت اور اسلامی غیرت جاگ گئی۔ میں نے اپنے کو اس کام کے لیے مجبور پایا کہ میں امام موصوفؒ کی دو سو پندرہ مسانید اور آثار سے ایک مُسند کو ترتیب دوں۔ الحاصل یہ کہ میں نے اپنے پروردگار اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی ذاتِ گرامی پر اعتماد کرتے ہوئے فقہ کے ابواب کی ترتیب پر یہ مُسند مرتب کی تاکہ معاندین اور جہلاء کا شک دور ہو۔ جامع مسانید امام اعظمؒ کے ناشر نے حاشیہ میں حضرت امام عبداللہ بن مبارک رضی اللہ عنہ کا وہ قصیدہ بھی پیش کر دیا ہے جو امام ابن مبارکؒ نے حضرت امام اعظمؒ کی شانِ اقدس میں کہا ہے۔ قصیدہ کے اشعار بطورِ تبرک یہاں پیش کیے جا رہے ہیں:

لَقَدْ زَانَ الْبِلَادَ وَمَنْ عَلَيْهَا	ترجمہ: شہروں اور اس میں رہنے والوں کو
إِمَامُ الْمُسْلِمِيْنَ أَبُوْ حَنِيْفَهْ	مسلمانوں کے امام ابوحنیفہ نے رونق بخشی
بِأَحْكَامٍ وَآثَارٍ وَفِقْهٍ	احکام اور آثار اور فقہ کے ذریعے
كَآيَاتِ الزَّبُوْرِ عَلٰى صَحِيْفَهْ	جیسے کہ صحیفہ پر زبور کی آیات
فَمَا فِي الْمَشْرِقَيْنِ لَهٗ نَظِيْرٌ	ان کی نظیر دونوں مشرقوں میں نہیں ہے
وَلَا فِي الْمَغْرِبَيْنِ وَلَا بِكُوْفَهْ	اور نہ دونوں مغربوں میں اور نہ کوفہ میں ہے
يَبِيْتُ مُشَمِّرًا سَهِرَ اللَّيَالِيْ	وہ شب بیداری میں بڑا اہتمام رکھتے تھے
وَصَامَ نَهَارَهٗ لِلّٰهِ خِيْفَهْ	اور اللہ کے خوف سے دن کو روزہ رکھا کرتے تھے
فَمَنْ كَأَبِيْ حَنِيْفَةَ فِيْ عُلَاهُ	ابوحنیفہ کے مثل ان کی بلندی میں کون ہوگا جو
إِمَامٌ لِلْخَلِيْقَةِ وَالْخَلِيْفَهْ	مخلوق کے اور خلیفہ کے امام ہیں

بقیہ سلسلہ حاشیہ

رَأَیْتُ الْعَائِبِیْنَ لَہٗ سِفَاهًا	ترجمہ: میں نے دیکھا ان عیب ڈھونڈنے والوں کو تو
خِلَافَ الْحَقِّ مَعْ حُجَجٍ ضَعِیْفَہْ	سچائی کے خلاف کمزور دلائل والا پایا
وَکَیْفَ یَحِلُّ اَنْ یُّؤْذٰی فَقِیْہٌ	اور کس طرح درست ہو سکتا ہے کہ ایسے فقیہ کو ایذا پہنچائی جائے
لَہٗ فِی الْاَرْضِ اٰثَارٌ شَرِیْفَہْ	جس کی بہترین نشانیاں زمین پر ہیں
فَقَدْ قَالَ ابْنُ اِدْرِیْسَ مَقَالًا	پس کہی ادریس کے فرزند (امام شافعیؒ) نے نفیس بات
صَحِیْحَ النَّقْلِ فِیْ حِکَمٍ لَطِیْفَہْ	پُرلطف حکمتوں میں صحیح بات نقل کرنے والے تھے
بِاَنَّ النَّاسَ فِیْ فِقْہٍ عِیَالٌ	کہ انسان فقہ میں عیال ہیں
عَلٰی فِقْہِ الْاِمَامِ اَبِیْ حَنِیْفَہْ	امام ابوحنیفہؒ کی فقہ کے
فَلَعْنَۃُ رَبِّنَا اَعْدَادَ رَمْلٍ	پس ہمارے رب کی اس پر دشمنی کی بنا پر (ریت کے ذرات کے برابر لعنت ہو
عَلٰی مَنْ رَدَّ قَوْلَ اَبِیْ حَنِیْفَہْ	جو ابوحنیفہؒ کے فرمان کو رد کرے۔

ہم نے اساطینِ علومِ نبویہ یعنی سلف علماءِ اعلام رحمۃ اللہ علیہم کی مشہور و معروف بعض کتب کے نام دیئے ہیں جو حضرت امام اعظمؒ کے مناقب میں انھوں نے تحریر فرمائی ہیں، اور حضرت عبد اللہ بن مبارک محدث رحمۃ اللہ علیہ کا قصیدہ بھی پیش کر دیا کہ ان کے ہمعصر علماءِ اعلام ہوں یا ائمہ مجتہدینؒ سب کی زبانیں حضرت امام عالی مقام کی مدح و تعریف سے تر ہیں۔ معاندینِ امام عالی مقام کے لیے سارا سامان سمجھنے کے لیے ان میں موجود ہے۔

اب ہم قدرے اختصار کے ساتھ مُسند کے سلسلے میں کچھ عرض کریں گے جس کو امام خوارزمیؒ نے جمع کیا ہے۔۔۔

صحیح بات یہ ہے کہ حضرت امام عالی مقام دو سو پندرہ روایاتِ احادیث میں جملہ ائمہ کرامؒ کے مقابلہ میں ممتاز شان رکھتے ہیں اور بقیہ روایات میں ان حضرات کے ساتھ ہیں۔ ان کی مسند میں ایک سو اٹھائیس ایسی روایتیں ہیں جو محض نماز کے بیان کے سلسلے میں ہیں اور مسند آٹھ سو صفحوں پر مشتمل ہے۔

اب غیر مقلدین کا یہ بہتان کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو تو صرف تیرہ احادیث ہی پہنچی تھیں (جو مؤطا امام محمد میں ہیں یا بعض دوسرے اقوال کہ انھیں چھ، سات احادیث پہنچی تھیں یا جیسا کہ علامہ ابن خلدون نے ضعیف قول سترہ کا یا اس کے قریب قریب کا نقل کیا ہے) وہ معاذ اللہ قلیل العلم تھے اور قصداً احادیث کو ترک کیا کرتے تھے، سوائے دروغ گوئی کے اور کچھ نہیں۔ کیونکہ حضرت امام اعظم کی دو سو پندرہ روایاتِ احادیث میں خصوصی شان کا ثبوت واضح اور روشن ہے۔ حاسدین کا یہ قول فاسد کہ حضرت امام عالی مقام کی روایات بہت کم ہیں، باطل ہے۔

حضرت امام اعظمؒ روایات کو پرکھنے اور ان کے رد و قبول کے معاملہ میں ایسے ہی سخت محتاط تھے جیسے کہ خلیفہ اول امام برحق سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ ہمارا یہ عقیدہ ہرگز نہیں ہے کہ امام اعظمؒ کی ذات معصوم تھی معصوم سوائے

حضرت امام محمد بن الحسن شیبانی رحمۃ اللہ علیہ نے جہاں یہ سمجھا کہ موطا امام مالک میں سامانِ حنفیت نہیں ہے تو وہاں انھوں نے دوسرے راویانِ حدیث سے احادیث اپنی موطا میں داخل کیں جن کی تعداد ستتر ہے۔ ان ستتر احادیث میں تیرہ حدیثیں امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہیں۔

ایک مجلس میں ایک مرتبہ میرے[1] سامنے ایک غیر مقلد نے کہا کہ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو صرف تیرہ احادیث پہنچی تھیں تو میں نے اُن کے جواب میں کہا کہ پھر حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نبی ہوں گے۔ غیر مقلد نے کہا کہ ارے صاحب! وہ نبی کیسے ہوگئے؟ میں نے کہا آپ ہی تو کہہ رہے ہیں کہ انھیں تیرہ احادیث پہنچی تھیں تو انھوں نے کہا کہ میں صحیح تو کہہ رہا ہوں کہ امام ابو حنیفہ کو صرف تیرہ احادیث پہنچی تھیں۔ ان غیر مقلدین کے جواب میں میں نے کہا کہ ہزارہا انھوں نے مسائل شریعت احادیث کے مطابق بیان فرمائے، تو آپ کے قول کے مطابق تو یہ لازمی نتیجہ ہے کہ ان پر وحی آتی ہوگی۔ سوچیے کہ کیسے انھوں نے احادیث کے مطابق ہزارہا مسائل بیان فرمائے تو وہ غیر مقلد میرے جواب سے خاموش ہوگئے۔

اس سلسلہ میں مشہور مؤرخ علامہ عبد الرحمٰن بن خلدون نے اپنی تاریخ کے مقدمہ میں بھی لکھا ہے کہ بعض

بقیہ سلسلہ حاشیہ : حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے اور کوئی نہیں۔ امام عالی مقام معصوم عن الخطا ہرگز نہ تھے۔ البتہ محفوظ عن الخطاء بیشک تھے۔ ان سے سہو اور نسیان ممکن تھا لیکن ایسا سہو اور نسیان جس سے دین کے مسائل اور شرعی معاملات میں کوئی خلل واقع ہوتا۔ ان سے اس لیے سرزد نہ ہوا کہ ان کے اصحاب اور متبعین ان کے ہر مسئلہ میں شریک اور مشیر رہے۔ خطائے اجتہادی کسی سے بھی ممکن ہے لیکن اہلِ سنت وجماعت کا اس پر اتفاق ہے کہ خطائے اجتہادی پر بھی اللہ تعالیٰ کی جانب سے اکہرا ثواب ملا کرتا ہے۔ جب متقدمین علماء اعلام، محدثینِ کرام، جلیل القدر فقہاء امت، کبار ائمہ مجتہدین اور اولو العزم اولیاء اللہ رحمۃ اللہ علیہم نے ان کے بہترین مسلک کی پیروی کی اور آپ کی اتباع وتقلید کو فخر جانا۔ آپ کے مناقب بیان کیے۔ تابعین جلیل القدر میں آپ کی ذات مبارکہ کو علم وفضل اور زہد وتقویٰ اور اجتہاد کی بنا پر سب سے ارفع جانا تو آج کے کم مایہ لوگ جو اُن کے مقابلہ میں رائی کے دانے کے برابر بھی علم نافع نہیں رکھتے اور نہ زہد وتقویٰ میں کوئی کمال تو پھر انھیں یہ حق کس نے دیا کہ وہ ایسی جلیل القدر ذات پر انگلی اٹھائیں۔

حَفِظَنَا اللّٰہُ تَعَالٰی مِنْ سُوْءِ الْاَدَبِ

[1] مجدد الامت حضرت مصنف علیہ الرحمۃ نے معاندین امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کو جو جواب دیا وہ کتنا دلچسپ ہے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی یہ خصوصیت تھی آپ اپنے علمی استدلال سے مخالف کو لاجواب کر دیا کرتے تھے۔

لوگ کہتے ہیں کہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو روایات کم پہنچی تھیں۔ وَالْکُلُّ غَلَطٌ[1] یہ بالکل غلط ہے۔ ابن خلدون نے اس کی پُرزور تردید کی ہے۔

احادیث کا ایک تو ظاہری مطلب ہے اور دوسرا اس کا مغز ہے

دوسری چیز یہ بھی ہے کہ احادیث مبارکہ سے ظاہری مطلب تو سب کی سمجھ میں آتا ہے مگر اس کے مغز کی طرف ہر شخص کی نظر نہیں جاتی۔ اس کے مغز کو سمجھنے کے لیے اعلیٰ فقاہت اور عمدہ فہم و فراست کی ضرورت ہے۔

اس بات کو یوں سمجھیے کہ خلیفہ ثانی حضرت سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت سیدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی بہت قدر کیا کرتے تھے۔ بعض معمر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ شکایت ہوئی کہ ابن عباس ہمارے بچوں کے مثل ہیں اور امیر المومنین حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ ان کی تعظیم ہم سے زیادہ کرتے ہیں۔ حضرت فاروق اعظمؓ نے حضرت ابن عباسؓ کو طلب فرمایا اور ان سے ارشاد فرمایا کہ:

---

[1] "وَالْکُلُّ غَلَطٌ" یہ حضرت مصنفؒ کا اپنا قول ہے۔ ابن خلدون نے روایات کم پہنچنے کی جو تردید کی ہے اس کے لیے مقدمہ ابن خلدون صفحہ ۴۴۴ سے ۴۴۵ تک دیکھا جاسکتا ہے۔

مندرجہ بالا عبارت کا مطلب یہ ہے کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی ذات مبارک پر یہ بہتان کہ انھوں نے عمداً روایاتِ احادیث کو ترک کیا، بالکل غلط اور دروغ گوئی ہے۔ ابن خلدون کہتے ہیں "لا انه ترك رواية الحديث متعمدا فحاشاه من ذالك" (ہرگز روایت کو عمداً ترک نہیں کیا پس اس سے آپ مبرّہ ہیں) امام اعظمؒ کے زمانہ سے لے کر اب تک (تقریباً تیرہ سو سال ہوچکے ہیں) اہلِ حق اور تمام جمہور اہلِ اسلام کا اس بات پر اجماع رہا ہے کہ آپ جیسا ثقہ، متقی، عابد و زاہد، اللہ کا اپنے دل میں بے حد خوف رکھنے والا، نہایت ذکی اعلیٰ فہم و فراست والا شخص آپ کے زمانہ میں اور کوئی نظر نہیں آتا۔ بڑے بڑے ائمہ مجتہدین، محدثین، فقہا، تابعین، جلیل القدر اولیائے امت نے آپ کے مرتبہ علمی اور رتبہ روحانی کی بلندی کو بہانگ دہل تسلیم کیا ہے۔ دنیا کی کون سی ذی علم ایسی شخصیت ہے جو آپ کے ان اوصاف حمیدہ سے ناواقف رہی ہے۔ سلف صالحینؒ کی تصنیف کردہ کتابیں آپ کی مدح سرائی سے پُر ہیں۔ چنانچہ قاضی القضاۃ عبدالرحمٰن بن محمد بن خلدون مالکیؒ اپنے مقدمہ میں صفحہ ۴۴۵-۴۴۴ میں یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ حسد اور کینہ رکھنے والے افراد نے یہ بہتان لگایا ہے کہ علم میں جس شخص کی قابلیت کم تھی اس کی جانب سے روایات بھی قلیل ہوئیں۔ نیز امام اعظم کی قلتِ روایتِ حدیث کی انھوں نے بہت عمدہ وجوہ بیان کی ہیں علم دوست حضرات اس کا مطالعہ کریں۔ ابن خلدون مالکی نے حضرت امام اعظمؒ کی مبارک ذات سے حسد اور کینہ رکھنے والے افراد کا بہت عمدہ دلائل سے

(باقی اگلے صفحہ پر)

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ۙ وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ۙ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ۧ	ترجمہ جب اللہ کی مدد آگئی (مکہ فتح ہو گیا) اور آپ نے اللہ کے دین میں لوگوں کی جماعتیں داخل ہوتی دیکھ لیں تو اپنے پروردگار کی حمد کرتے ہوئے اس کی پاکی بیان کیجیے اور اس سے مغفرت مانگیے بیشک وہ رجوع برحمت ہونے والا ہے۔

بتاؤ! ابن عباسؓ اس سورۃ مبارکہ کا مطلب کیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

هُوَ اَجَلُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ [1]	یعنی وہ سورۃ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کی خبر ہے۔

حضرت فاروق اعظمؓ نے فرمایا جو ابن عباسؓ سمجھے ہیں، وہی میں بھی سمجھا ہوں۔ مگر صراحۃً اس سورۃ مبارکہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال یا وفات کی کوئی خبر نہیں ہے۔ جس کو اللہ تعالیٰ نے فقاہت اور فراست مرحمت فرمائی تھی، اس نے سمجھ لیا اور جو ظاہر بیں تھے، ان حضرات کا خیال بھی اس طرف منتقل نہیں ہوا۔

(بقیہ سلسلہ حاشیہ) ردّ فرمایا ہے اور پھر اصل حقیقت کو ظاہر کر دیا ہے کہ امام الائمہؒ حدیث کا اعلیٰ علم رکھنے والے محدثینؒ میں سے بلند پایہ محدث تھے۔ اکابر محدثین کرامؒ نے آپ کے مذہب (طریقہ) پر کامل اعتماد کیا ہے اور آپ کی جانب سے ردّ و قبول کو بہت اہمیت دی ہے۔ دراصل بات یہ ہے کہ احادیث کی روایات کے معاملہ میں حضرت امام عالی مقام بہت احتیاط فرماتے تھے۔ اس نازک علم میں آپ نے جو احتیاط سے کام لیا وہ تو آپ کے قلب مبارک میں خشیتِ الٰہی کا پتہ دیتی ہے۔ آپ کا یہ عمل عجوبہ روزگار ہے، نہ کہ امام الائمہؒ کی علم حدیث کے میدان میں کم علمی۔ جب اکابر محدثینؒ نے آپ کو بلند پایہ محدث تسلیم کیا ہے تو آپ یقیناً علم حدیث کے میدان میں بہت اونچا وارفع مقام رکھتے تھے۔ محدثین کرامؒ نے خود حقیقت کا اظہار فرما دیا ہے۔ لہٰذا اب شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ اللہ تعالیٰ حاسدوں اور کینہ پروروں کو ہدایت نصیب فرمائے کہ امام عالی مقام کی ذاتِ گرامی کے اصل الاصل مقام کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ آمین

ایک بات قابل ذکر یہ بھی کہ صحابہ کرام کی مبارک جماعت میں حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا رتبہ سب سے افضل و ارفع ہے اس پر جمہور اہلِ حق کا اجماع ہے لیکن حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے احادیث کی روایات بہت قلیل ہیں تو کیا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حدیث میں کم علم رکھتے تھے؟ اور ان سے بہت کم مرتبے والے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے کیا زیادہ علمِ حدیث جانتے تھے؟ یہ عقلاً بھی اور انصاف کے بھی خلاف بات ہے۔ بات وہی ہے کہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ روایات کے معاملہ میں انتہائی احتیاط سے کام لیتے تھے، وہی بات یہاں بھی ہے کہ امام اعظمؒ بھی اس معاملہ میں سخت محتاط تھے۔ ان مثالوں کے بعد امید ہے کہ غیر مقلدین وہابیہ آئندہ ایسی بے پر کی باتوں سے جن سے سلف صالحینؒ کی تحقیر لازم آتی ہے، پرہیز کریں گے اور انصاف سے کام لیں گے۔

[1] بخاری شریف جلد ۲۔ کتاب التفسیر۔ سورۃ الفتح باب قولہ فسبح بحمد ربک الخ ص ۷۴۳

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث شریف میں فرمایا ہے کہ:

مَنْ یُّرِدِ اللّٰہُ بِہٖ خَیْرًا — یعنی جس کے ساتھ اللہ بہتری کا ارادہ فرماتا ہے

یُفَقِّھْہُ فِی الدِّیْنِ [1] — اسے دین میں سوجھ بوجھ کا مادہ عطا فرما دیتا ہے۔

ایک بار رسول انور صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ برتن میں پہلے سے پانی وضو کے لیے رکھا ہے۔ ارشاد فرمایا:

مَنْ وَضَعَہٗ — کس نے رکھا ہے

تو لوگوں نے عرض کیا یَا رَسُوْلَ اللّٰہ! ابن عباس نے رکھا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بہت مسرور ہوئے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کو دعا دی کہ:

اَللّٰھُمَّ فَقِّھْہُ فِی الدِّیْنِ [2] — اے اللہ! اس (ابن عباس) کو دین میں سمجھ عطا فرما

ان مجمل مثالوں سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ ظاہری الفاظ سے جو مقصد ظاہر ہوتا ہے اس کا ضرور اعتبار کرنا چاہیئے لیکن عبارت کی گہرائی میں جو پوشیدہ جواہر ہوں، انھیں فراموش نہیں کرنا چاہیئے۔

امام شافعی علیہ الرحمہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں فرماتے ہیں

حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فقیہ باکمال تھے، ان کی اعلیٰ فقاہت اور عمدہ فہم و فراست کو باکمال حضرات ہی نے سمجھا۔ حضرت امام محمد بن ادریس شافعی علیہ الرحمہ کا قول ہے کہ:

الناس کلھم عیال علی فقہ ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالی — یعنی سب انسان فقہ میں امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے اہل و عیال ہیں یعنی ان کے سرمایہ علمی سے مستفیض ہیں۔

اکابر اسلام کے نزدیک اس حدیث شریف سے مراد امام اعظم ہی کی ذات ہے

ایک حدیث شریف میں سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ:

لَوْ کَانَ الْاِیْمَانُ عِنْدَ الثُّرَیَّا لَنَالَہٗ رَجُلٌ مِّنْ فَارِسَ [3] — یعنی ایمان اگر زمین سے اٹھ کر ثریا ستارہ تک پہنچ جائے تو ایک شخص فارسی وہاں سے اس کو لے آئے گا۔

---

[1] بخاری شریف جلد ا۔ کتاب العلم۔ باب من یرد اللہ خیرا یفقہہ فی الدین ص ۱۶ [2] بخاری شریف جلد ا۔ کتاب الوضو۔ باب وضع الماء عند الخلاء۔ ص ۲۶ [3] اس مضمون کی احادیث بخاری، مسلم اور ترمذی میں تھوڑے سے الفاظ کے فرق کے ساتھ مذکور ہیں۔ ایک حدیث مسلم شریف میں اس طرح مذکور ہے۔ لو کان الدین عند الثریا لذھب بہ رجل من فارس او قال من ابناء فارس حتی یتناولہ ۔ جلد ا کتاب الفضائل۔ باب فضل فارس ص ۳۱۲

حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ شہزادگانِ فارس کی اولاد میں سے تھے۔ امت کے اربابِ علم وفضل اور اکابرِ اسلام میں سے بہت سے معتبر حضرات نے کہا ہے کہ اس حدیث شریف سے حضرت امام اعظمؒ ہی کی ذات کی طرف اشارہ ہے۔

امام الائمہ کی ذات پر غیر مقلدین کی تہمت

غیر مقلدین مسلمانوں کو حنفیت سے پھیرنے کے لیے امام اعظمؒ کی ذات گرامی پر یہ تہمت لگاتے ہیں کہ امام ابو حنیفہؒ تو مرجی تھے (العیاذ باللہ) اور یہ بہتان وہ کتاب "غنیۃ الطالبین" کی ایک عبارت کا حوالہ دے کر لگاتے ہیں۔

غنیۃ الطالبین پر ایک نظر

عام لوگوں میں مشہور ہے کہ "غنیۃ الطالبین" حضرت سیدنا غوث الثقلین شیخ محی الدین عبد القادر جیلانی محبوب سبحانی رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو اس کا قطعی ثبوت نہیں کہ یہ کتاب حضرت غوث الثقلینؒ ہی کی تصنیف ہے۔ اس لیے کہ اس سلسلہ میں بعض جلیل القدر علماء کرامؒ[1] کو بھی اشکال رہا ہے۔

---

[1] "تنقید الکلام المنسوب الی غوث الانام" (مصنفہ مولانا محمد نعیم صاحب فرنگی محلی لکھنوی) میں صفحہ ۸ میں شیخ المحققین راس المحدثین حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا قول مذکور ہے۔ "ہرگز ثابت نہ شدہ کہ ایں از تصنیف آں حضرت ست اگرچہ انتساب آں بآں حضرت شہرت دارد نظر بریں کہ شاید دراں حرف از آں جناب بود۔"

حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ اپنے وقت کے ثقہ عالم جلیل القدر محدث، پایہ کے بزرگ محقق شخصیت تھے۔ ان کی جلالت علم وفضل کو ان کے ہمعصر علماء وفضلاء اتقیا اور اولیاء اللہ نے مانا ہے۔ ان کی تحقیق بتا رہی ہے کہ یہ کتاب "غنیۃ الطالبین" جناب غوث اعظمؒ کی تصنیف نہیں ہے۔

"مذاہب اسلام" (مؤلفہ مولانا نجم الغنی خاں رام پوری) میں صفحات ۲۴-۵۲۳ میں ہے کہ "مگر اس (غنیۃ الطالبین) میں علمائے محققین کو کلام ہے۔ یہاں تک کہ شیخ القطب عبد الوہاب شعرانی (پورا نام، امام عبد الوہاب بن احمد شعرانی شافعیؒ المتوفی ۹۷۳ھ) قدس سرہ اس بات کے قائل ہیں کہ اس عبارت (حنفیہ کو "غنیۃ" میں مرجی کہا گیا ہے) کو معاندین نے "غنیۃ" میں اپنی طرف سے داخل کر دیا ہے۔ بہرصورت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور اُن کے اصحاب (متبعین) کو مُرجِئہ کا ہم اعتقاد خیال کرنا درست نہیں۔ اس لیے کہ "اِرجاء" تو یہ ہے کہ یہ سمجھیں کہ عذاب وعقاب اور مواخذہ کسی طرح نہ ہوگا اور ایمان کے ہوتے ہوئے کوئی گناہ نقصان نہ پہونچا سکے گا۔ سو یہ عقیدہ حنفیہ کا کب ہے؟ بلکہ وہ (حضرات حنفیہ) تو یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت و ارادہ میں ہے جسے چاہے معاف کرے، جسے چاہے عذاب دے اور گناہ گار کے واسطے (حضرات حنفیہ) عذاب بھی ثابت کرتے ہیں اور اس (گناہ) کے ضرر سے خائف رہتے ہیں، ہاں لطف پر اُن کی نظر بھی ہے۔ اس لیے جانب معرفت وامیدواری کی رعایت رکھتے ہیں اور

(باقی صـ۱۵۵ پر)

غُنیۃ الطالبین میں مُرجی کسے کہا گیا ہے

اس کتاب میں حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کو کسی مقام پر بھی برا نہیں کہا گیا ہے۔ بلکہ جہاں ان کا نام لیا گیا ہے بڑی تعظیم و تکریم سے لیا گیا ہے۔ البتہ دو مقام پر میں نے دیکھا ہے کہ حنفیوں کو مُرجی کہا گیا ہے۔ بہت ممکن ہے کہ بعض مدعیان حنفیت عقائد کے لحاظ سے اُس وقت مُرجی ہو گئے ہوں۔ جیسا کہ اس زمانہ میں ہم اور آپ دیکھتے ہیں کہ فرقۂ زیدیہ جو اس وقت یمن میں آباد ہے عملاً حنفی ہے اعتقاداً شیعہ ہے۔ ہمارے ملک ہندوستان میں بہت سے مسلمان حنفی طریقہ پر نماز پڑھتے ہیں اور دیگر اعمال انجام دیتے ہیں۔ لیکن کوئی مائل بہ خروج ہے، کوئی مائل بہ تشیّع، کوئی مائل بہ اعتزال اور کوئی مائل بہ عدم تقلید ہے تو ایسے لوگوں کو اگر مبتدع کہا جائے تو کیا بے جا ہے؟ اور کوئی چینی نظام یعنی کمیونزم کو اچھا سمجھتا ہے کوئی امریکن عیسائی نظام کو پسند کرتا ہے تو کوئی برطانوی نظام کو بہتر کہتا ہے اور یہ چیزیں فقط عملی نہیں ہوتیں بلکہ عقلی حیثیت سے اسلام سے بڑھ کر ان کا مداح و ثنا خواں ہوتا ہے۔ (العیاذ باللہ) لیکن ظاہری اعمال سر سے حنفیت کے سے ہوتے ہیں تو ایسے لوگوں کو اگر کافر کہا جائے تو کیا نامناسب ہے؟

ایک اہم اور قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی شہرۂ آفاق تصنیف "تحفۂ اثنا عشریہ" میں جہاں اہلِ روافض کی فتنہ انگیزیاں اور مکاریاں بیان کی ہیں، ان میں سے ایک مکاری یہ بھی بیان فرمائی ہے کہ اہل سنت وجماعت کی کتابوں میں روافض (شیعوں) نے اپنی طرف سے کچھ اضافے

بقیہ سلسلہ حاشیہ

(حضرات حنفیہ) کہتے ہیں کہ اگر اللہ چاہے تو بغیر توبہ کے تمام گناہ بخش دے اور فاسق کو دوزخ میں نہ ڈالے"۔ اب بھی جب حضرات حنفیہ علیہم الرحمۃ والرضوان کا یہ اعتقاد ہے کہ جسے ایمان حاصل ہے وہ مؤمن ہے۔ فرائض کے ترک سے کافر نہیں ہو سکتا جو شخص ایمان کے ساتھ فرائض اختیار کرے، وہ مومن اور جنتی ہے جو ایمان اور فرائض دونوں کا منکر ہے، وہ کافر اور دوزخی ہے۔ جو شخص ایمان رکھتا ہے اور فرائض اس سے ترک ہو جاتے ہیں، وہ مسلمان ہے لیکن فاسق (گناہ گار) ہے۔ اللہ تعالیٰ کو قدرت حاصل ہے، اس کو عذاب دے یا معاف فرما دے۔ ایمان اور عمل کے مسئلہ میں ایسی عمدہ تشریح حضرت امام اعظمؒ نے فرمائی ہے کہ اس سے زیادہ اور عمدہ تشریح کیا ہو سکتی ہے؟ ان تشریحات اور واضح ثبوت کے بعد انصاف پسند حضرات کے لیے قطعاً کوئی اشکال باقی نہیں رہتا۔ الغرض علمائے محققین حضرت عبدالوہاب بن احمد شعرانی قدس سرہٗ اور حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے معتبر اقوال پیش کرنے کے بعد ثابت ہو گیا کہ "غُنیۃ الطالبین"، حضرت غوث اعظمؒ کی تصنیف نہیں ہے علمائے محققینؒ کی یہی تحقیق ہے کہ یہ عبارت الحاقی ہے۔ اور اس مردود فرقۂ مُرجئہ کے باطل عقائد اور فاسد خیالات سے اہلِ حق یعنی حضرات حنفیہ علیہم الرحمۃ والرضوان کے ذرا بھی تعلق کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ یہ صرف غیر مقلّد وہابیہ فرقہ کا سراسر بہتان ہے۔

کر کے شائع کرا دیں، لوگ یہ سمجھے کہ یہ اہل سنت کا مذہب ہے، حالانکہ اہلِ سنت کو اس سے قطعاً کوئی تعلق نہیں۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا کہ "مثنوی مولانا روم" اور "دیوان حافظ شیرازی" میں بھی یہ اضافے کیے گئے ہیں۔ یہاں تک کہ "صاحب ہدایہ" جیسے متبحر علامہ کو بھی ایک مقام پر بڑی زبردست غلط فہمی پیدا ہو گئی اور انھوں نے متعہ[1] کے جواز کی نسبت حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی طرف کر دی، حالانکہ امام مالکؒ اس سے بالکل بَری ہیں۔

حضرت غوث الثقلینؒ کی ذاتِ گرامی

حضرت سیدنا غوث الثقلین رحمۃ اللہ علیہ کی جلالتِ قدر عالم بھر میں مُسلّم ہے۔ سلسلہ عالیہ قادریہ کی بنا آپ ہی کی ذات گرامی ہے۔ حضرتؒ کے فیوض و کرامات، مرتبۂ علمی، رتبۂ عملی اور ولایت کو بڑے بڑے نامور علماء، صالحین، جلیل القدر محدثین، ائمہ اور عارفین و اولیاء اللہ نے تسلیم کیا ہے۔ حضرت غوث الثقلینؒ حنبلی مسلک کے پیرو، جلیل القدر عارف، اولوالعزم ولی کامل بلکہ سیدالاولیاء، قطب الاقطاب، غوث الاغواث اور سلطان الاصفیاء ہونے کا مرتبہ آپ کو حاصل ہے۔ آپ کے مبارک سلسلہ قادریہ سے وابستہ ہونا بڑی خوش نصیبی کا باعث ہے۔ جب آپ کے مبارک زمانہ کے بعد کے اکابر اسلام اور مقتدایان دین وملت نے آپ کی مدح سرائی پر فخر کیا ہے۔ لہٰذا ہمارے لیے تو آپ کا اسم گرامی لینا اور آپ کے مبارک طریقہ پر چلنا بڑا باعث خیر و برکت ہے۔ دین و دنیا میں ہم آپ کی ذاتِ مقدسہ کو وسیلۂ نجات اور ذریعۂ فلاح جانتے ہیں۔ آپ کی تمام تصانیف کا ایک ایک حرف ہمارے لیے گوہر یکتا اور سرمایۂ بے بہا ہے۔ لہٰذا "غنیۃ الطالبین" اگر حضرت سیدنا شیخ محی الدین سید عبدالقادر جیلانی محبوب سبحانی رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ہے تو اس کے کسی مسئلہ کو یقینی طور پر غلط یا طریقۂ ضلالت کہنا ہماری گمراہی اور بربادی کے لیے کافی ہے۔ (العیاذ باللہ)

الغرض کتاب "غنیۃ الطالبین" میں امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے بعض اصحاب کو مُرجی کہا گیا ہے جو اہلِ بدعت کا ایک گروہ ہے۔

غیر مقلدین کا امام اعظمؒ پر بہتان اور اُس کا رَد

بعض اوقات غیر مقلدین تقلید امام اعظمؒ سے برگشتہ کرنے کے لیے یہ پُر فریب اور مکارانہ چال اختیار کرتے ہیں کہ وہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو مرجی اور بدعتی کہتے ہیں (استغفر اللہ۔ العیاذ باللہ) اور حضرت امام

---

[1] متعہ ایسا نامناسب فعل ہے جو انسانی شرافت و تہذیب کے بالکل خلاف ہے۔ روافض اس کے قائل ہیں۔ تمام جمہور اہل حق اہل سنت اس کے حرام ہونے پر متفق ہیں۔

موصوفؒ کے طریقہ حقہ کو بدعت و ضلالت بتاتے ہیں (العیاذ باللہ) اور ثبوت میں "غنیۃ الطالبین" کی عبارت بڑی عجلت میں پیش کر دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ سیدنا شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے (بقول غیر مقلدین) حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو مُرجی کہا ہے ـــــ حضرت غوث الثقلین قدس سرہٗ کا ماننے والا مسلمان خصوصاً سلسلہ قادریہ سے وابستہ شخص بڑا دھوکا کھاجاتا ہے اور بعض اوقات حنفیت سے متنفر ہو جاتا ہے۔ میں پہلے بھی واضح کر چکا ہوں، اب دوبارہ اس باطل نظریہ اور فاسد عقیدہ کے متعلق عرض ہے کہ یہ غیر مقلدین کا حضرت امام اعظمؒ کی ذاتِ بابرکت پر صریحی بہتان ہے اور حضرت سیدنا غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی ذات اقدس میں شدید گستاخی ہے۔ احقر کا کہنا یہ ہے کہ اول تو "غنیۃ الطالبین" کے متعلق یہ فیصلہ کرنا کہ یہ حضرت موصوفؒ ہی کی تصنیف ہے بڑا دشوار ہے، کیونکہ اس میں بعض محققین علماء کرامؒ نے کلام کیا ہے اور اگر مان بھی لیا جائے کہ یہ تصنیف حضرت غوث الثقلینؒ ہی کی ہے تو اس کتاب میں حضرت سیدنا امامِ اعظمؒ کو مرجی نہیں کہا ہے بلکہ امام موصوفؒ کے بعض ماننے والوں کو مرجی کہا ہے اور یہ وہ لوگ ہیں جو حنفیت کے پردے میں چھپ کر بدعات کی اشاعت کیا کرتے تھے یعنی ان لوگوں کو مرجی کہا ہے جو امامِ اعظمؒ کا اپنے کو پیروکار تو ظاہر کرتے تھے لیکن ان کا عقیدہ اور عمل اس کے برعکس تھا تو ثابت ہوا کہ حضرت سیدنا غوث الثقلین رحمۃ اللہ علیہ نے حنفیہ کی جماعت کے بعض لوگوں کو مرجی فرمایا جو حنفی ہونے کا جھوٹا دعویٰ کرتی تھی۔

حنفیہ کی جماعت حقہ جو صحیح طور پر امام الائمہ سراج الامت حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نقش قدم پر چلتی ہے اسے فرقہ مرجیہ کے مردود عقائد سے الحمد للہ ہرگز کوئی تعلق نہیں ہے۔

غُنیۃ میں امامِ اعظمؒ کا اسمِ گرامی تعظیم کے ساتھ لیا گیا ہے

پھر ایک بات غور طلب اور قابلِ ذکر یہ ہے کہ اسی کتاب میں مختلف مقامات پر حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا اسم گرامی نہایت تعظیم و تکریم کے ساتھ لیا گیا ہے اور امام موصوفؒ کے متبعین کو حق پرست کہا گیا ہے اگر سیدنا حضرت غوث اعظمؒ، حضرت سیدنا امام اعظمؒ اور ان کے متبعین کو مرجی کہتے تو پھر امام اعظمؒ کا اسم گرامی تعظیم کے ساتھ نہ لیتے اور نہ لکھتے، نہ ان کی تعریف و توصیف بیان کرتے، نہ ان کی جلالتِ قدر کا اقرار فرماتے۔

الغرض غیر مقلدین کا حضرت امام اعظمؒ کی ذاتِ اقدس پر بڑا بہتان اور حضرت غوث اعظمؒ کی شان میں شدید گستاخی ہے جو صرف غیر مقلدین ہی کا شیوہ ہو سکتا ہے، کسی حق پرست، منصف مزاج مقلد کا ہرگز نہیں ہو سکتا (حفظنا اللہ تعالیٰ من سوء الادب)

تقلیدِ ائمہؒ کو برا سمجھنا حضراتِ ائمہؒ کی تحقیر کے مترادف ہے

بہر کیف غیر مقلدین جو اجماع امت کے خلاف ہیں یعنی یہ کہ حضرات ائمہ اربعہ

رحمۃ اللہ علیہم کی تقلید کرنے کو بہت برا خیال تصور کرتے ہیں اور اپنی رائے کو ائمہ کرامؒ اور سلف صالحینؒ کے مقابلہ پر نہ صرف ترجیح دیتے ہیں بلکہ ان حضرات کی تحقیر و تذلیل کرتے ہیں جو سراسر تکبر ہے۔

امام اعظمؒ کی ذات سے عناد اور گروہِ اعظم کی اتباع سے نفرت

حضراتِ ائمہ اربعہؒ میں سے خصوصیت کے ساتھ یہ فرقہ حضرت امام اعظمؒ سے زیادہ بغض و عناد رکھتا ہے۔ آپ اس کا تجربہ غیر مقلد کے ساتھ گفتگو میں کر سکتے ہیں۔ یہ بدعتی فرقہ اپنے کو اہل حدیث کہتا ہے۔ اس کا یہ دعویٰ غلط ہے۔ اس لیے کہ حدیث شریف میں ہے کہ :

اِتَّبِعُوا السَّوَادَ الْاَعْظَم فَاِنَّهٗ مَنْ شَذَّ شُذَّ فِي النَّارِ [1] — گروہِ اعظم کا اتباع کرو اور جو ان سے جدا ہوگا وہ آگ میں تنہائی کی سزا پائے گا۔

غور کیجیے گروہِ اعظم کون ہے؟ ظاہر ہے کہ وہ گروہ اعظم ائمہ اربعہ رحمۃ اللہ علیہم کے متبعین ہی ہیں جو عالم بھر میں الحمد للہ پھیلے ہوئے ہیں۔ غیر مقلدین کا یہ دعویٰ کہ ہم احادیث پر عمل کرتے ہیں۔ لیکن اربابِ حق اہلِ سنت و جماعت کے نزدیک ان کا یہ دعویٰ غلط ہے۔ ان لوگوں کا عمل احادیث شریف کے بالکل خلاف ہے۔

حضراتِ اہلِ سنت و جماعت غیر مقلدین کو اجماعِ امت کی مخالفت کرنے کی بنا پر بدعتی قرار دیتے ہیں۔ امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے لیے یہ فرقہ سخت مضر ہے

احقر کی گذارش ہے کہ اہلِ اسلام اس فرقہ سے ہرگز کوئی تعلق نہ رکھیں، نہ ان کی کتابوں اور رسائل کا مطالعہ کریں، ورنہ صحیح العقیدہ سنی طریقہ حقہ اہل سنت و جماعت سے منحرف و متنفر ہو کر بدعقیدہ بن سکتا ہے۔

ضروری تنبیہ

آئے دن نئی نئی جماعتیں وجود میں آتی رہتی ہیں اور جمہور اہلِ اسلام کے خلاف اپنے عقائد کی اشاعت کرتی ہیں۔ مثلاً مودودی جماعت جس نے اپنا نام جماعت اسلامی رکھا ہے اور جدت و قلت کی وجہ سے ان کی تنظیم و اتحاد، اشاعتِ رسائل و اخبارات، اجرائے مدارس اور نظامِ اقتصادیات ان کا فریب نظر ہے۔ اس گروہ کے بعض افراد قلم کی طاقت اور جدید دور کے مطابق مضمون نگاری

---

[1] مشکوٰۃ المصابیح - باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ فصل ثانی ص ۳۰ - للعلامہ ولی الدین محمد عبد اللہ خطیب تبریزی شافعیؒ

ابنِ ماجہ میں حدیث ہے کہ :

اِنَّ اُمَّتِيْ لَا تَجْتَمِعُ عَلٰى ضَلَالَةٍ فَاِذَا رَاَيْتُمْ اِخْتِلَافًا فَعَلَيْكُمْ بِالسَّوَادِ الْاَعْظَمِ

یعنی میری امت گمراہی پر جمع نہیں ہوگی پس جبکہ تم اختلاف دیکھو پس اپنے اوپر لازم کرلو پیروی بڑے گروہ کی۔

میں مہارت رکھتے ہیں۔ اس لیے مسلمان ان کے ظاہری حالات کو دیکھنے کے بعد متاثر ہو جاتا ہے اور خادمِ دین سمجھ کر اس جماعت میں مدغم ہو جاتا ہے۔ اس گروہ کے بانی ابوالاعلیٰ[1] مودودی صاحب تھے۔ برصغیر ہندوستان، پاکستان، بنگلہ دیش میں اس جماعت کا عوام پر کوئی اثر نہیں ہے۔ مگر بعض جدید تعلیم یافتہ آزاد خیال لوگوں نے اس جماعت کے افراد کی قلمی طاقت کو دیکھ کر اثرات قبول کیے ہیں۔ ان لوگوں کی تحریروں میں سلف صالحین، خصوصاً خلیفہ ثالث امیر المومنین حضرت سیدنا عثمان ذی النورین، صحابی رسول حضرت امیر معاویہ، حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہم وغیرہ جلیل القدر حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی شان میں تحقیر آمیز جملے اور گستاخانہ کلمات ظاہر ہوئے ہیں۔ تصوفِ اسلامی اور حضرات صوفیۂ برحق رحمۃ اللہ علیہم کی ذوات کی تنقیص کرتے رہے ہیں۔ لیکن احقر نے اور ہندوستان کے حق پرست علماء کرام نے ان کی تحریروں سے یہ اندازہ کیا ہے کہ اس جماعت میں شامل ہونے کے بعد مسلمان میں بے باکانہ انداز تحقیر و تذلیل والا مزاج پیدا ہو جاتا ہے اور وہ حضرات صحابہ عظام رضی اللہ عنہم اور سلف صالحین رحمۃ اللہ علیہم کے سلسلہ میں سخت گستاخانہ اور بے باکانہ کلمات اور جملے ادا کرنے سے نہیں چوکتا، اور حضرات ائمہ کرام کا مقلد اور خوش عقیدہ سنی بھی نہیں رہ سکتا، بلکہ شدید وہابی بن سکتا ہے جس میں رنگِ خروج پیدا ہونے کا قوی خطرہ ہے۔

دوسری تنبیہ ہندوستان میں بہت سے اربابِ علم حنفی ہیں اور مشائخ صوفیہ علیہم الرحمہ کے سلاسل میں بھی منسلک ہیں، لیکن ذوقِ توحید پرستی اور شوقِ اتباعِ سنت میں اس قدر غلو کیا ہے کہ ان کے قلم اور زبان سے چند گستاخانہ الفاظ دربارِ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور شانِ اولیاء عظام میں صادر ہو گئے، جو الفاظ (العیاذ باللہ) بظاہر کفریہ ہیں۔ ان علماء کے ماننے والے اگرچہ خود اس کوتاہی کے مرتکب نہیں ہوئے، لیکن وہ اپنے اکابر کی ان خامیوں کی حمایت (آنکھوں پر ٹھکری رکھ کر) ضرور کرتے ہیں۔ مگر ان علماء نے اپنے اقوال کی تاویلیں پیش کی ہیں اور کہا ہے کہ ہماری نیت گستاخی کی نہیں جو ظاہری طور سے ان الفاظ سے مراد لی جاتی ہے۔ ان کی ان تاویلوں کے پیش نظر اہلِ سنت و جماعت کے اربابِ حق کی بہت بڑی اکثریت نے ان کی تکفیر نہیں کی ہے جن میں حضرات علمائے رام پور، حضرات علمائے فرنگی محل (لکھنؤ) حضرات علمائے دہلی وغیرہ شامل ہیں۔ ہاں البتہ ان علماء کے اقوال کو ان حضرات علمائے کرام نے ضرور گستاخانہ قرار دیا ہے۔ حضرات علمائے اہلِ سنت کے اربابِ حق جلیل القدر اربابِ علم و فضل نے ان کی تاویلوں کو مان کر ان کی تکفیر تو نہیں کی، مگر ان کے اقوال کو قابلِ حقارت ضرور سمجھا۔ نیز اُن مسائل فرعیہ میں جن میں اہلِ حق کا اختلاف رہا ہے، یہ لوگ اس قدر تجاوز کرتے ہیں کہ بلا تامل اُن افعال کو بدعتِ سیئہ کہہ دیتے ہیں (استغفر اللہ) حالانکہ ایسے امور میں کسی عالم کے لیے اپنی ذاتی تحقیق کو شرعی فیصلہ دے کر تمام لوگوں

---

[1] "تجدید احیاءِ دین" اور "خلافت و ملوکیت" دو ایسی کتابیں تالیف کر کے ابوالاعلیٰ مودودی صاحب نے اکابرِ اسلام کی عظیم الشان شخصیات یعنی حضرات خلفاءِ راشدین، حضراتِ آلِ رسول اور بعض دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی

(باقی اگلے صفحہ پر)

(بقیہ سلسلہ حاشیہ)

پاک وصاف امیج کو تنقیص کا جو نشانہ بنایا اور ملتِ اسلامیہ کی آئندہ پیدا ہونے والی نسل کو جس طرح اِن اساطینِ اسلام کے حق میں بے باک بنانے کی راہ دکھائی، اُس نے امت مسلمہ کے آج کے مغربی تعلیم یافتہ طبقے کے بعض لوگوں کو ایسی اولوالعزم بابرکت ہستیوں کی طرف سے بدگمان اور گستاخ بنادیا ہے۔ بارہا تجربہ ہوا ہے اور کبھی کبھی اب بھی ایسے تجربات سے گذرنا پڑتا ہے کہ مودودی صاحب کا اُردو لٹریچر پڑھ کر بعض جدید تعلیم یافتہ افراد بڑے بے باکانہ انداز میں ایسی پاک نہاد ہستیوں کی تنقیص کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ان کے اندر یہ بے باکی پیدا کرکے مودودی صاحب نے ایسی بدعت ایجاد کی ہے جو چودہ سو سال میں اتنی شاید ہی کسی نے پیدا کی ہو۔ اب اس راستہ کے بند ہونے کی کوئی صورت بظاہر مشکل ہے۔ علماء اہلِ سنت وجماعت ان کے اس طرزِ عمل سے بہت بیزار رہے ہیں اور آج بھی ہیں۔ اہلِ حق یعنی اہلِ سنت وجماعت کے حضراتِ علماءِ کرام نے ہر دَور میں ان کے اشنع اقوال اور غلط افکار و نظریات کا قلع قمع کیا ہے۔ مودودی صاحب کے پیروکاروں کی جانب سے ایسی کتابوں کی مسلسل جو اشاعت ہو رہی ہے، اس سے غیر مسلمین کی نظروں میں اسلام اور اَساطینِ اسلام کی وقعت بجائے بڑھنے کے گھٹ رہی ہے۔ ان کتابوں کی مسلسل اشاعت کا مقصد کیا ہے اب تک صیغۂ راز میں ہے۔ مودودی صاحب کے افکار و نظریات سے تو علماءِ دیوبند تک بے زار رہے ہیں۔ مشہور دیوبندی عالم مولوی حسین احمد صاحب نے اپنے دور میں ان کتابوں کو پڑھ کر یہ نظریہ پیش کیا کہ مودودی صاحب کا لٹریچر امّت مسلمہ کے حق میں نہایت مضر ہے جس سے بچنا ہر مسلمان کا اولین فرض ہے۔ مودودی صاحب کے سلسلے میں اُن کا فتویٰ دیوبندی علماء کے نظریات کا ترجمان ہے جو وہ مودودی صاحب کے حق میں رکھتے تھے۔ رہے حضراتِ علماءِ اہلِ سنت وجماعت تو انھوں نے مودودی صاحب کے غلط افکار و نظریات کے خلاف قولی اور عملی دونوں طرح سے جہاد کیا ہے۔ بیسویں صدی عیسوی کی چھٹی دہائی میں رام پور کے علماءِ اہلِ سنت وجماعت اُن کے نظریات کا رَد پوری ہمت اور قوت سے فرما چکے ہیں۔

مودودی صاحب کا جب یہ لٹریچر حضرات علماء اہلِ سنت رام پور کے سامنے آیا تو انھوں نے ان نظریات کے خلاف ایک کامیاب تحریک چلائی۔ فخرِ رام پور، سالارِ علماء، قبلۂ دین پناہ مجددِ اہلِ سنّت والجماعت، مصلح الامت خطیب اعظم حضرت علامہ مولانا شاہ وجیہ الدین احمد خاں صاحب حنفی قادری مجدّدی قُدِّسَ سِرُّہٗ اس تحریک کے قائد تھے جو اربابِ علم اور مشائخِ طریقت حضرت کے معاونین تھے، ان میں حضرت مولانا مفتی حامد علی خاں صاحبؒ نقشبندی مجددی رام پوری ثم ملتانی (قائد تحریک نظام مصطفےٰ، پاکستان وممبر قومی اسمبلی وخلیفہ اَجَل حضرت مولانا حافظ شاہ محمد عنایت اللہ خاں صاحب علیہ الرحمہ) حضرت شاہ محمد فضل حسن صاحبؒ صابری، حضرت میاں سید عرفان شاہ صاحبؒ قادری، حضرت عارفِ کامل شاہ ممتاز حسین صاحبؒ قادری مجددی، حضرت مولانا محمد اللہ خاں صاحبؒ نقشبندی مجددی عنایتی، مولانا عبدالواحد خاں صاحبؒ المعروف رکھن میاں صاحب، مولانا اکبر حسن خاں صاحبؒ، مولانا

(سلسلہ حاشیہ) ـــــــــــــــــــــــــــــــــــــــ

لطیف احمد خاں صاحبؒ، مولانا حافظ نصرت اللہ خاں صاحبؒ (داماد حضرت خطیب اعظمؒ) اور مولانا مفتی محبوب علی صاحب مدظلہٗ صدر المدرسین جامع العلوم فرقانیہ وغیرہ کے اسماءِ گرامی خصوصی طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ مودودی مخالف تحریک کے مراکز اول خانقاہ عنایتیہ اور پھر خانقاہِ احمدیہ قادریہ رہے۔ ان تمام حضرات کے مشوروں اور تعاون سے کتابچے اور مدلل رسائل مودودی صاحب کے رَد میں شائع ہوئے، جن میں رسالہ "مرقع مودودیت" اور رسالہ "تحریرِ مقاصد" وغیرہ دوسرے بعض اور رسائل شامل ہیں، جو آج بھی کتب خانہ جامع العلوم فرقانیہ رام پور میں محفوظ ہیں۔

مذکورہ بالا علماءِ کرام نے علماءِ دیوبند اور علماءِ بریلی کے فتاویٰ کو بھی ایک ساتھ شائع کیا۔ دوسرے علماءِ ہند کے ساتھ ساتھ علماءِ دیوبند و بریلی (مولوی حسین احمد صاحب اور مولوی مصطفےٰ رضا خاں صاحب) نے بھی ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کے نظریات اور ان کی تحریروں کو امت کے حق میں سخت مضر بتایا ہے۔ خدا جانے ابوالاعلیٰ مودودی صاحب نے یہ روش کیوں اختیار کی، جس سے دینِ اسلام کو شدید نقصان پہنچا ہے جمہور اہلِ اسلام کے نزدیک تو ان کا یہ کارنامہ لائقِ ستائش ہرگز نہیں ہے، بلکہ انتہائی قابلِ مذمت فعل ہے۔

ہم پہلے "تجدید احیاءِ دین" نامی کتابچہ سے بعض اقتباسات پیش کر رہے ہیں کہ حضرات خلفاءِ راشدین اور بعض دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور اولوالعزم ائمہ دین، صالحینِ امت اور مجددِ دینِ ملت رحمۃ اللہ علیہم کے حق میں انھوں کیسی کیسی خامہ فرسائی کی ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔

"مگر ایک طرف حکومت اسلامی کی تیز رفتار وسعت کی وجہ سے کام روز بروز سخت ہوتا جارہا تھا اور دوسری طرف حضرت عثمان (رضی اللہ عنہ) جن پر اس کارِ عظیم کا بار رکھا گیا تھا، اُن خصوصیات کے حامل نہ تھے جو ان کے جلیل القدر پیش روؤں کو عطا ہوئی تھیں، اس لیے جاہلیت کو اسلامی نظام اجتماعی کے اندر گھس آنے کا راستہ مل گیا۔ حضرت عثمانؓ نے اپنا سر دے کر اس خطرے کا راستہ روکنے کی کوشش کی مگر وہ نہ رکا۔ اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ آگے بڑھے اور انھوں نے اسلام کے سیاسی اقتدار کو جاہلیت کے تسلط سے بچانے کی کوشش کی، مگر اُن کی جان کی قربانی بھی اس انقلابِ معکوس کو نہ روک سکی ... اس طرح حکومت کی اساس اسلام کے بجائے پھر جاہلیت پر قائم ہوگئی۔"

(تجدید احیاءِ دین ص ۳۳-۳۴ مطبوعہ ۱۳۶۰ھ/۱۹۴۰ء۔ شائع کردہ مکتبہ جماعت اسلامی۔ اسٹیٹ پریس رام پور)

صفحہ ۳۴ پر مزید تحریر کرتے ہیں:

"سب سے بڑی مشکل یہ تھی کہ جاہلیت بے نقاب ہوکر سامنے نہ آئی تھی، بلکہ مسلمان بن کر آئی تھی ... مگر وہاں تو آگے آگے توحید کا اقرار، رسالت کا اقرار، صوم وصلوٰۃ پر عمل، قرآن وحدیث سے

(سلسلہ حاشیہ)

استشہاد تھا اور اس کے پیچھے جاہلیت اپنا کام کر رہی تھی۔"

صفحہ ۲۵ پر رقم طراز ہیں:

"جاہلیتِ خالصہ نے حکومت اور دولت پر تسلط جمایا۔ نام خلافت کا تھا اور اصل میں وہی بادشاہی تھی جس کو مٹانے کے لیے اسلام آیا تھا۔"

صفحہ ۳۷ پر لکھتے ہیں:

"جاہلیتِ راہبانہ نے علماء، مشائخ، زہاد اور پاکباز لوگوں پر حملہ کیا اور ان میں وہ خرابیاں پھیلانی شروع کیں۔"

میں (محشی) کہتا ہوں کہ امیر المؤمنین خلیفۂ ثالث راشد امام برحق حضرت سیدنا عثمان ذی النورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ، جن کے بارے میں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ "عثمانؓ جنت میں میرا رفیق ہے" اور تمام کتبِ صحاح مناقبِ عثمان رضی اللہ عنہ سے پُر ہیں۔ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے بالاتفاق جن کے دستِ مبارک پر خلافت کی بیعت کی، صحابہ رضی اللہ عنہم کی مبارک جماعت نے جن کی پیروی کی، ان کے بارے میں مودودی صاحب اپنا یہ خیال پیش کر رہے ہیں کہ "وہ ان خصوصیات کے حامل نہ تھے، ان کے دور میں جاہلیت کو اسلامی نظام اجتماعی میں گھس آنے کا راستہ مل گیا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اُسے روک نہ سکے۔" تو کیا مودودی صاحب کی اس عبارت سے یہ تاثر نہیں ملتا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خلیفۂ راشد نہ تھے، کیونکہ ان کے دور میں جاہلیت گھس آئی تھی اور جب جاہلیت (بقول مودودی صاحب) پھر گھس آئی تو خلافت اسلامی کہاں رہی، شاید مودودی صاحب یہی سمجھانا چاہتے ہیں (معاذ اللہ)

دوسری بات کا مطلب صاف طور پر ان کی عبارت سے یہ ظاہر ہو رہا ہے کہ امیر المؤمنین خلیفۂ رابع راشد امام برحق اسد اللہ الغالب" حضرت سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ، ان کے بعد اس جاہلیت کو روکنے کے لیے آگے بڑھے، مگر وہ بھی ناکام رہے۔" (معاذ اللہ) مودودی صاحب کہنا یہ چاہتے ہیں کہ جیسے حضرت سیدنا عثمان ذی النورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفۂ راشد نہیں تھے، اسی طرح حضرت سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ بھی گویا خلیفۂ راشد نہیں تھے۔ (العیاذ باللہ) مودودی صاحب کی عبارت سے تو یہی مطلب صادر ہو رہا ہے۔

ان کے اس نکتہ پر بھی غور کیجیے کہ "جاہلیت مسلمان بن کر سامنے آئی تھی"۔ یعنی وہ کہنا یہ چاہتے ہیں کہ (معاذ اللہ) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جاہلیت کے دَور کے خلیفہ تھے، ایسے ہی حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی دَورِ جاہلیت میں خلیفہ رہے۔ (استغفر اللہ) ان کے بعد سبطِ رسول حضرت سیدنا امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے بعد صحابیٔ رسول، کاتبِ وحی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی خالص اور مکمل جاہلیت کے دَور کے خلفاء تھے۔

(سلسلہ حاشیہ) ____________________________________

(العیاذ باللہ۔ استغفر اللہ) یہ کس قدر بدعقیدگی اور دریدہ دہنی کی بات ہے۔

اب اس نکتہ پر غور فرمائیں کہ "نام خلافت کا تھا دراصل مکمل بادشاہی تھی"، گویا وہ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ جب حضرت سیدنا عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں (بقول اُن کے) جاہلیت پھر گھس آئی تھی تو وہ اپنے پنجے نصب کر کے دورِ عثمانی میں قائم ہوگئی۔ اس کے بعد حضرت سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کا مبارک دور، پھر حضرت سیدنا امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مقدس عہد اور پھر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا شاندار اسلامی دور اسی جاہلیت کے عہد میں پھنسا رہا۔ (استغفر اللہ۔ استغفر اللہ)

اس نکتہ پر غور فرمایئے کہ "جاہلیتِ راہبانہ نے علماء، مشائخ، زہّاد اور پاکباز لوگوں پر حملہ کیا اور ان میں وہ خرابیاں پھیلانا شروع کیں"۔ مودودی صاحب کی اس عبارت سے کیا اُن اساطینِ اسلام کی مقدس ذوات پر زد نہیں پڑتی جنھوں نے دینِ اسلام کو دنیا بھر میں پھیلایا اور شریعتِ مطہرہ کے انوار و برکات سے مسلمانوں کے قلوب کو منور کیا۔ حضرت حسن بصری، حضرت خواجہ عبدالواحد بن زید، حضرت خواجہ فُضیل بن عیاض، حضرت سلطان ابراہیم بن اَدہم، حضرت خواجہ حبیب عجمی، حضرت خواجہ داؤد طائی، حضرت خواجہ معروف کرخی، حضرت خواجہ سرّی سَقطی، حضرت خواجہ ابوالقاسم جنید بغدادی، حضرت سیدنا غوث اعظم شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی، حضرت شیخ شہاب الدین عمر سہروردی، حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری، حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند بخاری، حضرت خواجہ عبیداللہ احرار اور حضرت امام ربّانی مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی رحمۃ اللہ علیہم وغیرہ مقربانِ بارگاہِ الٰہی مشائخ و صوفیہ اور ائمہ دین، علماءِ امت اور محدثین عظام و فقہاء ذوی الاحترام میں حضرت سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ، حضرت امام مالک، حضرت امام شافعی حضرت امام احمد بن حنبل، حضرت امام سفیان ثوری، حضرت عبداللہ بن مبارک، حضرت امام محمد بن سیرین، حضرت امام ابویوسف، حضرت امام محمد بن الحسن الشیبانی، حضرت امام محمد بن اسمٰعیل بخاری، حضرت امام مسلم بن الحجاج القشیری، حضرت امام نسائی، حضرت امام ترمذی، حضرت امام ابوداؤد سجستانی، حضرت امام ابن ماجہ، حضرت امام محمد بن محمد الغزالی، حضرت امام فخرالدین محمد الرازی، حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی رحمۃ اللہ علیہم وغیرہ جلیل القدر حضرات پر گویا مودودی صاحب کی نظر میں ____ جاہلیتِ راہبانہ نے حملہ کر دیا تھا (العیاذ باللہ)۔

حضرات خلفاء راشدین مہدیین حضرت سیدنا عثمان ذی النورین، حضرت سیدنا علی مرتضیٰ اور حضرت سیدنا امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور صحابیٔ رسول حضرت امیرِ معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ کے عظیم الشان دورِ خلافت اور دورِ اسلامی پر تنقید کرنے کے بعد مودودی صاحب نے امت کے اولوالعزم ائمہ دین، علماء، صالحین اور مشائخ و اولیاءِ امت رحمۃ اللہ علیہم کی ذواتِ مقدسہ کو تنقیص کا نشانہ بنانے کے بعد وہ امت کے مجددینِ عظام پر بھی

(سلسلۂ حاشیہ) ـــــــــــــــــــــــــــــــــــــــ

برس پڑے، امام غزالی علیہ الرحمہ کے بارے میں لکھتے ہیں، ملاحظہ ہو:

"امام غزالی کے تجدیدی کام میں علمی و فکری حیثیت سے چند نقائص بھی تھے اور وہ تین عنوانات پر تقسیم کیے جا سکتے ہیں۔ ایک قسم ان نقائص کی جو حدیث کے علم میں کمزور ہونے کی وجہ سے ان کے کام میں پیدا ہوئے۔ دوسری قسم ان نقائص کی جو اُن کے ذہن پر عقلیات کے غلبہ کی وجہ سے تھے اور تیسری قسم اُن نقائص کی جو تصوف کی طرف ضرورت سے زیادہ مائل ہونے کی وجہ سے تھے۔" (ص ۶۸-۶۹)

پھر تحریر کرتے ہیں کہ:

"پہلی چیز جو مجھ کو حضرت مجدد الف ثانی کے وقت سے شاہ صاحب (یعنی حضرت شاہ ولی اللہ محدثؒ) اور اُن کے خلفاء تک کے تجدیدی کام میں کھٹکی ہے وہ یہ ہے کہ انھوں نے تصوف کے بارے میں مسلمانوں کی بیماری کا پورا اندازہ نہیں لگایا اور ان کو پھر وہی غذا دے دی جس سے مکمل پرہیز کرانے کی ضرورت تھی۔ . . . اسی کے لباس میں مسلمانوں کو افیون کا چسکا لگایا گیا ہے اور اس کے قریب جاتے ہی ان مزمن مریضوں کو پھر وہی چنیا بیگم یاد آ جاتی ہیں جو صدیوں ان کو تھپک تھپک کر سلاتی رہی ہیں . . . مگر غالباً اس مرض کی شدت کا انھیں پورا اندازہ نہ تھا یہی وجہ ہے کہ دونوں بزرگوں (حضرت مجدد الف ثانیؒ اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ) نے ان بیماروں کو پھر وہی غذا دے دی جو اس مرض میں مہلک ثابت ہو چکی تھی اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ رفتہ رفتہ دونوں کا حلقہ پھر اسی پرانے مرض سے متاثر ہوتا چلا گیا۔ . . . اب جس کسی کو تجدید دین کے لیے کوئی کام کرنا ہے اس کے لیے لازم ہے کہ وہ متصوفین کی زبان و اصطلاحات، رموز و اشارات، لباس، اطوار، پیری مریدی اور ہر اس چیز سے جو اس طریقہ کی یاد تازہ کرنے والی ہو، مسلمانوں کو اس طرح پرہیز کرائے جیسے ذیابیطس کے مریض کو شکر سے پرہیز کرایا جاتا ہے۔" (ص ۱۱۳-۱۱۴-۱۱۵-۱۱۶)

میں (محشی) کہتا ہوں کہ جس تصوف کو ابو الاعلیٰ مودودی صاحب افیون اور چنیا بیگم کہہ رہے ہیں وہ اس تصوف کے نورانی چشمہ سے واقف ہی نہیں ہیں۔ اگر وہ اس سے واقف ہوتے تو ایسی بات تحریر نہیں کرتے۔ درحقیقت تصوف وہ نظام ہے جو انسان کی صرف جسمانی تربیت کی طرف متوجہ نہیں ہوتا، بلکہ اس کی روحانی صفائی اور بالیدگی پر اپنی ساری مساعی کو وقف کر دیتا ہے۔ اس کے مکتب کے طالب علم جب نماز پڑھتے ہیں تو صرف ان کی زبان ہی تسبیح و تہلیل نہیں کرتی، ان کے ظاہری اعضاء ہی قیام و رکوع و سجود میں مصروف نظر نہیں آتے بلکہ ان کا قلب، ان کی روح، ان کے جسم کا بال بال، رُواں رُواں ذکر الٰہی میں سرشار ہوا کرتا ہے۔ ان میں تواضع، انکسار، بردباری، تحمل، ایثار، عفو و درگذر، محبت و مودت کے وہ اخلاقیات ہوتے ہیں کہ دنیا ان کے نورانی چہرے کی زیارت کر کے

(سلسلۂ حاشیہ) ________________

اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ دینِ اسلام، اس کے حبیب مکرم خاتم النبیین اشرف المرسلین حضور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل اطاعت اور ان بزرگوں کا مسلک و طریقہ قبول کرنے پر آمادہ ہو جاتی ہے۔ ام المؤمنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے جب کسی نے حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے خلقِ عظیم کے سلسلے میں معلوم کیا تو حضرت ام المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے جواب میں فرمایا: ''کَانَ خُلُقُهُ الْقُرْاٰنُ'' یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خُلقِ عظیم قرآنِ مجید ہے۔ اخلاقِ محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا یہی پرتو ہی توصوفی کے دل کو منور کرتا ہے اور اس کے ظاہر و باطن کو ''صِبْغَةَ اللّٰهِ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً'' کے رنگ میں رنگ دیتا ہے۔ کسی انسان کو صحیح انسان بنانا سب کاموں سے مشکل کام ہے اور جو ہستیاں ایک نہیں لاکھوں کروروں انسانوں کو گناہوں سے پاک کر کے مقبولانِ بارگاہِ الٰہی اور مقدس و محترم ہستیاں بنا دیتی ہیں، ان سے بڑھ کر انسانیت کا محسن اور مددگار کون ہوسکتا ہے؟ تصوف کی تاریخ اور صوفیہ عظام کی مقدس اور نورانی زندگی کو دیکھ کر ایک منصف مزاج محقق اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ اسلام میں تصوف کا وہی مقام ہے جو روح کا جسم میں، خوشبو کا پھول پتی میں اور روشنی کا آفتاب و ماہتاب میں ہے ____ جن حضرات کو تصوف سے رغبت نہیں ہوتی یا وہ مادیت میں گم رہتے ہیں تو ان کی عبادات کے گلشن کے پھول خوشبو سے بے گانہ ہوتے ہیں، ان پھولوں میں مہک نہیں ہوتی، ان کے اعمال کے جو درخت ہوتے ہیں وہ پھل دار نہیں ہوتے۔ جسم تو ان کا بارگاہِ الٰہی میں جھکتا ہے، لیکن روح کو خبر تک نہیں ہوتی۔ زبان تسبیح و تہلیل میں مصروف نظر آتی ہے لیکن ان کا قلب کسی اور صحرا میں بھٹکتا رہتا ہے۔ نہ عبادات میں لطف اور نہ اعمال کی نورانیت کے اس میں جلوے نمایاں ہوتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہی تصوف ہے جس کو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لفظ ''احسان'' سے تعبیر فرمایا اور اس کی تشریح ان الفاظ کے ساتھ ارشاد فرمائی:

اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ يَرَاكَ (تو عبادت اس طرح کر کہ جیسے تو خدا کو دیکھ رہا ہے اور اگر تو نہیں دیکھ رہا ہے تو تو تصور کر کہ وہ (اللہ) تجھے ضرور دیکھ رہا ہے)

تمام صوفیۂ کرام کی نورانی زندگی میں یہ چیزیں مکمل طور سے پائی جاتی ہیں۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے اپنے مکتوب ۳۶ جلد اول میں فرمایا ہے کہ:

''شریعت کے تین جز ہیں: اعتقاد[1]، عمل[2] اور اخلاص[3]۔ جب تک یہ تینوں چیزیں ثابت نہ ہوں شریعت مکمل نہیں ہوسکتی، اور جب شریعت مکمل ہو گئی تو خدائے تعالیٰ کی رضامندی بھی حاصل ہو گئی جو تمام دنیوی اور اُخروی سعادتوں سے بالاتر ہے۔ (قرآن عظیم میں ہے ''وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ'' اللہ تعالیٰ کی رضامندی سب سے بڑی ہے) لہٰذا شریعت تمام دنیوی، اُخروی سعادتوں کی ضامن ہے اور ایسا کوئی مطلب نہیں کہ سوائے شریعت کے کسی اور طرح پورا ہونے کا محتاج ہو۔ طریقت اور حقیقت جس

(سلسلۂ حاشیہ) ________________________________

کے ساتھ صوفی لوگ ممتاز ہیں، وہ دونوں ہی شریعت کے تیسرے جزیعنی اخلاص کی تکمیل میں شریعت کے خادم ہیں۔ پس طریقت اور حقیقت کے حاصل کرنے سے شریعت کی تکمیل کے سوا اور کچھ مقصود نہیں"۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے اس مکتوب کو ملاحظہ کیجیے کہ تصوف کیا ہے؟ اور صوفی لوگ کون ہیں؟ تصوف ہم سے کیا مطالبہ کرتا ہے؟ ہم نے غیر اسلامی افکار کے ساتھ ساتھ اصل تصوفِ اسلامی کو کیسے غیر اسلامی یا غیر شرعی گمان کرلیا؟ یہ تو ہماری اپنی عقل کا قصور ہے جیساکہ مسلمانوں کے حرکات وسکنات کو دیکھ کر کوئی غیر مسلم یہ گمان کرلے کہ دینِ اسلام کوئی بہتر دین نہیں۔ یہی حال اِس دَور کے بعض بلکہ اکثر بے علم اور دنیا دار مدعیان تصوف کو دیکھ کر بعض دین پسند افراد نے اصل تصوفِ اسلامی تک کو معاذ اللہ جوگیوں اور راہبوں والی راہ سمجھ لیا ہے۔ اصل تصوف پر تو اساطینِ اسلام عمل پیرا تھے۔ آج تصوف اسلامی پر چاروں طرف سے یورش ہورہی ہے، الزام تراشی میں ایسی ایسی جدت طرازیاں اور عجیب تدبیریں اور چالاکیاں اختیار کی جارہی ہیں کہ انسان حیرت زدہ ہوجاتا ہے۔ غیر مسلمین تو عرصہ دراز ہی سے تیر افگنی میں مصروف تھے، ان لوگوں کو ایسا کرنے کا اختیار بھی حاصل تھا اس لیے کہ تصوف نے ان کے ظلمت کدوں کے اندھیروں کا خاتمہ کر دیا تھا، وہ باطل کی پیداوار تھے، اس چکا چوند نے ان کی دنیا میٹ کر رکھ دی تھی۔ ان کی عیش وعشرت کی محفلیں الٹ کر رکھ دی تھیں، ان کی خواہشات کے بتکدے برباد ہوگئے تھے۔ ان کی حیات کی معاشی اور معاشرتی قدریں جو انھیں بے حد عزیز تھیں اپنی قدر وقیمت کھو بیٹھی تھیں۔ تصوف اور اس کے حامیوں کی جانب سے جنھیں اتنے زخم لگے ہوں، اُن کی برہمی غلط بھی نہیں۔ اپنے انتقام کی آگ کو بجھانے کے لیے اگر غیر مسلم باطل پرستوں نے الزام تراشیوں اور جھوٹ کا سہارا پکڑا تو اس میں کوئی حیرت کی بات نہیں، اور نہ ہم ان کا شکوہ وشکایت کرتے ہیں۔ لیکن تعجب تو ہمیں ایسے حضرات پر ہے جو اپنے آپ کو اسلام کا سچا خادم اور پیروکار کہتے نہیں تھکتے، وہ بھی تیشہ اور کدال سے اس حصارِ محکم کو منہدم کرنے میں اپنی ایڑی چوٹی کا زور لگائے ہوئے ہیں۔ یہ لوگ بھی اس نورانی اور چشمۂ شیریں کو پاٹنے میں کوشاں ہیں، جس کے آبِ زلال نے (صاف ستھرا پانی) ان کی انفرادی اور اجتماعی حیات کے خوشبودار چمنوں کو شاداب کیا اور ہرا بھرا رکھا جس قوم کی تواریخ تصوف کے تخلیقی اور تعمیری کارناموں سے روشن ہے وہی قوم اب اس سے متنفر ہے۔ تصوف اور اہلِ تصوف پر بہتان اور الزام تراشی کرنے والے اربابِ علم اگر بنظرِ انصاف غور کریں گے تو ان کے ذہنوں سے تاریکی کے پردے چھٹ جائیں گے اور وہ اندھیروں سے نکل کر روشنی میں آجائیں گے۔ اب ہم اقوالِ صوفیۂ متقدمین علیہم الرحمہ کی روشنی میں اسلامی تصوف کی مختصراً تعریفات پیش کرتے ہیں:

حضرت خواجہ معروف کرخی قدس سرہٗ (متوفی ۲۰۰ھ) تصوف کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں، "حقائق کو گرفت میں لانا، دقائق پر گفتگو کرنا اور خلائق کے پاس جو کچھ ہے اس سے ناامید ہونا تصوف ہے۔"

حضرت ذوالنونِ مصری قدس سرہٗ (متوفی ۲۴۵ھ) سے دریافت کیا گیا کہ صوفی کون لوگ ہیں، فرمایا: "وہ لوگ

(سلسلۂ حاشیہ) ________________

صوفی ہیں جنھوں نے تمام کائنات کے مقابلہ میں صرف اللہ تعالیٰ کو پسند کیا۔"

حضرت سہل بن عبداللہ تستری قُدِّسَ سِرُّہٗ (متوفی ۲۸۳ھ) کا فرمان ہے: "صوفی وہ ہے جس کا دل کدورت سے خالی اور تفکر سے پُر ہو اور اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے میں وہ بشر سے منقطع ہو اور جس کی نظروں میں خاک اور سونا دونوں برابر ہوں"۔

سید الطائفہ حضرت خواجہ ابو القاسم جنید بغدادی قدس سرہٗ (متوفی ۲۹۷ھ) فرماتے ہیں: "صوفی وہ ہے جس کا دل دنیا سے متنفر اور فرمانِ الٰہی کو ماننے والا ہو۔ اس میں تسلیم حضرت اسمٰعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرح، اندوہ حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرح، فقر حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرح، صبر حضرت ایوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرح شوق حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرح اور اخلاق سید الانبیاء، امام المرسلین خاتم النبیین حضور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرح ہوں"۔

حضرت شیخ شہاب الدین عمر سہروردی قدس سرہٗ (متوفی ۶۳۲ھ) اپنی شہرۂ آفاق کتاب "عوارف المعارف" میں صوفی کون ہے کا جواب دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں: "حضرت شیخ عبدالواحد بن زید رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے دریافت کیا کہ آپ کے نزدیک صوفی کون ہے؟ آپ نے جواب میں فرمایا: میرے نزدیک صوفی وہ لوگ ہیں جو اپنی عقل کے بقدر پیہم سنّت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر قائم ہیں، اور اپنے قلوب کے ساتھ اس کی طرف متوجہ ہیں اور اپنے نفوس کی شرارتوں سے بچنے کے لیے اپنے پیشوا و سردار کا دامن پکڑے ہوئے ہیں"۔

ان تصریحات کے الفاظ میں تفاوت ضرور ہے، لیکن مقصد اور مدعا سب حضرات کا ایک ہی ہے۔ جب صوفیہ کاملین متقدمین علیہم الرحمہ کے نزدیک تصوف اور صوفی کی یہ تعریفیں ہیں تو اب ان مدعیانِ علم و دانش سے ہمارا یہ سوال ہے جو تصوف کو غیر اسلامی خیالات و نظریات کا مجموعہ اور عجمی افکار و تصورات کا مظہر کہتے ہوئے نہیں تھکتے، کہ کیا پوری یکسوئی اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع، اُس کے ہر حکم کی تعمیل، اس کی رضا کے حصول کے لیے ساری دنیا سے روٹھنا اور اس کے حبیب مکرم نورِ مجسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وسلم سے والہانہ محبت و عقیدت اسلام کی تعلیمات کا خلاصہ نہیں؟ اور وہ شخص جو ان احوال سے بہرہ ور ہو، جو ہر نامناسب اور غیر اخلاقی حرکات و سکنات سے متنفر اور تمام حسنات کا مجموعہ اور محامد و محاسن کا پیکر رعنا ہو، کیا وہ اسلامی تعلیمات کا روشن و منور اور حسین و جمیل نمونہ نہیں؟ کیا ایسے پاک نہاد حضرات کی نکھری ہوئی شخصیات اسلام کی حقانیت کی روشن دلیل نہیں؟ جدید تخیل کے افراد ان تعلیمات کو پھر بھی غیر اسلامی گمان کرتے ہیں تو اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ ایسے لوگ اسلام کو اس کی عظمتوں اور رفعتوں سے محروم کرنے کی نامناسب اور ناکام کوششیں کر رہے ہیں اور وہ لوگ ملتِ اسلامیہ کو ایسی مقدس اور فخرِ زمانہ ہستیوں سے محروم کردینا چاہتے ہیں جو اسلام کی آبرو اور انسانیت کے واسطے وجہِ شرف ہیں۔ تصوف کی نورانی راہ کو نا سمجھ افراد جو تصوف

(سلسلۂ حاشیہ) ____

کو راہبوں اور جوگیوں کے تصورات کا مجموعہ سمجھتے ہیں اور بڑے اکڑ کر تصوف پر بے جا تنقید کرتے ہوئے یہ کہتے ہیں کہ مسلمانوں کی موجودہ سیاسی پستی اور معاشی بدحالی کی وجہ صوفیانہ خیالات و نظریات ہیں۔ تصوف اپنے ماننے والوں کو بقول اُن کے رہبانیت کی زندگی گذارنے کی دعوت دیتا ہے، کش مکشِ حیات سے جدا رکھتا ہے، تصوف کے زیر اثر بقول اُن کے عملی قوتیں مفلوج ہو کر رہ جاتی ہیں، اور انسان زندگی کے میدان میں کارہائے نمایاں انجام دینے کے اپنے فرضِ منصبی سے غافل رہتا ہے۔

ایسے جدت پسند مسلمان اپنے قول فاسد کی تائید کے لیے حضراتِ صوفیۂ کرامؒ کی چلہ کشی، عبادات و ریاضات اور خانقاہوں میں گوشہ نشینی اور خلوت پسندی کو پیش کرتے ہیں، لیکن اگر بہ نظرِ انصاف دیکھا جائے تو حقیقت اس کے برعکس ہے۔ بیشک شیخ کامل مرید سے بعض اوقات چلہ کشی کراتا ہے، جہاں وہ دنیاوی مشاغل اور انہماک سے کچھ روز جدا بھی رہتا ہے۔ ذکر و فکر میں کچھ عرصہ گذارتا ہے۔ لیکن جب مبتدی (مرید) عبادت و ریاضت اور چلہ کشی سے اپنے اخلاق اور سیرت کو اسلام کے مقدس اور منور سانچے میں ڈھال لیتا ہے اور احکامِ الٰہی کی تعمیل، رسولِ انور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی اس کے واسطے فطرتِ ثانیہ اور دوسرے انسانوں کے لیے حسین و جمیل نمونہ بن جاتی ہے تو پھر اس کی زندگی کا اصل مقصد یہی رہ جاتا ہے کہ وہ دنیا میں جب تک رہے، اللہ جل شانہٗ وعم نوالہٗ اس کے حبیبِ مکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کی اشاعت و حقانی تبلیغ میں سرگرداں رہے۔ صوفیہ کرام رحمۃ اللہ علیہم کے انہی درخشاں کارناموں سے ہماری تاریخی کتابیں پُر ہیں۔ اس کی مثال اس طرح سمجھ لیجیے کہ جیسے فوج میں کسی رنگروٹ کو بھرتی کیا جاتا ہے تو اسے چند روز کے واسطے فوجی چھاؤنی میں رکھ کر پہلے فوجی تربیت دی جاتی ہے تاکہ وہ اپنے پورے دفاع کے ساتھ ساتھ دشمن پر بھی مؤثر وار کر سکے، اُسے ہتھیاروں کو چلانے اور ان کے نشانات کو صحیح کرانے کی ٹھیک ٹھیک مشق کرائی جاتی ہے۔ اگر کوئی ملک حریف ملک سے لڑائی کے میدان میں برسرِ پیکار ہو اور لڑائی کے بھیانک شعلے بھڑک رہے ہوں، اس وقت بھی جن لوگوں کو لشکر میں داخل کیا جاتا ہے تو انھیں اسی وقت میدانِ جنگ میں لڑنے کے واسطے نہیں بھیجا جاتا بلکہ چند روز ان کو چھاؤنی میں رکھ کر تربیت کرائی جاتی ہے جب وہ ہتھیار چلانے کی مشق کر لیتے ہیں، جنگی طور و طریقوں سے واقف ہو جاتے ہیں، تب انھیں میدانِ جنگ میں دشمن کو کچلنے کے واسطے بھیجا جاتا ہے۔ اگر وہ لوگ تربیت کے بغیر لڑائی کے میدان میں بھیج دیئے جائیں تو وہ دشمن کو کچلنے کے بجائے اپنے ہی لشکر کے لیے مصیبت کا پہاڑ بن جائیں گے۔

چنانچہ پہلے زمانہ کے اکثر علماء کرامؒ علوم کی تکمیل کے بعد مرشد کامل کی جستجو اور تلاش میں شہر شہر، قصبہ قصبہ نکل پڑتے اور جب کوئی انسان کامل ان کو نظر آجاتا تو اس کے دستِ مبارک پر بیعت ہوتے اور اس کی خانقاہ میں قیام کر کے کچھ روز کے لیے روحانی تربیت حاصل کرتے اور جب اُن کا نفس اور دل تزکیہ حاصل کر لیتا اور ان حضرات میں دینی اور عملی پختگی کے آثار نمایاں ہو جاتے تو پھر مرشد کامل انھیں اہلِ دنیا کی ہدایت کے واسطے کسی علاقہ میں متعین فرماتا، اس طرح اُس کی ذاتِ گرامی کا روحانی فیض ہزاروں لاکھوں انسانوں کی بگڑی بنا دیتا۔ لہٰذا

(سلسلۂ حاشیہ)

چلہ کشی عبادت و ریاضت اور مجاہدہ، عجمی نظریات اور رہبانیت کا مجموعہ نہیں، جس طرح بعض مادیت میں مستغرق مسلمانوں کو غلط فہمی ہوئی ہے بلکہ رزم گاہِ حق و باطل میں اپنا صحیح کردار انجام دینے کے لیے یہ تربیت کے کچھ لمحات ہیں جو اُس کی زندگی کو کامیاب بنانے کے لیے نہ صرف مفید بلکہ لازمی ہیں۔ ہمیں اولیاءِ متقدمین اور متاخرین دونوں کی سیرتوں کا مطالعہ کرنا چاہیے کہ اُن کی کتابِ زندگی کا ہر ورق اور ہر صفحہ مجاہدے کے ایمان افروز اور روح پرور کارناموں سے روشن ہے۔

دنیا میں جتنے خلفاءِ اسلام رہے ہوں یا دین دار بادشاہ یا مجاہدین اور غازی اُن میں سے اکثر کسی نہ کسی شیخ کامل کے دامن سے ضرور وابستہ رہے اور اس کے روحانی فیوض سے کامل طور پر فیض یافتہ۔ سلطان محمود غزنوی کو سومنات میں واقع شرک کے سب سے بڑے اڈہ کو ملیامیٹ کرنے کے لیے کس نے شوقِ جہاد دلایا تھا، یاد کیجیے وہ سلسلۂ خواجگانِ نقشبند کے سالار حضرت سیدنا خواجہ ابوالحسن خرقانی قدس سرہٗ (متوفی ۴۲۵ھ) ہی تو تھے جنھوں نے فرمایا تھا "ہند جاؤ، اسلام پھیلاؤ اور توحید و رسالت کا چرچا کرو، بتکدوں سے زمینِ ہند کو پاک کرو۔ افسوس ہے اس زمانہ کے بعض مسلم مؤرخین پر کہ وہ دشمنانِ اسلام کے پروپیگنڈے کا شکار ہو کر اس عظیم مجاہد کو لٹیرا لکھ ڈالتے ہیں۔ حالانکہ محمود غزنوی ایک مجاہد اور غازی تھے۔

امام الشریعت والطریقت حضرت غوث الثقلین شیخ محی الدین سیدنا عبدالقادر جیلانی محبوب سبحانی قدس سرہ نے بے شک پچیس سال عراق کے لق و دق صحراؤں میں گزارے۔ اول عزلت کی زندگی اختیار فرمائی۔ اللہ جل شانہ وعم نوالہ کی عبادت میں ایک ایک لمحہ گزارا، ریاضتیں کیں، مجاہدے کیے۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ کے حکم سے مسندِ ارشاد پر رونق افروز ہوئے تو خلفائے بنو العباس کی دینی اور اخلاقی اصلاح بھی کی اور لاکھوں بندگانِ خدا کو اسلام کی پاک روشنی سے منور کیا اور لاکھوں مسلمانوں کو سچا مؤمن بنایا، معرفتِ الٰہی کی روشنی سے منور فرمایا، ہزاروں اولیاء اللہ اپنی حیاتِ مقدسہ میں بنا دیئے اور آپ کے بعد آج تک عام اہلِ اسلام خصوصاً سلاسلِ طریقت سے وابستہ علماء اور مشائخ کرام آپ کے فیوضِ ظاہرہ و باطنہ سے مستفیض ہو رہے ہیں اور رہتی دنیا تک ان شاء اللہ تعالیٰ بندگانِ خدا فیضیاب ہوتے رہیں گے۔

حضرت غوث الثقلین قدس سرہٗ کی نورانی زندگی کا ہر کارنامہ شریعتِ محمدی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے لبریز ہے۔ تاریخِ تصوف میں اسلامی روح کی جلوہ گری کرنے والا آپ جیسا متبعِ شریعت بزرگ خال خال ہی نظر آتا ہے۔

سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس دین کو خلفاء راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے تو مکمل طور سے باقی بھی رکھا اور اس کی ترویج و اشاعت میں سرگرداں بھی رہے۔ ان کے بعد کے خلفاء میں سے بعض بعض

(سلسلۂ حاشیہ

خلفاء اسلام نے بھی دینِ متین کی اشاعت کی، لیکن خلفاء میں سے اکثر خلفاء نے دین اسلام کو پس پشت ڈال دیا تھا اور شریعتِ مطہرہ کی پابندی میں سستی و کاہلی اختیار کرنے لگے تھے۔ ایسی صورت میں اللہ تعالیٰ نے حضرت سیدنا غوث اعظمؒ کو جلوہ گر فرمایا۔ آپ نے شریعت کی اشاعت میں خود کو وقف کیا، دین متین میں ایک نئی روح پھونکی اور اسلام کو تازگی بخشی۔ اس لیے آپ کا لقب گرامی "محی الدین" ہے (یعنی دین کو تروتازگی بخشنے والے) چنانچہ آپ امتِ محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے مجددین میں سے ایک جلیل القدر اور اولوالعزم مجدد اسلام بھی ہیں۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے جملہ اولیاء کرام علیہم الرحمہ کی سرداری کے شرف سے بھی مشرف فرمایا ہے۔ خود آپ کا فرمانِ عالی ہے:

قَدَمِیْ هٰذِهٖ عَلٰی رَقَبَةِ کُلِّ وَلِیِّ اللّٰهِ   میرا قدم اللہ کے ہر ولی کی گردن پر ہے۔

یہی فرمانِ گرامی آپ کی فضیلتِ شان کا سبب ہوا ہے، تو کیا تصوف "افیون" ہے؟ اگر تصوف افیون ہوتا تو پھر حضرت غوث اعظمؒ کی تبلیغ اسلام سے لاکھوں انسانوں کو ہدایت کی روشنی کیسے نصیب ہوتی اور لاکھوں بندگانِ خدا کو آپ کی رشد و ہدایت، علم و معرفت کی روشنی سے کیسے ولایت حاصل ہوتی؟ اور آج تک آپ کے فیوض و برکات سے تشنہ گانِ علم و معرفت کیسے فیضیاب ہوتے؟

ذرا ان حضرات اولیاء کرامؒ سے بڑھ کر حضرت موسیٰ کلیم اللہ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی عزلت گزینی اور خلوت نشینی کو بھی یاد کر لیجیے۔ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے جب اللہ تعالیٰ نے "توراۃ" دینے کا وعدہ فرمایا تو چالیس روز کا چلّہ کرایا تھا اور اس وقت حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا لباس بھیڑوں کے اون سے بنا ہوا تھا، جس کو عربی میں "صوف" کہتے ہیں۔ چونکہ چلّہ کشی میں جماعتِ صوفیہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرح چلّے کرتی ہے، اس لیے اس کا نام "صوفیہ" (جمع صوفی کی) ہوا۔

حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بھی بڑھ کر سید الانبیاء، امام المرسلین حضور احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے "غارِ حرا" کے واقعہ کو بھی یاد کر لیجیے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے غارِ حرا کے اندر تنہائی یعنی خلوت نشینی اختیار فرمائی تھی اور آپ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مصروف رہتے تھے۔ ریاضاتِ شاقّہ میں ایک ایک لمحہ گذارا کرتے تھے۔ بخاری شریف کی حدیث میں مذکور ہے کہ آپ نے متعدد ایام وہاں گزارے تھے لیکن علامہ صفیری رحمۃ اللہ علیہ نے شرح بخاری میں نقل فرمایا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم چالیس چالیس روز بھی غارِ حرا میں گزارا کرتے تھے، عزلت اور خلوت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غارِ حرا میں اختیار فرمائی تھی۔ اس بنا پر خلوت پسندی اور اہلِ دنیا سے علیحدگی فقط سنتِ موسوی ہی نہیں، بلکہ طریقۂ مصطفوی بھی ہے (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کیا ان مدعیانِ علم و دانش کو معلوم نہیں کہ اسی کے بعد بدر و اُحد، خیبر و خندق اور دیگر میدانوں میں

سلسلہ حاشیہ

ایک بے مثل و بے نظیر جنرل کی حیثیت سے عملی طور پر اسلام کو فروغ دینے کے لیے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے کیسے کیسے مقدس اور عظیم کارنامے انجام دیئے۔ تو کیا صوفیۂ اسلام کی متابعت میں چلہ کشی عزلت گزینی اور خلوت پسندی رہبانیت ہے؟ (بقول اُن کے) اگر یہ رہبانیت ہے تو سب سے پہلے سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام راہب ہوتے (استغفر اللہ۔ العیاذ باللہ) اللہ تعالیٰ ایسے فاسد خیالات سے ہمیں باز رکھے۔ تو کیا یہ لوگ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو راہب کہنا پسند کریں گے اور کیا گوارا کریں گے؟ اگر نہیں تو پھر حضراتِ اولیاء کرام علیہم الرحمہ کو یہ اقامتِ دین اور تحریکِ اسلامی کے نام نہاد مدعیان راہب کیوں کہتے ہیں؟ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ ان پاکیزہ اور نورانی ہستیوں کے مبارک کارناموں کو مٹانے کی ناکام کوشش کر رہے ہیں۔ ہمارا ان تاریک الخیال حضرات سے یہ سوال ہے کہ آپ لوگوں نے اسلام کی کون کون سی خدمات انجام دی ہیں؟ ایسے صاحبان کی تحریروں میں حضرات صحابہ عظام، خلفاءِ راشدین، حضرات اہلِ بیت اطہار، امہات المؤمنین رضوان اللہ علیہم اور تابعین حق، ائمہ دین، علماءِ صالحین، محدثین کرام، مجددینِ اسلام اور اولیاءِ کرام علیہم الرحمۃ والرضوان کے مبارک کارناموں پر رکیک حملے، گستاخانہ جملے صاف نظر آتے ہیں۔ یہ چیز آج بھی جاری ہے۔ کیا یہی اسلام کی خدمت ہے؟ کیا اسی کو اقامتِ دین کہتے ہیں؟ کیا اسی کا نام تحریکِ اسلامی ہے؟ (نعوذ باللہ) آپ شریعت مطہرہ کی اصل حقیقت اور روح جسے طریقت کہتے ہیں اس سے بالکل نابلد ہیں، اسی لیے ایسے لوگوں نے شریعت کو مذاق سمجھ رکھا ہے اور اسلام کو تنقید و تنقیص کرنے کا ایک بہانہ بنا رکھا ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عزلت گزینی اور خلوت پسندی کے قطعی اور یقینی شواہد اور اولیاءِ کاملین کے صحیح تاریخی شواہد ان حضرات کے فاسد نظریہ کی تردید کے لیے کافی وافی ہیں جو تصوف اسلامی پر طرح طرح کے الزامات محض اس لیے لگاتے ہیں کہ وہ اس چشمۂ شیریں کے مزے سے واقف نہیں ہیں، بس افیون اور چنیا بیگم لکھ کر اور کہہ کر اپنے نفسِ امّارہ کو خوش کر لیتے ہیں۔

ہم سطور بالا میں کہہ چکے ہیں کہ حقیقت یہی ہے کہ تصوف وہ ہے جس کو سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے لفظ "احسان" سے تعبیر فرمایا ہے اور اس کی تشریح ان الفاظ کے ساتھ ارشاد فرمائی:

"ان تعبد اللہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک۔"

تمام صوفیۂ کرام رحمۃ اللہ علیہم کی زندگی میں یہ چیزیں مکمل طور سے پائی جاتی ہیں ـــــــ یہ خوب پیش نظر رہے کہ ہماری مراد انھیں حضرات صوفیہ رحمۃ اللہ علیہم سے ہے جنھوں نے میدان تصوف میں قدم رکھ کر باقاعدہ مرشدینِ حق کی نگرانی میں منازلِ تصوف طے کی ہیں۔ طریقت کے حصول میں شریعت کو مقدم رکھا ہے اور اس

سلسلہ حاشیہ ـــــــــــ

کے ادنیٰ سے ادنیٰ پہلو کو بھی نظرانداز نہ ہونے دیا۔

وہ صوفیہ جو خود کو بزعم خود صوفی سمجھتے ہیں اور دنیا والوں پر اپنی صوفیت کا سکہ لال پیلے، نیلے، کالے، کڑھے ہوئے ریشمی لباسوں کے ذریعے جمانے کی کوشش کرتے ہیں اور شریعت و طریقت دونوں کو الگ الگ سمجھتے ہیں، وہ صوفی ہرگز مراد نہیں ہیں بلکہ ایسے بے علم اور ناقص العمل لوگ تو تصوف اسلامی اور اہلِ تصوف پر بھی داغ لگاتے ہیں، وہ نام نہاد صوفی ہرگز ہرگز مراد نہیں۔ بلکہ ہماری مراد تو صرف ان ہی جیسے حضرات سے ہے جن کے واقعات، جن کی نظیریں اور جن کے مقدس کارنامے پیش کیے۔

امید ہے ہماری اس تحریر سے دلوں کے شبہات دور ہو جائیں گے اور اصلِ تصوف کے سلسلے میں جو غلط خیالات بعض حضرات کے قلوب میں جم گئے ہیں، وہ رفع ہوں گے۔ تصوف کی اصل حقیقت کا اُن پر انکشاف ہو جائے گا اور پھر وہ صحیح اور غلط کے معیار میں امتیاز کر سکیں گے۔

قسطنطنیہ کی فتح دنیا کی جنگوں کی تاریخ میں سے ایک حیرت انگیز اور عظیم کارنامہ ہے جس کی نظیر تاریخِ عالم میں اب تک نہیں ملتی۔ ترکی کے جس سلطان کو اس شہر کی فتح کی عظیم سعادت نصیب ہوئی اس کا نام گرامی مجاہدِ اسلام حضرت سلطان محمد فاتحؒ ہے۔ اس شاندار مہم کا محرک کوئی اور نہیں سلطان محمد فاتح علیہ الرحمہ کے مرشد معظمؒ تھے جنھوں نے یہ عظیم سعادت حاصل کرنے کا انھیں شوق دلایا تھا اور فرمایا تھا سلطان محمد! تم قسطنطنیہ پر حملہ کرو، اللہ تعالیٰ تمھیں کامیابی عطا فرمائے گا۔ اپنے شیخ طریقت کے شوق دلانے اور حکم ملنے پر حضرت سلطان محمد فاتح علیہ الرحمہ نے جنگی میدان میں ایک حیرت انگیز کارنامہ انجام دے کر دنیا کے بڑے سے بڑے سمجھ دار اور جنگی ماہرین کو حیرت زدہ کر دیا۔

حضرت سلطان شمس الدین التمش علیہ الرحمہ نے ہندوستان میں جو سیاسی اور فوجی کامیابیاں حاصل کیں، وہ کس ذات گرامی کی ترغیب تھی، سوچا آپ نے کبھی، وہ ان کے عظیم المرتبت شیخ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اُوشی دہلوی قدس سرہٗ (متوفی ۶۳۴ھ) ہی تو تھے جن کے روحانی فیض کی بدولت سلطان التمشؒ ولی کامل بھی ہوئے اور عادل بادشاہ بھی بنے۔

سلطان شمس الدین التمش علیہ الرحمہ سے کچھ عرصہ قبل ہندوستان میں کفار و مشرکین کے ظلم و ستم سے مسلمان عورتوں کو کس نے نجات دلائی تھی، وہ سلطان محمد غوریؒ تھے جو علاقہ ایران میں بڑے زور شور سے حکمرانی کر رہے تھے، لیکن سلطان محمد غوری علیہ الرحمہ کو ہندوستان آنے کی دعوت اور آواز کس نے دی تھی، وہ سلطان الہند خواجہ غریب نواز خواجہ معین الدین حسن چشتی اجمیری قدس سرہٗ (متوفی ۶۳۳ھ) ہی کی ذات بابرکت ہی تو تھی کہ اجمیر میں بیٹھ کر سنجر ایران کی طرف منھ کر کے اللہ کے اس برگزیدہ ولی نے فرمایا تھا اے سلطان محمد غوری! جلد آؤ اور مسلمان عورتوں کو راجہ پتھورا کے ظلم سے نجات دلاؤ۔ اِدھر حضرت خواجہ ہندؒ کی صدا بلند ہوئی اُدھر سنجر میں بیٹھے سلطان چونکے کہ ہندوستان سے میرے بزرگ

(سلسلۂ حاشیہ)

حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ مجھے یاد فرما رہے ہیں۔ سلطان محمد غوریؒ اپنا معمولی سا لشکر لے کر آناً فاناً سنجر سے روانہ ہوتے ہیں اور بحکمِ خداوندی مختصر وقت میں اجمیر پہنچ جاتے ہیں اور راجہ پتھورا کے جنگل میں پھنسی ہوئی مظلوم مسلمان عورتوں کو رہائی دلاتے ہیں اور ظالم راجہ کو جہنم رسید کر کے حضرت خواجہ ہندؒ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر سلام و قدم بوسی کے شرف سے مشرف ہوتے ہیں۔ کیا اب بھی تصوف کو راہبانہ خیالات کا مجموعہ ہی گمان کیا جائے گا؟

ہندوستان میں صالح اور عادل سلطان محی الدین اَوْرنگ زیب عالمگیرؒ کی عظیم الشان فتوحات میں کس کی روحانیت کام کر رہی تھی، وہ ان کے شیخِ طریقت حضرت سیدنا خواجہ محمد معصوم مجددی قدس سرہٗ (متوفی ۱۰۷۹ھ) کی ذاتِ اقدس ہی تو تھی جو قدم قدم پر سلطان عادل محی الدین عالمگیر علیہ الرحمہ کی سیاسی اور فوجی مہموں میں ان کی رہنمائی کر رہی تھی۔

مغل بادشاہ جلال الدین اکبر کا دورِ حکومت ہندوستان میں سب سے زیادہ نامبارک بلکہ منحوس ترین واقع ہوا تھا، دنیا جانتی ہے۔ اس کے بعد اس کے بیٹے سلطان نورالدین جہانگیر نے اول اول وہی روش اختیار کی۔ کیا آپ کو معلوم نہیں کہ سلطنتِ مغلیہ کے بادشاہ جہانگیر کی بہت حد تک اصلاح کس نے کی؟ اور کس نے ہندوستان میں اسلامی حکومت کے نفاذ کے لیے جان توڑ کوششیں کیں۔ وہ سرہند میں بیٹھا ہوا اللہ کا ایک برگزیدہ ولی، حضرت سیدنا خواجہ سید سکندر کیتھلی قادری قدس سرہٗ (۱۰۲۳ھ) کا مرید خاص اور ان کی روحانیت سے کامل طور پر فیض یافتہ اور حضرت سیدنا خواجہ محمد باقی باللہ نقشبندی دہلوی قدس سرہٗ (متوفی ۱۰۱۲ھ) کی خانقاہ کا تربیت یافتہ شیخ کامل ہی تو تھا جس کو دنیا حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی سیدنا شیخ احمد فاروقی سرہندی قدس سرہٗ (متوفی ۱۰۳۴ھ) کے نام پاک سے جانتی اور پہچانتی ہے کہ اس مردِ درویش نے ہندوستان کے بادشاہوں تک کی اصلاحِ دینی و عملی کے کارہائے نمایاں کیسے کیسے انجام دیئے اور ہندوستان میں اسلام اور شریعت کے نفاذ کا مقدس فریضہ اپنے دور میں کس بے نظیر طریقے پر انجام دیا۔ ہم نے مثالاً یہ چند نظیریں پیش کی ہیں ورنہ ہزاروں ایسی نظیریں تواریخ و سیر کی کتب میں ہمیں ملتی ہیں جنھیں ہم طوالت کی وجہ سے تحریر کرنے سے اپنے کو عاجز پاتے ہیں۔

اب ذرا انصاف کی نظر سے غور کیجیے کہ ان حضرات کرامؒ اور ان کے علاوہ اللہ ہی جانے کتنے اولیاء کاملین اور صوفیۂ عارفین نے لاکھوں کروروں بندگانِ خدا کو رشد و ہدایت کی روشنی دکھائی، ان کو سچا اور پختہ مسلمان بنایا۔ عبادات، ریاضات اور مجاہدات کرا کر ان کو مقرب بارگاہِ الٰہی بنایا۔ عالم بھر کے مسلمانوں کی تقدیر کی کایا پلٹ دی۔ اگر تصوف افیون اور چُنیا بیگم (استغفر اللہ) ہوتا تو بتایئے کہ مذکورہ بالا حضرات کیسے نورانی اور ایمان افروز انقلابات برپا کرتے، جہالت و بربریت کے دلدل میں پھنسے ہوئے لوگوں کو علم و معرفت کی نورانی راہ کس طرح دکھاتے، تصوف اور اہلِ تصوف کی حقانیت کی اس سے بڑی دلیل اور کیا ہو سکتی ہے کہ صدیاں گذر گئیں، لیکن حضراتِ اولیاءِ کرامؒ کے اسماءِ گرامی آج بھی زندہ و جاوید اور ان کی حیات کے مقدس کارنامے آج بھی درخشندہ و تابندہ ہیں اور رہتی دنیا تک ان کے نورانی

(سلسلۂ حاشیہ)

کارنامے باقی رہیں گے ان شاء اللہ - دنیا بھر میں اسلام پھیلانے والے اصل میں صوفیۂ برحق اور علماء صالحین ہی کے یہ دو طبقات رہے ہیں چند اللہ والے بادشاہوں کو چھوڑ کر سارے سلاطین نے اسلام کی کوئی قابلِ ذکر خدمات انجام نہیں دیں - اسلام مدارسِ دینیہ اور خانقاہوں کے ذریعے ہی پھیلا ہے -

مودودی صاحب نے تصوفِ اسلامی کے سلسلہ میں خدا جانے یہ کیسے گمان کرلیا کہ یہ جوگیوں اور راہبوں والی راہ ہے (معاذ اللہ) حضرت خواجہ حسن بصری ہوں یا حضرت خواجہ سری سقطی، حضرت خواجہ معروف کرخی ہوں یا حضرت امام موسیٰ کاظم، حضرت خواجہ جنید بغدادی ہوں یا حضرت غوث اعظم سیدنا شیخ محی الدین عبد القادر جیلانی، حضرت خواجہ معین الدین چشتی ہوں یا حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی، حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند ہوں یا حضرت خواجہ باقی باللہ، حضرت مجدد الف ثانی ہوں یا حضرت امام غزالی، حضرت شاہ ولی اللہ محدث ہوں یا حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہم وغیرہ یہ تو اسلام کی وہ برگزیدہ، اولو العزم ہستیاں ہیں، جنھوں نے شریعتِ اسلامیہ کے انوار و برکات سے عالم بھر کے مسلمانوں کو فیض یاب بھی کیا اور ان کے قلوب میں ایمانی حرارتیں بھی پیدا کیں - کیا کوئی منصف مزاج انسان ان حضرات کے متعلق یہ گمان کرسکتا ہے کہ انھوں نے جوگیوں اور راہبوں والی راہ خود بھی اختیار کی اور دوسرے انسانوں کو اس کا چسکا لگایا - استغفر اللہ - جدت پسند اور مادہ پرست مسلمان انصاف کی نظر سے ان حضرات کی مبارک تعلیمات کا اگر مطالعہ کریں گے، تو ان شاء اللہ تعالیٰ وہ بھی تصوفِ اسلامی کے برکات اور ایمان کی نورانیت کے چشمۂ شیریں کا لطف اٹھائیں گے -

ہم نے تصوف اسلامی کی غرض و غایت اور صوفیۂ کرام علیہم الرحمہ کے ایمانی مشن کو مجملاً پیش کیا - انصاف پسند حضرات کے سمجھنے کے لیے اس میں بہت کچھ سامان موجود ہے - بہتر ہے کہ ایسی کتابوں کی اشاعت بند کردی جائے جو اسلام کے ان ستونوں سے مسلمانوں کو بدعقیدہ اور غیر مسلمین کی نظروں میں بے وقعت کرنے والی ہیں - بزرگانِ اسلام کی ذواتِ مقدسہ سے مسلمانوں کو بد اعتقاد بنا کر اسلام کی یہ کونسی خدمت اور احیاءِ دین کی یہ کونسی مبارک تحریک ہے ؟ سلفِ صالحین علیہم الرحمہ نے اپنے اپنے اسلافِ کرام کے مبارک کارناموں کو میٹ کر تو کہیں اسلام کی خدمت انجام نہیں دی ہے، بلکہ ان حضرات نے تو اپنے اسلافِ کرام کی ظاہری اور باطنی خدمات کی روشنی میں ہی اسلام کی حقیقی اور مثبت و تعمیری خدمات انجام دی ہیں - یہ کونسا قاعدہ کلیہ ہے کہ ہم اگر کسی چیز سے یا کسی راہ سے یا کسی مقام سے واقف نہیں تو ہم اس کے وجود تک کا انکار کردیں - کسی چیز سے ناواقفیت ہماری اپنی کمزوری تو یقیناً ہوسکتی ہے، لیکن اس سے یہ لازم تو نہیں آتا کہ ہم جس چیز سے واقف نہیں ہیں تو اس کا وجود بھی نہیں - یہ تو عقل اور دیانت دونوں کے خلاف ہے -

پھر ایک بات یہ ہے کہ آج کے بے علم اور بے عمل مدعیانِ تصوف کو دیکھ کر اصل اسلامی تصوف سے کیوں چڑ پیدا ہوتی ہے؟ ایسے لوگوں سے متقدمین صوفیۂ کرام کا موازنہ کیوں کیا جاتا ہے، یہ بھی عقل و دیانت کے خلاف بات ہے - موجودہ بعض مدعیانِ تصوف میں سے کچھ لوگوں کی کمزوریاں ان کی اپنی ذاتی کمزوریاں ہیں، جو بے علم اور بے عمل ہونے کی وجہ سے ان کے اندر سرایت کر گئی

(سلسلۂ حاشیہ)

ہیں جو حقیقی صوفیۂ کرام ہیں وہ تو شریعت کی جو اصل حقیقت ہے یعنی اس کا مغز جسے "طریقت" کہتے ہیں۔ اسے حق پرست صوفیہ شریعت کا خادم جانتے ہیں۔ جیساکہ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے مکتوب میں ہے جو ہم تحریر کے اول حصہ میں پیش کر چکے ہیں۔ خدا جانے حضرت امام غزالی، حضرت مجدد الف ثانی اور حضرت ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہم مودودی صاحب کو کیسے عجمی افکار اور راہبوں والے متصوفین نظر آگئے؟ اس میں ان کے خیال و نظر کی کجروی کو دخل ہے۔ تصوف شریعت ہی کا اصل میں ایک جز ہے، جو حقیقتاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا باطنی و روحانی فیض ہے۔ صحاح میں حدیث ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک علم تو وہ ہے جو ظاہری شکل میں میں نے پیش کیا اور ایک علم اور ہے جو مجھے حاصل ہے اگر میں اسے ظاہر کردوں تو لوگ میری گردن مار دیں گے۔ تو ثابت ہوا کہ یہ علم تصوف علمِ نبوی کا روحانی فیض ہے۔ حضرت خطیب اعظمؒ نے اس شعر میں کیا خوب فرمایا ہے ؎

جو چمک رہا ہے چہار سو قمرِ عرب کا وہ نور ہے
جو نظر نہ آئے تجھے کہیں تو تری نظر کا قصور ہے

یہ تو ہم نے "تجدید احیاءِ دین" کی بعض ان عبارتوں کا جواب پیش کیا جنھیں علماءِ اہلِ سنت وجماعت کے جمہور اہلِ حق نے سخت ناپسند فرمایا۔ اب ہم مودودی صاحب کی دوسری تالیف "خلافت و ملوکیت" کی بعض متنازعہ عبارتیں اور ان کے جوابات پیش کریں گے۔ اللہ کے آخری رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب صحابہ رضی اللہ عنہم کی مقدس ذوات کو تنقیص کا نشانہ بناتے ہوئے مختلف صفحات میں لکھتے ہیں۔ ملاحظہ ہو:

"لیکن اُن کے بعد (یعنی حضرت فاروق اعظم عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ) جب حضرت عثمانؓ جانشین ہوئے تو رفتہ رفتہ وہ اس پالیسی سے ہٹتے چلے گئے۔" (خلافت و ملوکیت ص ۱۰۶، ۱۹۶۷ء مطبوعہ لکشمی پرنٹنگ ورکس لال کنواں دہلی۔ ناشر مرکزی مکتبہ جماعت اسلامی ہند دہلی)

اسی کتاب کے صفحہ ۱۱۶ پر تحریر کرتے ہیں:

"حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی پالیسی کا یہ پہلو بلاشبہ غلط تھا اور غلط کام بہرحال غلط ہے، خواہ وہ کسی نے کیا ہو۔ اس کو خواہ مخواہ کی سخن سازیوں سے صحیح ثابت کرنے کی کوشش کرنا نہ عقل و انصاف کا تقاضا ہے اور نہ دین ہی کا یہ مطالبہ ہے کہ کسی صحابی کی غلطی کو غلطی نہ مانا جائے۔"

میں (محشی) کہتا ہوں کہ جب حضرت سیدنا عثمان ذی النورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس پالیسی سے جو رسولِ انور صلی اللہ علیہ وسلم، خلیفۂ اول راشد امام برحق حضرت سیدنا صدیق اکبر اور خلیفۂ ثانی حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی تھی، بقول مودودی صاحب وہ ہٹتے چلے گئے، تو پھر وہ خلیفۂ راشد کہلائے جانے کے مستحق نہیں ہیں، یہی تو مطلب مودودی صاحب کی عبارت سے ظاہر ہو رہا ہے، یا اس کے علاوہ اور کوئی مطلب بھی نکل سکتا ہے۔ اب میں ہی نہیں بلکہ جمہور اہلِ حق یعنی اہلِ سنت

(سلسلۂ حاشیہ)

وجماعت یہی کہتے ہیں کہ مودودی صاحب خود صالح فکر ونظر کی مبارک راہ سے مکمل ہٹے ہوئے تھے، تب ہی تو انھیں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبتِ بابرکت سے خاص الخاص طریقہ پر فیض یافتہ ان حضرات صحابۂ عظام رضی اللہ عنہم میں خامیاں نظر آرہی ہیں حضرت سیدنا عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہ تو مکمل طریقۂ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام پر قائم اور حضرات شیخین کرامؓ کے قدم بقدم چلتے رہے، وہ جو فیصلے فرماتے تھے وَاَمْرُھُمْ شُوْرٰی کے تحت ہی فرماتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاک نہاد جانشیوں کے اندر خواہ مخواہ کمزوریاں تلاش کرنا اور ان کی مقدس ذوات پر عیب لگانا، یہ کون سی احیاءِ دین کی تحریک ہے؟

ان کی دوسری بات کا جواب یہ ہے کہ جب خلیفۂ ثالث امام برحق امیر المؤمنین حضرت سیدنا عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہ نے بقول اُن کے غلط کام کیے (استغفر اللہ) تو وہ پھر خلیفۂ راشد کہلائے جانے کے مستحق کیسے رہ سکتے ہیں؟ یہی تو مودودی صاحب کہنا چاہتے ہیں اور دوسرے مسلمانوں کے عقائد خراب کر کے ان کے منھ سے کہلوانا چاہتے ہیں۔ دراصل مودودی صاحب کی پوری زندگی اسی کام میں صرف ہوئی۔ انھوں نے محبوبانِ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تاحیات اپنی تنقید وتنقیص کا نشانہ بنایا۔ ان پر عیب لگانے میں اپنی بیش قیمت زندگی صرف کردی۔ ان کی نظر سے یہ فرمانِ رسول انور صلی اللہ علیہ وسلم محو ہوگیا تھا اَصْحَابِی کَالنُّجُوْمِ فَبِاَیِّھِمُ اقْتَدَیْتُمُ اھْتَدَیْتُمْ (میرے صحابہ مثل ستاروں کے ہیں پس تم جس کی اقتدا کروگے ہدایت پاؤگے) دوسرا ارشادِ گرامی ہے علیکم بسنتی وسنۃ الخلفاءِ الرّاشدین المھدیین (تم پر لازم ہے کہ میرے طریقے کو اور میرے خلفاءِ راشدین جو خود ہدایت یاب ہیں ان کے طریقے کی پیروی کرو) سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم تو یہ ارشادات فرمارہے ہیں اور ان ارشادات کے برعکس مودودی صاحب خلفاءِ راشدین رضی اللہ عنہم کی مقدس ذوات سے مسلمانوں کو بدگمان ہی نہیں بلکہ بدعقیدہ بنانے کی سعی لاحاصل کررہے ہیں۔ بقول شخصے : ہم تو ڈوبے ہیں صنم مگر...

جمہور اہلِ حق اہلِ سنت وجماعت کا یہ متفقہ عقیدہ ہے کہ حضرات انبیاءِ کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے علاوہ اور کوئی ذات معصوم نہیں۔ معصوم عن الخطا صرف انبیاءِ کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام ہی ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم معصوم عن الخطا ہرگز نہیں، ہاں البتہ محفوظ عن الخطا بیشک ہیں معصوم اور محفوظ میں فرق ہے۔ معصوم کے معنیٰ ہیں پاک وصاف یعنی جس کے دل میں گناہ صغیرہ تک کا تصور نہ گذرے، اور محفوظ اسے کہتے ہیں کہ عام طور پر وہ اللہ تعالیٰ کے کرم سے بشری کمزوریوں سے محفوظ رہے۔ حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے اگر کسی سے کوئی اتفاقاً سہو یا خطا سرزد ہوگئی تو پھر اس صحابی نے اللہ کے دربارِ عالی میں ایسی توبہ کی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ کو قبول فرمایا اور ان کی توبہ پر وہ بہت خوش ہوا اور فرمایا: وَکُلًّا وَّعَدَ اللّٰہُ الْحُسْنٰی (اور اللہ تعالیٰ نے ہر ایک سے بھلائی کا وعدہ فرمایا) رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ (اللہ ان سے راضی ہوا وہ اللہ سے راضی ہوئے)

(سلسلۂ حاشیہ)

تفسیر حقانی میں پارہ ۲۔ سورۂ بقر۔ آیۃ کریمہ:

اُحِلَّ لَکُمْ لَیْلَۃَ الصِّیَامِ الرَّفَثُ اِلٰی نِسَآئِکُمْ ؕ هُنَّ لِبَاسٌ لَّکُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ؕ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّکُمْ کُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَکُمْ فَتَابَ عَلَیْکُمْ وَعَفَا عَنْکُمْ ۚ فَالْـٰٔنَ بَاشِرُوْهُنَّ وَابْتَغُوْا مَا کَتَبَ اللّٰهُ لَکُمْ (حلال کیا گیا تمھارے لیے روزہ کی رات میں اپنی بیوں سے اختلاط کرنا کیونکہ وہ تمھارا اوڑھنا بچھونا ہیں اور تم ان کا اوڑھنا بچھونا ہو۔ اللہ کو معلوم ہے کہ تم خیانت کرتے تھے اپنے حق میں، پس مہربانی کی تم پر اور معاف کیا تم کو۔ سو اب ان سے اختلاط کرو۔ اور لو جو خدا نے تمھارے لیے مقرر کر دیا ہے)

اس آیۃ کریمہ کی تفسیر میں صاحبِ تفسیر حقانی علامہ ابو محمد عبد الحق حقانی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ: "اکثر مفسرین کا یہ کہنا ہے کہ ابتداءِ اسلام میں روزہ دار کو افطار کے بعد جب تک وہ عشاء کی نماز نہ پڑھے اور نہ سوئے تو کھانا پینا اور بیوی سے جماع کرنا درست تھا اور جب وہ عشاء کی نماز پڑھ لے یا افطار کر کے سو جائے تو پھر اس کے لیے یہ چیزیں ممنوع ہو جاتی تھیں جس طرح صبح صادق سے یہ ممنوع اب بھی ہو جایا کرتی ہیں۔ چنانچہ اس آیۃ کے شانِ نزول میں مروی ہے کہ ایک انصاری صحابی (جن کے نام میں اختلاف ہے۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں ابو صرمہ اور براء کہتے ہیں قیس بن صرمہ) ان دونوں میں سے کوئی ایک دن کے کاموں سے تھکے ہوئے شام کو گھر آئے۔ افطار کر کے کھانا طلب کیا۔ کھانے میں کچھ دیر تھی، سو گئے۔ جب انھیں بیوی نے بیدار کیا اور کہا کہ کھانا کھا لیجیے تو بیدار ہوتے ہی انھوں نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرما دیا ہے کہ سونے کے بعد بیدار ہو کر کھانا مت کھاؤ۔ بغیر کھائے پیئے دوسرے دن کا روزہ انھوں نے رکھ لیا۔ اگلے روز بوجہ ضعف ان کی حالت میں تغیر واقع ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی گئی اور اسی عرصہ میں حضرت سیدنا فاروق اعظم عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے عشاء کے بعد اپنی بیوی سے صحبت کی۔ اسی طرح اور لوگوں نے بھی عرض کیا۔ تب یہ آیۃ کریمہ نازل ہوئی۔ اس آیۃ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے وسعت عطا فرمائی اور صبح صادق تک کھانے پینے اور جماع کی اجازت مرحمت فرمائی، خواہ عشاء کی نماز پڑھ کر یا سو کر ان چیزوں کو استعمال میں لائے۔ اس آیۃ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ روزے کی شب میں تمھارے لیے اپنی بیویوں کے قریب جانا مباح ہے۔ اس لیے کہ ان میں اور تم میں باہم نہایت رغبت طبعی ہے اور ہم کو اپنے علم ازلی سے یہ بات معلوم تھی کہ تم سے صبر نہ ہو سکے گا۔ پس میں نے افطار کے بعد سے لے کر صبح صادق تک تمھیں اجازت دی کہ تم کھاؤ پیو اور ان سے مباشرت کرو۔" (تفسیر حقانی)

غور کرنے کا مقام ہے کہ ایک صحابی سے یا چند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے سہو ہو گیا۔ بظاہر خطا بڑی سخت معلوم ہوتی ہے لیکن ان سے جو خطا سرزد ہوئی وہ امت کے واسطے قیام قیامت تک کے لیے کیسی رحمت کا باعث ہو گئی۔ مودودی صاحب کے پیروکار حضرات غور فرمائیں کہ صحابۂ عظام کی خطا ان کے لیے بھی رحمت بن گئی۔ یہ بھی یاد رکھیے "خطائے بزرگاں گرفتن خطا است" (بزرگوں کی خطاؤں کو پکڑنا یعنی گن گن کر انھیں بیان کرنا بھی گناہ ہے) حضرات صحابہؓ کی نورانی اور مقدس ذوات کو سمجھیے کہ

(سلسلۂ حاشیہ)

اگر کبھی ان سے خطا سرزد ہو جایا کرتی تھی تو مسلمانوں کے واسطے وہ رحمت کا قانون بن جایا کرتی تھی، ذرا غور کریں ایسے حضرات۔ مگر یہ کہاں کا حق و انصاف اور کونسی ایمانداری ہے کہ ان کے شورائی فیصلوں، مبارک کارناموں کو اپنے نفسِ امارہ کی خوشنودی کے لیے غلط اور باطل کہا جا رہا ہے؟ اُس دورِ خلافتِ راشدہ میں جس خلیفۂ برحق نے جو کچھ کیا، وہ اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کے مشوروں پر کیا اور بالکل صحیح کیا۔ وہ ایسی غلطی کر ہی نہیں سکتے تھے جو اسلام کے حق میں مضر اور اللہ اور اس کے رسولِ انور صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام و فرامین اور منشاء کے خلاف ہو۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے تو خود ارشاد فرما دیا تھا کہ علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین المھدیین۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو یہ فرمائیں اور مودودی صاحب یہ لکھ رہے ہیں کہ ان کے بعض فیصلے میری نظر میں غلط تھے۔ چودھویں صدی ہجری میں آپ کو یہ کس نے اختیار دے دیا کہ آپ حضرات صحابۂ عظام کے مابین فیصلے کریں کہ کس نے صحیح کیا اور کس نے غلط اور کس نے کتنا صحیح کام کیا اور کس نے کتنا غلط کام کیا؟ یہ جدت آپ ہی نے دکھائی، ہاں اس جدت کی وجہ سے دنیا کے بعض ممالک میں آپ کی ذات کو شہرت مل گئی اور دنیاوی کثیر منافع بھی حاصل ہو گئے۔

ام المؤمنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، حضرت سیدنا طلحہ، حضرت سیدنا زبیر بن العوام اور حضرت امیرِ معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر بھی تیر چلا بیٹھے۔ ملاحظہ ہو:

"تیسرے حضرت عثمانؓ کے خون کا مطالبہ جسے لے کر دو طرف سے دو فریق اٹھ کھڑے ہوئے۔ ایک طرف حضرت عائشہؓ اور حضرات طلحہؓ و زبیرؓ اور دوسری طرف حضرت معاویہ . . . دونوں کی پوزیشن آئینی حیثیت سے کسی طرح درست نہیں مانی جا سکتی۔ ظاہر ہے کہ یہ جاہلیت کے دور کا قبائلی نظام تو نہ تھا کہ کسی مقتول کے خون کا مطالبہ لے کر جو چاہے اور جس طرح چاہے اٹھ کھڑا ہو اور جو طریقہ چاہے اسے پورا کرانے کے لیے استعمال کرے۔" (ص ۱۲۴)

صفحہ ۱۲۵ پر تحریر کرتے ہیں:

"اس سے بدرجہا زیادہ غیر آئینی طرزِ عمل دوسرے فریق یعنی حضرت معاویہ کا تھا۔"

میں (محشی) کہتا ہوں کہ اول الذکر بات کا جواب یہ ہے کہ ام المؤمنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور عشرۂ مبشرہ میں شامل دونوں اکابر صحابی حضرت سیدنا طلحہ و حضرت سیدنا زبیر بن العوام رضی اللہ عنہما اور کاتبِ وحی امیر معاویہ رضی اللہ عنہ، بقول مودودی صاحب "ان کی پوزیشن آئینی حیثیت سے کسی طرح درست نہیں مانی جا سکتی"۔ لیجیے قصہ ختم۔ جناب مودودی صاحب جیسے چودھویں صدی ہجری کے انسان نے حضرت ام المؤمنین اور اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کے سلسلہ میں فیصلہ صادر کر دیا کہ انھوں نے غیر آئینی کام کیے (معاذ اللہ) رہی مؤخر الذکر بات یعنی حضرت امیر معاویہؓ کی آئینی حیثیت تو وہ مودودی صاحب کی نظر میں تھے ہی غیر آئینی انسان (معاذ اللہ)

(سلسلۂ حاشیہ)

مسلمان اپنے ایمان و اسلام کی حفاظت کرنے میں تساہلی سے کام نہ لیں۔ وہ جمہور اہلِ حق اہلِ سنت وجماعت کے متفق علیہ عقیدہ کو ہر وقت پیشِ نظر رکھیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام صحابہ عظام رضی اللہ عنہم اجمعین مجتہدینِ وقت تھے۔ جس نے جو کام کیے وہ نیک نیتی اور حق ہی کے لیے کیے۔ نفسانیت کو اس میں کبھی دخل نہیں رہا۔ اب مودودی صاحب کو یہ سوجھا کہ وہ ان حضرات مقبولانِ بارگاہ الٰہی کی آئینی اور غیر آئینی حیثیتوں کا تعین کریں (نعوذ باللہ)

جدّت پسند حضرات سے ہمارا ایک سوال یہ ہے کہ وہ مودودی صاحب کے آئینی کاموں کا جو انھوں نے اپنی زندگی میں انجام دیئے، اس کی ذرا تفصیل پیش کریں۔ انگریزوں کے عہد میں جو آزادی کی تحریک مسلمانوں نے شروع کی اور اسے بامِ عروج تک مسلمانوں ہی نے پہنچایا، اس تحریکِ حریت میں مودودی صاحب کی خدمات کب اور کہاں اور کیسی رہیں؟ آئینی حیثیت سے اس کا تعین کریں۔ پاکستان کو انھوں نے اپنا مسکن قرار دیا۔ لیکن تحریکِ پاکستان میں وہ ہمیں کہیں نظر نہیں آتے۔ پاکستان کے قیام کے بعد اسلامی آئین کے نفاذ کی تحریکات میں ان کے رُول کا تعین ضروری ہے۔ اب ذرا مودودی صاحب کی اصلی آئینی حیثیت پر بھی نظر ڈال لیجیے۔ سابق صدر فیلڈ مارشل محمد ایوب خاں مرحوم کے مقابلہ پر وہ ایک آزاد خیال بے پردہ اور بدعقیدہ عورت فاطمہ جناح (ہمشیر محمد علی جناح) کو مملکت کا سربراہ بنانے اور اس کے ہاتھ پر خود بھی بیعت ہونے اور اہلِ پاکستان کو بیعت یعنی اس کی اطاعت و فرمانبرداری کرانے میں کتنے کوشاں رہے کہ اس دور میں انھوں نے اعلان کیا تھا کہ مملکت کا سربراہ عورت ہوسکتی ہے، ہمارا دین اس کی مخالفت نہیں کرتا۔ جبکہ نسائی شریف (جلد ۲۔ کتاب ادب القضاۃ۔ باب النہی استعمال النساء فی الحکم) میں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا واضح ارشاد ہے: لَنْ يُّفْلِحَ قَوْمٌ وَّلَّوْا اَمْرَهُمْ اِمْرَاَةً (وہ قوم ہرگز کامیاب نہیں ہوسکتی جو اپنے کاموں میں عورت کو اپنا سردار بنالے)

ان کی دوسری آئینی حیثیت کو ملاحظہ کیجیے: صدر ایوب خاں مرحوم کے خلاف بغاوت کرنے پر انھوں نے ایک بدکردار، شرابی رافضی ذوالفقار علی بھٹو سے میل کرلیا۔ مودودی صاحب کے انتقال کے بعد ان کے پیروکاروں نے اُن کی اصل آئینی حیثیت کو اُجاگر رکھا۔ ایک صالح فکر کے دردمند مسلمان حکمراں جنرل محمد ضیاء الحق مرحوم کی شاندار مستحکم حکومت کو ختم کرنے کے لیے بھٹو کی دختر سے اتحاد کرلیا۔ جب بات نہیں بنی تو پھر اصلی آئینی حیثیت کو اس طرح پیش کیا کہ نواز شریف کی حمایت میں آگے رہے۔ اور جب ان سے مایوسی ہوئی تو پھر آزاد، اور اسلام بے زار جماعتوں کو اقتدار دلانے میں سب سے آگے رہے۔ پھر مایوسی ہوئی تو پھر نواز شریف کو دوبارہ اقتدار میں لانے کے لیے پیش پیش ہوگئے۔ اب پھر ایک نئی آئینی حیثیت کو اجاگر کرنے میں لگ گئے ہیں۔ یہی حال بنگلہ دیش میں ہے کہ کبھی کسی اسلام بے زار جماعت کی حمایت تو کبھی کسی دین بیزار جماعت کی حمایت میں پیش پیش ہوجاتے ہیں اور ملک ہندوستان میں بھی پیش کچھ اسی طرح کی آدھا تیتر آدھا بٹیر جیسی پالیسی جاری ہے۔ یہ ہے مودودی صاحب اور ان کے رفقاء اور پیروکاروں کی اصلی آئینی حیثیت۔ جیسا موقع ہوا ویسی ہی سیاست کی چالیں۔ پچاس برس گذر گئے پاکستان کو قائم ہوئے آج تک ان کی تحریکِ اسلامی نے قومی یا صوبائی اسمبلیوں تک میں کوئی قابلِ ذکر تعداد

(سلسلۂ حاشیہ)

منتخب کراکر نہ بھیجی۔ کیوں؟ قومِ پاکستان سے وہ اپنی انفرادیت کو آج تک نہ منوا سکے۔ کچھ روز کے لیے بھی اسلامی آئین کا نفاذ نہ کرا سکے۔ کیا بات ہے۔؟ مودودی صاحب حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور خلفاءِ اسلام اور اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کی آئینی حیثیتوں کو چیلنج بھی کر رہے ہیں اور فیصلے بھی صادر کر رہے ہیں، مگر ان کے پیروکاران کی آئینی حیثیت کا بھی تو تعین کریں۔ زبان سے مغربی طرزِ جمہوریت کی شدید مخالفت اور پاکستان اور بنگلہ دیش میں اسی منحوس مغربی جمہوریت کی عملی حمایت اور اس کے قیام میں ہر طرح کی مدد و تعاون۔ اور اسی باطل جمہوریت کے راستہ سے اقتدار حاصل کرنے کی جان توڑ کوششیں بھی جاری ہیں۔ یہ کونسی اسلامی خدمت اور کونسی تحریک اسلامی ہے۔ ذرا اس کی آئینی حیثیت کا بھی تعین کریں اور ہمارے مذکورہ چند سوالات کے جوابات ضرور دیں۔ اس بات کا جواب بھی درکار ہے کہ مادہ پرستی دنیاداری، اقتدار کی ہوس، دنیاوی دولت کی حرص کن حضرات پر سوار ہے، نفسانیت کا غلبہ کس پر ہے؟ استغفر اللہ صحابہ کرامؓ پر یا آج کے تحریک اسلامی کے نام پر دنیاداری کرنے والے جدت پسند مسلمانوں پر نفسانیت کا غلبہ ہے۔ آپ حضرات محبوبانِ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کو واللہ تنقیص کا نشانہ مت بنایئے۔ یہ بڑے ہی دکھ اور نہایت افسوس کی بات ہے مودودی صاحب کا قلم خلافت و ملوکیت تالیف کرتے وقت اتنا دراز ہوگیا کہ انھیں یہ پتہ ہی نہیں رہا کہ میں جو کچھ لکھ رہا ہوں آخر وہ کس ذات بابرکت کے حق لکھ رہا ہوں اور جو شرور وفتن اور عقائد کا فساد اس کے ذریعے برپا ہوگا تو وہ کس کی گردن کا طوق بنے گا۔ وہ ذرا آگے بڑھتے ہیں اور خلیفۂ رابع امام برحق امیر المومنین اسد اللہ الغالب حضرت سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہٗ کی مبارک ذات کو بھی نہیں بخشتے۔ صفحہ ۱۴۶ پر لکھتے ہیں:

> "حتی کہ انھوں نے (یعنی حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ) مالک بن حارث الاشتر اور محمد بن ابی بکر کو گورنری کے عہدے تک دے دیئے۔ حضرت علیؓ کے پورے زمانۂ خلافت میں ہم کو صرف یہی ایک کام ایسا نظر آتا ہے جس کو غلط کہنے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔"

میں (محشی) کہتا ہوں کہ سرکار سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا تو یہ ارشاد گرامی ہے: وَاَقْضَاهُمْ عَلِيٌّ (اور ان میں یعنی صحابہ میں سب سے عمدہ فیصلے کرنے والے علیؓ ہیں) اور مودودی صاحب حضرت سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے فیصلے کو غلط قرار دینے کا وبال اپنی گردن پر بخوشی لے رہے ہیں، کیا ان کے پیشِ نظر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مذکورہ بالا فرمان عالی نہ رہا۔ صفحہ ۱۵۳ میں لکھتے ہیں:

> "اُن کے (یعنی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ) غلط کام کو تو غلط کہنا ہی ہوگا۔ اسے صحیح کہنے کے معنی یہ ہوں گے کہ ہم اپنے صحیح و غلط کے معیار کو خطرے میں ڈال رہے ہیں۔"

میں (محشی) کہتا ہوں کہ اہل سنت وجماعت کے جمہور اہلِ حق کا یہ عقیدہ ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ مجتہدِ وقت تھے۔ ان کی حکمرانی کا دور خلفاءِ راشدین رضی اللہ عنہم کے مقدس عہد کے بعد حضرت سیدنا امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ

(سلسلۂ حاشیہ) ______________

تعالیٰ عنہ کی خلافت سے دستبرداری کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافتِ اسلامیہ صحیح اور بالکل جائز تھی۔ ربیع الاول ۴۱ھ میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت پر تمام صحابۂ کرام، تابعین عظام رضی اللہ عنہم تمام مقتدایانِ امت اور صلحاءِ وقت نے مکمل طور سے اتفاق کیا تھا اور اُن کی بیعت "علی الخلافۃ" تمام حضرات نے بخوشی کی تھی، اور اس سال کو "عام الجماعۃ" اسی لیے قرار دیا تھا کہ مسلمانوں کے دونوں گروہوں میں صلح ہوئی تھی۔ ہاں یہ صحیح ہے کہ ان کی خلافت کا رتبہ خلافتِ راشدہ کے ہم پلہ نہیں تھا۔ البتہ حضرت سیدنا امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت سے دستبرداری کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت یقیناً اسلامی اور صحیح تھی۔ اس کے برعکس مودودی صاحب ان کی خلافت کو مکمل شہنشاہی مانتے ہیں، حالانکہ بنو امیہ کے بعد کے خلفاء کے مقابلہ پر اگر دیکھا جائے تو منصف مزاج انسان اس نتیجہ پر پہنچے گا حضرت امیر معاویہ اور حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہما دونوں کی خلافتیں حق بجانب، اسلامی اور صحیح آئینی خلافتیں تھیں۔ ہاں خلافتِ راشدہ کو جو رتبہ اعلیٰ حاصل تھا وہ اتنا اور کسی خلافت کو حاصل نہیں۔ جب تمام صحابہ و تابعین رضی اللہ عنہم اور ائمہ دینؒ نے ان کی بیعت بالاتفاق کی تھی تو پھر وہ مکمل ملوکیت ہرگز نہ تھی، بلکہ اسلامی خلافت تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا کہ "میرے بعد تیس سال خلافت علی منہاج النبوۃ ہوگی، پھر کبھی خلافت ہوگی اور کبھی ملوکیت ہوگی"۔ کبھی ہوگی میں حضرت معاویہؓ اور حضرت عمر بن عبد العزیزؓ کی خلافتیں آتی ہیں اور کبھی نہیں ہوگی میں ان حضرات کے بعد والے حکمرانوں کا دور ہے جو مکمل ملوکیت پر مبنی ہے۔

حضرت امیر معاویہؓ کا دورِ خلافت شاندار اسلامی عہد رہا ہے۔ ہاں مکمل ملوکیت میں خلافت اس وقت تبدیل ہوئی جب بعد کے آنے والے خلفاء (جس میں حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ کا مبارک دورِ خلافت مستثنیٰ ہے) نے اپنے پیش رو خلفاء کرام کے مبارک طور و طریقوں کو بدل ڈالا اور وہ اس مبارک اور نورانی راہ سے ہٹ گئے جس پر ان کے پیش رو خلفاءِ اسلام ساری عمر چلتے رہے۔

صفحہ ۱۶۴ پر مودودی صاحب جیسے محقق نے وہی من گھڑت شیعی روایت نقل کر ڈالی جو روافض نے مدتوں سے ایجاد کر رکھی ہے، جس کو اہلِ حق تسلیم نہیں کرتے، بعض ______ مؤرخین جن کا علم سطحی ہوتا ہے وہ بھی ایسی فرسودہ روایت کو نقل کرتے ہوئے اپنی تحقیق کی وقعت کھو بیٹھے ہیں۔ انہی محققین میں مودودی صاحب بھی ہیں۔ لکھتے ہیں:

> "حضرت معاویہؓ کے زمانہ میں جب منبروں پر خطبوں میں علانیہ حضرت علیؓ پر لعنت اور سب وشتم کا سلسلہ شروع ہوا۔" (العیاذ باللہ)

میں (محشی) کہتا ہوں کہ ایک صحابئ رسول، کاتبِ وحی کی ذات سے قطعاً یہ امید نہیں کی جا سکتی کہ وہ اپنے سردار و بزرگ جلیل القدر صحابی، امام برحق، خلیفۂ راشد، دامادِ رسول کو ملامت کا ذرا سا بھی نشانہ بنائے۔ یہ روایت جھوٹی اور من گھڑت ہے جو رافضیوں نے گھڑلی ہے تاکہ اہل سنت کے عوام کو بعض صحابہ کرامؓ کی مقدس ذوات سے بدگمان کیا جائے۔ اختلافِ رائے

(سلسلۂ حاشیہ) ————————————

کا اظہار ہر ایک کو حاصل تھا۔ حضرت امیر معاویہؓ حضرت سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے بعض مسائل میں اختلاف ضرور رکھتے تھے، لیکن ایسی روایت کسی تابعی، یا امام وقت یا اور کسی ثقہ مستند بزرگ کی روایات میں ہم کو کہیں نہیں ملتی کہ (استغفر اللہ) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہٗ کی مقدس ذات پر لعنت و ملامت اور سب وشتم کرتے تھے۔ یہ روایت سلفِ صالحینؒ میں سے کسی نے کبھی بیان نہیں کی۔ ہاں البتہ بعد کے بعض خلفاء بنوامیہ جو حقیقتاً سلاطینِ وقت تھے انھوں نے کبھی کبھی یہ نامبارک طریقہ ضرور اختیار کیا جسے بعد میں حضرت سیدنا عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے اپنے مبارک دور میں اس بدعت کا خاتمہ فرمایا۔ ان دونوں حضرات کے علاوہ بقیہ جتنے خلفاء ہوئے وہ یقیناً بڑے ظالم و ستمگر تھے اسی لیے وہ مکمل بادشاہ مانے گئے ہیں۔ وہ لوگ حق پرست خلفاء نہ تھے۔ الغرض اس طرح کی روایات ایسے مؤرخین نے نقل کی ہیں جن پر دینداری اور حقانیت کا غلبہ کم رہا اور جو اپنی تحقیقات کو حرفِ آخر سمجھتے تھے اور اسے استناد کا درجہ دیا کرتے تھے، آج بھی ایسے لوگ پائے جاتے ہیں۔—

مودودی صاحب نے یہ روایت مؤرخ الطبری کے حوالہ سے نقل کی ہے۔ انھوں نے جن جن تاریخوں پر اپنی نظر میں اعتماد کیا وہ نقل کر دیا۔ تاریخی روایات نقل کرتے ہوئے تحقیقات کو مدِ نظر رکھنا ضروری ہے۔ اگر تحقیق کو مدنظر نہیں رکھا جائے تو یہ انصاف کے خلاف ہے۔ مؤرخین کا جیسا ذہن اور مزاج ہوتا ہے ویسے ہی ان کے قلم سے ان کے خیالات کا اظہار ہوا کرتا ہے۔ سب مؤرخین کا تو نہیں اکثر مؤرخین کا یہی حال ہے۔ تاریخی روایات میں صدق اور کذب دونوں کا بہر حال احتمال باقی رہتا ہے۔ مؤرخ طبری ہوں یا کوئی اور، ضروری نہیں کہ ان کی نقل کی ہوئی تمام روایات کو آنکھیں بند کر کے تسلیم کر لیا جائے، پھر یہ بھی پیش نظر رہنا ضروری ہے کہ تاریخی روایات کا ماننا شریعت میں حجت نہیں کہ انھیں مانے بغیر ایمان مکمل نہیں ہوگا۔ یہ کوئی ایمان کا جز نہیں ہے۔ اہلِ سنت و جماعت کے لیے یہ لازم اور ضروری نہیں ہے کہ وہ ہر تاریخ کو اور ہر تاریخی روایت کو مانیں۔ اس کیلئے علم نافع، اعلیٰ تحقیق اور استعداد کا بھی ہونا لازم ہے۔ یہ بس مودودی صاحب کا ہی کمال ہے کہ انھوں نے ہر تاریخی روایت کو استناد کا درجہ دے دیا۔ بھلا غور تو کیجیے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اقدس سے کامل طور پر فیض یافتہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے اندر ایسی نامبارک خصلتیں مودودی صاحب کو کہاں سے نظر آگئیں، اللہ ہی جانتا ہے۔ ایک اہم بات اور قابل ذکر ہے کہ سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کا ترمذی شریف میں ارشاد گرامی ہے: اللہ اللہ فی اصحابی لاتتخذ وھم غرضاً بعدی (میرے صحابہ کے معاملہ میں اللہ سے ڈرتے رہنا میرے بعد انھیں اپنی ملامتوں کا نشانہ مت بنالینا) تو کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس واضح ارشاد کے بعد بھی کوئی گنجائش باقی رہ جاتی ہے کہ آج کے دور کے مسلمان حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مابین اجتہادی اختلافات میں خواہ مخواہ دخل دے کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سخت ناراضگی اور اللہ تعالیٰ کے عتاب کو دعوت دیں۔

اسلام اور دین کی صحیح خدمات انجام دینے کے لیے کسی بھی شخصیت کے لیے صالح فکر و نظر کا حامل ہونا لازم ہے۔ ایسے شخص کی ذات میں جو صفاتِ حسنہ ہونا ضروری ہیں وہ یہ ہیں:

(سلسلہ حاشیہ) ________________

۱- اس کے اعتقادات اہلِ سنت وجماعت کے مطابق ہوں۔ ۲- اس کی ذات اعمال صالحہ سے مزین ہو۔ ۳- علم نافع کے جواہر سے وہ پوری طرح آراستہ ہو۔ ۴- اس کے اخلاق میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل جھلک موجود ہو۔
۵- تقویٰ اور پرہیز گاری سے وہ ذات متصف ہو۔ ۶- اس کی تعلیم درس وتدریس، تصنیف وتالیف اور وعظ ونصیحت سے امت مسلمہ کو دینی اور روحانی فوائد کثیرہ حاصل ہوں۔ ۷- شریعتِ مطہرہ کا وہ کامل طور پر پابند ہو۔ جب ایسے صفات حمیدہ سے کوئی بندۂ مؤمن متصف ہوتا ہے تو اس کے ذریعے اسلام کی اشاعت اور دینی علوم کی ترویج خوب ہوا کرتی ہے۔ اس کی ذات ستودہ صفات مخلوق خدا کے ساتھ ساتھ اسلام کے واسطے اللہ رب العزۃ کی بڑی رحمت ثابت ہوا کرتی ہے اور جو شخص صرف اپنی تصنیف وتالیف کے ذریعے دنیاوی شہرت اور منافع کا طالب ہوگا تو اس کے ذریعے اسلام اور دینی علوم کی کوئی خدمت نہیں ہو سکتی بلکہ اس سے مسلمانوں میں اعتقادی اور عملی انتشار ہی پھیلے گا۔ بس طبقاتی کش مکش اور گروہی تفریق کو ہی بڑھاوا ملے گا۔ جیسا کہ ہمیں آج کے دور میں صاف نظر آرہا ہے کہ بہت سے جدید تخیل کے افراد نے اپنے اسلاف کرامؒ کے طور وطریقوں سے روگردانی کرلی ہے اور ان کے قلوب اکابر اسلام کی توقیر وعظمت سے خالی ہو چکے ہیں۔ بس اردو داں مؤلفین کی کتابوں پر انحصار کرکے انھوں نے یہ گمان کرلیا کہ ہم دین سے پوری طرح واقف ہو گئے۔ ذرا غور کیجیے جو لوگ ان نفوس قدسیہ کی کمزوریوں کو گن گن کے تلاش کرنے میں اپنی حیات کے قیمتی لمحات گزار دیتے ہیں جو اسلام کے لیے وجہِ شرف اور امت مسلمہ کی آبرو ہیں اور اسلام کے واسطے جن کی خدماتِ عالیہ اظہر من الشمس ہیں کیا وہ ایسا کرنے میں حق بجانب ہیں؟ حقیقت تو یہ ہے کہ ایسے لوگ مسلمانوں کو اکابر اسلام کے حق میں بدگمان بناتے ہیں اور غیر مسلمین کی نظروں میں وہ اسلام کو بے وقعت کرتے ہیں۔ "خطائے بزرگاں گرفتن خطا است" ایسی راہ کو حق وانصاف اور دیانت کی راہ کیسے کہا جا سکتا ہے؟

ہم نے "تجدید احیاء دین" اور "خلافت وملوکیت" میں سے چند اقتباسات نقل کیے، تاکہ ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کے جدت پسند افکار (یعنی افتراق بین المسلمین) سے اہلِ سنت واقف ہوں۔ اہلِ سنت وجماعت سے ہماری گذارش ہے کہ وہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے مابین جو بھی اجتہادی اختلافات رونما ہوئے، ان میں بحث ومباحثہ اور مناظرہ نہ کریں ورنہ ایمان میں شدید بگاڑ پیدا ہونے کا قوی خطرہ لاحق ہو سکتا ہے۔ رافضیوں اور خارجیوں والی گمراہ کن راہوں سے بہت بچنے کی کوشش کریں۔ یہ دونوں بدنصیب فرقے مسلمانوں کے عقائد کو برباد کر دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں خیر کی توفیق عطا کرے اور اپنے رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم کی رضامندی حاصل کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے اور تمام حضرات خلفائے راشدین، حضراتِ اہلِ بیت اطہار رضی اللہ عنہم اجمعین کی عظمت وتوقیر اور تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی محبت سے ہمارے قلوب کو ہمیشہ آباد رکھے اور ہر قسم کی بدعقیدگی اور بے باکی سے ہمیں اور جملہ مسلمانوں کو محفوظ ومامون رکھے۔ آمین

پر لازم کرنے کا حق حاصل نہیں ہے، بلکہ ایسے مقام پر جمہور علماءِ حق کی بات مانی جائے گی۔ ایسے لوگوں کو بھی اربابِ حق کی بہت بڑی اکثریت نے وہابی کہا ہے۔

تیسری تنبیہ اسی ہندوستان میں سنی حنفی اور خوش عقیدہ اربابِ علم پر عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم ومحبت خاصانِ خدا کا ایسا غلبہ ہوا کہ انھوں نے وہابیہ کی مطلقاً تکفیر کر دی بلکہ یہاں تک غلو کرتے ہیں کہ کہتے ہیں: ”جو ان کے کفر میں شک کرے وہ بھی کافر ہے“۔ میں پہلے بھی تحریر کر چکا ہوں کہ مسئلہ تکفیر میں بعض اربابِ علم کی اپنی ذاتی تحقیق کو شرعی فیصلہ دے کر تمام امتِ اسلامیہ پر لازم کرنے کا حق حاصل نہیں ہے۔ بات وہی ماننے کے قابل ہے اور ہوگی جو جمہور اہلِ حق کے مسلک کے مطابق ہوگی اور جہاں اربابِ حق میں کسی مسئلہ پر اختلافِ رائے ہوگا، وہاں ایک فریق کو دوسرے فریق پر اپنی ذاتی تحقیق کو شرعی فیصلہ قرار دے کر ٹھونسنے کا حق حاصل نہیں ہے۔

ان اہلِ علم نے یہ غور نہیں کیا کہ اُن کے اپنے طریقہ سے مسلمان انگلیوں پر شمار کیے جائیں گے اور کروڑوں مسلمان بے دین اور کافر ہو جائیں گے۔ قرآن عظیم میں ہے کہ:

لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ ترجمہ مت غلو کرو تم دین میں

مسئلہ تکفیر میں بڑی احتیاط کی ضرورت ہے۔ ہاں اگر کوئی شخص کلمۂ کفر زبان وقلم سے ادا کرے اور اس کی تاویل بھی نہ کرے بلکہ اقرار کرے کہ میری مراد وہی ہے جو اس لفظ سے ظاہری طور پر سمجھی جاتی ہے تو اس کے کافر ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے۔

الغرض جو اہلِ علم اپنی ذاتی تحقیق کی بنا پر ان لوگوں کی تکفیر کرتے ہیں۔ حضراتِ اہل سنت وجماعت کے اربابِ حق کی بہت بڑی اکثریت کو اَلْحَمْدُ لِلّٰہ یہ طریقہ بھی پسند نہیں ہے۔

اہلِ علم سے گذارش فی زمانہ لادینیت، عیسائیت اور کفر وشرک کی آندھیاں مسلمانوں کو چاروں طرف سے گھیرے میں لے چکی ہیں۔ اس سے محفوظ و مامون رہنے کی صورت صرف ایک ہے، وہ یہ کہ قرآنِ مجید کی تعلیم اور احادیث وفقہ کی تعلیمات سے ملت اسلامیہ کو آشنا کرایا جائے۔ مختلف اوقات میں مختلف جہاد ہوتے ہیں۔ اس پُر خطر اور نازک ترین دور میں سب سے بڑا جہاد یہ ہے کہ ہماری موجودہ نسل اور آئندہ پیدا ہونے والی نسل دونوں شرعی علوم سے آگاہ ہوں۔ بس یہی وقت کا تقاضہ ہے۔ فروعی مسائل میں جھگڑے بازیاں امتِ مسلمہ کے لیے پہلے بھی سخت مضر تھیں اور آج بھی شدید نقصان دہ ہیں۔ مسلکی تعصب اور آپسی بغض وعناد فی الفور ترک کرنے کی ضرورت ہے اور ملت کی تعمیر کی طرف توجہ دینے کی خاص ضرورت ہے۔

اہلِ اسلام، مسلکی جھگڑوں سے اپنے کو الگ رکھیں۔ دیوبندی، بریلوی تنازعہ سے ملت مسلمہ کو پہلے بھی شدید نقصان پہنچا ہے اور آج بھی ملت عظیم نقصان کا شکار ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمارے خواص کو توفیق خیر مرحمت فرمائے کہ وہ ملّی عوام کی اُخروی زندگی کو بامقصد بنانے میں اپنی تعمیری صلاحیتوں کو اتفاق واتحاد کے ساتھ بروئے کار لا سکیں۔ آمین

فرقۂ اہلِ قرآن

مدعیانِ اسلام میں ایک فرقہ ایسا ہے جو کہتا ہے کہ ہماری ہدایت کے لیے قرآن ہی کافی ہے۔ احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف توجہ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اس لیے کہ اس کی تدوین ڈیڑھ سو سال بعد ہوئی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے عرب کو حافظہ کی قوت بہت مرحمت فرمائی تھی، ان کے یہاں لکھنے کا زائد رواج نہ تھا۔ البتہ راوی اور ناقل کے صدق وکذب کی طرف بہت اہمیت کے ساتھ توجہ تھی۔ اگر ترتیبِ احادیث میں تاخیر بھی ہوئی تو اس میں کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔

قرآنِ عظیم جو تیئیس ۲۳ سال میں نازل ہوا اور چمڑے کے ٹکڑوں اور پتھروں پر متفرق طور پر لکھا گیا تھا، وہ بیت المال میں محفوظ تھا۔ خلیفۂ اول حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مبارک دورِ خلافت میں اس متفرق قرآنِ عظیم کو دُفتین (دو پٹھوں) کے درمیان میں جمع کیا گیا تھا۔ اگر تاخیر ترتیبِ احادیث میں (بقول فرقۂ اہلِ قرآن کے) مضر ہے تو قرآنِ عظیم بھی غیر معتبر قرار پایا۔ (استغفر اللہ۔ العیاذ باللہ) —— سخت تعجب کا مقام ہے کہ اہل قرآن نماز پڑھتے ہیں، قیام وقعود اور رکوع وسجود ان کی نماز میں ہوتا ہے۔ حالانکہ قرآنِ مجید میں کسی مقام پر اس ترتیبِ نماز کو بیان نہیں کیا گیا ہے۔ اس کی ترتیب احادیث شریفہ ہی سے معلوم ہوتی ہے۔ اسی طریقہ سے زکوٰۃ کا حکم مجمل الفاظ میں قرآن عظیم میں مذکور ہے اور اس کا نصاب اور مقدارِ ادائگی قرآن مجید میں کہیں مفصل نہیں۔ نیز حج کی فرضیت قرآن کریم میں مذکور ہے۔ طواف کا ذکر بھی ہے۔ سعی بین الصفا والمروہ کا بھی ذکر ہے، قربانی کا بھی ذکر ہے، سر کے بال منڈانے یا بالوں کے کٹوانے کا بھی اشارہ ہے —— لیکن یہ امر کہ حج کا احرام کہاں سے باندھا جائے اور طواف کس طرح کیا جائے حجر اسود سے برکات کس طرح حاصل کیے جائیں، صفا اور مروہ میں کس طریقہ سے دوڑا جائے۔ سر کا حلق یا بالوں کی کمی کس طرح اختیار کی جائے۔ یہ جملہ مسائل احادیث شریفہ سے ہی تو حاصل ہوتے ہیں۔ پھر حدیث رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کا انکار کس طرح ممکن ہوگا؟ اللہ جل شانہٗ وعم نوالہٗ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے کہ:

وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ ۚ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ	جو چیز بھی ہمارے رسول تمہارے پاس لائیں اسے حاصل کرو اور جس چیز سے ممانعت فرمائیں اس سے باز رہو۔

مسلکِ اربابِ حق

اس آیۃ کریمہ میں عام طریقہ اختیار کیا گیا۔ یعنی حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جو چیز قرآنی الفاظ میں پیش فرمائیں یا اپنے مبارک الفاظ میں اس کی تصریح فرمائیں۔ وہ دونوں چیزیں ماننا ضروری ہیں۔ اسی طرح دوسری آیۃ کریمہ ہے کہ:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ترجمہ: بخدا رسول کی ذات میں ایک بہترین نمونہ ہے۔

یعنی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وضع قطع، آپ کی رفتار گفتار، آپ کی سیرت وخصلت کو اپنی زندگی کے لیے نمونہ بناؤ۔ —— حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ کی تفصیلات احادیث شریفہ میں ہی مذکور ہیں —— رسول انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ:

"جس طرح اللہ تعالیٰ چیزوں کو حلال اور حرام فرماتا ہے، میں بھی اسی طرح بعض چیزوں کو حلال اور حرام کرتا ہوں" [1] (باذنہٖ تعالیٰ)

اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ:

"قرآن کریم میں کسی مقام پر گدھے کے گوشت کو حرام نہیں کہا گیا، میں اس کو حرام کرتا ہوں۔ آئندہ بعض لوگ مسہریوں پر آرام کرتے ہوں گے اور یہ کہتے ہوں گے کہ اس چیز کا ذکر قرآن میں دکھاؤ" [2]

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پیشین گوئی فرقہ اہلِ قرآن پر منطبق ہوتی ہے —— حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعض حدیثیں متواتر ہیں اور بعض یقینی ہیں جس کا انکار کفر ہے۔ ——

---

[1] ترمذی شریف جلد ۲۔ ابواب العلم۔ باب مانہی عنہ۔ ص ۹۱

[2] گدھے کے گوشت کی واضح طور پر حرمت قرآن مجید میں نہیں ہے۔ لیکن اس حدیث مبارک میں مُصرّح طور پر گدھے کے گوشت کی حُرمت موجود ہے جو آقائے دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی۔ مطلب یہ ہے کہ جو چیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم حرام یا حلال فرماتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق فرماتے ہیں۔ حکم اللہ رب العزۃ کا اور زبانی ارشاد حضور کا۔ حضرت مصنفؒ "مسلکِ اربابِ حق" کی عبارت میں حضور کا ارشاد عالی کہ "میں اس کو حرام کرتا ہوں"، کا مطلب یہی ہے۔ حدیث شریف یہ ہے: عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال الا انی اوتیت الکتٰب ومثلہ معہ الا یوشک رجل شبعان علی اریکتہ یقول علیکم بھٰذا القرآن فما وجدتم فیہ من حلال فاحلوہ وما وجدتم فیہ من حرام فحرموہ الا لا یحل لکم الحمار الاھلی ولا کل ذی ناب من السبع ولا لقطۃ معاھد الا ان یستغنی عنھا صاحبھا ومن نزل بقوم فعلیھم ان یقروہ فان لم یقروہ فلہ ان یعقبھم بمثل قراہ۔

ابوداؤد شریف جلد ۲۔ کتاب السنۃ۔ باب فی لزوم السنۃ۔ ص ۲۷۶

—— لہٰذا یہ فرقہ[1] اہلِ قرآن' اہلِ ایمان میں سے نہیں ہو سکتا۔

فرقۂ باطنیہ علامہ قاضی ناصرالدین ابوالخیر عبداللہ بن عمر بن محمد بن علی الشیرازی البیضاوی علیہ الرحمہ نے اپنی شہرۂ آفاق تصنیف "تفسیر بیضاوی" میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث شریف نقل کی ہے:

فَاِنَّ لِکُلِّ اٰیَۃٍ ظَھْرًا وَّ بَطْنًا وَّلِکُلِّ حَدٍّ مُّطَّلِعًا[2]

یعنی آیاتِ قرآنی کچھ ظاہری مضامین ہیں اور کچھ پوشیدہ نکات ہیں اور ہر حد کے کچھ اطلاع پانے والے ہیں۔

ہم بھی یہ سمجھتے ہیں کہ آیاتِ قرآنی میں کھلے ہوئے مضامین جن پر شریعت مطہرہ کا دارو مدار ہے اور کچھ دقائق اور حقائق ایسے ہیں کہ اُن کے اشارات تو موجود ہیں' مگر ان کی صراحت نہیں۔ ان پوشیدہ نکات سے اگر شریعتِ مطہرہ پر کوئی زد نہ پڑے بلکہ فوائد قرآن عظیم پر نظر کر کے قرآنی عظمت میں اور اضافہ ہو تو کوئی مضائقہ کی بات نہیں —— لیکن فرقۂ باطنیہ نے محض باطنی امور کا اعتبار کیا ہے اور ظاہری شریعت کا قلع قمع کر دیا ہے' جس پر امت کا اجماع ہے —— ایسے لوگ بھی ایمان و اسلام سے محروم اور کفر کے گڑھے میں گرے ہوئے ہیں۔

---

[1] مذاہب اسلام میں ہے کہ "اس فرقہ کا بانی عبداللہ چکڑالوی نام کا ایک شخص تھا۔ اس لیے اہل اسلام اس فرقہ کو چکڑالوی بھی کہتے ہیں۔ لیکن اس میں شک نہیں کہ ان کے اکثر عقائد تمام فرقہائے سابقہ اور موجودہ سے مختلف ہونے کے باعث عجیب ہیں۔ ان کے نزدیک مسلمانوں کی موجودہ نماز اور اس کے کلمات و تسبیحات کا پڑھنا کفر ہے۔ اسی لیے انھوں نے اپنے گروہ کے لیے ایک نئی نماز بنائی ہے جو دیگر اہلِ اسلام کی نماز سے بالکل مختلف ہے جو بات یا لفظ قرآن شریف میں صاف مذکور نہیں اُن کے نزدیک لغو اور ناقابل عمل ہے خواہ معتبر احادیث یا تواتر سے اس کا ثبوت کامل ہو۔ اُن کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی نبی یا رسول سے افضل نہیں (معاذ اللہ) بلکہ سب انبیاء برابر ہیں۔ اہلِ قرآن نے ارادہ کیا ہے کہ جس ذبیحہ پر بسم اللہ اللہ اکبر پڑھا جائے اسے نہ کھائیں' اسی لیے اکثر چکڑالویوں نے ذبیحہ کھانا چھوڑ دیا ہے"۔ "مذاہب اسلام" ص ۶۷۹-۸۴

[2] بیضاوی شریف ص ۳۴۲۔ مطبوعہ کتب خانہ رشیدیہ۔ دہلی

مشکوٰۃ المصابیح کتاب العلم' الفصل الثانی ص ۳۵ پر حدیث مبارک یوں ہے: انزل القراٰن علٰی سبعۃ احرف لکل اٰیۃ منھا ظھر و بطن و لکل حدٍ مُطّلعٌ —— "عرائس البیان فی حقائق القرآن" للعلامہ الشیخ ابو محمد روزبھان بن ابی النصر البقلی الشیرازی الصوفی رحمہ اللہ تعالیٰ متوفی ۶۰۶ھ کے ص ۲ کے حاشیہ پر "تفسیر للعلامہ الشیخ محی الدین بن عربی رحمہ اللہ تعالیٰ متوفی ۶۳۸ھ میں حدیث شریف اس طرح مذکور ہے: قول النبی الامی الصادق علیہ افضل الصلوات من کل صامت و ناطق " ما نزل من القراٰن اٰیۃ الا ولھا ظھر و بطن و لکل حرف حدٌّ و

(باقی اگلے صفحہ پر)

بقیہ سلسلہ حاشیہ

نکل حدٍ مُطّلعٌ۔ یہ تفسیریں دو جلیل القدر صوفیہ کرام جو اکابر اولیاء امت میں سے ہیں ان کی ہیں۔ حضرت شیخ محی الدین بن عربی جن کا مشہور لقب شیخ اکبر ہے۔ اپنے وقت کے جلیل القدر عالم اور بڑے صاحب کشف و احوال اور صاحبِ اسرار بزرگ گذرے ہیں، جن علماء ظاہر پر ان کے مرتبہ اعلیٰ کا انکشاف نہیں ہو سکا انھوں نے ان کو نہ جانے کیا کیا کہہ دیا لیکن جنھیں اللہ تعالیٰ نے بصارت کے ساتھ بصیرت مرحمت فرمائی ان حضرات نے آپ کی ذات کو آپ کے بعض نظریات سے اختلاف کرتے ہوئے بڑا جلیل القدر ولی اور عظیم المرتبت صوفی فرمایا ہے۔ حضرت سیدنا شیخ الشیوخ شیخ شہاب الدین عمرؒ سہروردی بغدادی رحمۃ اللہ علیہ (سلسلہ زکیہ سہروردیہ کے امام طریقت) متوفیٰ ۶۳۲ھ اور حضرت سیدنا امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی رحمۃ اللہ علیہ متوفیٰ ۱۰۳۴ھ، وغیرہ بہت سے جلیل القدر و اولوالعزم اولیاء امت نے آپ کے باطنی رتبہ کو اپنی تصانیف میں بیان فرمایا ہے۔ حضراتِ صوفیہ عظام علیہم الرحمہ میں "وحدۃ الوجود" اور "وحدۃ الشہود" دو قسم کے نظریات والے صوفیہ پائے جاتے ہیں۔ حضرت شیخ اکبرؒ "وحدۃ الوجود" کے اول شارح ہیں اور حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ "وحدۃ الشہود" کے شارح ہیں۔ جب بعض اہلِ علم کے درمیان "وحدۃ الوجود" کے مسئلہ پر نزاع کی صورت پیدا ہوئی تو حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی نے اپنے بعض مکتوبات میں حضرت شیخ اکبرؒ کے نظریہ "وحدۃ الوجود" کو "وحدۃ الشہود" کی شکل میں پیش فرما کر امت کے اہلِ علم کے مابین ایک بڑے نزاع کو ختم کر دیا۔ اسی لیے "اخبار الاخیار" میں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کے حالات میں تحریر فرمایا ہے کہ آپ "صلہ میں یعنی "وحدۃ الوجود" کو "وحدۃ الشہود" کے رنگ میں پیش کر کے امت کا بہت بڑا نزاع آپ کی مقدس ذات کے ذریعہ ختم ہو گیا۔ اہل تصوف ان باتوں کو جانتے ہیں۔ یہ چیزیں قال سے تعلق نہیں رکھتیں بلکہ حال سے ان کا تعلق ہے۔ "فیوضات وزیریہ" میں صفحہ ۱۳۳ تا ۱۳۵ میں بڑے جامع اور مختصر انداز میں اس مسئلہ کی حقیقت کو حضرت سیدی وسندی خطیب اعظمؒ نے بیان فرمایا ہے۔ اس کا مطالعہ مفید رہے گا۔ اس کا تعلق عوام سے یا ان اہلِ علم سے ہرگز نہیں ہے جو تصوف کے اسرار و باطن سے نا آشنا ہیں۔ حضرت خطیبِ اعظمؒ نے اپنے جدِّ طریقت خواجۂ خلق حضرت خواجہ خان محمد خاں صاحب قادری مجددی رام پوری ثم جے پوری رحمۃ اللہ علیہ (متوفیٰ ۲۹ رمضان ۱۳۲۰ھ) کا ایک قول بیان فرمایا ہے کہ "وحدۃ الوجود" کا قول کفر ہے لیکن حال عینِ ایمان ہے۔" اس کا مطلب واضح ہے کہ جب کسی سالک پر یہ کیفیت وارد ہوتی ہے تو وہ اس حقیقت کو سمجھ سکتا ہے۔ ثابت ہوا کہ یہ حال و کیف کی باتیں ہیں۔ ان کا زبان و قلم سے ادا کرنا بڑا ہی دشوار ہے۔ عوام کو ان مسائل میں الجھنے سے منع کیا گیا ہے۔ کیونکہ اس میں ایمان کے سلب ہو جانے تک کا خطرہ ہے۔ لہٰذا یہ خوب پیشِ نظر رہے کہ "وحدۃ الوجود" کا مسئلہ قال سے ہرگز تعلق نہیں رکھتا بلکہ اس کا تعلق حال سے ہے۔ حضرت مُجدّدِ اعظم سرہندی اور حضرت خطیبِ اعظم "مصنف فیوضاتِ وزیریہ" نے عوام کو ان جھگڑوں میں نہ پڑنے پر زور دیا ہے کہ وہ ایسے دقیق و عمیق مسائل سے الگ رہیں اور گفتگو بھی اس مسئلہ میں نہ کریں۔

قادیانی فرقہ

اس فرقہ کا بانی مرزا غلام احمد قادیانی تھا جو پنجاب کے علاقہ قادیان میں ۱۸۳۹ء یا ۱۸۴۰ء میں پیدا ہوا۔ اس کے آباء واجداد پنجاب کے رؤسا میں سے تھے۔

مرزا غلام احمد قادیانی نے نبوت کا جھوٹا دعویٰ کیا، بعض بدنصیب لوگوں نے اس کی جھوٹی نبوت کو تسلیم کر لیا۔ یہ بڑا عیار، چالاک اور مکار شخص تھا۔ اوّل اوّل اس نے مجدد ہونے کا دعویٰ کیا، پھر کچھ عرصہ کے بعد اس مکار نے یہ دعویٰ کیا کہ میں مہدی موعود ہوں، پھر کچھ عرصہ کے بعد اس کذاب نے نبوت کا دعویٰ کیا۔

قادیانی فرقہ میں دو گروپ ہیں۔ ایک طبقہ اسے مجدد[۲] اور مہدی موعود کہتا ہے اور نبوت کا انکار کرتا ہے اور دوسرا طبقہ اس مکار کو نبی جانتا ہے۔ (استغفر اللہ، العیاذ باللہ)

لیکن جمہور اہلِ اسلام جن میں مقلدینِ ائمہ کرامؒ، غیر مقلدین، بریلوی، دیوبندی، لکھنوی، دہلوی، رام پوری اور تمام عالم بھر کے علماءِ حنفیہ، مالکیہ، شافعیہ اور حنبلیہ شامل ہیں۔ ان سب کا اس خبیث فرقہ کے متعلق متفقہ فیصلہ ہے کہ یہ کافر ہے بلکہ اس میں شیعہ بھی جمہور اہلِ اسلام کے ہمنوا ہیں۔

خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشین گوئی فرمائی ہے کہ کچھ مکار، کذاب ودجال پیدا ہوں گے، جو کہیں گے کہ ہم نبی اور رسول ہیں ـــــ رسول انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہ سب جھوٹے ہوں گے[۱]۔

حضور خاتم النبیین اشرف المرسلین جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ: "مجھ پر نبوت ورسالت ہمیشہ کے لیے ختم ہو چکی۔ میرے بعد اب کبھی کوئی نبی نہیں ہوگا"۔ قرآن عظیم کی مشہور آیۃ مبارکہ ہے کہ:

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ؕ	یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم مردوں میں سے کسی کے والد نہیں ہیں۔ البتہ اللہ کے رسول ہیں اور نبیوں پر مہر یعنی نبوت کو ختم کرنے والے ہیں۔

اور حدیث شریف میں ارشاد فرماتے ہیں کہ:

وَاَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ لَا نَبِيَّ بَعْدِيْ[۲]	اور میں خاتم النبیین ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔

اس مبارک آیۃ کی تفسیر ہمیشہ جمہور اہل اسلام یہی سمجھتے رہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت ختم کر دی گئی۔ آپ خاتم النبیین ہیں، اب اور کسی کو نبوت نہیں ملے گی۔

قادیانی فرقہ اس آیۃ کریمہ کی اور احادیثِ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تاویلیں لغو، غلط اور باطل

---

[۱] مسند امام احمد جلد ۲۔ ص ۳۴۹ [۲] ابوداؤد جلد ۲۔ کتاب الفتن ص ۵۸۴ [۳] مجدد اور مہدی کہنے والا قادیانی گروپ بھی کافر ہے کیونکہ مدعی نبوت کو وہ مجدد یا مہدی موعود مانتے ہیں۔

طور پر کرتا ہے، جو جمہور اہلِ اسلام کے خلاف ہے۔ چونکہ یہ فرقہ ختم نبوت کا منکر ہے۔ اس لیے جمہور اہلِ اسلام کے نزدیک یہ فرقہ کافر ہے۔

بعض لوگوں کی بدنصیبی قادیانی جماعت منظم ہے اور بعض لکھے پڑھے اس میں شریک ہیں۔ ایشیا سے بڑھ کر یوروپ، افریقہ اور امریکہ میں اس مردود فرقہ کے آثار قائم ہو چکے ہیں۔ ان لوگوں میں آپسی اتحاد اور مالی انتظام نظر فریب ہے۔ بہت سے سادہ لوح مسلمان اس فرقہ کی ظاہری تنظیم اور مالی انتظام و قومی اتحاد پر فریفتہ ہو کر اس خبیث فرقہ میں شامل ہو کر بے دین اور کافر ہو جاتے ہیں۔

قادیانیوں کو دشمنانِ اسلام کی حمایت و اعانت اس فرقہ کی اعانت و مدد دشمنانِ اسلام انگریزوں نے پہلے بھی کی اور آج بھی اسلام دشمن قوتیں جن میں یہود، عیسائی اور کفار و مشرکین شامل ہیں، اس کی بھرپور مدد و اعانت کرتے ہیں۔ یہ فرقہ کھلم کھلا یہودیوں اور عیسائیوں کا آلۂ کار ہے، یہ بات پوشیدہ نہیں ہے۔

الغرض قادیانی فرقہ ایک مردود، خبیث اور کافر فرقہ ہے ـــــ اللہ تعالیٰ اہلِ اسلام کو اس کی نحوست، دجل اور مکر و فریب سے محفوظ و مامون رکھے۔ آمین

گذارش میں نے چند مشہور اہل بدعت فرقوں کے متعلق تحریر کیا ہے۔ قارئین یہ نہ سمجھیں کہ مبتدعین بس اسی قدر رہی ہیں بلکہ اس قدر کثیر ہیں کہ اُن کا شمار بھی دشوار ہے۔ ان مذکورہ فرقوں[1] میں کچھ اہلِ بدعت ہیں اور کچھ فرقے کافر ہیں۔ قارئین بوقت مطالعہ خود سمجھ لیں گے کہ کون سے فرقے اہلِ حق یعنی اہلِ سنت و جماعت کے نزدیک بدعتی ہیں اور کون سے فرقے جمہور اہلِ اسلام کے نزدیک کافر ہیں۔

ہمارا مقصد ہمارا مقصد وجودِ باری تعالیٰ، توحیدِ باری تعالیٰ اور صفاتِ باری تعالیٰ ہیں جو لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللہ اور اٰمنتُ باللہ کا تقاضا ہیں۔ دنیا میں بہت سی جماعتیں اسلام کی مدعی ہیں، لیکن بعض مرتبۂ ذات سے غافل ہیں اور بعض رتبۂ صفات سے جاہل ہیں۔ میں پہلے بھی تحریر کر چکا ہوں۔ اب دوبارہ یاد دلاتا ہوں کہ جو امور ذات و صفات کے متعلق قطعی، اجماعی ہیں اور اس میں کسی شبہ کا بھی احتمال نہیں اُن کا انکار کفر ہے اور اگر کسی کو شبہات کا موقع مل گیا تو وہ مبتدع (بدعتی) ضرور ہے۔ وہ انسان جو عقیدۃً ذات و صفات کے متعلق صحیح عقیدہ رکھتا ہے، لیکن عملاً ذات و صفات کے احکام سے غافل ہے وہ فاسق ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمام اہل اسلام کو فسق، بدعت، کفر، شرک، نفاق، اور لادینیت سے محفوظ رکھے۔ آمین

---

[1] جن حضرات کو فرقوں کی تفصیل دیکھنا ہو تو وہ "الملل والنحل" تالیف علامہ ابو الفتح محمد بن عبد الکریم بن ابی بکر احمد الشہرستانی اور "مذاہب اسلام" مؤلف مولانا نجم الغنی خاں رام پوری کا مطالعہ کر سکتے ہیں۔

اہلِ حق

یعنی

حضراتِ اہلِ سنّت وجماعت

یہ حضرات صحیح طور پر خاتم النبیین اشرف المرسلین حضور احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے محبوب وجاں نثار حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے قدم بہ قدم ہیں۔

امتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں تہتر "۷۳" فرقوں کی پیشین گوئی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادی تھی کہ: "تہتر "۷۳" فرقوں میں سے بہتر "۷۲" ناری (دوزخی) ہوں گے اور ایک ناجی"۔ حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا تھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ناجی کون ہوگا؟ آقائے دوعالم روحی فداہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"مَا اَنَا عَلَیْہِ وَاَصْحَابِیْ"[1] یعنی فرقۂ ناجیہ وہ ہے جو میرے طریقہ پر اور میرے اصحاب کے طریقہ پر ہو۔

پس ہر حق پرست کے لیے ضروری ہے کہ دامنِ رسالت (صلی اللہ علیہ وسلم) اور دامنِ صحابیت کو ہاتھ سے نہ چھوڑے ——— حضرت سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان ہے کہ:

مَاجَاءَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَھُوَ عَلَی الرَّأْسِ وَالْعَیْنِ وَمَاجَاءَ عَنِ الصَّحَابَۃِ فَنَخْتَارُ مِنْھُمْ وَمَاجَاءَ عَنِ التَّابِعِیْنَ فَھُمْ

یعنی جو چیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مجھے پہنچے گی بسر وچشم میں اسے قبول کروں گا اور جو چیز صحابہ سے پہنچے گی اگر اس میں اختلاف ہوگا تو کسی نہ کسی صحابی کے قول پر عمل کروں گا اور جو چیز تابعین سے پہنچے گی اس میں

---

[1] یہ عبارت اس حدیث شریف کا مفہوم ہے:

تفترق امتی علیٰ ثلاث وسبعین ملۃ کلھم فی النار الاملۃ واحدۃ قالوا من ھی یارسول اللہ قال ما انا علیہ واصحابی.

ترمذی شریف جلد ۲ - ابواب الایمان - باب افتراق ہذہ الامۃ - ص ۸۹

رِجَالٌ وَّنَحْنُ رِجَالٌ [1] مجھے اختیار ہے وہ بھی آدمی ہیں، ہم بھی آدمی ہیں۔

حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ چونکہ تابعی تھے، اس لیے انھوں نے طبقہ تابعین سے مساوات کا اظہار فرمایا ـــــ فرقۂ ناجیہ اہلِ حق یعنی اہل سنت وجماعت کا جو مسلک ہے اس کا خلاصہ پیشِ خدمت ہے۔

تصدیق کے مراتب ہر عاقل و بالغ کے لیے ضروری ہے کہ وہ صاحبِ ایمان ہو۔ ایمان تصدیقِ قلبی کو کہتے ہیں۔ لیکن تصدیق کے تین مرتبے ہیں۔

ایک یہ کہ کسی قول کو حق مانا جائے اور قائل سے روگردانی کی جائے۔

دوسرا مرتبہ یہ ہے کہ حقانیتِ قول کے ساتھ قائل کو بھی صادق القول مانا جائے۔ لیکن اس کی طرف گرویدگی نہ ہو۔ ان دونوں تصدیقات کے مرتبوں میں ایمان حاصل نہیں ہوتا۔

تیسرا مرتبہ یہ ہے کہ ایمان کے لیے ضروری ہے کہ تصدیق قول کے ساتھ ساتھ قائل کی طرف گرویدگی تام ہو، یعنی التزام طاعات اختیار کرے۔ طاعت کا التزام کرنے کے بعد اگر اطاعت نہ کرے تو ہم پہلے بھی واضح کر چکے ہیں کہ وہ فاسق ہے اور فاسق مستحق عذاب ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے کرم خاص سے یا شفاعتِ خاصانِ خدا و مقربانِ بارگاہِ الٰہی سے اس کی مغفرت فرمادے تو اسے اختیار ہے۔

اہلِ بدعت کے بے شمار فرقے ہیں۔ لیکن سب کی بنا اس پر ہے کہ یا تو وہ ظاہر قرآن سے منہ موڑتے ہیں یا احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے روگردانی کرتے ہیں یا حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی کچھ حقیقت نہیں سمجھتے۔

ایمان کی تعریف حضرت امام اعظمؒ ایمان اس تصدیق کو فرماتے ہیں جس میں گرویدگیِ تام ہو ـــ لیکن حضرت امام موصوفؒ عمل کو ایمان کا جز نہیں مانتے۔

---

[1] حضرت مصنف قدس سرہٗ اپنے وقت کے بحر العلوم تھے، فرماتے تھے کہ میں نے لاتعداد کتابوں کا مطالعہ کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بے مثل حافظہ مرحمت فرمایا تھا۔ آپ کی عبارتوں کے حوالہ جات تلاش کرنا آسان کام نہیں تھا پھر بھی زیادہ سے زیادہ حوالے تحریر کرنے کی پوری کوشش کی گئی ہے۔ حضرت امام اعظمؒ کے قول کے سلسلے میں "تبییض الصحیفہ" للشیخ الحافظ جلال الدین السیوطی الشافعیؒ میں صفحہ ۲۷ پر ہے "عن نعیم بن حماد قال سمعت عبد اللہ بن المبارک یقول قال ابو حنیفۃ اذا جاء الحدیث عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فعلی الرأس والعین واذا کان عن اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم اخترنا ولم نخرج عن قولھم واذا عن التابعین زاحمناھم"۔ حضرت مصنفؒ کی عربی عبارت اور اس عبارت دونوں کا مفہوم ایک ہی ہے۔ اس سے حضرت مصنف قدس سرہٗ کے بے مثل حافظہ کی قوت اور آپ کی لاجواب علمی استعداد ظاہر ہے۔

ایک شبہ اور اس کا جواب

اس لیے بعض لوگوں کو دھوکا ہوا ہے کہ حنفیت اور مرجئیت ایک ہے حالانکہ یہ بالکل لغو، غلط اور بے بنیاد ہے۔

حضرت امام اعظمؒ کے نزدیک عمل کی اہمیت یقیناً اپنی جگہ مسلم ہے اور عمل کی کمزوری پر یقیناً دار و گیر ہو سکتی ہے۔ اس کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں۔

مَا اَنَا عَلَیۡہِ وَ اَصۡحَابِیۡ کا مصداق کون ہیں

الغرض فرقہ ناجیہ اہلِ حق یعنی اہل سنت و جماعت ہی حدیث شریف "مَا اَنَا عَلَیۡہِ وَ اَصۡحَابِیۡ" کا مکمل مصداق ہیں۔

اس لیے الحمدللہ اہل سنت و جماعت ہی ناجی ہیں۔ جن کے عقائد، اعمال، افعال اور اخلاق سب شریعتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق ہیں۔

حضراتِ اہلِ سنت کے عقیدوں میں نہ بدعات و خرافات شامل ہیں اور نہ ان کے اعمال و افعال میں، بلکہ یہ حضرات اربابِ حق بدعات و خرافات کو مٹنے والے، ضلالت و گمراہی کا قلع قمع کرنے والے ہیں۔ یہی حضرات سنتوں کی اشاعت کا حق ادا کرنے والے ہیں۔

شیخین کی فضیلت اور جملہ صحابہؓ کا احترام

مَا اَنَا عَلَیۡہِ وَ اَصۡحَابِیۡ کے صحیح مصداق اہلِ حق یعنی اہلِ سنت و جماعت ایک طرف حضرات شیخین کرام رضی اللہ عنہما (سیدنا صدیق اکبر و سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہما) کی افضلیت کے قائل ہیں اور ان کی تعظیم و تکریم کرتے ہیں، بلکہ جملہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم، ازواجِ مطہرات (امہات المؤمنین) رضی اللہ عنہن کو قابل تعظیم و تکریم جانتے ہیں۔ ان کا دل و جان سے احترام و اکرام کرتے ہیں۔

محبتِ ختنین و جملہ آلِ عظامؓ کا احترام

اہلِ سنت محبتِ ختنین (سیدنا عثمان ذی النورین و سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہما) کے بھی قائل ہیں اور ان سے دلی محبت رکھتے ہیں۔ بلکہ تمام اہلِ بیت اطہار (آلِ پاکِ رسول علیہ الصلوۃ والسلام) رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے محبت کرتے ہیں۔ اُن کا صدق دل سے احترام کرتے ہیں۔

اہلِ سنت کا معتدلانہ اور حقانی مذہب

حضرات اہلِ سنت، فرقہ خوارج، فرقہ روافض کی طرح ان مقدس اور بابرکت ہستیوں کے حق میں نہ غلو سے کام لیتے ہیں اور نہ افراط و تفریط سے۔ اسی طرح وہ جبریہ، قدریہ، معتزلہ اور مرجئہ وغیرہ بدعتی فرقوں کے عقائد باطلہ و خیالاتِ فاسدہ کو الحمدللہ گمراہ کن تصور کرتے ہیں۔ اس مسئلہ میں بھی ان کا مذہب معتدلانہ اور حقانی ہے۔

اہلِ سُنّت کا اطلاق کن مکاتبِ فکر پر ہوتا ہے؟

اہل سنت وجماعت کا اطلاق شریعتِ مطہرہ کے چاروں حق مکاتب فکر پر ہوتا ہے۔

احناف یعنی امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے پیروکار موالک یعنی امام مالک علیہ الرحمۃ کے متبعین، شوافع یعنی امام محمد بن ادریس الشافعی علیہ الرحمہ کے مقلدین اور حنابلہ یعنی امام احمد بن حنبل علیہ الرحمہ کے پیروکار، سب کے سب اہل حق یعنی اہلِ سنت میں داخل ہیں۔

جو ان چار مکاتبِ فکر میں داخل نہیں وہ بدعتی ہے

جو شخص احناف، موالک، شوافع اور حنابلہ میں سے کسی ایک کا بھی پیروکار نہیں، وہ اہلِ سنت وجماعت میں سے نہیں بلکہ وہ بدعتی ہے۔

اہلِ سنت کا منصب

الغرض اہلِ اسلام کو چاہیئے کہ وہ کسی بھی بدعتی فرقہ کے گمراہ کن عقائد اور فاسد خیالات سے ہرگز متاثر نہ ہوں۔ انھیں چاہیئے کہ وہ حق پرست سنی العقیدہ علماء کرام و مشائخ عظام کی پاک صحبتوں میں بیٹھ کر اپنے عقائد، اعمال وافعال اور اخلاق کو درست کریں۔ اہلِ سنت کے اربابِ حق جنھوں نے عقائد، اعمال وافعال میں میانہ روی اختیار کی اور وہ "خَیْرُ الْاُمُوْرِ اَوْسَطُھَا" اور مَا اَنَا عَلَیْہِ وَاَصْحَابِیْ" کا سچے طور پر مصداق بنے، اُن کی اطاعت وفرمانبرداری کریں۔ بدعتی کی ایک لمحہ کی صحبت مسلم کی حقانیت اور نیک اعمال کو برباد کر دینے کے لیے کافی ہے۔

صحبتِ صالح تُرا صالح کُند   صحبتِ طالح تُرا طالح کُند

اللہ تعالیٰ ہمیں اور جملہ اہلِ اسلام کو صراط مستقیم پر قائم رکھے اور سلف صالحین یعنی حضرات اہلِ سنت کے طریقۂ حقہ پر چلنے کی توفیقِ خیر مرحمت فرمائے۔ آمین

متکلمین کے دو حق پرست گروہ

اہل حق یعنی اہلِ سنت وجماعت میں متکلمین کے دو گروہ ہیں۔ دونوں حق پرست ہیں — ایک اَشَاعِرَہ، دوسرا مَاتُرِیْدِیَہ۔

جملہ اہلِ سنت وجماعت جن میں احناف، موالک، شوافع اور حنابلہ شامل ہیں۔ ان دونوں جماعتوں کے پیروکار ہیں۔ عقائد کے مسئلہ میں ان دونوں گروہوں کی اپنی اپنی سوچ وفکر اور علمی اجتہاد ہے جو حقانیت پر مبنی ہے اور یہ دونوں متکلمین کی جماعتیں کہی جاتی ہیں۔

اَشَاعِرَہ[1]

یہ امام ابوالحسن علی بن اسماعیل اشعری علیہ الرحمہ کے متبع ہیں۔ امام اشعریؒ جو ۲۶۰ھ یا ۲۷۰ھ میں پیدا ہوئے تھے، صحابیٔ رسول حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولاد میں سے تھے۔

---

[1] اشعری کی وجہ "مذاہب اسلام" میں یہ بیان کی گئی ہے کہ اشعر ملک یمن کے ایک قبیلہ کا نام ہے۔ بعض اربابِ علم کے نزدیک شیخ موصوف فقہ شافعی کے پیرو تھے اور بعض اہلِ علم کے نزدیک فقہ مالکی کی اتباع کرتے تھے۔

ابتدائی زمانہ میں شیخ ابو الحسن اشعریؒ مذہب اعتزال کی طرف مائل تھے اور اس زمانہ میں فرقۂ معتزلہ کے مقتدا مانے جاتے تھے۔ اللہ جل شانہٗ وعم نوالہٗ نے کرم فرمایا اور شیخ موصوفؒ مذہب اعتزال کو چھوڑ کر فرقۂ ناجیہ اہل سنت وجماعت میں داخل ہوگئے۔ بغداد شریف پہنچ کر یکتائے زمانہ علماء، محدثین وفقہا اور اتقیاء کی صحبتیں اختیار کیں اور اُن کی خدمتوں میں حاضر ہوکر علوم دینیہ حاصل کیے۔ موالک، شوافع اور حنابلہ عقائد میں زیادہ تر آپ ہی کی پیروی کرتے ہیں۔ ۳۲۰ھ، ۳۲۴ھ یا ۳۳۰ھ میں وفات پائی۔ بغداد شریف میں مزار ہے۔

صفاتِ باری تعالیٰ میں اشاعرہ کا مسلک

جمہور اشاعرہ کے نزدیک صفاتِ باری تعالیٰ سات ہیں۔ وہ یہ ہیں: سمعؔ۔ بصرؔ۔ علمؔ۔ قدرتؔ۔ ارادہؔ۔ کلامؔ۔ ان جملہ صفات کا مدار حیوٰۃؔ پر ہے۔ اس طرح یہ کل سات صفتیں ہیں۔ یہ سات صفتیں جمہور اشاعرہ کے نزدیک زائد علی الذات ہیں اور قدیم ہیں۔ اشاعرہ کے مقتدا شیخ ابو الحسن اشعریؒ چھ صفات کے قائل ہیں۔ ان کے نزدیک سمیع اور بصیر علیحدہ صفات نہیں بلکہ یہ صفتِ علم میں مندرج ہیں۔ اس بنا پر امام اشعری کے نزدیک پانچ صفات باقی رہتے ہیں۔ جس میں انھوں نے ایک صفتِ بقاء کا اضافہ کیا ہے۔

ماتریدیہ[1]

یہ حضرات، امام علم الہدیٰ حضرت امام ابو منصور محمد بن محمد بن محمود ماتریدی[1] رحمۃ اللہ علیہ کے متبع ہیں جو تین واسطوں سے سراج الامت امام الائمہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے۔ شیخ ابو منصور ماتریدیؒ امام اعظمؒ کی فقہ پر عمل کرتے تھے۔ اس لیے آپ حنفی تھے۔ نابغۂ روزگار اربابِ علم جن میں جلیل القدر محدثین کرام، نامور فقہاء عظام، صلحا اور اتقیاء ہیں ان کی خدمتوں میں پہنچ کر علوم دینیہ حاصل کیے۔ خاص کر فقہ میں اس وقت کے عظیم المرتبت فقیہ حضرت شیخ ابو بکر جوزجانی تلمیذ حضرت شیخ ابو سلیمان جوزجانی رحمۃ اللہ علیہما سے زیادہ استفادہ کیا۔

حضراتِ حنفیہ عقائد میں آپ ہی کی اتباع کرتے ہیں ۳۳۲ھ میں وصال ہوا۔ سمر قند شہر میں مزار اقدس مرجع خلائق ہے۔

صفاتِ باری تعالیٰ میں ماتریدیہ کا مسلک

حضرت امام ابو منصور ماتریدی علیہ الرحمہ ان سات صفات سمعؔ، بصرؔ، علمؔ، قدرتؔ، ارادہؔ، کلامؔ، حیوٰۃؔ کے ساتھ ساتھ ایک آٹھویں صفتِ تخلیقؔ کا بھی اضافہ کرتے ہیں۔ جس کو تکوین بھی کہا جاتا ہے چنانچہ

---

[1] ماتریدی کی وجہ "مذاہب اسلام" میں یہ بیان کی گئی ہے کہ ماترید سمر قند کے ایک محلہ کا نام ہے۔ بعض لوگوں کے نزدیک سمر قند کے شہروں میں سے ماترید بھی ایک شہر ہے ——— امام ابو منصور ماتریدیؒ علم دین حاصل کرنے والے طلبہ کی بڑی اعانتیں فرمایا کرتے تھے اور ان کی دنیاوی حاجات پوری کیا کرتے تھے۔

ماتُرِیدِیہ آٹھ صفات کے قائل ہیں۔

الغرض اشاعِرہ اور ماتُرِیدیہ کے درمیان صفاتِ باری تعالیٰ کے مسئلہ میں اجتہادی اختلاف ہے جو علمی ہے اور حق پر مبنی ہے اور جو آپ کو صفات باری تعالیٰ کے مضمون سے معلوم ہو چکا ہے۔

امام ابو منصور ماتریدیؒ اور شیخ ابوالحسن اشعریؒ علم عقائد یعنی علمِ کلام میں اہلِ حق یعنی اہلِ سنت وجماعت کے متبعین کے مقتدا اور متکلمین کے امام ہیں۔

احقر اپنے مخلصین اور تمام اہلِ اسلام سے عرض کرتا ہے کہ وہ اَشاعِرہ اور ماتریدیہ دونوں جماعتوں کو حق پرست سمجھیں اور دونوں جماعتوں کے آئمہ حضرات کا احترام کریں۔ اس لیے کہ یہ دونوں حضرات اہلِ حق کے مقتدا ہیں۔

عقائدِ متعلقہ بہ ملائکہ عظام

بعض بے دین فرشتوں کے منکر ہیں اور اس کی وجہ وصرف یہ بیان کرتے ہیں کہ ملائکہ (جمع مَلَک کی، مَلَک فرشتے کو کہتے ہیں) یعنی فرشتے ہمیں نظر نہیں آتے۔ حالانکہ انسان کی یہ بہت بڑی خامی ہے کہ جس شئی کا اس کو اپنے طور پر علم نہ ہو وہ اُس کے وجود کا بھی انکار کردے۔

دنیا کی بے شمار چیزیں نظر یا دوسرے حواس سے محسوس نہیں ہوتیں لیکن عقل کی روشنی میں انسان اُن کے وجود کا قائل ہے ——— انسانی اور حیوانی ارواح، بدنی کیفیات، دواؤں کی تاثیریں غذاؤں کی قوتیں، غیروں کی عداوت اور محبت، دوسروں کا غم اور مسرت، کسی حس کے ذریعے محسوس نہیں، لیکن ہر انسان خواہ مذہبی ہو یا لا مذہب یا مشرک و کافر، ان تمام امور کا قائل ہے۔

کرۂ ارض پر بے شمار جزائر ہیں۔ افریقہ، امریکہ، یورپ اور ایشیا کی آبادی کا بہت بڑا دائرہ ہے اور ان آبادیوں کے ارد گرد بڑے بڑے صحرا، بڑے بڑے بن اور جنگلات ہیں۔ زمین کے اندر گہرائیوں میں جگہ جگہ مختلف معدنیات کا وجود ہے۔ مثلاً پٹرول، ڈیزل، مٹی کا تیل، سونا چاندی المونیم، تانبا، فولاد، گیس، یورینیم اور فاسفیٹ وغیرہ اور مختلف قسم کے کیڑے مکوڑے آباد ہیں۔ سمندر میں ہزاروں قسم کی مچھلیاں اور بے شمار قسم کے دوسرے جانور ہیں۔ پہاڑوں پر بے شمار پھل اور بے گنتی پھول اور جڑی بوٹیاں ہیں۔

اب غور فرمائیے وہ کون سا انسان ہے جس نے ان مذکورہ اشیا میں سے ہر ایک چیز کو جدا جدا دیکھا ہو۔ لیکن سائنس دانوں کا بیان، اہل جغرافیہ کی تحقیق، ڈاکٹروں کا بیان، سیاحوں کے تذکرے اور مورخین کا اعلان، کتابوں میں مذکور ہے۔ اور بے دین سے بے دین بھی ان تمام امور کا قائل ہے ——— اگر یہ کلیہ صحیح ہوتا کہ بغیر اپنے ذاتی علم کے کسی شے کا اقرار نہ کیا جائے تو ان میں سے معدودے چند ہی چیزیں قابل اقرار ہوتیں۔ باقی سب قابلِ انکار۔

ملائکہ کا وجود برحق ہے

ملائکہ عظام کا وجود اگرچہ بذریعہ حواس نہیں ہے اور نہ اس کے لیے عوام کی نظر میں علامات ہیں مگر حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام

جن کو صادق القول اور معتبر، قابلِ اعتماد اور امانت دار مانا گیا ہے۔ ان کے اقوالِ مبارکہ سے جو بات ثابت ہو اور اس کی خبریں ان کے حق اور سچے کلام میں موجود ہوں، مسلمان اور مؤمن کے لئے اُن کا ماننا ضروری ہوگا ـــــ مسلمانوں کا قرآن عظیم اور احادیث نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بالاعلان ملائکہ عظام کے وجود پر گواہ ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کے بعد ملائکہ عظام پر ایمان لانا ضروری ہے۔

اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ — میں ایمان لایا اللہ پر اور اس کے فرشتوں پر

اس لیے ہر مسلمان کو یہ سمجھنا چاہیے کہ ملائکہ کا جسم نورانی اور لطیف ہے، اُن کو اپنی شکل بدلنے کی قوت حاصل ہے۔ فرشتوں میں نر اور مادہ کا فرق نہیں ہوتا۔ کھانے پینے، سونے وغیرہ کی ضروریات سے وہ سبکدوش ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور شب و روز اس کی عبادت اُن کا دائمی طریقہ ہے۔ تمام فرشتے مقبول بارگاہِ الٰہی ہیں، مگر اُن میں مراتب کا تفاوت ہے۔

ملائکہ اربعہ کا مخصوص مرتبہ اور اعزاز

اللہ تعالیٰ نے چار فرشتوں کو مخصوص رتبوں اور اعزاز سے سرفراز فرمایا ہے۔

ایک حضرت میکائیل علیہ السلام، اُن کے متعلق بارش کی خدمت ہے۔

دوسرے حضرت اسرافیل علیہ السلام، ان کے لیے صور پھونکنے کا کام مقرر ہے۔ ہر وقت وہ منتظر ہیں کہ کس وقت حکمِ باری تعالیٰ ہو جائے۔ جس وقت حکمِ ربانی ہوگا وہ صور پھونکیں گے اور اس سے عالم ختم ہو جائے گا۔

تیسرے حضرت عزرائیل علیہ السلام ہیں اور انہی کا دوسرا لقب مَلَكُ الْمَوْتِ ہے ارواح کا قبض کرنا ان کا کام ہے۔

چوتھے حضرت جبریل علیہ السلام ہیں، ان کا رتبہ تمام ملائکہ عظام میں سب سے افضل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ان کی بہت تعریف فرمائی ہے۔ حضراتِ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام پر وحی بھی لایا کرتے تھے ـــــ آخری اور مکمل وحی حضور سید الاولین والآخرین، خاتم النبیین اشرف المرسلین رحمۃ للعالمین، محبوبِ رب العالمین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر لائے اور اسی وحی پر نزولِ وحی کا سلسلہ ہمیشہ کے لیے بند ہوگیا۔

فرشتوں کی صحیح تعداد اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے۔ اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ میں جو تفصیلی ایمان ہے۔ اس میں اللہ جل شانہ وعم نوالہ کے ذکر کے بعد ملائکہ عظام ہی کا ذکر ہے ـــــ قرآنِ عظیم میں ہے:

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ — رسول اس پر ایمان لائے جو ان کی جانب ان کے رب کی

مِنۡ رَّبِّهٖ وَالۡمُؤۡمِنُوۡنَ ؕ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ

طرف سے اتارا گیا اور ایمان لانے والے (بھی اس پر ایمان لائے) ہر ایک ایمان لایا اللہ پر اور اس کے فرشتوں پر۔

بعض صحابہ کرامؓ نے ملائکہ کو دیکھا ہے

ملائکہ کی جماعت اگرچہ مخفی (پوشیدہ) ہے اور عام طور پر فرشتے نظر نہیں آتے، مگر بعض مواقع پر حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے ان کو آنکھوں سے دیکھا ہے۔ مسلم شریف میں ہے کہ:

"ایک شخص آئے اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے نہایت ادب و احترام کے ساتھ دو زانوں بیٹھ گئے اور چند سوالات کیے اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے جوابات مرحمت فرمائے۔ ہر جواب پر وہ صَدَقْتَ (سچ فرمایا آپ نے) کہتے تھے۔ حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کا بیان ہے کہ ہم میں سے کوئی ان کو نہیں جانتا تھا اور نہ ان پر آثارِ سفر تھے۔ اس کے بعد وہ اٹھ کر چلے گئے ——— حضور سید المرسلین نے ارشاد فرمایا! اے صحابہ! دیکھو یہ شخص کہاں گئے؟ صحابۂ کرام نے ان کو تلاش کیا لیکن اُن کا کچھ پتہ نہ چلا۔ تب سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہ جبریل امین تھے، تمھیں دینی تعلیم، طریقۂ تعلیم اور استاد کی تعظیم و تکریم اور اس کے فرمان کی تصدیق و تائید سکھانے کے لیے آئے تھے۔" [1]

جنگ بدر میں فرشتوں کے ذریعے مؤمنین کی مدد

اللہ تعالیٰ نے قرآن عظیم میں ارشاد فرمایا ہے:

اِذۡ تَقُوۡلُ لِلۡمُؤۡمِنِيۡنَ اَلَنۡ يَّكۡفِيَكُمۡ اَنۡ يُّمِدَّكُمۡ رَبُّكُمۡ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الۡمَلٰٓئِكَةِ مُنۡزَلِيۡنَ ؕ بَلٰٓى ۙ اِنۡ تَصۡبِرُوۡا وَتَتَّقُوۡا وَيَاۡتُوۡكُمۡ مِّنۡ فَوۡرِهِمۡ هٰذَا يُمۡدِدۡكُمۡ رَبُّكُمۡ بِخَمۡسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الۡمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيۡنَ ۝

جب (اے رسول) آپ مسلمانوں سے فرماتے تھے کیا تمھیں یہ کافی نہیں کہ تمھارا رب تمھاری مدد کرے تین ہزار فرشتے اتار کر، ہاں کیوں نہیں اگر تم صبر اور تقویٰ اختیار کرو گے اور تم پر اچانک کافر آپڑیں تو تمھارا رب تمھاری مدد کو پانچ ہزار فرشتے نشان والے بھیجے گا۔

---

[1] یہ عبارت جس حدیث شریف کا مفہوم ہے وہ طویل حدیث ہے، مسلم شریف میں دیکھی جا سکتی ہے۔
مسلم شریف جلد ۱ - کتاب الایمان ص ۲۹-۳۰

یہ واقعہ جنگ بدر سے متعلق ہے۔ جنگ بدر میں مسلمانوں کی تعداد کم تھی اور کافروں کی زائد۔ مسلمان پریشان تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی تسلی کے لیے فرمایا تھا کہ کیا تمھارے لیے یہ کافی نہیں کہ تمھارا رب تین ہزار فرشتوں سے تمھاری مدد فرمائے گا۔ کیوں نہیں؟ بلکہ اگر تم صبر کرو گے اور اتقاء و پرہیزگاری سے کام لو گے اور کافر تم پر اچانک آپڑیں گے، تو تمھاری پانچ ہزار فرشتوں سے امداد کی جائے گی۔

اول ایک ہزار فرشتے تھے، بعد کو تین ہزار کیے گئے، اس کے بعد پانچ ہزار ہو گئے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اُن کو دیکھا اور جنگ ختم ہونے کے بعد ان کو تلاش کیا تو نہ وہ زندہ لوگوں میں ملے اور نہ شہیدوں میں۔ صحابہؓ نے حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، اے صحابہ! یہ اللہ تعالیٰ کے فرشتے تھے جو تمھاری امداد کو بھیجے گئے تھے۔

فرشتوں کو تبدیلِ صورت کی قوت حاصل ہے

قرآن کریم کی آیات اور احادیث شریفہ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ فرشتوں کو تبدیلِ صورت کی قوت حاصل ہے۔ عام طور پر حضرت جبریل امین علیہ السلام وحی لاتے وقت صحابیٔ رسول حضرت دِحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کی شکل میں ہوتے تھے۔[1]

ایک مرتبہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمائش پر سردارِ ملائکہ حضرت جبریل علیہ السلام نے اپنی اصلی شکل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھائی، تو سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اُن کے بدن پر چھ سو بازو تھے اور بہت سے حصے کو گھیرے ہوئے تھے۔[2]

فرشتوں کے دو طبقے

ملائکہ کے دو طبقے ہیں۔ ایک طبقہ کا کام محض اللہ رب العزۃ کی عبادت اور اس کی تسبیح و تقدیس ہے، اُن کے حق میں قرآن مجید کی آیۃ مبارکہ ہے:

يُسَبِّحُوْنَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُوْنَ ۝ — صبح و شام اللہ کی تسبیح کرتے ہیں اور سستی نہیں کرتے۔

دوسرا طبقہ عالم کے انتظامات میں مصروف ہے، اُن کے حق میں دوسری آیۃ کریمہ ہے۔

لَا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ۝ — اللہ کی نافرمانی کبھی نہیں کرتے اور جس چیز کا حکم دیا جاتا ہے اس کی تعمیل کرتے ہیں۔

ملائکہ کے وجود کا اقرار اور اُن پر ایمان لانا ضروری ہے

فرشتوں پر ایمان لانا اور ان کے وجود کا اقرار اس لیے ضروری ہے کہ خدائے برتر

---

[1] کان جبریل یأتی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی صورۃ دحیہ۔ مسند امام احمد جلد ۲۔ ص ۱۰۷

[2] ترمذی شریف جلد ۲۔ ابواب التفسیر سورۃ النجم۔ ص ۱۶۰

جل شانہ وعم نوالہٗ اور حضرات رُسل عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے درمیان پیغام رساں تھے اور دین کا بہت بڑا حصہ انہی کی وساطت سے ظاہر ہوا ہے۔

گروہِ مَشّائیہ اور گروہِ اشراقیہ

مشّائیہ کا گروہ تو ہر نوعِ جسم کے لیے صورتِ نوعیہ اور طبیعت کو مؤثر بتاتا ہے۔ لیکن اشراقی حکماء کی جماعت ہر نوع کے لیے ایک مخفی (پوشیدہ) رب کی قائل ہے، جس کو وہ رب النوع کہتے ہیں۔

فلاسفہ جدید

جدید فلسفی[1] اس پرانے فلسفہ پر ہنسی اڑاتے ہیں، لیکن امراض میں مؤثر ایسے جراثیم کو مانتے ہیں، جو ظاہری نظر میں عام طور پر ہر ایک کو نظر نہیں آتے۔ خُرد بین آلات کے ذریعے اہلِ سائنس نے ان تک کچھ رسائی حاصل کی ہے۔ ڈاکٹری اصول اور سائنسی تحقیقات روزانہ بدلتی رہتی ہیں۔ مگر اس زمانے کے بزعم خود روشن خیال لوگ ڈاکٹروں اور سائنس دانوں کی تحقیقات پر ایمان لاتے ہیں، حالانکہ ان کی بہت سی باتیں مرورِ ایام کے بعد جھوٹی ہو جاتی ہیں۔

انبیاء کرام کی بیان کردہ باتوں کا انکار عقل سلیم کے خلاف ہے

حضرات انبیاء کرام و مُرسلین عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام سے جو قرآنی آیات یا آسمانی کتابوں کے جملے یا قوی اور مستند احادیث شریفہ کے ذریعے امور ہم تک پہنچے ہیں، اس میں نہ حضرات انبیاء کرام و مرسلین عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا اختلاف ہے اور نہ کبھی وہ جھوٹی ہوئیں اور نہ آئندہ اس میں جھوٹ کا احتمال ہے۔ پس ہر وہ بات جو قطعی اور یقینی طور پر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام خصوصاً سید الاولین والآخرین امام الانبیاء اشرفِ رُسل حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہے، اس میں تامّل کرنا یا تردّد کو راہ دینا یا انکار کرنا عقلِ سلیم کے خلاف ہے۔

ملائکہ کا وجود ثابت ہے

پس ملائکہ عظام کا وجود چونکہ قرآن کریم اور قوی احادیث شریفہ سے ثابت ہے، اس لیے ان پر ایمان لانا بہت ضروری ہے۔

---

[1] فلسفیانہ نظریات کے لوگ اپنی عقل کے گھوڑے دوڑاتے رہتے ہیں، ایک فلسفی دوسرے فلسفی کی تحقیق کو رد کرتا رہتا ہے، ان لوگوں کو بس فلسفہ اور سائنس ہی نظر آتا ہے اور اسی میں الجھ کر یہ لوگ اپنے ایمان کو خراب اور اپنی عقبیٰ (آخرت) کو برباد کر ڈالتے ہیں۔ انھیں قرآن عظیم اور احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور سلفِ صالحین کی بیان کردہ باتوں پر یقین نہیں آتا۔ حضرت مصنف قدس سرہٗ حکیم الامت بھی تھے اور مصلح الملت بھی۔ آپ نے واضح فرما دیا ہے کہ "اس زمانہ کے بزعم خود روشن خیال (حالانکہ درحقیقت یہ لوگ تاریک الخیال ہیں) لوگ ڈاکٹروں اور سائنسدانوں کی تحقیقات پر ایمان لاتے ہیں، حالانکہ ان کی بہت سی باتیں مرورِ ایام کے بعد جھوٹی ہو جاتی ہیں۔" مسلمانوں کو بس قرآن عظیم اور احادیث نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو اپنا چراغِ راہ قرار دینا چاہیے اور ان دونوں چیزوں کے مطابق اپنے عقائد، اعمال، افعال اور اخلاق اختیار کرنا چاہیے، علاوہ اس کے باقی چیزیں فانی اور اسی دنیا کی حد تک ہیں۔

وحی

اللہ تعالیٰ کی باتوں کا نام وحی[1] ہے، جو مختلف طریقوں سے حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام پر اتاری جاتی تھیں۔ یہ وحی کبھی مختصر رسالوں کی شکل میں آتی ہے، ان رسائل کو صحائف (جمع صحیفہ کی) کہا جاتا ہے۔ صحیفوں کی صحیح تعداد یقینی طور پر تو معلوم نہیں، لیکن بعض کتابوں میں اس کی تعداد ایک سو[2] ہے۔

قرآن مجید میں صحائف کا ذکر ہے:

اِنَّ ھٰذَا لَفِی الصُّحُفِ الْاُوْلٰی ۝	بیشک یہ اگلے صحیفوں میں ہے ابراہیم اور
صُحُفِ اِبْرٰھِیْمَ وَمُوْسٰی ۝	موسیٰ کے صحیفوں میں۔

حضرت سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت سیدنا موسیٰ کلیم اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علاوہ دیگر صحائف[3] کا بھی تفسیر کی کتابوں میں ذکر ہے۔

قرآن کریم میں ہے یُوْحٰٓی اِلَیَّ اس کے اندر وحی کے تمام مراتب ہیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر جو وحی فرشتہ لایا کرتا تھا یہ وحی ملکوتی ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانِ گرامی ہے کہ بعض اوقات مجھے ایک آواز آتی ہے، میں اس میں سے یاد کر لیتا ہوں۔ یہ وحی جبروتی ہے۔

ایک حدیث شریف میں ہے کہ ایک وقت وہ ہوتا ہے کہ میں ہوتا ہوں اور میرا اللہ ہوتا ہے اور کوئی نہیں ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ میری کمر پر اپنا ہاتھ رکھتا[4] ہے جس کی ٹھنڈک میں اپنے سینے میں پاتا ہوں "فَتَجَلّٰی[5] لِیْ کُلُّ شَیْئٍ" (ہر چیز میرے لیے روشن ہو جاتی ہے) یہ وحی لاہوتی ہے۔

حضرات علماء، صالحین رحمۃ اللہ علیہم نے اقسامِ وحی اور کیفیاتِ وحی کو اپنی تصنیفات میں تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ اربابِ علم اس سے خوب واقف ہیں۔

---

[1] وحی نبی کی ذاتِ گرامی پر آیا کرتی تھی جس کا سلسلہ ابو البشر حضرت آدم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام سے لے کر حضور سید المرسلین خاتم النبیین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ اقدس پر ہمیشہ کے لیے ختم ہو گیا۔ وحی قطعی یقینی ہوتی ہے اس میں غلطی کا قطعاً احتمال نہیں۔ نبی کا الہام بھی وحی ہوا کرتا تھا، وہ بھی قطعی یقینی ہے۔ وحی اور نبی کا الہام حجتِ شرعی ہے۔ البتہ

(سلسلہ اگلے صفحہ پر)

(حاشیہ صفحہ گزشتہ) ولی کا الہام ظنی ہوتا ہے وہ قطعی نہیں، اور ولی کا الہام شریعت مطہرہ میں حجت نہیں ہے۔ ولی کا الہام چونکہ ظنی ہوتا ہے اس لیے اس میں غلطی کا بھی احتمال ہو سکتا ہے۔ الہام ولی کا ہو تو اُسے شریعتِ مطہرہ سے ٹکرا کر دیکھا جائے گا اگر شریعت کے مطابق ہوگا تو صحیح، ورنہ قابلِ رد ہوگا۔ جیسا کہ امتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے اولوالعزم ولی حضرت سیدنا غوث الثقلین شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی محبوب سبحانی قدس سرہ السامی کو ایک بار شیطان کی آواز آئی کہ اے عبدالقادر! تم پر نماز معاف ہے۔ حضرت غوث الثقلینؒ نے جب یہ غیبی آواز سنی تو اسے شریعت مطہرہ سے ٹکرا کر دیکھا تو وہ خلافِ شرع ظاہر ہوئی۔ آپ نے اسے فوراً رد کر دیا اور پڑھا لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ۔ اس سے صاف معلوم ہو گیا کہ وحی اور نبی کے الہام میں قطعاً غلطی کا احتمال نہیں۔ نبی کا الہام بھی وحی من اللہ ہے۔ لیکن ولی کا الہام یا اس کو غیبی آواز کا آنا قطعی اور یقینی نہیں ہوتا بلکہ ظنی ہوتا ہے۔ علماء امت رحمہم اللہ تعالیٰ نے اپنی کتب میں اس فرق کو وضاحت کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ جسے علماء دین جانتے ہیں۔

۲ھ حضرت مصنف قدس سرہ الاقدس نے جو مذکورہ بالا عبارت میں فرمایا ہے کہ "اس کی تعداد ایک سو ہے"۔

——— صحائف کی یہ تعداد چار بڑی مقدس آسمانی کتابوں کے علاوہ ہے۔ جیسا کہ حضرت قبلہ علیہ الرحمہ نے "عقائد متعلقہ بہ کتب آسمانی" کے مضمون میں چار بڑی آسمانی کتابوں کا ذکر تحریر فرمایا ہے۔

۳ھ جیسا تفسیر کبیر میں رئیس المفسرین امام محمد الرازی فخر الدین علیہ الرحمہ نے اپنی تفسیر میں بزرگ صحابی رسول حضرت سیدنا ابو ذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حدیث شریف کی ایک روایت نقل کی ہے۔:

عن ابی ذر رضی اللّٰہ عنہ انہ سأل رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کم انزل اللّٰہ من کتاب فقال مأئۃ واربعۃ کتب وعلیٰ اٰدم عشر صحف وعلیٰ شیث خمسین صحیفۃ وعلیٰ ادریس ثلاثین صحیفۃ وعلیٰ ابراھیم عشر صحائف والتوراۃ والانجیل والزبور والفرقان۔

(حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ اللہ تعالیٰ نے کتنی کتابیں نازل کیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا، ایک سو چار کتابیں نازل ہوئیں حضرت آدم علیہ السلام پر دس صحیفے اور حضرت شیث علیہ السلام پر پچاس صحیفے اور حضرت ادریس علیہ السلام پر تیس صحیفے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام پر دس صحیفے اور توراۃ اور انجیل اور زبور اور قرآن مجید۔) ——— جزء ۸ پارہ عم۔ سورۃ اعلیٰ ص ۳۸۶ (مطبع العامرۃ الشرفیہ ۱۳۲۴ھ)

۴ھ اللہ تعالیٰ کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کمر یعنی دونوں شانوں کے درمیان ہاتھ رکھنا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی ٹھنڈک کا محسوس ہونا، یہ اللہ جل جلالہٗ وعم نوالہٗ جانے اور اس کے حبیب مکرم صلی اللہ علیہ وسلم جانیں۔ بس ہم آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد گرامی پر ایمان رکھتے ہیں۔ آپ نے جو فرمایا ہے وہ حق ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر فرمان عالی کو دل سے ماننا مؤمن کا ایمانی فریضہ ہے۔ یہ خوب پیش نظر رہے کہ اللہ تعالیٰ جسم اور جسمانیات سے

بالکل پاک وصاف ہے۔ یہ تاویل بھی درست ہے کہ ہاتھ کی ٹھنڈک سے مراد جمالِ خداوندی اور رحمتِ ایزدی وغیرہ ہے لیکن ظنی ہے یقینی تاویل وہی ہے جو ہم نے اوپر بیان کی۔ کیونکہ اس جیسی باتوں کے سلسلہ میں فرمانِ خداوندی ہے: وَمَا یَعۡلَمُ تَاۡوِیۡلَهٗۤ اِلَّا اللّٰهُ ۔ راسخین فی العلم کا یہی کام ہے کہ وہ اٰمَنَّا بِهٖ كُلٌّ مِّنۡ عِنۡدِ رَبِّنَا کہیں۔ کما قال اللہ تعالیٰ وَالرّٰسِخُوۡنَ فِی الۡعِلۡمِ یَقُوۡلُوۡنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۔ اگر اَلرّٰسِخُوْنَ کا لفظ اللہ پر عطف بھی کر دیا جائے اور ثابت کر دیا جائے کہ انھیں بھی ایسی باتوں کا علم ہوتا ہے تو بھی اُن کا شیوہ بیان کر دیا گیا کہ وہ سمجھ تو سکتے ہیں لیکن بیان کرنے پر وہ بھی قدرت نہیں رکھتے، بجائے بیان کرنے کے یہی انھیں کہنا پڑتا ہے اٰمَنَّا بِهٖ كُلٌّ مِّنۡ عِنۡدِ رَبِّنَا ۔ هٰذَا مَا تَیَسَّرَ لِیْ فِیْ هٰذَا الْاٰنَ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِحَقِیْقَةِ الْحَالِ۔

۵ مذکورہ عبارت اس طویل حدیث شریف کے بعض حصے کا مضمون ہے جو مشکوٰۃ المصابیح میں حضرت سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرأیتہ وضع کفہ بین کتفی حتیٰ وجدت بردانا ملہ بین ثدیی فتجلی لی کل شیئ

کتاب الصلوٰۃ۔ باب المساجد ومواضع الصلوٰۃ۔ الفصل الثالث ص ۷۲۔ مطبع مجتبائی دہلی

عقائد متعلقہ بہ کتب آسمانی

چار بڑی آسمانی کتابیں یہ ہیں :

۱۔ توراۃ : جو حضرت سیدنا موسیٰ کلیم اللہ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام پر نازل ہوئی۔

۲۔ زبور : جو حضرت سیدنا داؤد علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو عطا ہوئی۔

۳۔ انجیل : جو حضرت سیدنا عیسیٰ روح اللہ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام پر نازل فرمائی گئی۔

۴۔ قرآن مجید : جو خاتم النبیین، سید الانبیاء، اشرف المرسلین، رحمۃٌ للعالمین، شفیع المذنبین محبوب رب العالمین حضور محمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر آخری کتاب آسمانی قرار دے کر نازل فرمائی گئی۔

اہلِ اسلام کا قرآن مجید کے بارے میں عقیدہ

تمام اہلِ اسلام کا عقیدہ ہے کہ یہ کتاب حق ایسی عقدہ کشا اور کفیلِ ضروریات ہے کہ جس کے نازل ہونے کے بعد کسی کتابِ آسمانی کی ضرورت نہیں، یہ ایسا بنیادی قانون اور عمدہ دستور العمل ہے کہ تمام قوانینِ حقہ، خواہ وہ دنیا سے متعلق ہوں یا دین سے، شخصی زندگی اس کی ضرورت مند ہو یا گھریلو انتظام، ملکی ہو یا سیاسی نظام، سب کے سب اسی کتابِ آسمانی قرآنِ عظیم کے اصول کے رہینِ منت ہیں۔ مسلمانوں کی زندگی کا ہر شعبہ اسی دستور العمل کے ساتھ وابستہ ہے۔ اس قانونِ بنیادی سے جو طریقہ یک سرِ مو ہٹ جاتا ہے، وہ باعثِ ہلاکت ہوتا ہے خواہ اس کا نتیجہ بد جلد سامنے آئے یا دیر سے۔

مسلمانوں کا نصبُ العین قرآن مجید ہے

مسلمانوں کو تمام کتب آسمانی پر ایمان لانا بہت ضروری ہے، مگر اپنا نصب العین اعتقادات اور عملیات میں قرآنِ حکیم کو ہی سمجھنا لازم ہے، یہی مطلب ہے آسمانی کتب پر ایمان لانے کا۔

قرآن مجید کے علاوہ دیگر آسمانی کتب تحریفات سے محفوظ نہ رہ سکیں

مگر ہمیں متواتر روایات سے صرف قرآنِ عظیم پہنچا ہے، دوسرے اہلِ کتاب نے اپنی مقدس کتابوں میں تحریفیں کی ہیں۔ قرآنِ عظیم اس پر شاہد ہے:

یُحَرِّفُوْنَ الْکَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِہٖ (ہماری یعنی اللہ کی باتوں میں ان کے مقامات پر تحریف کرتے تھے۔

ان تحریفات کے بعد مفصل کتابوں پر ایمان لانا خصوصاً ایسی حالت میں کہ تواتر بھی نہ ہو، ہمارے لیے ناممکن ہے۔ بس ہمارے لیے اس قدر ضروری ہے کہ ہم یہ عقیدہ رکھیں کہ ہم مجملاً تمام کتب آسمانی کو مانتے ہیں۔

قرآن مجید کو مخلوق کہنا ناجائز ہے

آسمانی کتب ہونے کا مطلب یہ ہے کہ معین الفاظ من جانبِ باری تعالیٰ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو عطا ہوئے ہیں۔ اللہ جل شانہٗ وعم نوالہٗ نے اپنی صفتِ کلامِ نفسی سے کچھ حصہ حضرت جبریل امین علیہ السلام کو عطا فرمایا اور کچھ لوحِ محفوظ پر نقوش بن کر آئے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات گرامی میں جو کلام پوشیدہ اور قدیم ہے، اس کو کلامِ نفسی کہتے ہیں۔ اس کلامِ نفسی کی تعبیریں جن الفاظ سے کی گئی ہیں اُن کو کلامِ لفظی کہا جاتا ہے۔ کلامِ نفسی اللہ تعالیٰ کی صفتِ قدیمہ ہے، اُس کو مخلوق کہنا ناجائز ہے۔ اس لیے خلقِ قرآن کے مسئلے میں بہت نزاع ہوا ہے۔ حضراتِ ائمہ کرام اور خاصانِ خدا و مقربانِ بارگاہِ الٰہی کو بہت تکالیف پہنچائی گئی ہیں۔ امام رابع حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کو اسی مسئلہ کی بنا پر بہت زدوکوب کیا گیا اور اُن کے بدنِ مبارک سے خون کی دھاریں جاری ہوگئی تھیں۔

ہم اہلِ سنت وجماعت چونکہ خداوندِ قدوس کی ذات و صفات کو قدیم اور غیر مخلوق مانتے ہیں، اس لیے قرآنِ عظیم جو کلامِ نفسی ہے اور صفت کا مرتبہ اسے حاصل ہے، اس کو مخلوق کہنے کے لیے کسی طرح تیار نہیں ہیں۔

مصاحف کو بھی مخلوق نہیں کہنا چاہیے

یہ کلامِ لفظی جو ہمارے مصاحف میں لکھا ہوا ہے اور مختلف زبانوں میں پڑھا جاتا ہے، اگرچہ یہ حادث اور مخلوق ہے، مگر اس کا مدلول کلامِ نفسی ایسا نہیں۔ بعض علماء کرامؒ نے لکھا ہے کہ کلامِ لفظی کے مخلوق کہنے سے اندیشہ ہے کہ کہیں اس کے مدلول کلامِ نفسی کو بھی کوئی حادث یا مخلوق نہ سمجھ لے۔ لہٰذا اس کو بھی ادباً مخلوق نہ کہنا احوط اور بہتر ہے۔

قرآنِ عظیم تواتر سے ثابت ہے

قرآنِ عظیم مِنْ اَوَّلِہٖ اِلیٰ اٰخِرِہٖ متواتر اور یقینی ہے اور اس کی کتابت میں سلفِ صالحین نے بڑی احتیاط سے کام لیا ہے۔ یہاں تک کہ مصحفِ عثمانی[1] میں جہاں فتح (زبر) کے بجائے الف لکھا ہوا ہے، وہ آج

---

[1] حضرت سیدنا عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہ نے اپنی مبارک خلافت کے زمانے میں قرآنِ عظیم کا جو نسخہ کتابت کرا کر تیار کیا تھا، اسے مصحف عثمانی کہتے ہیں۔ مصحف عثمانی لیبیا میں آج بھی موجود ہے۔

تک لکھا جاتا ہے مگر پڑھا نہیں جاتا۔ اس کی مثال لَاْ اِلَی اللّٰہِ تُحْشَرُوْنَ ہے، دوسری مثال وَلَاْ اَوْضَعُوا خِلٰلَکُمْ ان آیات میں الف لکھا گیا ہے، لیکن پڑھا نہیں جاتا۔

قرآنِ عظیم تیئس ۲۳ سال کی مدت میں نازل ہوا۔ مصالح کے لحاظ سے باری تعالیٰ نے بعض احکام منسوخ فرمائے۔ احادیث شریفہ اور تفاسیر کے ذریعے سے یہ بات معلوم ہوئی کہ فلاں آیۃ منسوخ ہے اور فلاں آیۃ ناسخ۔ منسوخ آیۃ کا حکم اگرچہ ملتوی کر دیا گیا مگر اس کی تلاوت باقی رکھی گئی۔ بعض آیات محو بھی کر دی گئیں۔ یہ مضمون اس آیۃ کریمہ میں مذکور ہے:

مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰیَۃٍ اَوْ نُنْسِھَا نَاْتِ بِخَیْرٍ	جو آیت ہم منسوخ کرتے ہیں یا آپ کو ہم فراموش کرا دیتے
مِّنْھَآ اَوْ مِثْلِھَا ؕ	ہیں لاتے ہیں ہم بہتر اس سے یا اس کے مثل۔

مکہ معظمہ کی زندگی جن آزمائشوں کی زندگی تھی، حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اور صحابہ کرام کو بڑی بڑی تکالیف کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ اس وقت کے احکام میں اور ہجرت کے بعد کے احکام میں کافی تفاوت ہے ——— مدینہ منورہ کی زندگی میں اول حصہ غربت وافلاس سے دوچار تھا۔ آخری حصہ میں فارغ البالی اور مال کی فراخی میسر آئی۔ اس لیے مدینہ منورہ کی اول اور آخری زندگی میں تفاوت ہوا اور اس کے مطابق احکام نازل ہوئے۔ قربانی کرنے میں اول حکم یہ تھا کہ تین دن سے زائد گوشت باقی نہ رکھا جائے لیکن جب قربانی کی کثرت ہونے لگی تو تین دن کے بعد بھی گوشت کو خشک کرنے اور دیر تک رکھنے کی اجازت مل گئی۔ غربی کے زمانے میں یہ آیۃ کریمہ نازل ہوئی:

وَیَسْئَلُوْنَکَ مَاذَا یُنْفِقُوْنَ ؕ	اور آپ سے لوگ دریافت کرتے ہیں کہ کیا خرچ کریں
قُلِ الْعَفْوَ ؕ	کہہ دیجیے کہ حاجت سے زیادہ خرچ کرو۔

اور جب دولت کی فراوانی ہوئی تو ہجرت کے تیسرے سال زکوٰۃ کے لئے قانون بنا دیا گیا۔

قرآنِ حکیم کی ایک آیۃ ایسی بھی ہے کہ جس کی تلاوت تو منسوخ ہو گئی، مگر حکم باقی ہے:

اَلشَّیْخُ وَالشَّیْخَۃُ اِذَا زَنَیَا فَارْجُمُوْھُمَا	معمر مرد یا عورت جب زنا کاری میں مبتلا ہوں تو ان کو
نَکَالًا مِّنَ اللّٰہِ وَاللّٰہُ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ ؕ [۱]	سنگسار کر دو۔ اللہ کی طرف سے سزا، اور اللہ غالب حکمت والا ہے

فقہ میں مفصل مذکور ہے جو مسلمان نکاح سے تمتع (فائدہ) حاصل کر چکا ہو اور پھر وہ زنا کاری کرے تو وہ سنگساری کا مستحق ہے۔ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مقدس دور میں اس آیۃ کریمہ

---

[۱] مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح۔ جلد ۴۔ کتاب الحدود ص ۶۲-۶۱

کے مطابق بعض مردوں اور بعض عورتوں کو یہ سزا دی ہے۔

حضرت فاروق اعظم سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان ہے کہ اگر قرآنِ مجید میں کمی و بیشی جائز ہوتی تو میں اس منسوخ آیتہ کو داخلِ تلاوت کر دیتا۔[1]

یہ بھی مسلمانوں کا ایک امتحان ہے کہ جو چیز تلاوتِ قرآن میں نہیں ہے، مگر عمل سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے وہ چیز ثابت ہے۔ وہ واجب العمل ہے۔

فائدہ عالم میں جس قدر وسائل درپیش ہیں اگر وہ تمام کے تمام قرانِ کریم میں بیان کیے جاتے تو یہ قانونِ بنیادی اور دستورِ اساسی اس قدر ضخیم ہو جاتا کہ اس کا حفظ کرنا امت کے لیے انتہائی دشوار بلکہ قریب قریب ناممکن ہو جاتا۔ اس لیے قرآن کریم کی تفسیر بذریعے احادیث نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی گئی۔

احادیث کا کثیر سرمایہ ہوتے ہوئے بھی بہت سے مسائل مُصَرَّح نہ قرآن کریم میں بیان فرمائے گئے اور نہ احادیث شریفہ میں ذکر کیے گئے۔ ان مسائل کے استخراج کے لیے یہ مرتبہ امت کے مجتہدین کو عطا ہوا۔ قرآنِ حکیم اس پر شاہد ہے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا	اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو (یعنی قرآن سے سبق
اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا	لو) اور رسول کی پیروی کرو (یعنی احادیث سے مدد لو)
الرَّسُوْلَ وَ اُولِی	اور اُولِی الْاَمر کے احکام کو مانو (یعنی مجتہدین کے اجتہاد
الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ	کو تسلیم کرو)

اجتہاد کے اصول تو حضراتِ ائمہ کرام علیہم الرحمہ نے مکمل کر دیئے۔ لیکن اصول کے تحت فروعات کا سلسلہ قیام قیامت تک باقی رہے گا، یعنی کلیات سے جزئیات کا نکالنا امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے علمائے خیر کا کام ہے۔

آپ اس پر غور کیجیے کہ سواریاں موٹریں، ریل، ہوائی جہاز، ہیلی کاپٹر، آوازوں کے پہنچانے میں ٹیلی فون، ریڈیو، وائرلیس وغیرہ نئی ایجادات ہیں۔ ان ایجادات سے کس قدر فائدہ حاصل کرنا چاہیے اور کس قدر نہیں۔ یہ چیز اصولِ سلفِ صالحین رحمۃ اللہ علیہم کے ذریعے سے ہی حاصل ہو سکتی ہے۔

باری تعالیٰ جل شانہٗ وعم نوالہٗ کا کرم ہے کہ اس نے اپنے حبیبِ مکرم نورِ مجسم صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] ترمذی شریف جلد ۱۔ ابواب الحدود۔ باب ماجاء فی تحقیق الرجم ص ۱۷۲

کو مراتبِ عالیہ پر فائز فرمایا اور آپ کے طفیل حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کو مراتبِ جلیلہ سے سرفراز کیا پھر آپ کے وسیلہ سے آپ کی امت کے علماءِ خیر کو نوازا۔ قرآن حکیم شاہد ہے :

يَرْفَعِ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَالَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ ؕ

تم میں سے اللہ ایمان والوں کے اور ان کے جن کو کہ علم دیا گیا ہے درجے بلند فرمائے گا۔

اللہ تعالیٰ نے مومنین کو بلندی عطا فرمائی اور خصوصاً اربابِ علم کے درجات بلند فرمائے۔

قانونِ الٰہی بنیادی اور اکمل قانون ہے

ہر مملکت اپنے نظامِ ملکی کے لیے ایک بنیادی قانون تیار کرتی ہے جس کو دستورِ اساسی کہا جاتا ہے۔ اسی قانون کے تحت مختلف فروعی آئین تیار ہوتے ہیں۔ لیکن ان فروعی قوانین کے لیے قانون ساز مکلّف ہوتے ہیں کہ وہ بنیادی قوانین کی مخالفت نہ کریں اور جہاں کسی مصلحت یا ضرورت کے ماتحت فروعی آئین میں تبدیلی مقصود ہوتی ہے تو بنیادی آئین میں بھی تبدیلی کرنا پڑتی ہے۔ عام طور پر یہ قوانین عقولِ انسانی کے مرہونِ منت ہوتے ہیں۔ انسانی عقل کتنی ہی بلند کیوں نہ ہو، جملہ امور پر محیط نہیں ہوتی۔ اس لیے آپ خود بھی دیکھتے یا اور اخبارات میں پڑھتے ہیں کہ سلطنتوں کے قوانین روزانہ بدلے جاتے ہیں، اس کے باوجود بھی یہ نہیں کہا جاسکتا کہ آئندہ تبدیلی کی ضرورت نہ ہوگی۔

باری تعالیٰ کا کرم ہے کہ اس نے ہمیں اپنے رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وسلم کی وساطت سے بنیادی آئین قرآنِ کریم کے ذریعے سے مرحمت فرمایا۔ تیئس ۲۳ سال کی مدت میں جو تغیر و تبدل مصالح کے مطابق تھا، وہ کیا گیا۔ لیکن حجۃ الوداع کے موقع پر یہ آیتہ کریمہ نازل ہوئی۔

اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا ؕ

آج میں نے تمھارے لیے تمھارا دین مکمل کر دیا اور اپنے احسانات کی تکمیل کر دی اور تمھارے لیے اسلام کو دین بنا کر پسند کر لیا۔

یہودیوں نے خلیفۂ ثانی امیر المؤمنین حضرت فاروقِ اعظم عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے یہ کہا کہ اگر اس قسم کی آیتہ کسی دن ہمارے لیے نازل ہوتی تو ہم اس دن کو "یوم العید" مانتے۔ حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہمارے لیے اس آیتہ کریمہ کے نزول کا دن دو وجہ سے عید کا دن ہے۔ ایک تو یہ کہ میدانِ عرفات میں اس کا نزول ہوا جس کو "یَوْمِ عَرَفَة" کہتے ہیں اور وہ مسلمانوں کے لیے عید ہے۔ اس لیے کہ حج کا رکن یعنی وقوف بعرفہ اسی دن ہوتا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ رسولِ مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حج جمعہ کے روز ہوا تھا اور روزِ جمعہ مسلمانوں کے لیے عید ہے۔ [۱]

---

[۱] بخاری شریف جلد ۲ - کتاب التفسیر سورۃ المائدہ - باب قولہ الیوم اکملت لکم دینکم الخ - ص ۶۶۲

آیاتِ کریمہ کی تفصیل

آیتہ مذکورہ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ الی آخرہٖ احکام کے لحاظ سے اخیری آیتہ ہے۔ اس کے بعد احکام کا نزول نہیں ہوا۔ احکام کی پہلی آیتہ کریمہ یہ ہے

یٰٓاَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ ۝ قُمْ فَاَنْذِرْ ۝ — اے چادر کے پہننے والے تم کھڑے ہو جاؤ اور لوگوں کو ڈرا کر تعلیم دو

اور نزول کے لحاظ سے پہلی آیتہ مبارکہ یہ ہے:

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ ۝ — پڑھیے اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا

اور نزول کا آخری حصہ اس آیتہ کریمہ پر مکمل ہوتا ہے:

وَاتَّقُوْا یَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِیْہِ اِلَی اللّٰہِ قف — اور ڈرتے رہو اس دن سے کہ جس میں تم اللہ کی طرف لوٹو گے

احکام میراث کے لحاظ سے پہلی آیتہ مبارکہ یہ ہے:

یُوْصِیْکُمُ اللّٰہُ فِیْٓ اَوْلَادِکُمْ الی آخرہٖ — اللہ تم کو اولاد کے حصہ کی بابت حکم دیتا ہے

اور میراث کا تتمہ یہ آیتہ شریفہ ہے:

یَسْتَفْتُوْنَکَ ط قُلِ اللّٰہُ یُفْتِیْکُمْ فِی الْکَلٰلَۃِ ط — آپ سے حکم پوچھتے ہیں کہہ دیجیے کہ اللہ تم کو حکم بتاتا ہے کلالہ کا

نزول کی ترتیب میں اور تلاوت کی ترتیب میں تفاوت ہے۔ قرآن مجید وقتاً فوقتاً ضروریات اور مصالح کے لحاظ سے قسط وار نازل ہوا۔

مکہ معظمہ میں ضرورت تھی کہ مبدأ اور معاد کو ثابت کیا جائے' اس لیے دلائلِ توحید اور براہینِ معاد مختلف پیرایوں میں اور حسین عبارات میں' جس میں علمِ بدیع کے صنائع کو کافی دخل ہے، قرآن کریم نازل ہوا۔ قرآن مجید کے اخیری حصہ میں یہ چیز نمایاں ہوگی جو تلاوت کے لحاظ سے اخیر میں پڑھا جاتا ہے۔ جب اس موضوع سے قدرے فراغت ہوگئی تو احکام کا نزول شروع ہوا۔ جس کے لیے سورۂ بقرہ شاہد ہے، تلاوت میں تو مقدم ہے لیکن نزول میں مؤخر —— اسلام یہ چاہتا ہے کہ عقائد کی درستگی کے ساتھ عبادات، معاملات اور اخلاقیات کی اصلاح ہو اور یہ چیز سورۂ بقرہ میں مکمل طور پر بیان کی گئی ہے۔

نبوت کے ثبوت کے لیے پورا قرآن عظیم معجزہ ہے اور سورہ انا اعطینا کے برابر ہر مقام پر معجزہ نما ہے لیکن سورہ بقرہ میں اس مضمون کو واضح طور پر فرمایا:

وَاِنْ کُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَۃٍ مِّنْ مِّثْلِہٖ ص وَادْعُوْا شُھَدَآءَکُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۝

اور اگر تمھیں شبہ ہے اس قرآن سے جس کو ہم نے نازل کیا اپنے بندے (رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم) پر تو تم چھوٹی سی سورۃ اس کے مثل لے آؤ اور اپنے حمایتیوں کو بلاؤ، اگر تم سچے ہو تو۔

یہ تفسیر ہم نے اس بنا پر لکھی ہے کہ مِنْ مِّثْلِہٖ کی ضمیر کو مَانَزَّلْنَا کی طرف راجع کیا۔ دوسری تفسیر اس کی یہ ہے کہ مِثْلِہٖ کی ضمیر عَبْدِ کی طرف راجع ہو، یعنی قرآنِ عظیم کا مثل ایسے بندے سے تیار کراؤ جو خاتم النبیین کی طرح امی ہو[1] ــــــ ان دو تفسیروں سے معلوم ہوا کہ قرآنِ کریم فی نفسہٖ بھی معجزہ ہے اور خاص کر ایسی بے مثل ہستی گرامی (یعنی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم) سے کہ جس نے ظاہراً نہ لکھا ہو اور نہ پڑھا ہو اور وہ ایسی لاجواب اور بے مثل کتاب لاکر سامنے رکھ دے، جس میں تہذیبِ اخلاق بھی ہو، تدبیرِ خانہ داری بھی ہو، سیاستِ ملکی بھی، تمثیلات سے توضیحات بھی ہوں، عبرت خیز واقعاتِ سابقہ سے نصائح ہوں، اشارۃً دلائلِ منطقیہ اور براہینِ فلسفہ بھی اس میں موجود ہوں، فصاحت کا ماہتاب ہو تو بلاغت کا آفتاب ــــــ انہی چیزوں کو اہلِ عقل و دانش (علمائے خیر اور خاصانِ خدا و مقربانِ بارگاہِ الٰہی) نے سمجھا اور تسلیم کیا۔ قرآنِ عظیم شاہد ہے:

اَوَلَمْ یَکُنْ لَّھُمْ اٰیَۃً اَنْ یَّعْلَمَہٗ عُلَمٰٓؤُا بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ ۝

کیا ان کے لیے (یہ) نشانی کافی نہیں کہ اس (قرآن کی حقانیت) کو علما بنی اسرائیل بھی جانتے ہیں۔

قوم عرب، علماء بنی اسرائیل کے علم کو تسلیم کرتی تھی۔ البتہ بعض معاندین دل سے تو سمجھتے تھے، مگر حسد و بغض جو کہ نفسانیت کا ایک بہت ہی بُرا شعبہ ہے، وہ اقرار کرنے سے مانع ہوتا تھا۔

قرآنِ کریم کے کمال کو دیکھتے ہوئے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے رتبۂ عالیہ کو بڑھتا ہوا پاتے ہوئے کسی نے یہ کہا کہ ابو نصر قین نے انھیں قرآن سکھایا ہے، حالانکہ وہ رومی تھے۔ عربی زبان کے کمال سے واقف نہ تھے[2] ــــــ اللہ تعالیٰ نے اس باطل قول کی تردید فرمائی:

---

[1] امی کے سلسلے میں بعض لوگوں کے عجیب نظریات ہیں۔ کچھ لوگوں نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ بے لکھا پڑھا ہونا امی کا مطلب ہے۔ امی کا مطلب یہ ہے کہ سرکار روحی فداہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دنیاوی کوئی معلم یا استاذ نہیں تھا۔ حضور اشرف المرسلین خاتم النبیین سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی بلند شان اور ارفع مرتبہ کے یہ خلاف تھا کہ آپ دنیاوی معلم یا کسی استاذ کی تعلیم کے محتاج ہوتے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ساری کائنات کا سردار اور ساری انسانیت کا معلم بنایا تو پھر آپ دنیاوی معلم کے محتاج کیوں کر ہوتے؟ اس سلسلے میں اربابِ حق کا عقیدہ یہ ہے کہ آپ کی بے مثل و بے نظیر ذاتِ انور کا خالص حقیقی معلم اور خالص مربی صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے جو رب العالمین ہے۔ امی کی شان تو بڑی اعلیٰ و ارفع ہے۔ اس سلسلے میں خود آپ کا ارشاد عالی واضح ہے عَلَّمَنِیْ رَبِّیْ فَاَحْسَنَ تَعْلِیْمِیْ وَاَدَّبَنِیْ رَبِّیْ فَاَحْسَنَ تَاْدِیْبِیْ۔ (میرے رب نے مجھے تعلیم دی بہت بہترین تعلیم اور میرے رب نے ادب سکھلایا بہت بہترین ادب)

[2] تفسیر جلالین نصف اول ص ۲۲۶ پر پارہ ۱۴ سورۃ النحل کی تفسیر اور اس کے ذیل میں حاشیہ ۱۱ کی عبارت ملاحظہ ہو

لِسَانُ الَّذِیْ یُلْحِدُوْنَ اِلَیْهِ اَعْجَمِیٌّ وَّهٰذَا لِسَانٌ عَرَبِیٌّ مُّبِیْنٌ ۝ | اس شخص کی زبان جس کی طرف (قرآن کو) منسوب کرتے ہیں عجمی ہے اور یہ (قرآن) کھلی ہوئی عربی زبان ہے۔[1]

بعض لوگوں نے یہ بھی کہا کہ حضرت سلمانِ فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو اول تیرہ مذاہب بدل چکے تھے اور بڑی جہاندیدہ ہستی تھے، انھوں نے یہ قرآن تعلیم کیا، یہ بھی لغو اور بالکل غلط خیال ہے۔ اس لیے کہ حضرت سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اول تو یہ کہ وہ فارس (ایران) کے رہنے والے تھے، دوسرے یہ کہ مدینہ منورہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک پر ایمان لائے تھے، ان کے اسلام قبول کرنے سے قبل قرآنِ عظیم کا بہت سا حصہ نازل ہو چکا تھا تو پھر ان کی طرف نسبت کرنے کے کیا معنی ہے؟

بعض ناسمجھ لوگوں کا یہ بھی خیال تھا کہ حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جو والیٔ مصر مقوقس نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں بھیجی تھیں اور وہ (حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کنیزک تھیں، انھوں نے یہ کہانیاں سنائیں (استغفراللہ) یہ بات بھی پہلی بات سے کچھ کم غلط نہیں۔ اس لیے کہ ہجرت کے چھ سال بعد حضرت ماریہ قبطیہؓ کی آمد ہوئی اور ان کی زبان بھی قریشی نہیں تھی اور قرآنِ عظیم کا نزول قریش کی زبان میں ہوا۔

جملہ آسمانی کتب پر ایمان لانا ضروری ہے

الغرض جملہ کتب آسمانی کو مجملاً ماننا ہم اہل اسلام کے لیے ضروری ہے لیکن اپنے عملیات اور شرائع کے لیے محض قرآن کریم کو ہی چراغِ راہ قرار دینا چاہیے۔ اسی لیے حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم فرمایا کرتے تھے کہ:

حَسْبُنَا کِتَابُ اللّٰهِ[2] | ہمیں اللہ تعالیٰ کی کتاب کافی ہے۔

انبیاءِ کرام کی تعداد قطعی دلیل سے ثابت نہیں

حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تعداد قطعی اور یقینی دلیل سے ثابت نہیں، اس لیے اہلِ اسلام کو جملہ انبیاء کرام پر ایمان لانا ضروری ہے۔

نبی یا تو لفظ نبا، سے مشتق ہے جس کے معنیٰ ہوئے خبردار، یا یہ لفظ نبوٌ سے مشتق ہے جس کے معنیٰ بلندی کے ہیں۔ نبی پوری امت سے بلند ہوتا ہے، اس لیے اس کو نبی کہا جاتا ہے۔

نبی کے لیے ضروری ہے کہ وحیِ ربانی کے ذریعے مطلع کیا جائے۔ وحی کی تفصیل آئندہ مضمون میں آئے گی۔

ہماری بعض تفسیر کی کتابوں میں لکھا ہے کہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام میں سے تین سو تیرہ رسول

---

[1] جلالین نصف اول ص ۲۲۶ [2] بخاری شریف جلد ۲۔ کتاب الاعتصام، باب کراہیۃ الاختلاف۔ ص ۱۰۹۵

ہوئے ہیں۔ رسول اس نبی کو کہتے ہیں جس پر نیا دین اور نئی آسمانی کتاب نازل ہوئی ہو۔

میری نظر میں یہ قول مرجوح ہے اور کتبِ آسمانی مع صحائف کے ایک سو چار بتائی گئی ہیں۔ پھر یہ قول کس طرح صحیح ہوسکتا ہے؟

نبی اور رسول میں فرق

میرے نزدیک علامہ شیخ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کا طریقہ زیادہ پسندیدہ ہے۔ شیخ جلال الدین سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ:

"جس پر وحی نازل ہو، وہ نبی ہے، خواہ نبی تعلیم و تبلیغ کا مکلّف ہو یا نہ ہو۔ رسول وہ ہستی گرامی ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے حکم عنایت فرمایا کہ میرے احکامات بندوں تک پہنچاؤ، اور رسول پر آسمانی کتاب بھی نازل ہوئی ہو اور نئے دین کے ساتھ اس کا ظہور ہوا ہو۔"

آدم علیہ السلام کی ولادت سے قبل ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت عطا ہو چکی تھی

سید الاوّلین والآخرین رسول مکرم نورِ مجسّم صلی اللہ علیہ وسلم کو روحانی طور پر نبوّت حضرت ابوالبشر آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ولادت سے قبل مل چکی تھی۔ المواہب اللدنیہ میں ہے:

کُنْتُ نَبِیًّا وَّ اٰدَمُ بَیْنَ الرُّوْحِ وَالْجَسَدِ[1]	میں اس وقت نبی بنا دیا گیا تھا جب آدم جسم اور روح کے درمیان تھے۔

علامہ قسطلانیؒ "مصنف المواہبُ اللّدنیہ" اس حدیث شریف کو قوی فرماتے ہیں — اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے جسدِ مبارک میں روح بھی نہیں پھونکی گئی تھی کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مرتبۂ نبوت حاصل تھا۔ لیکن اس عالم جسمانی میں کمالات کا اظہار تدریجی طور پر ہوا تھا۔ چالیس سال تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولایت کا ظہور ہوا۔ لیکن چالیس سال کی عمر مبارک ہونے کے بعد سورۂ اِقْرَاْ کا نزول ہوا۔

پرورد گار عالم خالق کائنات جل شانہٗ کے ذکر کا بیان تو اس سورۂ مبارکہ میں ہے لیکن کسی کو پیغام رسانی کا ذکر نہیں۔ لہٰذا اس آیت کریمہ سے نبوت کا ذکر ہوا۔ البتہ جب دوسری سورۃ نازل ہوئی کہ — یٰٓاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۙ قُمْ فَاَنْذِرْ ۙ تو اس میں مرتبۂ رسالت کا اظہار کیا گیا۔ اوّل اوّل پیغام رسانی میں صرف قوم عرب پیشِ نظر تھی:

---

[1] المواہب اللدنیہ۔ ص ۱۰

لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اُنْذِرَ اٰبَآؤُهُمْ فَهُمْ غٰفِلُوْنَ ۝

آپ پر قرآن اتارا تاکہ آپ ڈرائیں۔ اس قوم کو جن کے باپ دادا کو بھی تعلیم نہیں دی گئی تھی اور وہ غافل تھے۔

دوسری آیۃ کریمہ ہے :

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا

کہہ دیجیے (اے رسول) کہ اے انسانو! میں تم سب کا رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

تیسری آیۃ مبارکہ میں ارشاد ربانی ہے :

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا

ہم نے آپ کو تمام انسانوں کے لیے رسول بنایا اور جنت کی بشارت دینے والا اور دوزخ سے ڈرانے والا بنایا۔

حدیث شریف میں ہے کہ :

بُعِثْتُ اِلٰی کُلِّ اَحْمَرَ وَ اَسْوَدَ

میں ہر گورے اور کالے کی طرف بھیجا گیا ہوں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم رسول الثقلین ہیں

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جس طرح انسانوں کے لیے رسول بنا کر مبعوث فرمائے گئے، اسی طرح قوم جنات کے واسطے بھی آپ رسول بنا کر مبعوث فرمائے گئے۔ تمام انسانوں کے لیے آپ کی رسالت تو آیات قرآنی اور احادیث شریفہ کی روشنی میں ثابت ہو گئی۔ اسی طرح حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت جنات کے لیے بھی ثابت اور مکمل واضح ہے۔ قرآن حکیم میں انسان اور جنات دونوں کی طرف خطاب ہے۔

يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ

اے گروہ جن و انسان

سورۂ رحمٰن میں اکتیس[31] مرتبہ جنات اور انسانوں کی طرف خطاب ہے :

فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ

یعنی اے جن و انسان تم اپنے رب کی کون کون سی نعمت کی تکذیب کرتے ہو

صحاح کی حدیث میں ہے کہ :

رسول الثقلین سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اس سورۂ رحمٰن کی تلاوت فرمائی تو حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نہایت ادب و احترام کے ساتھ سنی اور خاموشی اختیار کی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ :

"اے صحابہ! یہ سورۃ ہم نے قوم جنات کے سامنے بھی پڑھی، انھوں نے تلاوت سن کر بہترین جواب دیا کہ

---

[1] مسلم شریف جلد ۱ ۔ کتاب المساجد ۔ ص ۱۹۹

لَا بِشَیْءٍ مِّنْ نِعَمِكَ رَبَّنَا نُكَذِّبُ[1] ہم اپنے رب کی نعمتوں میں سے کسی نعمت کی تکذیب نہیں کرتے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی الثقلین اور رسول الثقلین اسی وجہ سے کہتے ہیں کہ آپ جنات اور انسان دونوں کے نبی اور رسول ہیں ـــــ جنات کے سلسلے میں آئندہ مضمون میں تفصیل کے ساتھ بیان کیا جائے گا۔ (ان شاء اللہ)

ذوی العقول کون ہیں

تین قوموں کو ذوی العقول کہا جاتا ہے۔

۱۔ ملائکہ (فرشتے) ۲۔ انسان ۳۔ جنات

ملائکہ کی تعلیم و تبلیغ کے لیے کسی نبی کی ضرورت نہیں۔ البتہ انسان اور جنات تبلیغ اور تعلیم کے محتاج تھے۔ اس لیے رسول الثقلین صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کو تعلیم بھی دی اور تبلیغ بھی فرمائی، اور یہ دونوں قومیں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیوض و برکات سے مستفیض ہوئیں۔

انسان زیادہ مستفیض ہوئے اور جنات کم

جنات میں تعلیم و تبلیغ کی صلاحیت قبول کرنے کا مادہ کم تھا۔ اس لیے وہ زیادہ فوائد حاصل نہ کر سکے۔ البتہ انسان مستفیض ہوئے اور بہت زیادہ تعداد میں کامیاب ہوتے۔

موجودہ دور میں نفسانیت کا غلبہ

اس زمانے میں شیطنت کا غلبہ ہے، نفسانیت چھائی ہوئی ہے۔ کفار و مشرکین کی کثرت ہے اور انھیں غلبہ حاصل ہے اس لیے مسلمان عملی حیثیت سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک تعلیم سے بہت دور جا پڑا ہے اور بہت سے مسلمان اعتقادی حیثیت بھی بگڑ چکے ہیں۔ ان خرابیوں کے متعلق رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعض پیشین گوئیاں بھی ہیں۔ پیشین گوئی معجزات کے اقسام میں سے ایک قسم ہے جس کا ذکر معجزات کی بحث میں آئے گا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم جملہ انبیاء و رسل سے افضل اور تمام انسانوں کے سردار ہیں

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مراتب کے لحاظ سے تمام انبیاء کرام و رسل عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام سے افضل و اعلیٰ اور تمام انسانوں کے سردار ہیں۔ تمام کائنات کے آپ سرور ہیں۔ آپ نے متعدد احادیث شریفہ میں اپنی فضیلت کا ذکر فرمایا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بحکم خداوندی اپنے فضائل کا اعلان فرمایا

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مزاج مبارک میں بے حد تواضع اور انکسار تھا، غالباً وہ اپنے کسی کمال کو بھی ظاہر نہیں فرماتے لیکن اللہ تعالیٰ کا حکم تھا:

[1] ترمذی شریف جلد ۲۔ ابواب التفسیر سورۃ الرحمٰن ص ۱۶۱

وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ○ — اپنے رب کی نعمتوں کا حال بیان کیجیے۔

بخاری شریف میں ہے کہ:

اَنَا سَيِّدُ النَّاسِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ [1] — میں تمام انسانوں کا سردار ہوں قیامت کے دن

باری تعالیٰ نے قرآن مجید میں آپ کے متعلق ارشاد فرمایا:

عَسٰى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا — عنقریب آپ کا پروردگار آپ کو مقام محمود میں اٹھائے گا۔

اس آیۃ کریمہ کی تفسیر صحیحین میں موجود ہے کہ قیامت کے دن جب شانِ جلالی جوش پر ہوگی اور کسی نبی کی یہ ہمت نہیں ہوگی کہ مولیٰ تعالیٰ کے دربارِ عالی میں لب کشائی کر سکے تو اس وقت حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی فرمائیں گے اَنَا لَهَا [2] شفاعت کے لیے میں ہوں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے سامنے سربسجود ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ کا جلال جمال سے بدل جائے گا، اور دریائے رحمت جوش میں آئے گا۔ باری تعالیٰ فرمائے گا:

يَا مُحَمَّدُ اِرْفَعْ رَأْسَكَ سَلْ تُعْطَ وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ [3] — اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تم اپنے سر کو اٹھالو، تم سوال کرو تمہارے سوال کو پورا کیا جائے گا اور سفارش کرو تمہاری سفارش قبول ہوگی۔

یہ واقعہ اس وقت پیش آئے گا جس وقت امتیں گھبرا کر حضرت آدم علیہ السلام، حضرت نوح علیہ السلام، حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام، حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام، حضرت داؤد علیہ السلام، حضرت عیسیٰ روح اللہ علیہ السلام وغیرہ بہت سے انبیاء کرام کے سامنے اپنی ضرورت پیش کریں گی اور تدریجی طور پر وہ سب حضرات انکار کر دیں گے کہ آج ہمارے بولنے کی ہمت نہیں ہے تو اس وقت حضور انور نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم ہی اس مشکل کو آسان فرمائیں گے اور باری تعالیٰ کے دربارِ عالی میں درخواست کریں گے اور وہ منظور ہوگی۔

نمونے کے طور پر میں نے دو تین احادیث شریفہ قارئین کے سامنے پیش کیں۔ ورنہ قرآن عظیم حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح سرائی میں بھرا ہوا ہے۔ سب سے زیادہ امید افزا یہ آیۃ کریمہ ہے:

وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى — آئندہ آپ کا پروردگار آپ کو اتنا دے گا کہ آپ راضی اور خوش ہو جائیں گے۔

---

[1] بخاری شریف جلد ۱ - کتاب الانبیاء ص ۴۷۰

[2] بخاری شریف جلد ۲ - کتاب الرد علی الجھمیۃ وغیرہم التوحید - باب کلام الرب یوم القیامۃ مع الانبیاء وغیرہم - ص ۱۱۱۸

[3] 〃 〃 - کتاب التفسیر باب قولہ ذُرِّيَّةَ مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ - ص ۶۸۴

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حبیبُ اللہ ہیں

تمام بندگانِ خدا رضائے الٰہی کے خواہش مند ہوتے ہیں اور عبادتوں، ریاضتوں اور مجاہدوں کے ذریعے سے اپنے مولیٰ تعالیٰ کو خوش کرنا چاہتے ہیں اور اللہ رب العزۃ کی رضا کے طالب ہوتے ہیں۔

یہاں معاملہ برعکس ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی عنایت اور بے حد فضل و کرم سے اپنے حبیب مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا چاہتا ہے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حضراتِ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تعریف کرتے ہوئے دیکھا کہ:

حضرت ابراہیم علیہ السلام خلیل اللہ ہیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام نجی اللہ ہیں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام روح اللہ ہیں" ـــــ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کی یہ گفتگو سن کر ارشاد فرمایا:

وَاَنَا حَبِیْبُ اللّٰہِ [1] ـــ اور میں اللہ کا حبیب ہوں

حبیب اسی کو کہتے ہیں کہ جس کی رضا جوئی مقصود ہو۔ قرآن کریم کی جو آیۂ مبارکہ "وَلَسَوْفَ یُعْطِیْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰی" میں پیش کر چکا ہوں۔ وہ کھلی ہوئی گواہی اور روشن دلیل ہے کہ آپ حَبِیْبُ اللّٰہ ہیں۔

نفسِ نبوت میں انبیاء برابر ہیں لیکن ان کے مراتب میں تفاوت ہے

ابوالبشر حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے لے کر خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم تک نفسِ نبوت میں تمام انبیاء علیہم السلام یکساں ہیں، لیکن مراتب میں تفاوت ہے۔ قرآن حکیم میں ہے:

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰی بَعْضٍ م ـــ یہ رسول ہیں بعض کو بعض پر ہم نے فضیلت دی ہے

پانچ حضراتِ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو بالاتفاق اولوالعزم کہا گیا ہے۔ ان کے اسمائے مبارکہ یہ ہیں:

۱۔ حضرت سیدنا نوح علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام
۲۔ حضرت سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام
۳۔ حضرت سیدنا موسیٰ کلیم اللہ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام
۴۔ حضرت سیدنا عیسیٰ روح اللہ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام
۵۔ خاتم النبیین اشرف المرسلین سید الاولین والآخرین حضور پر نور سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

---

[1] ترمذی شریف جلد ۲۔ ابواب المناقب۔ باب ماجاء فی فضل النبی صلی اللہ علیہ وسلم ص ۲۰۲

بعض لوگوں نے حضرت آدم علیہ السلام کو بھی اولوالعزم رسولوں میں داخل کیا ہے۔ مگر یہ قول ضعیف ہے۔ چونکہ قرآن کریم میں حضرت آدم علیہ السلام کے متعلق آیا ہے کہ:

وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا ۝ — ہم نے ان (آدم) کے لیے مرتبہ عزم نہیں پایا۔

اوّل نبی حضرت آدم علیہ السّلام اور آخری نبی حضور محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں

سب سے پہلے نبی ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام ہیں اور سب سے آخری نبی اور رسول خاتم الانبیاء حضور سیدنا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں ——— یہ مسئلہ ہمارے علم عقائد میں مذکور ہے۔ شرح العقائد میں اس کی تصریح ہے۔

حضرت آدم کی نبوت میں تردد عقلِ سلیم کے خلاف ہے

بعض لوگوں کو حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی نبوت میں تردد ہے۔ یہ تردد عقلِ سلیم کے خلاف ہے اس لیے اُن کے دورِ پاک میں کوئی دوسرا نبی نہیں تھا۔ پھر احکامِ الٰہی کی تبلیغ کرنے والا اُن کے سوا کون تھا ——— قرآن مجید میں صاف موجود ہے:

قَالَ یٰۤاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ۚ — (اللہ تعالیٰ نے) فرمایا: اے آدم خبر دو ان فرشتوں کو ان چیزوں کے ناموں کی (جن سے یہ ناواقف ہیں)

معلوم ہوا کہ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تعلیم خداوندی حاصل تھی اور جس کو تعلیم خداوندی حاصل ہو، وہ یقیناً نبی ہے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں۔ قرآن عظیم کی مشہور آیۃ مبارکہ ہے:

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَاۤ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ؕ — محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کسی بالغ مرد کے والد نہیں ہیں لیکن اللہ کے رسول ہیں اور نبیوں کے لیے مہر ہیں۔ یعنی نبوت کو ختم کرنے والے ہیں۔

دیکھیے اور غور کیجیے، کوئی بھی دستاویز ہو اس پر اخیر میں مہر لگائی جاتی ہے۔ دفترِ رسالت و نبوت پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آمدِ مبارک سے مُہر لگا دی گئی کہ اب قیامت تک کوئی نبی نہیں آئے گا ——— حدیث پاک ہے کہ:

خُتِمَتْ بِیَ النُّبُوَّۃُ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ [1] — نبوت مجھ پر ختم ہو گئی میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔

---

[1] اس مضمون کی ایک حدیث ترمذی شریف میں ان الفاظ کے ساتھ مذکور ہے انا خاتم النبیین لا نبی بعدی جلد ۲۔ ابواب الفتن باب ما جاء لا تقوم الساعۃ ص ۴۵

ختمِ نبوت پر اُمت کا اجماع

ختم نبوت کے مدعا پر اجماعِ امت بھی بہت بڑا شاہد ہے۔ عالم بھر کے جملہ اہلِ اسلام اس مسئلے پر مکمل متفق ہیں کہ نبوت ذاتِ پُرنور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہوگئی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت کا دعویٰ کرنے والے دجال و کذاب ہیں

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشین گوئی فرمائی ہے کہ میرے بعد تیس[۳۰] کذاب و دجال پیدا ہوں گے جو دعویٰ نبوت کریں گے، سب مکار اور جھوٹے ہوں گے۔[لہ] انھیں مکار و کذاب لوگوں میں ایک مرزا غلام احمد قادیانی تھا جس نے انگریزوں کا آلہ کار بن کر اسلام اور مسلمانوں کے خلاف خطرناک سازشیں کیں، اور پھر نبوت کا جھوٹا اور باطل دعویٰ کر بیٹھا۔

ردِّ قادیانیت میں علماءِ کرام کا مبارک اقدام

اس قادیانی کے رد میں علماء صالحین نے اور بڑے بڑے اربابِ حق حضرات نے تحریکیں چلائیں اور اس کی مکاری اور شیطنت کا پردہ فاش کیا اور امت مسلمہ کو اس کے دجل وفریب سے بفضلِ خداوندی محفوظ رکھا، تمام علمائے اسلام نے بالاتفاق قادیانیوں کو کافر کہا ہے۔

یکے بعد دیگرے نبی کی بعثت کی وجہ

ایک نبی کے بعد دوسرے نبی کی آمد اس لیے ہوئی کہ پہلے نبی کی تعلیم کو لوگوں نے مسخ کر دیا۔ ہر نبی کی نبوت کا دائرہ محدود تھا یعنی وہ مخصوص قوم کے لیے ہادی بنا کر بھیجا گیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام کائنات کے نبی و رسول بنا کر مبعوث فرمائے گئے

حضور سرورِ کائنات خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم تمام عالم اور ساری کائنات کے نبی اور رسول بنا کر بھیجے گئے۔

قرآن مجید کی حفاظت کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے

آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ایسا جامع اور ہر دور کے تمام تقاضوں کو پورا کرنے والا اکمل قانون قرآنِ عظیم کی شکل میں مرحمت فرمایا گیا ہے کہ جس کو نہ کوئی مسخ کر سکا اور نہ آئندہ مسخ کر سکے گا۔ اس لیے کہ قرآنِ حکیم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد عالی ہے کہ:

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝ — ہم نے قرآنِ کریم نازل کیا اور ہم ہی اس کے محافظ و نگہبان ہیں

لہ جامع الترمذی جلد ۲ - ابواب الفتن - باب ما جاء لا تقوم الساعۃ حتی یخرج کذابون ص ۴۵

قرآن کے مطالب میں بعض لوگوں کی تحریفات اور اہلِ حق کا اس پر جواب

قرآن عظیم کے مطالب بیان کرنے میں تو مختلف گروہوں نے اپنے اغراضِ نفسانی کے ماتحت توڑ مروڑ کر مطالب بیان کیے ہیں، مگر الفاظ بحمداللہ تعالیٰ مِنْ اَوَّلِہٖ اِلیٰ اٰخِرِہٖ محفوظ ہیں۔ اس میں کسی شخص کی یہ ہمت نہیں کہ رتی بھر بھی تحریف کر سکے علمائے حقانی متبعینِ سنتِ نبویہ ہر وقت ان معنوی تحریفات کا جواب دینے کے لیے تیار رہتے تھے اور آئندہ بھی تیار رہیں گے۔ (ان شاء اللہ تعالیٰ)

قرآن مجید کے بعد اب کسی جدید کتاب کی قطعاً ضرورت نہیں

قرآنِ عظیم نے وہ مسائل بیان کیے ہیں جو ہر ملک، ہر قوم اور ہر زمان کے لیے کافی ہیں۔ اس لیے اب اور کسی جدید نبی اور جدید کتاب کی ضرورت قطعاً باقی نہیں رہی ——— اسی لیے رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اَلْجِهَادُ مَاضٍ اِلیٰ یَوْمِ الْقِیٰمَةِ [1] یعنی جد و جہد اور کوشش قیامت تک جاری رہے گی۔

لہٰذا سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء بنائے گئے۔

حضور کے فیوض و برکات باقی ہیں، باقی رہیں گے اور علمائے صالحین و اولیاء آپ کے جانشین ہیں

آپ کی روحانی توجہاتِ عالیہ اور فیوض و برکات عالم میں اب تک باقی ہیں اور قیامت تک باقی رہیں گے (ان شاء اللہ تعالیٰ) ان فیوض و برکات کو پھیلانے کے لیے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جانشین علمائے خیر اور اولیاء حق آتے رہے اور آتے رہیں گے۔

ایک قادیانی سے مکالمہ اور اس کا منہ توڑ جواب

دہلی میں ایک مرتبہ ایک قادیانی سے راقم الحروف کی گفتگو ہوئی۔ میں نے اس قادیانی سے کہا کہ تمھیں

---

[1] عن علی وجابر قالا قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنی الاسلام علی ثلاثۃ اہل لا الٰہ الا اللہ لا تکفروہم بذنب ولا تشہدوا علیہم بشرک ومعرفۃ المقادیر خیرہا وشرہا من اللہ الجہاد ماض الیٰ یوم القیمۃ منذ بعث اللہ محمداً صلی اللہ علیہ وسلم الیٰ اخر عصابۃ من المسلمین لا ینقص ذالک جور جائر ولا عدل عادل ۔ رواہ الطبرانی فی الاوسط ۔ مجمع الزوائد ومنبع الفوائد للہیثمی جلد ۱ ۔ ص ۱۰۶
نصب الرایہ لتخریج احادیث الہدایۃ للزیلعی ۔ جلد ۳ ۔ ص ۳۷۷ ۔ اور حضرت علامہ انور شاہ کشمیری محدث نے بھی فیض الباری علی صحیح البخاری جز ۲ ۔ ص ۳۰۴ میں اس حدیث کو نقل فرمایا ہے۔

بڑا دعویٰ ہے کہ تمھارے نبی (مرزا قادیانی) نے بڑے کام کیے۔ ذرا بتاؤ وہ کام اس نے کیا کیا کیے ہیں۔ میرے سوال کے جواب میں قادیانی نے کہا کہ انھوں نے بہت سی خیر کی راہیں کھولیں۔ میں نے قادیانی سے کہا کہ دنیا میں جھوٹ، مکر و فریب کا جو چرچا ہے وہ قادیانیوں میں بھی ہے، قادیانی وکلا ایسے تاتل جھوٹے مقدمات لڑاتے ہیں اور اس کا معاوضہ لیتے ہیں، سب کی شکلیں بھی متشرع نہیں ہوتیں، سب کے سب نماز کے بھی پابند نہیں ہوتے، پھر وہ کیا بات ہے کہ تمھارے بقول تمھارے نبی نے آکر خیر پھیلائی۔ اخیر میں جب میری ہر بات پر اسے خاموش ہونا پڑا، تو وہ بولا کہ دیکھیے صاحب! ایک بات ہم قادیانیوں میں بہت اچھی ہے جو مسلمانوں میں نہیں ہے۔ میں نے اس سے کہا وہ کیا بات ہے؟ اس قادیانی نے کہا، ہم منظم ہیں، متحد ہیں، ہمارا بیت المال ہے، ہم اس کے ذریعے غریب قادیانیوں کی مدد کرتے ہیں اور ہم میں کسی قسم کا اختلاف نہیں ہے۔ میں نے اس کے جواب میں قادیانی سے کہا کہ تمھارا یہ کہنا کہ تم قادیانیوں میں اختلاف نہیں ہے سراسر غلط اور لغویات ہے۔ دیکھو مرزا غلام احمد کے دو جانشین ہوئے ایک نور الدین جو مرزا کو نبی مانتا تھا، دوسرا کمال الدین جو اس کو نبی تو نہیں مانتا تھا مگر اس کو مہدی موعود ضرور کہا کرتا تھا، اور تمھارا یہ کہنا کہ تمھاری تنظیم ہے اور بیت المال ہے اور آپس میں ہمدردی ہے تو یہ آپ کے مدعی نبوت کی نبی ہونے کی دلیل ہرگز نہیں ہے۔ دنیا میں ہر وہ قوم جو تعداد کے لحاظ سے کم ہوتی ہے اس میں اتحاد اور تنظیم زائد ہوتی ہے۔ ہندوستان میں سناتن دھرمی کثیر ہیں اور آریہ سماجی قلیل اور جینی بھی کم تعداد میں ہیں۔ آریہ سماج اور جینیوں میں بمقابلہ سناتن دھرمیوں کے زائد اتفاق و اتحاد ہے۔ مسلمانوں میں مقلدین حضرات ائمہ کرامؒ کی کثرت ہے اور غیر مقلدین اقلیت میں ہیں، غیر مقلدین میں اتحاد بمقابلہ مقلدینِ ائمہؒ کے بہت زائد ہے، تو یہ اتحاد و تنظیم برکاتِ نبوت سے نہیں بلکہ فطری اور مجبوری کی وجہ سے ہے۔ میرا جواب سن کر قادیانی ایسے مبہوت ہوئے کہ فوراً اٹھ کر چلے گئے۔

مسلمانوں میں خلفشار اور کش مکش کی وجہ

ہمارے آقا تاجدارِ عالم سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے جو تعلیم دی ہے اور اپنی نورانی اور پاک زندگی اور مقدس سیرت کا خاکہ اپنی امت کے سامنے پیش فرمایا ہے۔ اگر مسلمان اس پاکیزہ، نورانی سانچے میں ڈھلنے کی کوشش کرتے رہتے تو ان میں برکات کی کوئی کمی نہیں ہوتی اور جو قومیں یا افراد اس سے دور جا پڑتے ہیں، وہ اس عالمِ فانی میں بھی ذلیل و خوار ہوتے ہیں اور آخرت میں بھی سخت رسوائی سے دوچار ہوں گے ——— اس زمانے میں مسلمانوں میں جو خلفشار ہے اور کش مکش کے ہاتھوں جا بجا تباہ و برباد ہو رہے ہیں، اس کی وجہ صرف آقائے دو عالم روحی فداہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نورانی تعلیمات سے دوری، آپ کے گرانقدر نصائح اور آپ کی حقیقی اتباع سے رُوگردانی ہے۔

مشہور شاعر جناب محشر[1] عنایتی مرحوم رام پوری نے اس مدعا کو اپنے دو شعروں میں بہترین طریقہ سے ادا کیا ہے۔

مسلماں اے اسیرِ غمِ مسلماں — پلٹ جا، جانبِ مرکز پلٹ جا
زمانہ ہے کہ آگے بڑھ رہا ہے — تو تیرہ سو برس پیچھے کو ہٹ جا

دنیا کی حکمتوں سے فوائد حاصل کرنا بری شی نہیں لیکن دین پر عمل اصل اور مقدم ہے ہمارا اور شاعر موصوف کا مقصد یہ نہیں ہے کہ دنیا کی جدید حکمت سے فائدے حاصل نہ کیے جائیں، بلکہ مقصد یہ ہے کہ ترقی کی راہ میں انسان گامزن ہو کر اول اصولِ دین کو پیش نظر رکھے۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے ؎

قدم بڑھاؤ ترقی کرو ضرور و لے — رہے رسول کے قدموں پہ سر خدا کے لیے

حضور خاتم النبیین رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے دورِ مقدس کے بعد اب تک تدریجی تنزل ہوتا رہا۔ آپ کا فرمانِ عالی ہے :

خَيْرُ الْقُرُوْنِ قَرْنِيْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ[2]

بہترین زمانہ میرا ہے۔ نمبر دوم وہ لوگ ہیں جو اس طبقہ سے ملے ہوئے ہیں۔ نمبر سوم وہ جماعت ہے جو طبقہ ثانیہ سے ملی ہوئی ہے۔

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا طبقہ سب سے اعلیٰ ہے۔ محدثین کرام کا قول ہے :

اَلصَّحَابَةُ كُلُّهُمْ عُدُوْلٌ[3] — صحابہ تمام کے تمام عادل ہیں

---

[1] صابر رضا خاں نام، تخلص محشر تھا۔ رام پور کے معزز و باوقار پٹھان خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ عنایتی کی نسبت اپنے نانا مولانا حافظ محمد عنایت اللہ خاں صاحب نقشبندی مجددیؒ کی ذات کی وجہ سے کیا کرتے تھے۔ شاعری میں استاذ رشید رام پوری سے تلمذ رکھتے تھے۔ قادر الکلام شاعر تھے۔ اپنے زمانے کے استاذ الشعراء تھے۔ ۲۶ رمضان المبارک ۱۳۹۶ھ کو فوت ہوئے۔ اندرونِ خانقاہِ عنایتیہ محلہ زیارت حلقہ والی رام پور میں مدفون ہیں۔ جناب محشر، حضرت مصنفؒ "مسلکِ اربابِ حق" سے عقیدت رکھتے تھے۔ آپ کے جنازے کی نماز بھی حضرت مصنفؒ ہی نے پڑھائی تھی۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اپنی مغفرتوں سے نوازے۔ آمین

[2] اس مضمون کی ایک حدیث شریف صحیح البخاری میں یوں مذکور ہے :
"خیر الناس قرنی ثم الذین یلونہم ثم الذین یلونہم" بخاری شریف جلد ۱۔ باب فضائل اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم ص ۵۱۵

[3] مشکوٰۃ المصابیح کا حاشیہ ۲۔ علیٰ مناقب الصحابۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہم ص ۵۵۳

متقدمین صحابہؓ افضل ہیں، متأخرین صحابہؓ بھی مقبولانِ بارگاہ ہیں

صحابہ متقدمین کا مرتبہ بلند و بالا ہے۔ متاخرین صحابہ نے وہ رتبہ تو نہیں پایا لیکن بارگاہِ الٰہی میں سب مقبول اور سب مغفور ہیں۔ قرآنِ حکیم میں ہے:

وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى — اوران سب سے اللہ نے جنت کا وعدہ فرمالیا ہے۔

یعنی بعض فتح مکہ سے پہلے مسلمان ہوئے اور بعض فتح مکہ کے بعد ایمان لائے۔ مغفور اور مقبولانِ بارگاہِ الٰہی ہونے میں تو دونوں طبقے صحابہ کرام کے برابر ہیں۔ لیکن جو فتح مکہ سے پہلے مسلمان ہوئے انھیں عظیم مرتبہ حاصل ہے ——— قرآنِ کریم میں ارشاد ربانی ہے:

اُولٰٓئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً — یعنی ان کا رتبہ زیادہ بلند ہے

طبقۂ تابعین

دوسرا طبقہ تابعین کا ہے جن میں بعض بڑے ظالم و ستم گر، فاسق و فاجر، ناانصاف پیدا ہوئے جیسے حجاج بن یوسف ثقفی، مختار بن ابی عبید ثقفی، عبیداللہ بن زیاد، شمر ذی الجوشن اور یزید وغیرہ۔

لیکن بعض حضراتِ تابعین عظام بڑے جلیل القدر، مقبولانِ بارگاہِ الٰہی، خاصانِ خدا ہوئے، جیسے حضرت سیدنا عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ، ان کی عدالت، حق پرستی، خداشناسی، عالم بھر میں مشہور ہے بعض علماء کرام کی تحقیق یہ ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ امت کے پہلے مجدد ہیں۔ ایک محترم بزرگ عظیم المرتبت محدّث حضرت امام حسن بصری رضی اللہ عنہ بھی ہیں، عالم با عمل، زہد و تقویٰ میں بے مثل، عبادت و ریاضت میں بے نظیر اور مرتبہ تصوف میں کامل تھے۔ انھیں مقبول تابعین میں سے حضرت سیدنا اویس قرنی رضی اللہ عنہ بھی ہیں، جن کا لقب خیرالتابعین ہے۔ حضرت وہب بن منبہ، حضرت طاؤس، حضرت مکحول وغیرہ، نیز ہمارے امام حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں جن کو مشہور صحابی حضرت سیدنا انس رضی اللہ عنہ کی رویت اور قرب حاصل ہوا۔

طبقۂ تبع تابعین

اس طبقہ میں امام ابویوسف، حضرت امام محمد بن حسن الشیبانی، حضرت امام مالک، حضرت امام شافعی، حضرت امام احمد بن حنبل، حضرت امام ابوجعفر طحاوی[1]، حضرت امام محمد بن اسماعیل بخاری، حضرت امام مسلم، حضرت امام داؤد، حضرت امام نسائی، حضرت امام ترمذی اور حضرت امام حاکم ابوعبداللہ نیشاپوری (صاحب مستدرک) رحمۃ اللہ علیہم وغیرہ ہوئے

---

[1] ابوجعفر احمد بن محمد بن سلامہ بن سلمہ طحاویؒ المتوفی ۳۲۱ھ۔ اول شافعی تھے پھر حنفی مسلک اختیار کرکے اس کے زبردست ترجمان بنے۔ بڑے پایہ کے محدّث تھے۔

تابعین و تبع تابعین ہونے کا معیار

تابعین اور تبع تابعین کے مقبول ہونے کا معیار یہ ہے کہ یہ حضرات جمہور اہلِ سنت وجماعت کے طریقے پر قائم ہیں، یہ علمائے خیر ہیں اور ان کا قول و فعل قابلِ اعتبار ہے۔ "صاحبِ مشکوٰۃ المصابیح" نے "ابن ماجہ شریف" کے حوالہ سے یہ حدیث شریف نقل کی ہے:

اِتَّبِعُوا السَّوَادَ الْاَعْظَمَ فَاِنَّهٗ مَنْ شَذَّ شَذَّ فِي النَّارِ [1] — گروہ اعظم کا اتباع کرو اور جو ان سے جدا ہوگا وہ آگ میں تنہائی کی سزا پائے گا۔

علمائے خیر کی کمی اور علمائے سُو کی کثرت

اس کے بعد تدریجی تنزل ہوتا چلا گیا۔ علمائے خیر کی تعداد کم ہوتی گئی اور علمائے سو بڑھتے گئے۔ حضرت امام حسن بصریؒ جو طریقہ اہلِ حق پر قائم تھے، ان کے مسلک سے ایک شخص[2] نے جدائی اختیار کی آپ نے فرمایا: قَدِ اعْتَزَلَ عَنَّا چنانچہ اس شخص کی ذات سے ایک فرقہ معتزلہ پیدا ہوگیا، جو اہلِ بدعت کے مشہور فرقوں میں سے ایک فرقہ ہے۔

زمانۂ تنزل میں اہلِ حق کا ظہور اور ان کی دینی خدمات

اوقاتِ تنزل میں کبھی کبھی روشن دماغ، صاحبِ دل، وسیع العلم رفیع الدرجات علماء بھی پیدا ہوتے رہے، جن میں حجۃ الاسلام امام محمد بن محمد الغزالی، حضرت سیدنا غوث الثقلین شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی محبوب سبحانی رحمۃ اللہ علیہما وغیرہ حضرات نے خاص الخاص مقامات پائے۔ اس کے بعد امام فخر الدین محمد الرازی، حضرت خواجہ معین الدین حسن چشتی سنجری اجمیری، حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند بخاری اور حضرت شیخ شہاب الدین عمر و سہروردی رحمۃ اللہ علیہم وغیرہ حضرات پیدا ہوئے ــــ یہی علم و معرفت اور فیوض و برکات کا نورانی دریا بہتا ہوا بغداد، سنجر اور بخارا کو سیراب کرتا ہوا دہلی، پنجاب آیا تو دہلی میں حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی دہلوی، حضرت خواجہ محمد باقی باللہ دہلوی، حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہم وغیرہ اور پنجاب میں حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی سرہندی رحمۃ اللہ علیہ جیسے جلیل القدر علماء و اولیاء اللہ حضرات جلوہ گر ہوئے اور بہت سے باطل پرستوں کا قلع قمع کیا۔ ان حضرات کی تصنیفات اور تبلیغ و ارشاد سے بہت سے انسان فیضیاب ہوکر کامل مومن بنے، اور الحمدللہ آج بھی انہی حضرات کی ظاہری و روحانی تعلیمات اور فیوض و برکات سے مستفیض ہو رہے ہیں۔

---

[1] مشکوٰۃ جلد ۱۔ باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ فصل ثانی ص ۳۰ [2] اس شخص کا نام واصل بن عطا تھا یہی معتزلہ مذہب کا بانی تھا۔

امام مہدی کا ظہور

یہی چیز آگے بڑھ کر حضرت امام مہدی رضی اللہ عنہ تک پہنچے گی اور ان کی مبارک تعلیمات سے بندگانِ خدا کو کثیر فوائد حاصل ہوں گے۔ جب امام مہدیؓ کی تعلیمات ختم ہو جائیں گی تو پھر عالم بھی ختم ہو جائے گا اور قیامت قائم ہو جائے گی۔

قیامت کا حقیقی علم صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے

قیامت کا صحیح وقت صرف اللہ تعالیٰ ہی کے علم میں ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت کی علامات تو بیان فرمائی ہیں جو روز بروز نمایاں ہوتی جا رہی ہیں مگر اس کے وقت کی تعیین نہیں فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نے مصالحِ نظام کو باقی رکھتے ہوئے موت کو قیامتِ صغریٰ قرار دیا ہے اور عالم کی قضا جو قیامتِ کبریٰ ہے، اُسے پوشیدہ رکھا ہے۔

علمائے خیر کی بدولت ہی دین باقی رہے گا

بہر حال خاتم النبیین حضور احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا دینِ حق کسی نہ کسی زمرے میں محفوظ رہے گا اور وہ حق پرست اور انصاف پرور علمائے کرام کے ذریعے ہی سے باقی رہے گا۔ اس لیے کہ علمائے حق صحیح معنیٰ میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جانشین ہیں۔ حدیث شریف میں ہے :

اِنَّ الْعُلَمَاءَ وَرَثَةُ الْاَنْبِيَاءِ [1]	تحقیق علماء انبیاء (علیہم السلام) کے وارث ہیں یعنی ان کے علوم کے وارث ہیں۔

مبدأ اور معاد

اسلام کے بنیادی عقائد میں سے، ان دو عقیدوں کا اقرار بھی بہت ضروری ہے۔

ایک مبدأ یعنی خلاقِ کائنات، مالکِ کونین۔ دوسرے معاد یعنی مرنے کے بعد کا عالم۔ مرنے کے بعد جس عالم میں انسان پہنچتا ہے اس کو معاد کہتے ہیں۔ معاد کے مراتب کی تفصیل آپ کے سامنے آ چکی ہے۔ جو انسان اللہ تعالیٰ کو قادرِ مطلق جانتا ہے اور قرآنی اخبار کو سچا سمجھتا ہے، حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطلاعات کو حق مانتا ہے اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ معاد کا بھی اقرار کرے اور آخرت میں جو حالات رونما ہوں گے، ان کا بھی اقرار کرے ـــــ کافروں نے کہا تھا کہ :

مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ ○	کون ہڈیوں کو زندہ کرے گا ایسی حالت میں کہ وہ بوسیدہ ہوں

باری تعالیٰ نے کافروں کے جواب میں ارشاد فرمایا :

---

[1] ابو داؤد جلد ۲۔ کتاب العلم۔ باب فی فضل العلم۔ ص ۵۱۳

قُلۡ يُحۡيِيۡهَا الَّذِيۡۤ اَنۡشَاَهَاۤ اَوَّلَ مَرَّةٍ ؕ وَهُوَ بِكُلِّ خَلۡقٍ عَلِيۡمٌ ۙ

آپ فرمادیجیے کہ جس اللہ نے اولاً پیدا کیا تھا وہی دوبارہ زندہ کردے گا اور وہ تمام مخلوق کو خوب جانتا ہے۔

انسانی بدن آگ میں جل کر یا خاک میں مل کر ذرات ہو جائیں، ہوا میں اڑ جائیں، پانی میں بہہ جائیں، اللہ تعالیٰ کو ہر ہر ذرہ کا علم ہے اور اللہ تعالیٰ سب کے جمع کرنے پر قادر ہے۔

علمِ کلام جس کا دوسرا نام علمِ عقائد ہے۔ اس کا موضوع مبدأ اور معاد ہیں جو شخص کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کو قادرِ مطلق، حکیمِ مطلق اور عادل ومنصف مانتا ہے، اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ عالمِ آخرت کا اقرار کرے۔ دنیا میں جس ظالم وستمگر نے کسی مظلوم کو ستایا ہے اور مظلوم بدلہ نہ لے سکا ہے اور کسی حاکم نے بھی اُس کی حمایت نہیں کی ہے۔ باری تعالیٰ کی حکمت کا تقاضا ہے کہ وہ ظالم سے مظلوم کا بدلہ لے، اگر وہ ایسا نہیں کرے گا تو یا تو اسے اَسۡتَغۡفِرُ اللّٰہَ اَلۡعِیَاذُ بِاللّٰہِ جاہل اور بے خبر مانا جائے گا، یا عاجز ومجبور کہا جائے گا اور یہ دونوں چیزیں شانِ خداوندی کے خلاف ہیں۔

کافرانہ ومشرکانہ عقیدہ

بہت سے لوگ اس معادی فیصلے کو تناسخ (آواگون) کی شکل دیتے ہیں کہ اگر کسی نے دنیاوی زندگی میں اچھے کام کیے تو مرنے کے بعد اسے کوئی اچھا بدن مل جاتا ہے اور اگر اس نے بُرے کام کیے ہیں تو اس کی روح کسی بُرے بدن میں سما جاتی ہے۔ یہ قوم اسی عالم میں دوزخ اور جنت کو تسلیم کرتی ہے، یہ عقیدہ مشرکین اور کفار کا ہے۔

جنت کا عیش وآرام

ہم اہلِ اسلام کے نزدیک جنت مستقل ایک عالم ہے اور دوزخ دوسرا عالم ہے ____ جنت میں راحت وآرام کے مختلف اقسام نیک بندوں کو حاصل ہوتے رہیں گے۔ جسمانی لطافت، نورانی صورت بندے کو حاصل ہوگی اور کھانے پینے کی عمدہ اور نفیس اشیا بھی میسر آئیں گی، جن چیزوں کی وہ آرزو کریں گے اُن کے لیے وہ چیزیں فراہم کردی جائیں گی۔ قرآن عظیم میں ہے:

وَفِيۡهَا مَا تَشۡتَهِيۡهِ الۡاَنۡفُسُ

یعنی مومنوں کے لیے جنت میں وہ چیز ہوگی جس کی وہ خواہش کریں گے۔

دوسرے مقام پر قرآن عظیم میں ہے کہ:

كُلُوۡا وَاشۡرَبُوۡا هَنِيۡٓـئًۢا بِمَا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ۝

یعنی ان سے کہا جائے گا کھاؤ اور پیو، تمہارے اعمال کی وجہ سے یہ چیزیں تمھیں مبارک ہیں۔

صحیح المسلم میں ہے:

وَلَا یَبُوْلُوْنَ وَلَا یَتَغَوَّطُوْنَ
وَلَا یَمْتَخِطُوْنَ قَالُوْا فَمَا بَالُ
الطَّعَامِ قَالَ جُشَاءٌ وَرَشْحٌ
کَرَشْحِ الْمِسْكِ[1]

نہ وہاں بول و براز کریں گے اور نہ ناک صاف کریں گے
انھوں (صحابہ) نے کہا پس کھانے کا کیا حال ہوگا فرمایا
(حضور نے) ڈکار یعنی اس کے ذریعے ہضم ہوگا اور
پسینہ مثل مشک کی خوشبو کے ہوگا۔

جنت کی زندگی چونکہ لامتناہی ہے اس لیے لذیذ اشیا کے لذائذ میں تدریجی ترقی ہوتی چلی جائے گی۔ دوسری مرتبہ جو غذا فراہم ہوگی، اس کی شکل و صورت تو پہلے والی غذاؤں کی طرح ہوگی مگر مزہ دوسرا ہوگا۔ اس پر قرآنِ عظیم شاہد ہے :

کُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا
قَالُوْا هٰذَا الَّذِیْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ
وَاُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا

جب انھیں وہاں سے کوئی پھل کھانے کو ملے گا تو کہیں
گے یہ تو وہی ہے جو ہم پہلے کھا چکے ہیں اور ان کو وہ پھل
باہم در رنگ و صورت میں ملے ہوئے دیئے جائیں گے۔

جنتی کہیں گے کہ یہ پھل تو وہی ہیں جو ہم پہلے کھا چکے ہیں، جواب میں اُن سے کہا جائے گا صورۃً یہ چیز مشابہ ہے لیکن لذت میں جدا ہے۔

جنت میں جس طرح کھانے پینے کا انتظام ہوگا، ازدواجی زندگی بھی حاصل ہوگی اور اس میں مراتب کا تفاوت ہوگا، کسی کو دو[2] حوریں ملیں گی تو کسی کو بہتر[3]۔ جیسا کہ کتبِ صحاح میں مذکور ہے۔ یہ عورتیں حسین و جمیل اور لطیف نورانی شکلوں میں نمایاں ہوں گی، بول و براز اور حیض و نفاس سے پاک و صاف ہوں گی۔ اس پر بھی قرآنِ مجید شاہد ہے :

وَلَهُمْ فِیْهَا اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ
وَّهُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ۝

اور مؤمنوں کے لیے پاک و صاف بیویاں ہوں گی
اور وہ ہمیشہ جنت میں رہیں گے۔

جنت کی زندگی میں انسان عبادت کا مکلف نہ ہوگا لیکن سانس کے ذریعے بے اختیار یادِ الٰہی جاری ہوگی، یہ یادِ الٰہی لذتِ روحانی کے لیے ہوگی، اس میں کلفت و مشقت نہیں ہوگی، جنت میں اعلیٰ اور ادنیٰ مراتب میں تفاوت ضرور ہوگا، مگر کسی ادنیٰ کے دل میں اعلیٰ کو دیکھ کر حسد نہ ہوگا، ہر ایک اپنے مقام

---

[1] مسلم شریف جلد ۲۔ کتاب الجنۃ وصفۃ نعیمہا واہلہا۔ ص ۳۷۹
[2] بخاری شریف جلد ۱۔ کتاب بدء الخلق۔ باب ما جاء فی صفۃ الجنۃ وانہا مخلوقۃ۔ ص ۴۵۹
[3] ترمذی شریف جلد ۲۔ ابواب صفۃ الجنۃ۔ باب ما جاء ما لادنیٰ اہل الجنۃ من الکرامۃ۔ ص ۸۰

پرخوش ہوگا۔ قرآن مجید میں ارشاد ربانی ہے :

وَنَزَعْنَا مَا فِي صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ ج	ہم ان کے سینوں سے کینے کھینچ لیں گے اور ان کے مکانوں کے نیچے نہریں جاری ہوں گی ۔
بہشت آں جا کہ آزارے نہ باشد	کسے را با کسے کارے نہ باشد

جنت و دوزخ کے سات سات طبقات - جنت کا اعلیٰ مقام فردوس

جنت کے مختلف مقامات ہیں۔ سب سے اعلیٰ کا نام فردوس ہے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے فرمایا کہ :

"جب اللہ تعالیٰ سے جنت کی درخواست کرو تو فردوس کا سوال کرو اس لیے کہ وہ اعلیٰ درجے کا طبقہ ہے"[1] ـــــــ حدیث شریف میں ہے کہ :

"جس طرح جنت کے سات[2] طبقات ہیں، اسی طرح دوزخ کے بھی سات[3] طبقات ہیں، جہنم کا سب سے نچلا طبقہ نہایت سخت ہے جس میں منافقین رہیں گے۔ قرآن حکیم میں ہے :

اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ	بیشک منافقین آگ کے نیچے طبقے میں ہوں گے۔

جہنم کی آگ بہت سخت ہے۔ ترمذی شریف میں ہے کہ :

"ہزار برس تک اسے دہکایا گیا تو وہ سرخ ہوگئی، پھر ایک ہزار برس تک اسے دہکایا گیا تو وہ سفید ہوگئی، پھر ہزار سال تک اسے دہکایا گیا تو وہ پھر کالی ہوگئی اور اب وہ انتہائی کالی ہے"[4]

جہنم کا عذاب بہت ہولناک ہے

جہنم میں قسم قسم کے سانپ اور بچھو ہیں اور بہت کڑی زنجیریں ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرشتوں کو حکم دے گا جو قرآن مجید میں ہے :

---

[1] ترمذی شریف جلد ۲ - ابواب صفۃ الجنۃ - باب ماجاء فی صفۃ درجات الجنۃ ص ۷۶

[2] "تفسیر بیضاوی" میں آیۃ کریمہ "وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ" کے ذیل میں صفحہ ۴۸ (مطبع اصح المطابع دہلی) پر قاضی بیضاوی نے تحریر فرمایا ہے کہ لان الجنان علیٰ ماذکرہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سبع جنۃ الفردوس[1]، وجنۃ عدن[2]، وجنۃ النعیم[3]، ودار الخلد[4]، وجنۃ الماویٰ[5]، ودار السلام[6]، وعلیون[7]۔

[3] "تفسیر کبیر"، جزء خامس آیۃ "لَهَا سَبْعَةُ اَبْوَابٍ" کے ذیل میں صفحہ ۲۷۳ (مطبع عامرہ شرفیہ ۱۳۲۴ھ) پر امام فخر الدین رازی نے فرمایا ہے کہ وعن ابن جریج رضی اللہ عنہ اولہا جہنم[1]، ثم لظیٰ[2]، ثم الحطمۃ[3]، ثم السعیر[4]، ثم سقر[5]، ثم الجحیم[6]، ثم الہاویہ[7]

[4] ترمذی شریف جلد ۲ - ابواب صفۃ جہنم باب ماجاء ان نارکم الخ ص ۸۳

خُذُوْهُ فَغُلُّوْهُ ۙ ثُمَّ الْجَحِیْمَ صَلُّوْهُ ۙ ثُمَّ فِیْ سِلْسِلَةٍ ذَرْعُهَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا فَاسْلُكُوْهُ ؕ

کافروں کو پکڑو، گلے میں طوق ڈالو اور نارِ جحیم میں داخل کرو، پھر ایسی زنجیروں میں جکڑو جس کی لمبائی ستر ہاتھ ہے۔

دوزخی بھوک اور پیاس میں کھانا پینا طلب کریں گے تو گرم پانی اُن کو پلایا جائے گا جس کی گرمی سے اُن کی آنتیں پگھل کر پیٹ سے باہر آجائیں گی۔ دوزخیوں کے زخموں سے جو کچھ لہو نکلے گا وہ بھی ان کو پلایا جائے گا۔ قرآن مجید میں ہے:

فَلَیْسَ لَهُ الْیَوْمَ هٰهُنَا حَمِیْمٌ ۙ وَّلَا طَعَامٌ اِلَّا مِنْ غِسْلِیْنٍ ۙ لَّا یَاْكُلُهٗۤ اِلَّا الْخَاطِـُٔوْنَ ۝

پس اس کا بھی آج یہاں نہ کوئی دوست ہے اور نہ کھانا مگر کچ لہو جس کو خطاکار ہی کھائیں گے۔

جس طرح گرمی اور آتش کا عذاب ہوگا، سردی کا عذاب بھی عبرت خیز ہوگا۔ حدیث شریف میں ہے کہ

اِشْتَکَتِ النَّارُ اِلٰی رَبِّهَا فَقَالَتْ یَا رَبِّ اَکَلَ بَعْضِیْ بَعْضًا فَاَذِنَ لَهَا بِنَفَسَیْنِ نَفَسٌ فِی الشِّتَاءِ وَنَفَسٌ فِی الصَّیْفِ وَهُوَ اَشَدُّ مَا تَجِدُوْنَ مِنَ الْحَرِّ وَاَشَدُّ مَا تَجِدُوْنَ مِنَ الزَّمْهَرِیْرِ [1]

یعنی جہنم نے اللہ تعالیٰ سے شکایت کرتے ہوئے کہا: اے پروردگار میرے بعض حصہ نے بعض حصہ کو کھالیا، پس اللہ تعالیٰ نے اسے دو سانسیں لینے کی اجازت دی، ایک سانس گرمی میں اور ایک سانس سردی میں۔ اور وہ وہ ہے جس کی وجہ سے تم شدت کی گرمی اور بہت سخت سردی محسوس کرتے ہو۔

ایک سانس سے گرمی کے آثار دنیا میں نمایاں ہوتے ہیں۔ آفتاب آتشی چیز ہے، گرم ہے، جو جہنم کی آتش کو دنیا میں پھیلاتا ہے۔ دوسری سانس اس کی سردی میں ہوتی ہے، جس کا چھوٹا سا نمونہ دنیا میں برفباری وغیرہ سے نمایاں ہوتا ہے۔

جنت و دوزخ کے متعلق معتزلہ کا عقیدہ

معتزلہ کا خیال ہے کہ جنت و دوزخ ابھی تک پیدا نہیں ہوئیں بلکہ پیدا کی جائیں گی، یہ عقیدہ بدعت ہے اور باطل ہے اور قرآن عظیم اور احادیث شریفہ کے خلاف ہے۔

مرنے کے بعد تین عالم ہیں

موت کے بعد انسان کے لیے تین عالم ہیں۔ ایک عالمِ برزخ جس کو عالمِ قبر بھی کہتے ہیں دوسرے عالمِ محشر جس کو قیامت کہتے ہیں۔ تیسرا عالم جنت یا دوزخ۔ ان تینوں عالموں کو عالمِ آخرت کہا جاتا ہے۔

---

[1] بخاری شریف جلد ۱۔ کتاب مواقیت الصلوٰۃ۔ باب الابراد بالظہر فی شدۃ الحر۔ ص ۷۷

عالمِ برزخ ایک طویل عالم ہے جس میں جنت و دوزخ دونوں کے آثار ہیں۔ نیکوں کے لیے راحت و آرام اور بُروں کے لیے مصائب والام ـــــ قرآنِ عظیم اس پر شاہد ہے، جو فرعونیوں کے بارے میں ہے کہ :

اُغۡرِقُوۡا فَاُدۡخِلُوۡا نَارًا ۙ — دریا میں غرق کیے گئے اور فوراً جہنم میں داخل کیے گئے۔

محشر بھی ایک طویل عالم ہے۔ قرآن مجید میں ہے کہ :

کَانَ مِقۡدَارُہٗ خَمۡسِیۡنَ اَلۡفَ سَنَۃٍ ۚ — اس کی مقدار پچاس ہزار برس ہوگی

محشر کی اصل مدت تو اس دن کی (کافروں کے لیے) پچاس ہزار برس ہے لیکن خاصانِ خدا و مقربانِ بارگاہِ الٰہی پر اللہ تعالیٰ کا ایسا کرم ہوگا کہ اُن کو وہ مدّت صرف مغرب کے وقت کے برابر معلوم ہوگی ـــــ یہ بہت ہی ہولناک مقام ہوگا جس میں خاص و عام سب پریشان ہوں گے ـــــ مگر رحمۃ للعالمین شفیع المذنبین حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعتِ خاصّہ سے جس کا تذکرہ پہلے بھی گذر چکا ہے۔ رحمتِ خداوندی کا دروازہ مؤمنین کے لیے کھل جائے گا اور اللہ تعالیٰ کی شانِ جلالی، شانِ جمالی میں بدل جائے گی۔

پُل صراط

دوزخ پر ایک پُل ہے جس کو پُل صراط کہتے ہیں، جس پر سب کو گذرنا ہوگا۔ قرآن کریم میں ہے کہ :

وَاِنۡ مِّنۡکُمۡ اِلَّا وَارِدُھَا ۚ کَانَ عَلٰی رَبِّکَ حَتۡمًا مَّقۡضِیًّا ۚ ثُمَّ نُنَجِّی الَّذِیۡنَ اتَّقَوۡا وَّنَذَرُ الظّٰلِمِیۡنَ فِیۡھَا جِثِیًّا ۝

تم میں سے ہر ایک کو اس پر گذرنا ہے۔ یہ آپ کے رب کا حتمی فیصلہ ہے۔ پھر پرہیزگاروں کو ہم بچالیں گے اور ظالموں کو اس میں گرتا ہوا چھوڑ دیں گے۔

مؤمنین، اربابِ صلاح، بجلی کی طرح بعض ہوا کی طرح، بعض تیز رفتار گھوڑے کی طرح گذر جائیں گے بعض لوگ گرتے پڑتے گذریں گے ـــــ اس پُل صراط میں چمٹیوں کی طرح کانٹیں ہوں گے جو کافروں کو پکڑ کر جہنم میں پہنچا دیں گے۔

پُل صراط کے متعلق احادیث شریفہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہوگا، اس پر گذرنا عادتِ جاریہ کے خلاف ہے، اس لیے بعض لوگ اس کا انکار کرتے ہیں اور تمسخر اڑاتے ہیں۔ ایسے لوگ جو قرآن کریم اور احادیث شریفہ کے اخبار کا تمسخر اڑائیں وہ بڑے بدنصیب اور بدبخت ہیں۔

روزِ محشر وزنِ اعمال

ہم اہلِ اسلام کے نزدیک محشر میں وزنِ اعمال کا ہونا بھی حق ہے۔ قرآنِ عظیم میں ہے کہ :

وَالۡوَزۡنُ یَوۡمَئِذِ ۣالۡحَقُّ — وزن (اعمال کا) اُس روز حق ہے

اعمال کا وزن کس طرح ہوگا، یہ تو باری تعالیٰ جل شانہٗ و عم نوالہٗ کے علم میں ہے، لیکن لوگوں کے

اعمال کا وزن ہوگا ضرور، اس میں ذرا بھی شک وشبہ کی قطعاً گنجائش نہیں۔

وزن اعمال کے منکرین کو اہلِ حق کا مدلل جواب

بعض وہ لوگ جو خود کو روشن خیال تصوّر کرتے ہیں، حالانکہ وہ حقیقتاً تاریک الخیال ہیں، کہتے ہیں کہ بھلا یہ بھی کوئی ایسی شئے ہے جو ترازو میں رکھ کر تولی جاسکتی ہے۔

ہم اہلِ اسلام کہتے ہیں کہ وزن اعمال یقیناً ہوگا۔ جیسی چیز ہوتی ہے اُسی کے اعتبار سے اُس کے لیے میزان بھی ہوتی ہے ____ غور فرمایئے! موسمیات کے ماہر اپنے آلات کے ذریعے ہواؤں کا رخ معلوم کر لیتے ہیں اور پھر بتادیتے ہیں کہ فلاں مہینے کی فلاں تاریخ کو مانسون آرہا ہے اور بارشیں ہوں گی، یا ہواؤں کا رخ اُنھیں یہ بتا دیتا ہے کہ بارشیں نہیں ہوں گی۔ سائنسی آلات کے ذریعے کبھی وہ یہ بتادیتے ہیں کہ فُلاں ساحلی علاقوں میں تیز ہوائیں فی گھنٹہ اتنے میل کی رفتار سے چلیں گی اور اب تو سائنس داں یہ بھی دعویٰ کرنے لگے ہیں کہ ہم نے ایسے آلات ایجاد کر لیے ہیں جو زلزلہ آنے سے قبل اس کی اطلاع کر دیں گے۔ انسانی بخار کے لیے آلہ (THERMOMETER) کارآمد ہوتا ہے جو بخار کی شدت کا پتہ دیتا ہے کہ اس مریض کو کتنا بخار ہے۔ موسمیات کے ماہر اور ڈاکٹر ان چیزوں کو بخوبی سمجھتے ہیں ____ تو پھر تعجب ہوتا ہے ایسے لوگوں کی عقل پر کہ اُن کو محشر میں اعمال کے وزن پر ہنسی کیوں آتی ہے؟ سائنسی آلات اور بخار کے آلات (THERMOMETER) پر تو ان کا ایمان اور اعتماد ہے لیکن قرآن عظیم اور احادیث شریفہ کے اقوال اور ان کی اطلاعات پر اُن کو یقین نہیں آتا۔ یہ بڑی بد نصیبی کی علامت ہے۔

صالحین کی خوش نصیبی، بداعمال لوگوں کی بد نصیبی

وزن اعمال کے ذریعے سے اعمال کا نقصان اور کمال، کمی اور زیادتی معلوم ہوگی جو خوش نصیب ہیں، ان کو آسانیاں فراہم ہوں گی، جس کو قرآن عظیم نے حِسَابًا یَّسِیْرًا (آسان حساب) سے تعبیر کیا ہے۔ اور جن پر خداوند قدوس کا غیض وغضب ہوگا، ان کا حساب سخت ہوگا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ:

اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ حُوْسِبَ عُذِّبَ قَالَتْ عَائِشَۃُ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہَا فَقُلْتُ اَوَلَیْسَ یَقُوْلُ اللّٰہُ عَزَّ وَجَلَّ فَسَوْفَ یُحَاسَبُ حِسَابًا یَّسِیْرًا قَالَتْ فَقَالَ اِنَّمَا	نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کا حساب لیا گیا عذاب دیا گیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ میں نے حضور سے عرض کیا، کیا اللہ عز وجل نے یہ نہیں فرمایا ہے کہ عنقریب حساب لیا جائے گا آسان حساب، حضرت عائشہ نے کہا کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ

ذَالِكَ الْعَرْضُ وَلٰكِنْ مَنْ نُوْقِشَ الْحِسَابَ يُهْلِكُ (عُذِّبَ)[1] علیہ وسلم نے) وہ تو پیشی ہوگی اور لیکن جس کے حساب میں نکتہ چینی ہوئی اسے عذاب دیا جائے گا۔

یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ فرمایا کہ مَنْ حُوْسِبَ عُذِّبَ تو اس پر ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے سوال کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اللہ تعالیٰ نے تو حِسَابِ یَسِیْر فرمایا ہے اور آپ فرماتے ہیں کہ اُسے عذاب ہوگا، تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں ارشاد فرمایا ذَالِكَ الْعَرْضُ یعنی حِسَابِ یَسِیْر سے مراد فقط وہ ہے جس میں پیشی ہوگی اور نکتہ چینی نہیں ہوگی۔ پھر ارشاد فرمایا مَنْ نُوْقِشَ الْحِسَابَ عُذِّبَ یعنی جس سے اس کے حساب میں نکتہ چینی ہوگی اُسے عذاب ہوگا، اس کو حِسَابِ عَسِیْر کہتے ہیں، حِسَابِ یَسِیْر نہیں۔

محشر میں بے شمار مخلوق ہوگی، ان کا حساب وکتاب نصف یوم کی مدت میں بظاہر ناممکن ہے، لیکن اس دور میں ایسی مشینیں ایجاد ہوگئی ہیں اور جن کا استعمال بڑے بڑے دفاتر میں آج ہو رہا ہے، وہ مشینیں منٹوں اور لمحوں میں اربوں کا حساب نکال کر رکھ دیتی ہیں، تو پھر حساب کا مسئلہ باعثِ اشکال قطعاً نہ رہا ——— الغرض جو اہلِ ایمان اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ پر ایمان رکھتے ہیں، ان کے نزدیک جنت و دوزخ، پل صراط، حشر، وزنِ اعمال، یہ ساری چیزیں ذرا بھی باعثِ تعجب نہیں ہیں۔

---

[1] بخاری شریف جلد ۱۔ کتاب العلوم۔ باب من سمع شیئاً فلم یفہمہ الخ۔ ص ۲۱

شفاعت

قرآن عظیم میں ہے کہ :

عَسٰی اَنْ یَّبْعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ۝ — عنقریب اللہ تعالیٰ آپ کو مقام محمود میں جلوہ گر فرمائے گا۔

اسی آیۃ کریمہ کے مطابق اذان کے بعد کی دعا میں مسلمان پڑھتے ہیں کہ :

وَابْعَثْهُ مَقَامًا مَّحْمُوْدَ — اے اللہ! تو حضور کو مبعوث فرما اُس مقام پر جس کا

اِلَّذِیْ وَعَدْتَّهٗ — تو نے وعدہ فرمایا ہے۔

میں پہلے تحریر کر چکا ہوں کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام جب اپنی عاجزی اور خزن ربانی کا اقرار کریں گے اور یہ کہیں گے کہ "سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ" تو لوگوں سے ارشاد فرائیں گے اَنَا لَهَا[1] (اس کے لیے میں ہوں) اور پھر سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم باری تعالٰے کو سجدہ کریں گے۔ صحیح احادیث شریفہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے دعاؤں کا الہام فرمائے گا۔ میرا سجدہ اور دعائیں مقبول ہوں گی اور اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا کہ :

یَا مُحَمَّدُ اِرْفَعْ رَاسَكَ سَلْ تُعْطَ وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ[2]

مطلب : اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم، آپ اپنے سر کو اٹھالیجیے۔ آپ ہم سے سوال کیجیے، آپ سفارشیں کیجیے، ہم آپ کی سفارش قبول کریں گے۔

شفاعتِ اولیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خاصہ ہے

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رحمۃ للعالمین ہیں۔ آپ امت کے گنہ گاروں کی سفارشیں فرمائیں گے۔ یہ شفاعتِ اولیٰ ہے اور شفاعتِ کبریٰ، جو خاصہ ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اور یہی مطلب ہے اس حدیث پاک کا کہ :

---

[1] بخاری شریف جلد ۲ - کتاب الرد علی الجہمیۃ وغیرہم التوحید۔ ص ۱۱۱۸

[2] بخاری شریف جلد ۲ - کتاب التفسیر۔ باب قولہ ذریۃ من حملنا الخ۔ ص ۶۸۴

اُعْطِيتُ الشَّفَاعَةَ [1] — مجھے (بڑی اور کامل) شفاعت دی گئی ہے

انبیاء، صحابہ، اولیاء، علماء، ملائکہ اور نابالغ بچے بھی سفارش کریں گے

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سفارش کے بعد دوسرے انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، اولیائے عظام وعلمائے صالحین رحمۃ اللہ علیہم، ملائکہ عظام (فرشتے) اور نابالغ بچے [2] سفارش کریں گے۔ ان سفارشات کے بعد باری تعالیٰ فرمائے گا:

شَفَعَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ وَشَفَعَ النَّبِيُّوْنَ وَشَفَعَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَلَمْ يَبْقَ اِلَّآ اَرْحَمُ الرَّاحِمِيْنَ [3] — یعنی ملائکہ نے سفارش کی، انبیاء نے سفارش کی اور مومنین نے سفارش کی، مگر ارحم الراحمین کا کرم اب بھی باقی ہے۔

پس اللہ تعالیٰ فرشتوں کو حکم دے گا کہ وہ لوگ جن کے دلوں میں رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان ہے، اُن کو دوزخ سے نکال لو۔

گناہ گار دوزخ کے عذاب کی سزا پانے کے بعد جب جہنم سے نکالے جائیں گے تو آتش دوزخ سے وہ جل کر کوئلہ کی طرح ہو جائیں گے، تو ان کو ایک نہر میں ڈالا جائے گا، جس میں ان کی تمام سیاہی اور جلن دور ہو جائے گی اور وہ ایسے تروتازہ ہو جائیں گے کہ جیسے سیلاب میں کچھ بیج بہہ کر اُگ جاتے ہیں، اسی طریقے سے وہ سرسبز وشاداب ہو جائیں گے۔ [4]

پھر اہل جنت کہیں گے کہ:

هٰٓؤُلَآءِ عُتَقَآءُ الرَّحْمٰنِ — یہ لوگ رحمٰن کے آزاد کیے ہوئے ہیں

اللہ تعالیٰ نے ان کو بغیر عمل کے جنت میں داخل فرمایا ہے۔" [5]

بعض بدعقیدہ شفاعت کے منکر ہیں

بعض بدعقیدہ لوگ شفاعت کے منکر ہیں۔ معتزلہ اہل بدعت نے شفاعت کا انکار اس طریقے سے

---

[1] بخاری شریف جلد ۱۔ کتاب التیمم۔ وقول اللہ عزوجل فلم تجدوا الخ ص ۴۸

[2] نابالغ بچوں سے مراد یہ ہے کہ جو بچے سن بلوغت کے پہنچنے سے پہلے فوت ہو چکے۔ وہ سفارش کریں گے۔

[3] مشکوٰۃ المصابیح۔ باب الحوض والشفاعۃ۔ فصل اول ص ۴۹۰

[4] بخاری جلد ۱۔ کتاب الایمان۔ باب تفاضل اہل الایمان فی الاعمال ص ۸

[5] مشکوٰۃ المصابیح۔ باب الحوض والشفاعۃ۔ فصل اول ص ۴۹۰

کیا ہے کہ وہ گناہوں کی معافی کے لیے نہیں بلکہ ترقی درجات کے لیے ہوگی۔ حالانکہ ان کا یہ عقیدہ غلط اور باطل ہے۔

اہلِ حق شفاعت کے قائل ہیں

فرقۂ ناجیہ اہلِ حق یعنی اہل سنت وجماعت دونوں قسم کی شفاعت کے الحمدللہ قائل ہیں، معافی قصور کے لیے بھی اور ترقی درجات کے لیے بھی ——— ابوداؤد شریف میں حدیث پاک ہے کہ:

شَفَاعَتِیْ لِاَھْلِ الْکَبَائِرِ مِنْ اُمَّتِیْ [1] — میری شفاعت کبائر گناہ کرنے والوں کے لیے ہوگی

شفاعت میں تأمل کرنے والوں کو مدلل جواب

بعض لوگوں کو ان تحقیقات کے بعد بھی شفاعت میں کلام ہے اور وہ کہتے ہیں کہ اپنا عمل ہے اور اس کی جزا ہے۔

راقم الحروف سے بھی بعض لوگوں نے ایسا کہا، تو میں نے اس کے جواب میں اُن سے کہا کہ آپ لوگ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام، اولیاء عظام کی شفاعت میں تأمل کرتے ہیں، مگر ہم تو نابالغ بچوں کی جب نمازِ جنازہ پڑھتے ہیں تو اس میں پڑھتے ہیں:

وَاجْعَلْهُ لَنَا شَافِعًا وَّمُشَفَّعًا — (اے اللہ) اس بچہ کو مقبول الشفاعت سفارشی بنا

امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا عملی اجماع ہے کہ یہی دعا نابالغ [2] کی نمازِ جنازہ میں پڑھی جاتی ہے۔

قرآنِ کریم میں شفاعت کے سلسلہ میں یہ آیۃ مبارکہ ہے کہ:

مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ — کون ہے جو سفارش کرسکے مگر باذنِ خداوندی وہ سفارش کرے گا۔

قرآن عظیم اور حدیث شریف سے شفاعت کا ثبوت پیش کرنے کے بعد کسی منصف مزاج مسلمان کے لیے مسئلہ شفاعت میں تأمل کرنا عقلِ سلیم کے خلاف ہے۔

مطلق شفاعت کا منکر کافر، صرف درجات کی ترقی کا قائل بدعتی

اگر کوئی شخص مطلقاً شفاعت کا انکار کرے تو وہ کافر ہے اور جو شفاعت کو صرف ترقی درجات کیلیے مخصوص کرے گا تو وہ مُبتدِع ہے۔

---

[1] ابوداؤد شریف جلد ۲۔ کتاب السنۃ۔ باب فی الشفاعۃ ص ۶۵۲

[2] نابالغ بچہ اور نابالغ بچی کی دعا میں تذکیر وتانیث کا فرق ہے۔ مسلمانوں کو واقف کار سے معلوم کرکے اور یاد کرکے وہ دعائیں جنازہ کی نماز میں پڑھنا چاہیے۔ اس کا خیال رکھنا ضروری ہے۔

ایک غلط فہمی اور اس کا جواب

کفار کے سلسلے میں قرآن عظیم میں ہے کہ :

مَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ حَمِیْمٍ وَّلَا شَفِیْعٍ یُّطَاعُ ؕ — ظالم مشرکوں کے لیے نہ کوئی دوست ہوگا نہ کوئی ایسا سفارشی جس کی بات مانی جائے۔

اس آیۂ کریمہ سے بعض لوگوں کو غلط فہمی ہوئی ہے کہ قرآن کریم میں شفاعت کی نفی موجود ہے، حالانکہ یہ آیت کفار و مشرکین کے حق میں ہے۔ اس میں صاف طور پر مشرکین و کفار کا ذکر موجود ہے۔

اہلِ اسلام کفار و مشرکین کے لیے شفاعت کے ہرگز قائل نہیں

الحمد للہ ہم اہلِ اسلام کفار و مشرکین کی شفاعت کے ہرگز نہ قائل ہیں اور نہ ایسا عقیدہ رکھتے ہیں۔ کافروں اور مشرکوں کی بخشش کبھی نہیں ہوگی۔ وہ ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔

سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعتِ کبریٰ اور شفاعتِ اولیٰ کی تفصیل ہم پہلے بیان کر چکے ہیں اور حضرات انبیاء کرام، خاصانِ خدا، حضراتِ اولیاء، ملائکۂ عظام کی شفاعت کا ذکر بھی پہلے گذر چکا ہے۔

التجا و دعا شفاعت کا ایک حصہ ہے

اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کے مقابلے میں کوئی بڑا یا مساوی ہو کر نہ مقابلہ کر سکتا ہے نہ کسی کی مدد و اعانت، البتہ بندۂ خدا ہو کر نیاز مندانہ اور عاجزانہ طور پر اپنے مولیٰ تعالیٰ جل شانہٗ وعم نوالہٗ سے التجا اور دعا کر سکتا ہے۔ اسی دعا کا ایک حصہ شفاعت بھی ہے ــــــ عام مسلمانوں کے لیے استغفار کرنا بھی ایک شفاعت ہے جو قرآن کریم میں مذکور ہے کہ :

وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ؕ — (اے رسول) اپنی فروگذاشت کے لیے اور مومنین و مومنات کے لیے معافی طلب کرو۔

جنگِ اُحُد میں ہزیمت ہو جانے کے بعد بعض صحابہ کرام معرکہ سے ہٹ گئے تھے، وہ تو اپنے فرار پر نادم تھے اور کہہ رہے تھے کہ :

نَحْنُ الْفَرَّارُوْنَ [1] — ہم بھاگے ہوئے ہیں

اور حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم اُن کی تسلی کے لیے ارشاد فرما رہے تھے :

لَا بَلْ اَنْتُمُ الْعَکَّارُوْنَ [2] — نہیں بلکہ تم تو مرکز کی طرف لوٹنے والے ہو۔

[1،2] ابوداؤد شریف جلد ۱ - کتاب الجہاد - باب فی التولی یوم الزحف - ص ۳۵۵

یعنی جو ہمارا دربار ہے اس کی طرف لوٹنے والے ہو، بھاگنے والے نہیں ہو۔ قرآن کریم میں ارشاد ربانی ہے کہ:

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ ۖ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ

یعنی اللہ کے کرم سے آپ صحابہ کے حق میں نرم ہو گئے اگر آپ سخت مزاج اور سخت دل ہوتے تو صحابہ کا مجمع منتشر ہو جاتا، پس ہم آپ سے کہتے ہیں کہ ان کی وجہ سے جو آپ کو تکلیف پہنچی ہے اس کو در گذر کیجیے اور (ہمارے حکم کی جو مخالفت کی ہے صحابہ نے) اس کے لیے استغفار کیجیے یعنی سفارش کیجیے۔

شفاعت کا مدار مقبولیت عند اللہ پر، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قبر مبارک میں شفاعت کا حق حاصل ہے

شفاعت کرنے والے کی شفاعت کا مدار اس کی مقبولیتِ عند اللہ پر ہے۔ مقبولانِ بارگاہِ الٰہی جب اِس عالم سے چلے جاتے ہیں تو اُن کی مقبولیت پر مُہر لگ جاتی ہے اور وہ فنا نہیں ہوتی ـــــ رہے حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام تو ان کے متعلق امت کا اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبوت عطا فرمانے کے بعد کسی نبی کی نبوت سلب نہیں کی۔ پس بعد وصالِ شفیع المذنبین رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو قبر مبارک میں بھی شفاعت کا حق حاصل ہے۔

حضرات شیخین کرام کو بھی شفاعت کا حق حاصل ہے

رسولِ انور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے برکات سے حضرات شیخین کرام (حضرت سیدنا امیر المؤمنین ابوبکر صدیق اور امیر المؤمنین حضرت سیدنا فاروق اعظم عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہما) جو آپ کے پہلو میں آرام فرما ہیں، انھیں بھی شفاعت کا اختیار حاصل ہے، حالانکہ یہ حضرات شیخین کرام رضی اللہ عنہما نبی نہیں ہیں بلکہ صحابی ہیں اور اعلیٰ درجے کے ولی کامل ہیں۔ اسی بنا پر فقہ حنفی میں مذکور ہے کہ جب کوئی امتی سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ مقدسہ پر حاضری دے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار عالی میں درود و سلام کا نذرانہ پیش کرنے کے بعد حضور خاتم النبیین شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کرے کہ:

"اے رسولِ کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ اللہ تعالیٰ سے ہماری سفارش فرمائیں اور ذرا[1] ہٹ کر

---

[1] حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا جب قصد کیا جائے تو اولیٰ یعنی بہت بہتر یہی ہے کہ صرف حضور صلی اللہ علیہ ←

وسلم کے روضۂ اطہر ہی کی زیارت کی نیت کی جائے' یہی حضراتِ حنفیہ کا اور جمہور اہل حق یعنی اہل سنت کا مسلک ہے۔ صرف علامہ ابن تیمیہ نے "الوسیلہ" میں جمہور اہلِ سنت وجماعت کے مسلک حقہ سے ہٹ کر اپنا الگ خیال ظاہر کیا ہے کہ مسجد نبوی کی زیارت کی نیت کی جائے۔ روضۂ اطہر کی زیارت کی نیت کرنا ان کے نزدیک ٹھیک نہیں' ابن تیمیہ کا قول غلط ہے۔ عجیب بات یہ ہے کہ ابن تیمیہ نے اس قول کی نسبت حضرت امام مالکؒ کی طرف کر ڈالی، جبکہ امام مالکؒ جیسا عاشقِ رسول ان کے زمانے میں کوئی اور نہ تھا' اللہ ہی بہتر جانے کہ امام مالکؒ کی طرف نسبت کیوں اور کیسے کر دی؟ اس خیال کی امام مالکؒ کی طرف نسبت بالکل غلط ہے۔

"نورالایضاح" کی شرح "نورالفتاح" میں فصل فی زیارۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذیل میں صفحہ ۲۴۶ پر جلیل القدر مجتہد علامۃ العصر حضرت امام ابن ہمام قدس سرہ' کا فرمان مذکور ہے کہ "خالص زیارت قبر شریف کی نیت کرنا افضل ہے زیارت مسجد نبوی بھی خود بخود حاصل ہو جائے گی اور خالص نیت میں رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم وتکریم زائد ہے"۔ محققین کرام علیہم الرحمہ کے نزدیک یہ چیز ثابت ہے کہ آپ اپنی لحد شریف میں حیات ہیں۔ جب آپ کے روضۂ اطہر پر امتی درود وسلام کا نذرانہ پیش کرتا ہے تو آپ اس کے درود وسلام کو سنتے ہیں اور جواب بھی عطا فرماتے ہیں جب آپ کے پاک شہر مدینہ منورہ پہنچے تو پہلے غسل کرے' صاف ستھرے کپڑے پہنے' خوشبو لگائے' خوشبو کے لیے صرف عطر ہی کا استعمال کیا جائے (آج کل کے مروجہ سینٹ وغیرہ کا استعمال ہرگز جائز نہیں ہے کیونکہ سینٹ میں الکحل ہوتا ہے۔ الکحل شراب کی قسم ہے) مسجد نبوی میں حاضر ہو کر پہلے تحیۃ المسجد کی دو رکعت پڑھے اور پھر شکرانہ کی دو رکعت پڑھنا بھی بہتر ہے کہ اللہ تعالیٰ کا مجھ گناہ گار پر کتنا بڑا افضل ہے کہ اس نے مجھے اس بابرکت ومقدس مقام پر حاضری کی توفیق عنایت فرمائی۔ منبر شریف کے قریب جگہ نہ ملے تو مسجد نبوی کے کسی بھی حصہ میں پڑھ لے لیکن وہ مقام جسے "ریاضُ الجنۃ" کہتے ہیں' سب سے افضل جگہ ہے۔ اس کے بعد روضۂ اطہر پر نہایت ہی ادب وتعظیم کے ساتھ حاضر ہو کر ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو اس طور پر کہ قبلہ کی طرف پُشت ہو اور اپنا چہرہ روضۂ مقدسہ کی جانب ہو۔ زائرین یہ خوب پیش نظر رکھیں کہ روضۂ اطہر پر تین کھڑکیاں ہیں۔ درمیانی کھڑکی کے سامنے کھڑا ہونا چاہیے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ پُر نور اسی جانب ہے اور یہ تصور کرے کہ آپ مجھ کو دیکھ رہے اور میرے درود وسلام کو سن رہے ہیں اور اس کا جواب بھی عطا فرما رہے ہیں۔ میری معروضات دُعائیں سُن رہے ہیں اور جواب میں آمین ارشاد فرما رہے ہیں سلام نہ تو بالکل آہستہ ایسے کہ دل ہی دل میں پڑھے اور نہ زیادہ زور شور سے پڑھے کہ بے ادبی ظاہر ہو بلکہ آہستہ آہستہ آواز سے پڑھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام پیش کرنے کے بعد اسی طرح دعا کرے کہ قبلہ کو پشت رہے اور اپنا چہرہ سرکار سید انام صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے رہے۔ اگرچہ اس زمانے میں نجدی لوگ زبردستی زائرین کا منہ دعا کے وقت روضۂ اطہر سے ہٹا کر قبلہ کی جانب کر دیتے ہیں ان کا یہ فعل ادب وتعظیم کے خلاف ہے اور سلف صالحین کے طریقہ کے مخالف۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار عالی

حضرات شیخین کرام رضی اللہ عنہما سے درخواست کرے کہ آپ دونوں حضرات خاتم الانبیاء سید الاتقیاء شفیع المذنبین رحمۃ للعالمین آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہماری سفارش کیجیے کہ حضور ہمارے شفیع ہو جائیں۔"

بعد وفات اولیاء اللہ کی مقبولیت اور زیادہ پختہ ہو جاتی ہے بعض لوگوں نے مجھ سے بھی کہا اور لوگوں سے بھی کہتے ہیں کہ جب تک انسان بقید حیات ہے اسے دعائیں کرنے کا حق حاصل ہے، مگر بعد وفات وہ دعاؤں سے محروم کر دیا جاتا ہے۔ ہمارے بیانِ سابق سے نقلی طور پر اس لغو خیال کی تردید ہو گئی۔ عقلی طور پر میں نے ان مخالفینِ شفاعت سے یہ کہا کہ حیاتِ ظاہری میں دعا اور شفاعت کا مدار ان حضرات کی مقبولیت پر ہے۔ بعدِ وفات تو مقبولیت میں اور مضبوطی آجاتی ہے، تو پھر دعاؤں کے مقبول نہ ہونے کی کیا وجہ ہے؟

اولیاء کرام کی روحانیت سے استمداد بعد وفات جائز ہے اس بیان سے یہ بات واضح ہو گئی کہ خاصانِ خدا کے مزارات پر جانا اور ان کی روحانیت سے دعا و شفاعت کا طلب[1] کرنا کوئی امرِ ممنوع نہیں۔

سلسلہ صفحہ گذشتہ: میں سلام پیش کرنے کے بعد اپنے ان عزیز و اقارب اور احباب کی طرف سے سلام پیش کرے جنہوں نے روانگی کے وقت درخواستیں کی تھیں۔ اس کے بعد دو قدم سیدھے ہاتھ کی جانب ہٹے یعنی جانبِ مشرق، اسی جانب "بابُ البقیع" بھی زائرین کے قریب ہوتا ہے۔ یہاں سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا چہرۂ مبارک ہے ان پر سلام پیش کرے اور دعا کرے۔ پھر سیدھے ہاتھ کی جانب دو قدم ہٹے۔ یہاں سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا چہرۂ مبارک ہے ان پر سلام پیش کرے اور دعا کرے۔ اس کے بعد نصف ہاتھ بائیں جانب ہٹے اور شیخین کرام پر سلام پیش کرے اور تعظیم کے ساتھ کھڑا ہو اور دعا کرے۔ اس کے بعد بائیں جانب پھر دو قدم ہٹے اور درمیانی کھڑکی پر آئے اور پھر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور کے روبرو نہایت تعظیم و تکریم کے ساتھ ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو، سلام پڑھے اور دعائیں کرے ——— زائرین کے لیے اردو کی کتابیں جو حج و زیارت سے متعلق ہیں ان میں تفصیل کے ساتھ طریقہ زیارت شریفہ مذکور ہے۔

[1] واثبتہ المشائخ الصوفیہ قدس اللہ اسرارہم وبعض الفقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ وذالک امر مقرر عند اہل الکشف والکمال منہم ولاشک فی ذالک عندہم حتی ان کثیراً منہم حصل لہم الفیوض من الارواح وتسمیٰ ہذہ الطائفۃ اویسیہ ←

حاجات کا پورا کرنا اور مشکلات کا حل کرنا صرف اللہ تعالیٰ ہی کا کام ہے

ہاں قضائے حاجات اور حل مشکلات یہ کام صرف اللہ تعالیٰ ہی کا ہے۔

اولیاء سے التجائیں کرنا شرک نہیں لیکن احتیاط کے خلاف ہے

بعض لوگ خوش عقیدگی میں بزرگانِ دین کے مزارات پر حاضر ہو کر یہ التجائیں کرتے ہیں کہ ہمارا یہ کام کر دیجیے۔ اس پر معترضین یہ اعتراض کرتے ہیں کہ یہ الفاظ شرکیہ ہیں۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ ان الفاظ کا استعمال احتیاط کے تو خلاف ہے، لیکن شرک نہیں۔

حضرت جبریل امین علیہ السلام نے حضرت مریم علیہا السلام سے کہا تھا کہ میں اللہ کی طرف سے پیامبر ہوں اور اس لیے آیا ہوں کہ آپ کو ایک صاف ستھرا لڑکا بخش دوں۔ قرآن عظیم میں ہے کہ:

قَالَ اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ ۖ قصلے لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا ۝

(فرشتہ نے) کہا میں تمھارے رب کا بھیجا ہوا (فرشتہ) ہوں تاکہ تم کو ایک پاکیزہ لڑکا دوں۔

الغرض ضروری مسائل اور کچھ نمونے ہم نے شفاعت کے سلسلے میں پیش کر دیئے۔ انصاف پسند مسلمان کیلیے یہ کافی ہیں۔

(سلسلہ صفحہ گذشتہ) فی اصطلاحہم قال الامام الشافعی رحمۃ اللہ قبر موسیٰ الکاظم رضی اللہ عنہ تریاق مجرب لاجابۃ الدعاء قال حجۃ الاسلام محمد الغزالی رحمۃ اللہ من یستمد فی حیاتہ یستمد بعد مماتہ

حاشیہ ۲ مشکوٰۃ المصابیح۔ باب زیارۃ القبور فصل اول ص ۱۵۴۔ بحوالہ لمعات جلد ۱۔ ص ۱۳۳

علامہ محقق شہاب الدین احمد بن حجر ہیتمی مکی شافعیؒ متوفی ۹۷۳ھ اپنی کتاب "الخیرات الحسان فی مناقب الامام الاعظم ابی حنیفۃ النعمان"، کی فصل ۳۵ میں فرماتے ہیں کہ "جان لو حضرت امام اعظم ابو حنیفہ نعمان رحمۃ اللہ علیہ کی قبر کی زیارت ہمیشہ علماء، صلحاء اور ضرورت مندوں نے کی ہے، وہ آپ کے پاس جا کر اپنی حاجتوں کے لیے آپ کو وسیلہ کرتے ہیں اور اپنی حاجات پوری ہوتے دیکھتے ہیں۔ ان علماء میں سے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں۔ بغداد میں قیام کے زمانہ میں انھوں نے فرمایا ہے کہ میں امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے برکت حاصل کرتا ہوں اور میں آپ کی قبر شریف کے پاس جاتا ہوں اور جب مجھے کوئی ضرورت پیش آتی ہے تو میں دو رکعت نماز پڑھ کر آپ کی قبر کے پاس جا کر اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں میری وہ حاجت بہت جلد پوری ہو جاتی ہے"۔ بے شمار واقعات ہیں جو سلف صالحین علیہم الرحمہ نے نقل کیے ہیں۔ استمداد انبیاء و اولیاء بعد وفات کے بارے میں۔ لہٰذا انصاف پسند انسان کے لیے اس میں قطعاً کوئی شک و شبہ نہیں کہ استمداد انبیاء کرام اور اولیاء عظام بعد وفات اہل سنت و جماعت کے نزدیک جائز ہے۔ بات دراصل یہ ہے کہ جن حضرات کو ان چیزوں کا مشاہدہ ہوا انھوں نے اسے جائز اور حق سمجھا، اور جن اہل علم کو ان چیزوں کا مشاہدہ نہ ہوا، انھوں نے اس کا انکار کر دیا، لیکن ان لوگوں کے انکار سے یہ ہرگز لازم نہیں آتا کہ جو چیز ان کے مشاہدہ میں نہ آئے تو اس کی کوئی اصل نہیں، یہ تصور کہ ہمیں اس کا مشاہدہ نہیں ہوا تو یہ چیز غلط ہے، واقعہ کے خلاف اور انصاف کے منافی ہے۔

عقائدِ متعلقہ بہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام

اجمالی طور پر جملہ حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام پر ایمان لانا مسلمانوں کا بنیادی عقیدہ ہے۔
حضرات انبیاء کرام علیہم السلام انسان تھے، لیکن اللہ تعالیٰ نے خلقی طور پر ہر نبی کو خیر کی طرف مائل اور شر سے مکمل طور پر متنفر بنایا تھا۔ کفر و شرک اور ایسے دنی حرکات و سکنات سے جس سے ان کی عزت پر حرف آتا ہو اور وقعت و منزلت میں کمی، اللہ تعالیٰ نے ان کو ہمیشہ محفوظ رکھا۔ خداوند قدوس نے ان کو گناہوں سے معصوم فرمایا۔ البتہ خلافِ اَولیٰ کبھی اُن سے ظاہر ہوا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی ذات بابرکات کے لیے اس کو بہت نازیبا قرار دیا اور اسی کو شرعی اصطلاح میں زَلَّتْ (ترک اولیٰ) کہتے ہیں۔

اس معمولی سی بات کو حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام نے اپنے لیے اس قدر بُرا تصور فرمایا کہ عام دنیا دار اپنے گناہِ کبیرہ کو بھی اس قدر اہم تصور نہیں کرتے ——— اس کی مثال ایسی ہے کہ جن لوگوں کے طبائع میں لطافت اور نظافت نہیں ہوتی، ان کے بدن اور لباس پر مختلف قسم کے دھبے ہوتے ہیں اور میل کچیل جما ہوا ہوتا ہے، لیکن ان کو کبھی اس کی پروا نہیں ہوتی۔ البتہ لطیف طبع، نازک مزاج کے لباس پر اگر گرد و غبار کا ایک معمولی سا ذرہ بھی گر جائے تو اُس کو پہاڑ معلوم ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے کسی نبی کی نبوت کو اور جلالتِ شان کو کبھی سلب نہیں کیا

حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے متعلق یہ سمجھنا بھی ضروری ہے کہ اُن کو اللہ تعالیٰ نے کمالِ نبوت اور جلالتِ شان مرحمت فرمانے کے بعد کبھی اس کو چھینا نہیں۔ دنیاوی کمال ملتے ہیں اور کبھی چھینے بھی جاتے ہیں۔ دینی کمال جو غیر انبیاء کو ملتے ہیں، ان کا بھی یہی حال ہے۔

انبیاء کرام سے غیر انبیاء کا حال مختلف ہے

حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے علاوہ بہت سے انسان اول دولتِ ایمان سے سرفراز ہوئے بعد میں مُرتد اور بے دین ہو گئے (العیاذ باللہ) بعض نے اول اول اتقاء اور پرہیزگاری کی انتہا کر دی، اس کے بعد فسق و فجور میں مبتلا ہو گئے۔ یہاں تک کہ بعض کو ولایت مل گئی اس کے بعد سلب ہو گئی۔

"بلعم[1] بن باعورا" کا واقعہ جو قرآن عظیم میں مذکور ہے، اس پر شاہد ہے۔

انبیاء کرام پر اللہ تعالیٰ کا مخصوص کرم وفضل ہے

لیکن خداوند قدوس جل شانہٗ وعم نوالہ کا مخصوص فضل وکرم حضراتِ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ رہا ہے کہ کسی کو نبوت عطا فرمانے کے بعد اس نعمتِ عظیمہ کو ان سے چھینا نہیں۔

انبیاء کرام کو اللہ تعالیٰ نے رذیل وحقیر امراض سے ہمیشہ محفوظ رکھا

اللہ تعالیٰ نے حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو ایسے رذیل اور حقیر امراض سے جو باعثِ کراہت ونفرت ہوں، ہمیشہ محفوظ رکھا۔ مثلاً جذام، برص وغیرہ۔

حضرت ایوب علیہ السلام کے متعلق غلط خیال کی تردید

حضرت سیدنا ایوب علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق تفاسیرِ قرآن کریم میں مذکور ہے کہ اُن کی اولاد کا انتقال ہوا، مال ضائع ہوگیا، امراض میں مبتلا ہوئے، لیکن کسی معتبر کتاب

---

[1] بلعم بن باعورا نے مدتوں اللہ تعالیٰ کی عبادت کی تھی، ریاضاتِ شاقہ برداشت کی تھیں، وہ اپنے عہد کا بڑا متقی انسان تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے ولایت کے اعلیٰ مراتب عطا فرمائے تھے اور اسے تقرب خداوندی حاصل ہوگیا تھا۔ یہ شخص بڑا مستجاب الدعوات تھا۔ اللہ تعالیٰ سے جو مانگتا تھا وہ بعینہٖ اُسے فوراً عطا ہو جاتا تھا۔ اس کی مجلس میں بارہ ہزار اس کے متبعین ہوا کرتے تھے۔ آج کے عبّاد، زہّاد اور اس دور کے اہلِ تصوف کے واسطے بلعم کا واقعہ باعثِ عبرت ونصیحت ہے کہ اس کی ولایت، زہد وتقویٰ اور تقرب الٰہی کو ذرا سے دنیاوی طمع لالچ نے ضائع کر دیا تھا۔ خصائلِ رذیلہ جیسے ریاکاری، خود بینی، بدبینی، حسد وبغض، تکبر، دنیاوی طمع لالچ کی وجہ سے ذرا سی دیر میں ساری عبادات، ریاضات، مجاہدات، ولایت، زہد وتقویٰ اور اعمال صالحہ سب کو ختم کر ڈالتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم پر اور جملہ مسلمین پر کرم فرمائے اور ہمیں ان خصائل رذیلہ سے محفوظ رکھے۔ آمین ___ "تفسیر جلالین نصف اول میں پارہ ۹۔ رکوع ۱۱۔ آیۃ کریمہ وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ الَّذِيْٓ اٰتَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا الیٰ آخرہ کی تفسیر کے ذیل میں ہے کہ بلعم بن باعورا بنی اسرائیل کے علماء میں سے تھا۔ بلعم سے اس کے لوگوں نے کہا کہ تم حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور اُن کے اصحاب کے حق میں بددعا کرو، اور ان لوگوں نے اس بددعا کرانے کے عوض اسے دنیاوی طمع دیا کچھ دولت دی۔ اس نے بددعا کر دی، اس کی بددعا اسی کو لگ گئی (جس کا نتیجہ یہ برآمد ہوا) کہ اس کی زبان سینہ پر لٹکنے لگی ___ حاشیہ جلالین ص ۱۴۳ پر ہے کہ جب وہ کسی شر کی دعا کرتا تھا تو اللہ اس کی زبان کو اس کے متبعین کی طرف ہی پھیر دیا کرتا تھا اور جب وہ کسی خیر کی دعا کرتا تھا تو اللہ تعالیٰ اس کی زبان کو قوم بنی اسرائیل کے حق میں پھیر دیا کرتا تھا۔ اس کے متبعین نے اس سے کہا اے بلعم تمھیں معلوم ہے کہ تم کیا کر رہے ہو؟ اُن کے لیے دعا کر رہے ہو اور ہمارے لیے بددعا۔ تو اس نے کہا (اے میرے ماننے والو!) یہ میرے قبضہ میں نہیں ہے یہ تو ایک چیز ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے میرے اوپر غالب کر دیا ہے چنانچہ اس کا نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ اس کی زبان منھ سے باہر آگئی اور سینہ پر لٹک گئی۔"

میں یہ مذکور نہیں کہ حضرت ایوب علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مبارک، نورانی اور پاک بدن میں کیڑے پیدا ہوگئے تھے، یہ قول عوام میں مشہور ہوگیا ہے لیکن معتبر کتب میں اس طرح کا کوئی قول نہیں۔ لہٰذا اس واقعہ کی کوئی اصل نہیں۔ یہ بات ایک نبی محترم کے لیے زیبا بھی نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس طرح کے امراض سے جو باعثِ حقارت ہوں، محفوظ رکھا۔

انبیاء کرام انسانی خودداری اور طبعی شرافت کا مجسم اور اعلیٰ پیکر تھے

بعض افعال درجہ حرمت میں نہیں ہوتے، لیکن اُن سے انسان کی خودداری اور طبعی شرافت پر داغ ضرور پیدا ہوجاتا ہے، مثلاً بازار میں کھانا وغیرہ ایسے امور سے بھی حضرات انبیاء علیہم السلام محفوظ تھے۔ صحتِ عقائد کے ساتھ حسنِ اخلاق اور صلاحِ اعمال ہر نبی کے لیے ضروری تھی حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام انسانی خودداری اور طبعی شرافت کا مجسم پیکر اور اعلیٰ وارفع کمالات رکھتے تھے۔

نبی کی امتیازی خصوصیت اور شانِ کمال کا اظہار معجزہ ہے

اللہ تعالیٰ نے امتیازی خصوصیت واضح کرنے کے لیے ہر نبی کو مناسب وقت ایسے کمالات بھی عطا فرمائے، جو عادتِ جاریہ کے خلاف تھے، انہی کمالات کا نام معجزہ ہے۔

معجزاتِ انبیاء کرام قرآن و احادیث سے ثابت ہیں

متفلسفین کا انکارِ معجزات، باطل نظریہ ہے

ایسے لوگ جن پر فلسفہ کا غلبہ ہے اور حسنِ عقیدت سے محروم ہیں، حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے معجزات کا انکار کرتے ہیں، اور جن امور کو قرآنِ عظیم اور احادیث نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم معجزہ بتاتی ہے، وہ متفلسفین ان کی تاویلیں کرتے ہیں۔

اوائلِ اسلام میں بھی اس قسم کے لوگ پیدا ہوگئے تھے اور ان کا سلسلہ اب تک چل رہا ہے، لیکن مغربیت اور کمیونزم کے زہریلے سیلاب سے بہت سے مسلمان متاثر ہوگئے ہیں اور اس دور میں اعجازی واقعات پر قہقہے لگائے جانے لگے۔

مسلمان سلفِ صالحین کے بیان کردہ نظریات و عقائد کو پیشِ نظر رکھیں

میں پہلے بھی تحریر کرچکا ہوں اور دوبارہ پھر عرض ہے کہ اس قسم کے واقعات سے مسلمان کو مرعوب اور خوفزدہ نہ ہونا چاہیے بلکہ ہمیشہ اپنے نظریات اور عقائد کے لیے سلفِ صالحین رحمۃ اللہ علیہم کا طریقہ پیشِ نظر رکھنا

چاہیے۔ ان کے بتائے ہوئے اور پرکھے ہوئے اصول کسی طرح نظرانداز کر دینے کے قابل نہیں۔

انبیاء کی وفات غیرِ انبیاء کی طرح ہرگز نہیں، اور عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر بقیدِ حیات ہیں

حضراتِ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام نے رحلت فرمائی اور سب کا وصال ہوا۔ البتہ حضرت سیدنا عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام آسمان پر بقیدِ حیات ہیں۔ ان کی ظاہری وفات بھی نہیں ہوئی ——— لیکن یہ خوب واضح رہے کہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی رحلت اور وفات ایسی ممات نہیں ہے، جو غیرِ نبی کی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کو ایسی مخصوص حیات مرحمت فرمائی ہے کہ جس سے وہ فوائد بھی حاصل کرتے ہیں اور قوتِ تصرف بھی رکھتے ہیں۔ ہر نبی کے لیے یہ صفتِ حیات ہے۔

انبیاء علیہم السلام کے اجسام مبارکہ قبور میں سالم و محفوظ ہیں، حضور کا ہر کمال بلند، آپ کی حیات بھی انبیاء سے بالاتر ہے

لیکن حضور خاتم النبیین رحمۃ للعالمین سید الاولین والآخرین حضور احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر کمال بلند و بالا ہے۔ اس لیے آپ کی حیاتِ طیبہ بھی تمام انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی حیات سے بالاتر ہے جملہ انبیا کرام کے اجسام مبارکہ اُن کی قبور میں بالکل سالم اور مکمل محفوظ ہیں ——— ابن ماجہ شریف میں حدیث پاک ہے کہ:

فَنَبِيُّ اللّٰهِ حَيٌّ يُّرْزَقُ [1]	اللہ کا نبی زندہ ہے اور اس کو روزی ملتی ہے۔

دوسری حدیث شریف میں ہے کہ:

اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلَى الْاَرْضِ	اللہ تعالیٰ نے زمین پر یہ حرام کر دیا ہے کہ
اَنْ تَاْكُلَ اَجْسَادَ الْاَنْبِيَاءِ [2]	وہ انبیاء کے اجساد (جسموں) کو کھائے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو حج کرتے ہوئے، بعض کو نماز پڑھتے ہوئے ملاحظہ فرمایا ہے، جس سے صاف واضح ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی وفات عام انسانوں کی موت کی طرح ہرگز نہیں ہے۔

ایک چیز یہ بھی قابلِ غور ہے کہ شہداء کرام کا رتبہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام سے بہت کم ہے۔ اُن کے لیے زندگی کی خبر اللہ تعالیٰ نے قرآن عظیم میں دی ہے کہ:

---

[1] اور [2] ابن ماجہ شریف جلد ۱۔ باب ذکر وفاتہ ودفنہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ ص ۱۱۹

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ۙ فَرِحِيْنَ بِمَا اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ

(اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) ان لوگوں کو جو راہِ خدا میں شہید ہوئے، مردہ مت سمجھنا بلکہ وہ زندہ ہیں۔ ان کو رزق ملتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے جو ان پر کرم کیا ہے اس سے خوش ہیں۔

شہدائے کرام کی حیات کو مانتے ہوئے مسلمان کس طرح ہمت کر سکتا ہے کہ حضراتِ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو مردہ کہے (معاذ اللہ) نیز حضراتِ اولیاءِ عظام رحمہم اللہ کے متعلق کتاب تذکرۃ الاولیاء میں قوی سند کے ساتھ یہ روایت مذکور ہے:

وَلِیُّ اللّٰہِ حَیٌّ یُرْزَقُ [1]

اللہ کا ولی زندہ ہے اور اسے روزی ملتی ہے۔

جب شہداء اور اولیاء کی زندگی ثابت ہے، تو انبیاء کرام بدرجہ اولیٰ زندہ ہیں

الغرض خاصانِ خدا و مقربانِ بارگاہِ الٰہی عموماً اور انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام خصوصاً زندہ ہیں۔

عذابِ قبر اور ثوابِ قبر حق ہے

بعض لوگ اس حیات کو برزخی حیات تصور کرتے ہیں، یعنی قبر کی زندگی۔ لیکن قبر کی زندگی اور روحانی احساس و ادراک ایسی عام چیز ہے جو غیر مسلم کو بھی حاصل ہے، ورنہ عذابِ قبر اور ثوابِ قبر کا مسئلہ صحیح نہیں رہے گا — حالانکہ جمہور اہلِ سنت و جماعت عذابِ قبر اور ثوابِ قبر کے قائل ہیں۔ اس سے یہ چیز ثابت اور روشن ہو جاتی ہے کہ حیاتِ خاصانِ خدا علیحدہ شئی ہے، جو کفار و مشرکین اور فساق و فجار کو حاصل نہیں۔

ہم غلامانِ اہلِ حق چونکہ خاصانِ خدا کے متعلق اس قسم کی حیات کے قائل ہیں، اس لیے بعد وفات بھی اُن کے فیوض و برکات اور تصرفات کا اقرار کرتے ہیں بلکہ ان کی روحانی عنایات سے متمتع اور منتفع ہونے کی امید رکھتے ہیں، اسی لیے ان حضرات کے مزاراتِ مقدسہ پر حاضری اپنا شیوہ ہے۔

قبر جنت کے باغیچوں میں سے ایک باغیچہ یا دوزخ کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے

سید المرسلین رسولِ انور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ عالی ہے کہ:

---

[1] تذکرۃ الاولیاء میں بہت سی کتبِ احادیث ہیں حوالہ آئندہ ایڈیشن میں پیش کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ حضرت مصنف رحمۃ اللہ علیہ کا مطالعہ کثیر تھا۔ آپ کے حوالوں کی تلاش کوئی آسان کام نہیں۔ علامہ ابن حجر عسقلانی، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور علامہ انور شاہ کشمیری محدث رحمہم اللہ والی شان آپ میں بدرجہ اتم موجود تھی۔

اِنَّمَا الْقَبْرُ رَوْضَۃٌ مِّنْ رِیَاضِ الْجَنَّۃِ اَوْحُفْرَۃٌ مِّنْ حُفَرِ النَّارِ [1]

یعنی قبر جنت کے باغیچوں میں سے ایک باغیچہ ہے یا دوزخ کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے۔

مطلب واضح ہے کہ مقبول مسلم کی قبر جنت کا ایک حصہ ہے اور نا مقبول انسان کی قبر دوزخ کا ایک شعبہ ہے۔ اس مضمون کی تائید کثیر احادیث شریفہ سے ہوتی ہے، جن کے صحیح ہونے میں حضرات محدثین کرام رحمۃ اللہ علیہم کو کلام نہیں ——— بلکہ اہلِ حق یعنی اہل سنت وجماعت کا اجماعی عقیدہ ہے کہ ثوابِ قبر اور عذابِ قبر حق ہے اور یہ اسی قسم کی احادیث شریفہ سے اخذ کیا گیا ہے۔

حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی مقبولیتِ عنداللہ میں کسی مسلمان کو کلام ہو ہی نہیں سکتا، اولیاء اللہ کی مقبولیت عنداللہ میں بھی کسی کو کلام نہیں ہو سکتا بشرطیکہ وہ شخص مومن ہو اور اس کا خاتمہ بھی ایمان پر ہوا ہو۔ اس لیے ان کی قبور جنت کے باغیچے ہیں۔

خاصانِ خدا کا وسیلہ جائز ہے ان کے وسیلے سے جو دعا کی جاتی ہے مقبول ہوتی ہے

"خطیب خوارزمی" نے امام اعظمؒ کے مناقب میں لکھا ہے کہ حضرت امام محمد بن ادریس الشافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ جب مجھے کوئی ضرورت پیش آئی تو میں نے امام اعظمؒ کے مزار پر حاضر ہو کر دو رکعت نماز نفل ادا کی اور پھر امام اعظمؒ کے مزار مقدس پر آکر اللہ تعالیٰ سے دعا کی تو وہ دعا کبھی رائیگاں نہیں گئی۔[2]

اس کے علاوہ بے شمار خاصانِ خدا و مقربانِ بارگاہِ الٰہی نے اہلِ قبور کے فیوض و برکات سے فوائد حاصل کیے جو معتبر کتب میں مذکور ہیں ——— ہاں حاجت برآری سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کسی کا کام نہیں، میں یہ پہلے تحریر کر چکا ہوں۔ لیکن ذرائع اور اسباب میں سے قوی سبب توجہِ خاصانِ خدا ہے۔ حیات کے زمانے میں کسی کو کلام نہیں۔

ہمارے مقتدایانِ دین، اربابِ حق بعد وفات بھی اُن کی توجہات کے قائل ہیں اور اس کے لیے اُن کی حیاتِ نبوت اور حیاتِ ولایت کھلی ہوئی دلیل ہے ——— البتہ مسجود اور معبود سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی اور کو قطعاً نہ جاننا چاہیے۔ حاجت روا صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ذاتِ گرامی ہے ——— حضرات خاصانِ خدا اس کے لیے وسیلہ اور ذریعہ ہیں۔

بزرگ کی قبر سمجھنے کے لیے دو ذریعے ہیں

اس زمانے میں عجیب کش مکش ہے۔ ایک زمرہ تو بدعقیدہ اس قدر ہے کہ حضور سید الاولین والآخرین خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق گستاخانہ الفاظ استعمال کرتا ہے جو بعض اوقات حدِ کفر تک

[1] ترمذی شریف جلد ۲۔ ابواب صفۃ القیامۃ۔ ص ۶۹ [2] مناقب الامام الاعظم۔ جزثانی ص ۱۹۹۔ صدر الائمۃ الامام الموفق بن احمد بن محمد بن سعید المکی خطیب خوارزم مطبع مجلس دائرۃ المعارف النظامیہ فی الہند۔ حیدر آباد دکن ۱۳۲۱ھ

پہنچ جاتے ہیں (العیاذ باللہ) دوسرا گروہ جاہلانہ خوش عقیدگی میں اس قدر غلو کرتا ہے کہ در و دیوار میں طاق بناکر اُن کو اولیاء کی قبریں تصور کرتا ہے۔ یہ ایک قسم کی توہم پرستی ہے جس میں شرک کا بھی اندیشہ ہے (العیاذ باللہ)

شیخ المحدثین حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے فتاویٰ میں تحریر فرمایا ہے کہ قبر کو بزرگ کی قبر سمجھنے کے لیے صرف دو ذریعے ہیں۔ ایک تو یہ کہ کسی بزرگ کی بزرگی عالم بھر میں مسلّم ہو۔ دوسرے یہ کہ اپنا ذاتی علم کسی کی بزرگی کے متعلق ہو، گو اُن بزرگ کی شہرت نہ ہو۔ ان دو ذریعوں کے علاوہ اگر قبر نظر آئے تو مسلمانوں کی قبر تصور کر کے دعائے خیر کرلینا چاہیے۔ بزرگ نہ تصور کیا جائے۔

حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے متعلق عقائد کا ذکر چل رہا تھا، ضمناً یہ بحث آگئی۔

مرتبۂ نبوّت مرتبۂ ولایت سے افضل و اعلیٰ ہے

بعض نادان اور کم فہم لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ مرتبۂ ولایت مرتبۂ نبوت سے افضل ہے۔ حالانکہ اُن لوگوں کا یہ خیال فاسد اور لغو ہے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معراج میں مع جسدِ اطہر کے اللہ تعالیٰ کے دربارِ عالی میں پہنچنا یہ مرتبۂ ولایت کی تکمیل تھی اور وہاں سے واپس تشریف لاکر اللہ تعالیٰ کے بندوں کو تلقین کرنا یہ نبوت کا کامل مرتبہ تھا۔

جمہور اہل سنّت وجماعت کا مذہب ہے کہ مرتبۂ نبوّت مرتبۂ ولایت سے افضل و اعلیٰ ہے، کیونکہ نبوّت میں وہ دوسروں کو کامل بناتا ہے اور ولایت میں خود کامل بنتا ہے۔ اسی لیے حضرت خضر علیہ السلام سے حضرت سیدنا موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا مرتبہ بہت بلند و بالا ہے، حالانکہ بعض علومِ نظامی میں حضرت خضر علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے زیادہ واقف تھے۔ بعض علومِ نظامی میں حضرت خضر کی زائد واقفیت یہ جزئی فضیلت تو ہوسکتی ہے، کلّی نہیں۔

لہٰذا ہمارا یہی عقیدہ ہونا ضروری ہے کہ مرتبۂ نبوت مرتبۂ ولایت سے افضل و اعلیٰ ہے یہی جمہور اہلِ سنّت کا مسلک ہے۔

کمالاتِ نبوت کمالاتِ ولایت سے افضل ہیں

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف سے ظاہر ہے کہ کمالاتِ نبوت کمالاتِ ولایت پر ترجیح رکھتے ہیں۔ اسی لیے حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت سیدنا علی مرتضیٰ کرّم اللہ وجہٗ سے افضل ہیں، حالانکہ بعض علوم نظامی میں حضرت سیدنا علی کرّم اللہ وجہٗ، حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے زیادہ واقف تھے۔ یہاں بھی وہی بات ہے کہ یہ جزئی فضیلت تو ہوسکتی ہے، کلّی فضیلت نہیں۔

جملہ اہلِ سنت وجماعت کا یہی مسلک ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا رتبہ انسانوں میں سب سے بلند ہے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالاتِ عالیہ یعنی کمالاتِ نبوت سے خصوصی طور پر فیضیاب تھے۔

عقائد متعلقہ بہ عالمِ آخرت

مرنے کے بعد انسان جس عالم میں رہتا ہے اس کو برزخ کہتے ہیں۔ اس کے بعد دوسرا عالم قیامت کے بعد ہوگا جس کا نام عالمِ محشر ہے۔

معاملات اور عبادات کے فیصلوں کے بعد دو عالم ہیں۔ ایک مقامِ راحت، جس کا نام جنت ہے دوسرا مقامِ عذاب، جس کا نام دوزخ ہے۔

کفّار کا مقام کافر ہمیشہ دوزخ میں رہے گا۔ نجات کی اس کے لیے کوئی صورت نہیں اور اس عذاب کی انتہا نہیں۔

مقامِ مؤمنین مؤمن اگر مقبول اور مغفور ہے تو حساب وکتاب سے فارغ ہوتے ہی اس کے لیے جنت کے داخلے کی اجازت مل جائے گی۔

گناہ گار مسلمان ہاں اگر مسلم گناہ گار ہے اور عفو تقصیر کی بھی کوئی صورت ممکن نہ ہوئی تو اس کے لیے اولاً عذاب ہے اور اخیر میں نجات۔

معاصی پر جسارت بڑی بدبختی کی علامت ہے یہ عقیدہ رکھنا کہ کبھی نہ کبھی مؤمن کی نجات ہو ہی جائے گی، معاصی پر جسارت نہیں کرنا چاہیے کیونکہ معاصی پر جسارت[1] کرنا بہت ہی بدنصیبی کی علامت ہے۔ دوزخ کا ایک لمحہ بھی بڑا کٹھن اور نہایت تکلیف دہ ہے ــــــــ اللہ تعالیٰ ہم کو اور تمام مسلمین کو اس سے محفوظ رکھے۔ آمین

عالمِ برزخ، عالمِ محشر، عالمِ جنت یا عالمِ دوزخ سب کو عالمِ آخرت کہتے ہیں۔

مرنے کے بعد پہلی منزل قبر ہے پہلی منزل برزخ اور قبر ہے۔ قبر سے مراد یہ نہیں کہ زمین کا ایک گڑھا ہی ہو بلکہ مرنے کے بعد جس مقام پر آدمی کے ذرات اور اعضا ہوں یا اس کی خاک، بس وہی اس کی قبر ہے۔

---

[1] یعنی پے در پے گناہ کرتے رہنا اور جہنم کے عذاب سے بے خوف ہوجانا یہ چیز انسان کو جہنم میں پہنچا دینے کا سبب بنتی ہے حضرت مصنفؒ کی عبارت کا یہی مطلب ہے۔

دنیا میں عذابِ قبر اور ثوابِ قبر کا آنکھوں سے دیکھنا ضروری نہیں

عذابِ قبر اور ثوابِ قبر کا ضمناً پہلے ذکر آچکا ہے۔ اس لیے اعادہ کی ضرورت نہیں، البتہ یہ سمجھنا ضروری ہے کہ عذابِ قبر اور ثوابِ قبر کا آنکھوں سے نظر آنا ضروری نہیں۔ حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ انسان ہمارے سامنے عالمِ خواب میں ہوتا ہے، اس پر کبھی راحت اور کبھی اذیت گزرتی ہے، وہ اس سے اپنے مقام پر متاثر ہوتا ہے، لیکن جاگنے والے کچھ خبر دار نہیں ہوتے، حالانکہ اس کا جسم ان کے سامنے ہوتا ہے۔ بعض اوقات سونے والا خواب سے بیدار ہونے کے بعد بھی کبھی رنجیدہ اور کبھی شاداں نظر آتا ہے اور اپنے افسانہائے خواب سناتا ہے۔ جو لوگ اُسے سچا سمجھتے ہیں تو یہ کہدیتے ہیں کہ یہ تمھارے خیالات تھے، لیکن یہ کوئی نہیں کہتا کہ فی الواقع تم پر کچھ نہیں گذرا۔

عذابِ قبر اور ثوابِ قبر کی حقیقت کا انکار خلافِ انصاف ہے

عالمِ خواب میں انسان ہم سے اس قدر دور نہیں ہوتا جس قدر موت کے بعد وہ دور ہو جاتا ہے، پھر یہ فیصلہ کرنا کہ ہم نے عذابِ قبر اور ثوابِ قبر نہیں دیکھا' اس لیے واقعہ میں بھی اس کی حقیقت نہیں' یہ عقیدہ خلافِ انصاف ہے۔

الغرض تمام اہلِ اسلام کو عالمِ آخرت پر ایمان لانا ضروری ہے۔

جو آخرت کا منکر ہے وہ کافر ہے

اس زمانے میں مسلمانوں میں ایک گروہ ایسا بھی پیدا ہو گیا ہے کہ وہ ظاہری اعمال کا پابند ہے اور اس کے ظاہری یا جسمانی مصالح کا بھی قائل ہے، لیکن آخرت کا منکر، ایسا گروہ مسلمان نہیں۔ اس کے نزدیک مرنے کے بعد راحت و تکلیف یا مَر کر دوبارہ جینا کوئی حقیقت نہیں رکھتا، بلکہ اس کے نزدیک فرضی افسانہ ہے جو بھولے بھالے انسانوں کی اصلاح کے لیے گڑھ لیا گیا ہے (استغفر اللہ) دربارِ الٰہی اور دربارِ نبوت میں یہ سخت گستاخی اور جسارت ہے' جو اس زمانے کا بے دین ہی اس کو گوارا کر سکتا ہے۔

صاحبِ ایمان کے عقائدِ حقہ آخرت کے متعلق یہ ہیں

جس کے نزدیک اللہ تعالیٰ ہے اور اس کا رسول برحق، اور اُن پر وہ ایمان لایا ہے، کبھی ایسی بے باکی، دریدہ دہنی اور بے ادبی سے کام نہیں لے سکتا۔ بلکہ مؤمن کے عقائد آخرت کے متعلق یہ ہیں:

عذابِ قبر اور ثوابِ قبر حق، سوال منکر نکیر حق، قبر کی تنگی یا فراخی حق، قبر سے وقتِ حشر اٹھنا حق، حساب و کتاب حق، وزنِ اعمال حق، پل صراط حق، شفاعتِ مقبولانِ خدا حق، خصوصاً شفاعت سرورِ کائنات سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حق، جنت حق، جنت میں دیدارِ خداوندی حق، جنت کی حیاتِ لامتناہی حق، دوزخ حق، دوزخ میں دائمی عذاب حق۔
تفصیل کے لیے معتبر اور مطول کتابوں کا مطالعہ ضروری ہے۔ اربابِ علم خود اس سے واقف ہیں۔

عقائد متعلّقہ بہ تقدیرِ الٰہی

مؤمن کے لیے تقدیرِ الٰہی پر ایمان لانا بہت ضروری ہے۔ تقدیر کا مسئلہ علمی اور نہایت مشکل ہے۔ اس مسئلہ میں زائد الجھنا نہیں چاہیے اور بے باکانہ گفتگو کرنا بہت خطرناک بات ہے۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو یہاں (دنیا میں) اس مسئلہ میں بحث نہیں کرتا، اس سے محشر میں بھی اس کا سوال نہیں ہوگا۔“ [1]

مسلمانوں کا مجمل عقیدہ یہ ہونا ضروری ہے

مسلمانوں کو مجمل یہ عقیدہ رکھنا چاہیئے کہ جملہ امورِ عالم کا ازل میں فیصلہ ہو چکا ہے، اسی کے مطابق وقتاً فوقتاً ان امور کا ظہور ہوتا رہتا ہے۔

بندہ کا علم محدود ہے

بندے کا علم محدود ہے، وہ بعض اشیاء کو نرالا اور انوکھا جانتا ہے، آئندہ کے فیصلے انسان کرتا ہے، لیکن یہ انسانی فیصلے بہت محدود اور قلیل الوجود ہوتے ہیں۔ اور پھر یہ بھی ضروری نہیں کہ انسانی فیصلہ کے مطابق امور کا ظہور بھی ہو، ہزاروں باتوں میں آدمی خیال ہی پکاتا رہتا ہے، لیکن اپنے ارادہ میں ناکام رہتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارادہ پورے عالم اور عالمیات پر محیط ہے

بخلاف باری تعالیٰ جل شانہٗ وعم نوالہٗ کے کہ اس کا ارادہ پورے عالم اور عالمیات پر محیط ہے اور جس طرح اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا ہے، اسی طرح چیزوں کا ظہور اور وجود اپنے وقت پر ضروری ہے۔ خدائے قہار کے ارادہ کو کوئی ٹال نہیں سکتا۔ اس کا ارادہ ہر ارادے پر غالب ہے۔

جبریہ کا عقیدہ فاسدہ

اس مسئلے کو بعض لوگ اس طرح سمجھ لیتے ہیں کہ بندہ اینٹ پتھر کی طرح مجبور ہے اور اس کا کوئی قصد و ارادہ کارآمد نہیں۔ اس گروہ کو جبری کہتے ہیں، یہ اہلِ بدعت میں سے ایک جماعت ہے۔

---

[1] یہ عبارت اِس حدیث شریف کا خلاصہ ہے:

من تکلم فی شیئٍ من القدر سُئل عنہ یوم القیٰمۃ ومن لم یتکلم فیہ لم یُسئل عنہ

ابن ماجہ شریف باب فی القدر ص ۹

قدریہ کا عقیدہ باطلہ

ایک جماعت (استغفر اللہ) ہمہ تن بندہ کو صاحبِ اختیار جانتی ہے اور بندے کے اعمال و افعال میں اللہ تعالیٰ جل شانہٗ وعم نوالہٗ کا کچھ دخل نہیں سمجھتی، اس فرقہ کو قدری کہتے ہیں۔ یہ فرقہ بھی اہلِ بدعت میں سے ہے۔

اہلِ سنت و جماعت کا حقانی مسلک

اہلِ حق یعنی اہلِ سنت و جماعت کا مسلک درمیانی اور حقانی ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے بندے کو بھی اختیار مرحمت فرمایا ہے اور اللہ تعالیٰ کا ارادہ جس طرح دوسری چیزوں پر محیط ہے، بندہ کے افعال و اعمال پر بھی محیط ہے۔
قرآنِ عظیم ہمارے مذہب پر بالاعلان شہادت دیتا ہے کہ:

وَمَا تَشَاءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَاءَ اللّٰهُ ؕ
تم کچھ ارادہ نہیں کرسکتے جب تک اللہ ارادہ نہ کرے

اس آیتہ کریمہ میں بندے کے ارادے کے ساتھ مشیتِ خداوندی کا ہونا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ ایسی حالت میں جو مشیتِ الٰہی کا منکر ہے، وہ قرآنِ عظیم کی مخالفت کر رہا ہے اور جو بندے کے ارادے کی نفی کرتا ہے، وہ بھی منکرِ قرآنِ کریم ہے (العیاذ باللہ)

جبری، قدری اہلِ بدعت ہیں۔ ان کی تاویلات دھوکا ہیں

اسی بنا پر دونوں گروہوں (جبری اور قدری) کو اہلِ حق یعنی اہلِ سنت نے بدعتی اور بدعقیدہ کہا ہے۔ ان گمراہ فرقوں کے عقائدِ فاسدہ چونکہ تاویلات پر مبنی ہیں، بعض آیاتِ قرآنی اور بعض احادیثِ مبارکہ سے ان کو دھوکا لگا ہے، اس لیے حضراتِ اہلِ حق ان کو بدعتی کہتے ہیں۔

معصیت کے لیے تقدیر کو عذر قرار دینا ناجائز ہے

اپنی گناہ گاری کے لیے مسئلہ تقدیر کو عذر قرار دینا ناجائز ہے ــــــ البتہ مال و جاہ کے نقصان میں دل کو تسکین و تسلی ضرور اس طرح دی جائے کہ قسمت میں جو تھا وہ مل گیا اور جو نہ تھا وہ نہ ملا۔

دوا اور دعا کی طرف بھی توجہ کرنا چاہیے

بعض لوگوں کو یہ دھوکا ہوتا ہے کہ جب امورِ تقدیرِ الٰہی میں طے ہو چکے تو دوا اور دعا کی طرف توجہ بے کار ہے، یہ شیطانی وسوسہ ہے ــــــ کیا معلوم تقدیرِ الٰہی میں یوں طے ہوا ہو کہ اس دوا کو استعمال کیا جائے گا، یا کسی کام کے لیے خلافِ وقت دعا کی جائے گی تو یہ دوا اور دعا کارآمد ہوگی۔ اگر بالفرض دوا سے فائدہ نہ ہوا تو لوگوں کے الزامات سے محفوظ رہا اور دعا سے مقصد میں کامیابی نہ ہوئی تو نہ ہوئی، لیکن اپنے پروردگار حضرت حق سبحانہٗ و تعالیٰ کی طرف رجوع کرنا اور اس سے اپنے مقاصد کے لیے گریہ و زاری کرنا

بندے کے لیے یہ خود نعمت ہے ۔۔۔۔۔ اسی لیے حافظ شیرازی علیہ الرحمہ نے کیا خوب کہا ہے :

حافظ وظیفہ تو دعا گفتن ست وبس
در بندِ آن مباش کہ نشنید یا شنید

مطلب: حافظ تیرا کام دعا کرنا ہے اور اس خیال کو مت پکا کہ اس نے سنی یا نہ سنی

تقدیر پر ایمان رکھنا ضروری ہے

خلاصہ یہ ہے کہ اس مسئلہ تقدیر پر ایمان لانا مسلمان کے لیے بہت ضروری ہے اور اپنے تمام کام مصالح کے مطابق کرنا چاہییں۔ جوازِ شرعی پر ضرور نظر رکھے۔ حکمِ شریعت کی خلاف ورزی سے ہمیشہ اجتناب کرے۔ اس مسئلے میں جو علمی ابحاث ہیں، اربابِ علم اُن کو بڑی اور معتبر کتب کے ذریعے سمجھ لیں گے۔ ناواقف لوگوں کے لیے بس اس قدر سمجھ لینا کافی ہے۔

عقائدِ متعلقہ بہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین

جس شخص نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبتِ مبارکہ کا شرف حاصل کیا اور وہ دولتِ ایمان سے مالامال ہوا، اور خدائے تعالیٰ نے اُسی پر اس کا خاتمہ فرمایا وہ صحابی کہلاتا ہے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کثیر صحابہ عظام ہوئے۔ کسی کو کم صحبت ملی، کسی کو زائد، کسی نے مال و جان سے اسلام اور پیغمبر اسلام سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کم کی اور کسی نے زائد۔ ہولناک واقعات میں شرکت، غزوات میں آنا جانا بھی متفاوت رہا۔ عبادت وریاضت کے مراتب بھی مختلف رہے۔ اسی لیے مراتبِ صحابہ میں تفاوت ہے۔ لیکن مقبولیتِ عنداللہ اور شانِ مغفوریت تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو حاصل ہے۔ تمام حضراتِ صحابہؓ عادل تھے، سچے تھے، لیکن انسان ضرور تھے اور حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی طرح معصوم نہ تھے ——— گناہوں سے معصوم ہونا حضراتِ اہل سنت کے نزدیک صرف حضراتِ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام ہی کا خاصہ ہے۔

صحابہ کرام کی ارواحِ طیبہ کا خوف اور رجوع الی اللہ اور ان کی توبہ امتِ مسلمہ کے لیے باعثِ رحمت و برکت تھی

مگر حضراتِ صحابہ عظام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی پاک ارواح کا خوف اور رجوع الی اللہ کا ایسا بابرکت مرتبہ تھا کہ اتفاقی لغزش پر ان کی توبہ انہیں کے لیے نہیں بلکہ تمام مسلمین کے لیے باعث رحمت ہوا کرتی تھی ——— حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ:

"میرے صحابہ کے معاملہ میں اللہ تعالیٰ سے ڈرنا اور اُنھیں اپنی ملامتوں کا نشانہ مت بنالینا"[1]

بعض تاریخی واقعات کی حقیقت اللہ تعالیٰ ہی کے علم میں ہے

بعض واقعاتِ تاریخ جن کی واقفیت کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے، کبھی انسان

---

[1] یہ عبارت اس حدیث کا مفہوم ہے:

اللہ اللہ فی اصحابی لاتتخذوھم غرضا بعدی

ترمذی شریف جلد ۲- ابواب المناقب- باب فی من سب اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم- ص ۲۲۶

کو ان مقدس و پاک ہستیوں سے بدگمان کر دیتے ہیں اور زبان گستاخانہ الفاظ ان حضرات ذوی الاحترام کی شان میں ادا کر دیتی ہے، یہ طریقہ فرقۂ ناجیہ اہلِ حق اہلِ سنت و جماعت کے مسلک و عقیدہ کے سخت خلاف ہے۔

حضرات صحابہ رض کا ذکر احترام و تکریم کے ساتھ کرنا ضروری ہے

علم عقائد کی کتابوں میں صراحت کے ساتھ موجود ہے کہ ہمیشہ حضرات صحابہ عظام رضی اللہ عنہم اجمعین کا ذکر خیر ہی سے کرنا چاہیے اور ان کے باہمی اختلافات اور نزاعات سے بالکل خاموشی اختیار کرنا چاہیے کیونکہ اُن کے باہمی اختلافات میں نفسانیت کو کوئی دخل نہ تھا بلکہ اپنا اپنا اجتہاد تھا اور وہ صرف حق کے لیے تھا۔

رافضیوں کی بدعقیدگی اور گستاخی

ایک گروہ نے جسے رافضی (شیعہ) کہتے ہیں، خلیفۂ اول امام برحق حضرت سیدنا ابوبکر صدیق، خلیفۂ ثانی امیر المؤمنین حضرت سیدنا فاروق اعظم عمر بن الخطاب، خلیفۂ ثالث امیر المؤمنین حضرت سیدنا عثمان ذی النورین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بلکہ دو چار کو چھوڑ کر جمہور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے بے تعلقی برتی اور اُن کے حق میں گستاخانہ الفاظ اپنی زبان، تحریر اور تقریروں میں لائے اور برابر لاتے رہتے ہیں۔ البتہ خلیفۂ رابع امیر المؤمنین حضرت سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہٗ، حضرت سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا، حضراتِ حسنین رضی اللہ عنہما اور چند مخصوص صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے وہ نیک گمان ضرور ہیں مگر اکابر صحابہ اور جمہور صحابہ عظام رضی اللہ عنہم سے بے تعلق اور اُن کے حق میں سخت گستاخ ہیں۔

خوارج کی بدعقیدگی اور گستاخی

اس گروہِ روافض کے مدمقابل ایک دوسرا گروہ ہے جسے خوارج کہتے ہیں، اس فرقہ کے لوگ حضرت سیدنا علی مرتضےٰ کرم اللہ وجہٗ اور ان کی آل پاک سے بدگمان اور ان حضرات ذوی الاحترام کے حق میں سخت گستاخ ہیں۔

یہ دونوں فرقے روافض اور خوارج اہلِ بدعت میں سے ہیں اور فرقۂ ناجیہ اہلِ حق اہلِ سنت و جماعت کے خلاف ہیں۔

فرقۂ ناجیہ اہلِ حق اہلِ سنّت کا عقیدہ

ہم اہلِ سنت و جماعت الحمد للہ تمام خلفائے راشدین جملہ ازواجِ مطہرات، تمام بناتِ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام، جملہ آلِ پاک نبی صلی اللہ علیہ وسلم بلکہ تمام حضراتِ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا دل و جان سے احترام و عظمت کرتے ہیں اور اُن تمام حضرات کی علیٰ قدر مراتب مقبولیت کے قائل ہیں۔

افضلیتِ خلفائے اربعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم

تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین میں سب سے بلند مرتبہ خلفائے اربعہ کا ہے جنھیں خلفائے راشدین بھی کہتے ہیں۔ ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

۱۔ خلیفہ اول افضل البشر بعد الانبیاء حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ، جن کا لقب صدیقِ اکبر ہے۔

۲۔ خلیفہ ثانی امیر المؤمنین حضرت سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ، جن کا لقب فاروق اعظم ہے۔

۳۔ خلیفہ ثالث امیر المؤمنین حضرت سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن کا لقب ذی النورین ہے۔

۴۔ خلیفہ رابع امیر المؤمنین حضرت سیدنا علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ، جن کا لقب مرتضیٰ ہے۔

فضیلتِ شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما

جمہور اہلِ سنت و جماعت کا مسلک ہے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مبارک جماعت میں حضراتِ شیخین سب سے افضل ہیں۔ حضرات شیخین کرام یہ ہیں:

۱۔ حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

۲۔ حضرت سیدنا فاروق اعظم عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ

لہٰذا افضلیتِ شیخین پر بھی ہم اہلِ اسلام کو عقیدہ رکھنا ضروری ہے۔

فضیلت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

جملہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تمام خلفائے راشدین میں سب سے افضل حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں۔

انبیاء علیہم السلام کے بعد تمام انسانوں میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ افضل ہیں

اہلِ حق یعنی اہلِ سنت و جماعت کا متفقہ فیصلہ ہے کہ حضراتِ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بعد تمام انسانوں میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مرتبہ سب سے بلند ہے۔

اہلِ تشیع کا عقیدہ

بعض لوگ حضرت سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کو حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر ترجیح دیتے ہیں، یہ عقیدہ اہلِ تشیع (روافض) کا ہے ــــ اگرچہ بعض

علومِ نظامی میں حضرت سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہٗ زیادہ واقف تھے۔ لیکن کلّی اور یقینی فضیلت حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو ہی حاصل ہے۔ یہی ہم اہلِ سنت وجماعت کا عقیدہ ہونا چاہیے۔

خلفائے راشدین اربعہؓ کی فضیلت اُن کی ترتیبِ خلافت کے مطابق ہے

فرقہ ناجیہ اہلِ حق اہلِ سنت وجماعت کا عقیدہ ہے کہ

تمام صحابہ رضی اللہ عنہم میں سب سے افضل اور بہتر مرتبہ حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا ہے۔ اُن کے بعد حضرت سیدنا فاروق اعظم عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کا رتبہ ہے، پھر ان کے بعد حضرت سیدنا عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہ کا مرتبہ ہے۔ اُن کے بعد حضرت سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہٗ کا رتبہ ہے۔

پس جس طرح خلافت کی ترتیب ہے، ویسے ہی مراتب ہیں اور اسی طرح ہمارا بھی عقیدہ ہونا چاہیے۔

حضرات اہلِ بیت اطہار رضوان اللہ علیہم اجمعین کا مرتبہ بلند

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آلِ پاک اور ازواجِ مطہرات اہلِ بیت اطہار[1] ہیں۔ قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔:

اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَ يُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ۚ

یعنی اے اہلِ بیت، نبی کے گھر والو، اللہ یہی چاہتا ہے کہ تم سے خرابی دور کرے اور تمھیں اچھی طرح پاکیزہ بنا دے۔

---

[1] اہلِ بیت کے لغوی معنیٰ اہلِ خانہ یعنی گھر والے کے ہیں۔ اصطلاح میں خصوصاً عرب کے عرف میں اس کا اطلاق خاص ازواج (بیویوں) پر ہوتا ہے —— حضرات علماءِ کرام کی اکثریت اس بات کی قائل ہے کہ اس آیۃ کریمہ میں اہلِ بیت سے مراد حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات ہیں —— حضرت سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما، حضرت عکرمہ، حضرت عطاء اور حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہم وغیرہ حضرات بھی اسی کے قائل ہیں —— بعض حضرات جن میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ، حضرت مجاہد اور حضرت قتادہ رضی اللہ عنہما شامل ہیں، ان کے نزدیک اہلِ بیت سے مراد حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہٗ، حضرت سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا اور حضرات حسنین رضی اللہ عنہما ہیں —— لیکن علماءِ اسلام کی بڑی اکثریت نے اس آیۃ مبارکہ میں اہلِ بیت سے مراد ازواجِ مطہرات ہی کو فرمایا ہے اور یہی قول قوی ہے —— صاحب تفسیر حقانی نے سورۂ احزاب کی تفسیر میں تحریر فرمایا ہے کہ اصل میں ازواجِ مطہرات یعنی امہات المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہن ہی اہلِ بیت اطہار ہیں اور ان اہلِ بیت اطہار میں حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ، حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور اپنے محبوب نواسوں حضرت امام حسن و حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو بھی داخل فرمالیا۔ (لہٰذا یہ حضرات کرامؓ بھی اہلِ بیت میں شامل ہیں۔ مرتب)

حضرت علیؓ اور اپنی آلِ پاک کو بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ بیت میں شامل فرمایا ہے

ایک مرتبہ رسول انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چادر مبارک کو جو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) اوڑھے ہوئے تھے، اس میں حضرت علی مرتضیٰ، حضرت فاطمۃ الزہرا، حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہم کو لیا اور پھر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ:

اَللّٰھُمَّ ھٰٓؤُلَآءِ اَھْلُ بَیْتِیْ[1]

اے اللہ! یہ میرے گھر والے ہیں

چنانچہ ان حضرات کرام کو بھی آپ نے اپنے اہل بیت میں شامل فرمالیا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ، حضرت سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا، حضرت سیدنا امام حسن و حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو اہل بیت میں داخل کرلیا، تو یقیناً یہ حضرات بھی اہلِ بیت اطہار ہیں۔

برادرانِ اہلِ سنّت پر لازم ہے کہ اہلِ بیت اطہارؓ کا احترام کریں

الغرض برادرانِ اہل سنت وجماعت پر لازم وضروری ہے کہ ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کے ساتھ ساتھ آلِ رسول پاک کو بھی اہلِ بیت سمجھیں اور دل سے ان کی تعظیم وتکریم کریں۔

اَزواجِ مطہرات اُمہات المومنین ہیں اُن کی تعظیم وتکریم بھی بہت ضروری ہے

یہ خوب پیشِ نظر رہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام ازواجِ مطہرات، امہات المومنین (مومنین کی مائیں) ہیں۔ ہمارے لیے لازم وضروری ہے کہ ہم تمام ازواج مطہرات کا صدق دل سے احترام وتعظیم کریں۔
حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی بھی زوجہ مطہرہ کی شانِ اقدس میں سوئے ادب کا ادنیٰ سا بھی جملہ استعمال کرنا بہت ہی بری بات ہے۔

حضراتِ اہلِ بیت سے محبّت کرنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبّت کرنا ہے

حضرات اہلِ بیت اطہار سے محبت کرنا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنا ہے اور جو ان حضرات سے عداوت وبغض رکھے گا، وہ دراصل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دشمنی وبغض ہوگا۔ (العیاذ باللہ) احادیث صحیحہ میں وضاحت کے ساتھ مذکور ہے۔

---

[1] ترمذی شریف جلد ۲ - باب مناقب اہلِ بیت - ص ۲۱۹

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا جنت کی عورتوں کی سردار اور حضرات حسنین رضی اللہ عنہما جنت کے جوانوں کے سردار ہوں گے

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی تمام صاحبزادیوں سے محبت تھی، لیکن سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے آپ زائد محبت فرماتے تھے۔ حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے متعلق فرمایا ہے کہ یہ میری بیٹی جنت کی عورتوں کی سردار ہے اور اپنے نواسوں سیدنا امام حسن و سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے متعلق فرمایا کہ میرے یہ دونوں نواسے جوانانِ جنت کے سردار ہیں۔

جب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان حضرات سے محبت فرماتے تھے تو ہمارے لیے ضروری ہے کہ ہم بھی ان حضرات ذوی الاحترام کی دل سے تعظیم بھی کریں اور ان سے محبت بھی کریں — لیکن محبت و عقیدت میں کاملیت ہو، صحیح اعتقاد ہو، غلو نہ ہو۔ جیسا کہ روافض کرتے ہیں اور ان حضرات کرام کی شانِ اقدس میں ادنیٰ سی گستاخی کا جملہ بھی استعمال نہ کریں جیسا کہ خوارج کرتے ہیں۔

جملہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور کے محبوب ہیں، صحابہ میں مراتب کا تفاوت ہے

میں پہلے بھی تحریر کر چکا ہوں اور اب دوبارہ پھر عرض کر رہا ہوں کہ حضرات صحابہ عظام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سب کے سب عادل اور مقبولانِ بارگاہِ الٰہی ہیں۔ لیکن صحابہ کرام میں مراتب کا تفاوت ضرور ہے جو حضرات اول دور میں فتح مکہ سے پہلے اسلام و ایمان کے شرف سے مشرف ہوئے اُن کا رتبہ اعلیٰ و افضل ہے اور وہ متقدمین صحابہ کہلاتے ہیں، اور جن حضرات نے فتح مکہ کے بعد اسلام قبول کیا، وہ متاخرین صحابہ کہلائے اُن کا رتبہ متقدمین صحابہ سے کم ہے۔ انہی متاخرین صحابہ رضی اللہ عنہم میں حضرت ابو سفیان اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما وغیرہ بھی ہیں۔ ان حضرات کو مرتبہ صحابیت حاصل ہے — الغرض تمام برادرانِ اہلِ حق یعنی اہل سنت و جماعت کے لیے ضروری ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم و صحابیات رضی اللہ عنہن کی تعظیم و تکریم کریں اور سب کا خیر کے ساتھ نام لیں۔

اللہ تعالیٰ ہم اہلِ سنت و جماعت کو اس کی توفیق خیر مرحمت فرمائے۔ آمین

۱۴۰۶ھ

عقائد متعلّقہ بہ تابعینِ عظام رضی اللہ عنہم

تابعین جمع تابعی کی ہے ـــــ حضراتِ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم سے ملاقات کرنے والے جنھوں نے حالتِ ایمان میں اُن سے ملاقات کی اور ایمان پر اُن کا خاتمہ ہوا، وہ تابعین کہلاتے ہیں۔

ان تابعین میں سے بعض لوگوں نے حد سے تجاوز کیا اور امتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے نزدیک وہ غیر حق پرست اور ظالم کہلائے، جیسے حجّاج بن یوسف ثقفی اور قاتلانِ شہداءِ کربلا وغیرہ۔

تابعین کرام میں سے بعض حضرات جلیل القدر بزرگ، اور اربابِ علم اور اصحابِ فیض بھی ہوئے، مثلاً حضرت اُویس قرنی، حضرت امام حسن بصری، حضرت عمر بن عبد العزیز، حضرت سعید بن جُبیر اور حضرت سعید بن المسیّب رضی اللہ عنہم وغیرہ حضرات۔

حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا اسمِ گرامی

آپ کا اسمِ مبارک نعمان ہے۔ ابو حنیفہ کنیت۔ امام اعظم، امام الائمہ اور سراج الامت آپ کے القاب ہیں۔ آپ کے والد کا نام ثابت ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی ملاقات اور شرفِ صحبت مسلّم ہے

حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی ولادتِ مبارکہ کے بعد آپ کے والد ماجد آپ کو جلیل القدر صحابیٔ رسول حضرت سیدنا انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت بابرکت میں لے گئے تھے اور ان سے برکات حاصل کیے تھے۔ حضرت سیدنا انس رضی اللہ عنہ کی ملاقات اور شرفِ صحبت تو جملہ محدثین کرام رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک مسلّم ہے۔ ہاں دوسرے صحابہ کرام سے ملاقات کا شرف حاصل کرنا اختلافی مسئلہ ہے۔

حضرت امام الائمہ یقیناً تابعی ہیں

الغرض حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے تابعی ہونے میں کوئی کلام نہیں، مگر تحصیلِ علوم کے وقت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے علم حاصل کرنے کا موقع حضرت امام موصوفؒ کو نہیں ملا۔ البتہ تابعین[1] جلیل القدر سے علوم حاصل کرنے کا آپ کو پورا موقع ملا۔

---

[1] حضرت امام اعظمؒ کے خاص استاذِ محترم حضرت امام حمادؒ ہیں۔ امام حمادؒ شاگرد ہیں حضرت امام ابراہیم نخعیؒ کے اور حضرت امام ابراہیم نخعیؒ شاگرد ہیں حضرت عبد الرحمٰن علقمہ نخعیؒ کے جو عظیم المرتبت صحابی سیدنا حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے خصوصی اصحاب میں سے ہیں۔

امام اعظمؒ کا زہد و تقویٰ اور آپ کی ذات سے اشاعتِ علم عجوبۂ روزگار ہے

۸۰ھ میں حضرت امام اعظمؒ کی ولادت باسعادت ہوئی اور ۱۵۰ھ میں وصال ہوا۔ عمر مبارک ستّر سال ہوئی۔ اُس زمانے میں آپ نے جو عبادت و ریاضت کی اور زہد و تقویٰ کا بے مثل نمونہ چھوڑا اور آپ کی ذاتِ مبارک سے جو اشاعتِ علم ہوئی وہ ایک عجوبۂ روزگار ہے۔ آپ کے حالاتِ زندگی کے لیے مختلف کتابیں لکھی گئی ہیں، موقع ملے تو مطالعہ فرمائیے۔

امام موصوفؒ کا طریقۂ اجتہاد ائمہ مجتہدین میں سب سے بلند و افضل ہے

ہم اَحناف انھیں امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے مقلد ہیں۔ مقلد ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جو مسائل اصولِ اسلام ہیں، وہ جملہ ائمۂ دین و مجتہدین کے نزدیک یکساں ہیں۔ البتہ بعض فروعی مسائل سمجھنے میں مجتہدین کا اختلاف ہوا ہے، لیکن سب کی نظر قرآن عظیم اور احادیثِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہے ـــــ طریقۂ اجتہاد جُدا جُدا ہے، یہ فیصلہ کرنا کس نے زیادہ عمدہ اور بہتر سمجھا، اللہ تعالیٰ کے حوالہ ہے۔ البتہ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ قُربِ صحابہ کرام، مکمل فراست ذکاوت اور انتہائی تقویٰ و طہارت کے لحاظ سے جملہ ائمہ عظام اور مجتہدین امت سے، جو آپ سے متاخرین افضل ہیں اور بلند پایہ رکھتے ہیں۔ اس لیے ہم ظنِ غالب رکھتے ہیں کہ زیادہ بہتر مسائل آپ ہی نے سمجھے ہیں۔

دوسرے ائمہ مجتہدینؒ حضرت امام اعظمؒ سے متاخر ہیں

حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے کچھ زمانہ بعد حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ پیدا ہوئے جس روز حضرت امام اعظمؒ کا وصال ہوا، اسی روز حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ پیدا ہوئے اور اُن سے کچھ بعد حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ دنیا میں جلوہ گر ہوئے۔

ائمہ اربعہؓ ہی واجب التقلید ہیں

ان چار ائمہ کرام علیہم الرحمہ کے علاوہ دوسرے ائمۂ دین بھی درجۂ اجتہاد رکھتے تھے اور ان کے مذاہب کی عالَم میں اشاعت ہوئی ـــــ ہم اہلِ سنت و جماعت کے نزدیک جس قدر مجتہدینِ اہلِ سنت گزرے ہیں، سب کے سب حق پرست اور محترم و معظم تھے ـــــ لیکن امتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام نے اتفاق کرلیا ہے کہ مسلمین منتشر نہ ہوں۔ بس چاروں ائمہؒ مذکورین میں سے کسی ایک کی تقلید کریں۔

اللہ تعالیٰ کی یہ رحمت تھی کہ امت کے دلوں میں یہ چیز پیدا کی اور اس مسئلہ پر اجماعِ امت ہوگیا ورنہ مسلمانوں میں بڑا انتشار ہوتا۔

مُقلّدینِ امام اعظمؒ تعداد میں زیادہ ہیں

ائمہ اربعہ علیہم الرحمہ میں سے ہر امام برحق کے مقلدین مختلف مقامات پر موجود ہیں اور سب حق پرست ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ مقلدینِ امام اعظمؒ کی تعداد جملہ مقلدین میں سب سے زیادہ ہے ——— پورا افغانستان حنفی ہے، سارا ترکستان حنفی ہے، برصغیر ہند و پاکستان و بنگلہ دیش میں بھی بہت بڑی اکثریت احناف ہی کو حاصل ہے۔ علاوہ ان ممالک کے دیگر ممالک میں بھی احناف بکثرت پائے جاتے ہیں۔ ممالکِ عرب میں مالکیت، شافعیت اور حنبلیت کی کثرت ضرور ہے، لیکن حنفی ان ممالکِ عرب میں بھی خاصی تعداد میں موجود ہیں۔

شیخ جلال الدین سُیوطیؒ کا قول

مشہور محدث اور جلیل القدر عالم علامہ شیخ جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ نے اپنے زمانہ کے متعلق لکھا ہے کہ امتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا دو تہائی حصہ حنفی ہے اور ایک تہائی ائمہ ثلٰثہ کے ماننے والے ہیں۔

دوسرے مقلدین ائمہ بھی برحق ہیں

جو حضرات صحیح طور پر دوسرے ائمہ کرام علیہم الرحمہ کے مقلد ہیں، نہ ہم ان کو برا جانتے ہیں اور نہ ان کے اعمال پر نکتہ چینیاں کرتے ہیں، بلکہ ان کو بھی حق پر جانتے ہیں۔

مخالفینِ تقلیدِ ائمہؒ کا وجود تفریق بین المسلمین کا ذریعہ ہے

ہاں وہ لوگ جو کسی امامِ برحق کی تقلید نہیں کرتے، بلکہ بزعم خود اپنے اجتہاد سے جس کا قول اپنی نظر میں قوی سمجھتے ہیں، اُس پر عمل کرتے ہیں۔ یعنی ایک بات ایک امام کے یہاں سے لی اور دوسری بات دوسرے امام سے، ان کو ہم غیر مقلدین کہتے ہیں، اور ان کے طریقۂ کار سے ہم جملہ مقلدینِ ائمہ اربعہ رحمۃ اللہ علیہم کو قطعاً اتفاق نہیں بلکہ اُن کے وجود کو تفریق بین المسلمین کا ذریعہ تصور کرتے ہیں۔

عدمِ تقلید اپنی ذات پر حُسنِ ظن، سلفِ صالحین کی ذوات پر سوءِ ظن ہے

اس عدمِ تقلید کی بنا صرف اپنی ذات پر حُسنِ ظن اور سلفِ صالحین علیہم الرحمہ اور جمہورِ مسلمین کے نفوسِ مقدسہ پر سوءِ ظن ہے (العیاذ باللہ)

غیر مقلدین سے سوال کیا عدمِ تقلید واجب ہے؟

ان غیر مقلدین سے دریافت کیا جائے کہ تقلید کو چھوڑ کر عدمِ تقلید کو اختیار کرنا کیا واجب اور ضروری ہے؟ اگر ایسا ہے تو کروڑوں مسلمانانِ عالم کا تارکِ واجب ہونے کی وجہ سے فاسق ہونا لازم آئے گا۔ ان کروڑوں مسلمانوں میں بے شمار صالحین، اولیاء، عبّاد، زہّاد اور بے گنتی خاصانِ خدا و مقربانِ بارگاہِ الٰہی اربابِ علم ہیں۔ قرآن کریم اور احادیث شریفہ سے بخوبی واقف ہیں۔ اُن کے فاسق ہونے سے (العیاذ باللہ) احادیث

کی روایات کا اعتبار جاتا رہے گا۔ اور کوئی روایتِ تاریخی بھی اہمیت نہیں رکھے گی۔ الغرض ایسی جسارت اور دلیری ایک غیر مقلد ہی کر سکتا ہے۔ مقلد حنفی ہو یا مالکی، شافعی ہو یا حنبلی کبھی نہیں کر سکتا۔

اگر عدمِ تقلید مستحسن ہے تو مستحسن کی خاطر تفریق کیوں گوارا کی جاتی ہے؟

اور اگر یہ کہا جائے کہ ترکِ تقلید واجب تو نہیں، ہاں مستحسن ہے تو تعجب ہے کہ ایک مستحسن کی خاطر تفریق بین المسلمین گوارا کی جاتی ہے۔ تقلید کے رَد میں مؤمنین کو بُرا بھلا کہا جاتا ہے۔

اربابِ جہالت کو ناقص العمل کی تقلید گوارا لیکن ائمہ کرامؒ کی تقلید سے نفرت

ہمارا یہ تو اُن اربابِ علم سے سوال تھا جو قرآن عظیم اور احادیث کے تراجم سمجھتے ہیں لیکن وہ ناواقف جو عربی زبان سے ناآشنا ہونے کی وجہ سے اردو کے تراجم اور علماء کے اقوال ہی کے محتاج ہیں، ان پر بہت زیادہ تعجب ہوتا ہے کہ ایسے اربابِ جہالت کو زمانہ متاخر کے کم علم اور ناقص العمل کی تقلید تو گوارا ہے، لیکن مُسلّم اور معتبر حضراتِ ائمہ کرام رحمۃ اللہ علیہم کی تقلید سے سخت نفرت (العیاذ باللہ)

اللہ تعالیٰ ہم پر اور جملہ مسلمین پر کرم فرمائے کہ وہ ٹھنڈے دل سے سوچیں کہ عدمِ تقلید کی راہ کدھرلے جارہی ہے اور تقلید ائمہ کرام علیہم الرحمہ میں کس قدر احتیاط اور امن وعافیت ہے۔

کیا اس زمانہ کے کم علم کی یہ جرأت ہے کہ امام اعظمؒ کا مدِ مقابل بنے؟

میں پہلے تحریر کر چکا ہوں کہ حضرت امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت الکوفی رحمۃ اللہ علیہ باوجود جلالتِ قدر وعلوِ شان کے ایک انسان تھے، ان سے اجتہادی مسائل میں سہو ممکن ہے۔ لیکن تیرہ صدیوں سے زیادہ زمانہ گزر چکا ہے، بڑے بڑے ائمہ دین، محدثینِ وقت اور مجتہدین اُن کے مذہب کو ناقدانہ نظر سے دیکھتے رہے اور بعض مسائل میں حضرت امام موصوفؒ کے قول مبارک کو چھوڑتے ہوئے دوسرے ائمہ دین کی تحقیق پر فتویٰ دے چکے ہیں۔ ان حضرات نے حضرت امام اعظمؒ کی فہم و فراست، ذکاوت اُن کی جلالتِ قدر اور بلند و بالا علمی واجتہادی شان کا اعتراف کیا ہے۔ کیا ایسی حالت میں اِس زمانے کے کم مایہ آدمی کی یہ ہمت وجرأت ہے کہ وہ سراج الامت، امام الائمہ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے مُنہ آئے۔

آفریں باد بریں ہمتِ مردانۂ او

غیر مقلدین کا گروہ خیر کا گروہ نہیں

باوجود اس کے کہ ہم عدمِ تقلید کو برا اور تقلید حضرات ائمہ عظام رضی اللہ عنہم کو ضروری جانتے ہیں۔ اس لیے ہماری نظر میں غیر مقلدین کا گروہ اچھا نہیں۔ حضراتِ اہلِ سنت کے اربابِ حق تقلید ائمہ کرام کو ضروری خیال فرماتے ہیں۔

ہمارے مشائخ اور اساتذہ نے ان کو کافر نہیں کہا ہے

لیکن فتویٰ تکفیر میں حق پرست جمہور علماء اہلِ سنت اور اپنے مشائخ عظام اور اساتذہ کرام رحمۃ اللہ علیہم کے مطابق ہم غیر مقلدین کو کافر نہیں کہتے ہیں۔

جو کوئی دربارِ خداوندی یا دربارِ نبوی میں گستاخانہ الفاظ کہے اور اس کی تاویل بھی نہ کرے تو وہ کافر ہے

ہاں اگر کوئی خداوند قدوس جل شانہٗ وعم نوالہٗ کے دربارِ عالی میں یا سید المرسلین خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اقدس میں گستاخانہ قول کرے تو اس کلمہ کو کفریہ کہتے ہیں اور اگر قائل تاویل کر کے اپنی جان کو بچانے کی کوشش نہ کرے تو اسے کافر سمجھتے ہیں۔

(حَفِظَنَا اللّٰہُ تَعَالٰی مِنْ سُوْءِ الْاَدَب)

عقائدِ متعلقہ بہ اولیاءِ کرام رحمۃ اللہ علیہم

اولیاء جمع ولی کی ہے۔

ولی کسے کہتے ہیں

ولی اس مومن کو کہتے ہیں جو کبائر (بڑے گناہ) سے پرہیز کرے اور احکامِ الٰہی کی حتی الوسع پابندی کرے، لذاتِ دنیا میں منہمک نہ ہو، روحانی لطائف، کثرتِ عبادت و ریاضت سے پیدا ہو چکی ہو، اس لیے اسے رُؤیاءِ صالحہ (اچھی خوابوں) کی دولت حاصل ہو یا اس کے حق میں دوسروں کو اچھے خواب نظر آتے ہوں، اس کی صحبت یادِ الٰہی کی طرف مائل کر دے۔

مرتبۂ صدیقیت

روحِ ولی روحِ نبی کے ساتھ اس قدر وابستہ ہو گئی ہو کہ بلا تامل[1] اس کی روح اُن امور کو فوراً مان لے جو نبی کی ذاتِ گرامی کا علم ہوں۔ یہ مرتبہ ولایت تمام ولایتوں میں سب سے افضل و اعلیٰ ہے، اس قسم کے ولی کو شریعت کی زبان میں صدیق کہتے ہیں۔

---

[1] یعنی اس میں چوں چرا نہ ہو اور نہ دلائل عقلیہ طلب کرنے کا خیال دل میں پیدا ہو جیسا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے جب اسلام پیش کیا اور فرمایا کہ اے ابوبکر! میں اللہ کا نبی اور رسول ہوں، تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بلا تامل فوراً آپ کو اللہ تعالیٰ کا برحق نبی اور رسول آخر الزماں تسلیم کر لیا اور کلمہ طیبہ "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ" پڑھ کر دائرۂ اسلام میں داخل ہو کر صدیق اکبر کا لقب پایا۔ اسی لیے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ "اَفْضَلُ الْبَشَرِ بَعْدَ الْاَنْبِیَاءِ" ہیں۔ علاوہ اس کے اور وجوہ بھی بکثرت ہیں جن کی بنا پر آپ بالاتفاق "صِدّیق اکبر" قرار پائے۔

مرتبۂ صدیقیت پر فائز ہونے والے اولیاء کرام اسی لیے دوسرے اولیاء پر فضیلت رکھتے ہیں کہ وہ اتباعِ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میں سبقت لے جانے والے ہوتے ہیں۔ مرتبہ صدیقیت پر فائز ہونے والے امت میں بعض جلیل القدر اولیاء کرام ہوئے، ان میں مشہور اور رفیع الدرجات ایک ہستی سیدنا حضرت غوث الثقلین شیخ محی الدین ابو محمد عبدالقادر جیلانی محبوب سبحانی قطب ربانی قدس سرہٗ کی بھی ہے۔

امتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں بکثرت صدیقین گزرے ہیں۔ سب سے بہتر اور افضل خلیفہ اوّل رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں، اس لیے اُن کو صدیق اکبر کہتے ہیں۔ —— یہ رتبہ بعض عورتوں کو بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کیا گیا ہے۔ قرآن عظیم میں اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی والدہ ماجدہ حضرت مریم علیہا السلام کے متعلق فرمایا ہے:

وَاُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ — اُن (عیسیٰ علیہ السلام) کی والدہ صدیقہ تھیں۔

رتبہ شہادت

صدیقیت سے نیچا رتبہ شہادت ہے۔ شہید کی مشہور تعریف یہ ہے کہ جو شخص اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے جان دے دے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے دریافت کیا تھا کہ "اے رسولِ کریم! کوئی شخص مال کے لیے لڑتا ہے، کوئی عزت و آبرو کے لیے، اس میں فی سبیل اللہ کام کرنے والا کون ہے؟ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

مَنْ قَاتَلَ لِتَكُوْنَ كَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا فَهُوَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ [1] — جو مقاتلہ کرے اس غرض سے کہ اللہ تعالیٰ کا کلمہ بلند ہو جائے تو وہ اللہ ہی کیلئے لڑنے والا ہے

دوسرے مقام پر حدیث شریف میں سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ سے خود دریافت فرمایا کہ: "اے صحابہ! تم شہید کس کو سمجھتے ہو؟" صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کہ "یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) جو جنگ میں مارا جائے" —— سید العرب والعجم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس بنا پر تو میری امت کے لوگ بہت کم ہوں گے جن کو شہید کہا جائے۔

"بلکہ جو جل کر مرے وہ شہید، جو کسی چیز سے دب کر مرے شہید، پانی میں ڈوب کر مرے شہید، طاعون سے مرے شہید، ہیضہ سے موت واقع ہو شہید، بچہ کی ولادت کے ہونے میں عورت کا انتقال ہو جائے شہید، نمونیہ کے مرض میں انتقال کر جائے وہ شہید۔" [2]

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا کہ:

"جو اپنے دین کی حفاظت میں مارا جائے شہید، جو عزت و آبرو کی حفاظت میں مارا جائے شہید جو اپنی جان کی حفاظت میں مارا جائے شہید۔" [3]

---

[1] بخاری شریف جلد ۱۔ کتاب الجہاد۔ باب من قاتل لتکون کلمۃ اللہ ہی العلیا۔ ص ۳۹۴

[2] نسائی شریف جلد ۱۔ کتاب الجنائز، النہی عن البکاء علی المیت۔ ص ۲۶۱

[3] ترمذی شریف جلد ۱۔ ابواب الدیات۔ باب ماجاء من قتل دون مالہ الخ۔ ص ۱۷۰

ایک موقع پر حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم جبلِ اُحد پر جلوہ افروز تھے اور آپ کی معیت میں حضرت صدیق اکبر اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہما بھی تھے۔ پہاڑ میں لرزہ پیدا ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبلِ اُحد پر ایک ٹھوکر ماری اور فرمایا :

"اُحد قائم و ساکن رہو، تیرے اوپر ایک نبی ہے، ایک صدیق ہے اور دو شہید"۔[1]

نبی کے لفظ سے تو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ پُرنور مراد تھی۔ صدیق سے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ مراد تھے، اور دو شہید سے حضرت عمر بن الخطاب اور حضرت عثمان ذی النورین رضی اللہ تعالیٰ عنہما مراد تھے۔ حالانکہ حضرت فاروق اعظم عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عثمان ذی النورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ، اُس وقت تک شہید[2] نہیں ہوئے تھے۔

ان تمام احادیثِ مبارکہ پر نظر فرماتے ہوئے حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر "فتح العزیز" میں لکھا ہے کہ "شہید وہ مومن ہے جو ہر وقت اپنا سر ہتھیلی پر لیے پھرے اور رضائے الٰہی کی خاطر اُسے جان دینے سے بالکل تامل نہ ہو۔

وبالِ دوش ہے اس ناتواں پہ سر لیکن
لگا رکھا ہے ترے خنجر و سناں کے لیے

یہ رتبہ اسی شخص کو حاصل ہو سکتا ہے جو دنیا کو اپنی نظر میں حقیر اور آخرت کو وقیع سمجھ چکا ہو، رضائے الٰہی کے مقابلے میں اُسے اپنی جان، اپنے مال، اپنی اولاد اور اپنے اقارب کی کوئی حقیقت نہ معلوم ہوتی ہو ——— عموماً حضرات صحابہ عظام رضی اللہ عنہم اور خاصانِ خدا و مقربانِ بارگاہِ الٰہی کا یہی حال تھا۔

دولت و شوکت و ثروت سے گزر جاتے تھے
وقت جب آتا تھا اسلام پہ مر جاتے تھے

الغرض شہید[3] کی روحِ مبارک کو روحِ صدیقی کا قرب ہوتا ہے، لیکن روحِ نبوت سے اسے وہ

---

[1] ترمذی شریف جلد ۲۔ ابواب المناقب ابی حفص عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ۔ ص ۲۱۰

[2] اس سے معلوم ہوگیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے اس بات کا علم عطا فرما دیا تھا کہ یہ دونوں حضرات آپ کے اس عالم سے تشریف لے جانے کے بعد شہید ہوں گے، تب ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشن گوئی فرمائی جو آپ کے وصال کے بعد حق ثابت ہوئی۔

[3] جیسا کہ حضرت فاروق اعظم عمر بن الخطاب، حضرت عثمان ذی النورین اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہم تینوں حضرات شہدا میں لیکن حضراتِ اہلِ سنت و جماعت کا اجماع اور عقیدہ ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا رتبہ ان حضرات ذوی الاحترام سے افضل ہے۔

وابستگی حاصل نہیں ہوتی، جو صدیق کو حاصل ہوتی ہے۔

مرتبۂ صالحیت شہادت سے نیچا مرتبہ صالحیت کا ہے۔ صالح[1] وہ بزرگ ہے جو احکامِ الٰہی کی پابندی کرے، کبائر سے پرہیز کرے۔ لیکن اُس کی روح کو وہ مراتب حاصل نہ ہوں جو صدیق و شہید کو حاصل ہوتے ہیں —— علمائے کرام اور صوفیۂ عظام علیہم الرحمۃ نے یہ ترتیب قرآن عظیم کی اس آیۂ مبارکہ سے حاصل کی ہے۔

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ	یعنی جو شخص اللہ اور اس کے رسول کا مطیع ہے وہ
الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ	ان کے ساتھ ہوگا جن پر اللہ تعالیٰ کا انعام ہے، وہ
وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ	نبی ہیں، صدیق ہیں، شہدا ہیں، صالحین ہیں اور یہ
وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ؕ	بہترین رفیق ہیں۔

اس مبارک آیۃ سے جس طرح ترتیبِ ولایت ثابت ہوتی ہے، اسی طرح اُن کی رفاقت اور محبت کی خوبی و حسن بھی واضح ہوتا ہے، اور مسئلہ صاف ہو جاتا ہے کہ معیتِ خاصانِ خدا ایک نعمتِ عظیمہ ہے۔ جس کی بنا اطاعتِ الٰہی اور اتباعِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ہے۔ قربِ خداوندی جس کی طلب ہر دیندار کے دل میں ہے اس کا بہترین اور صحیح ذریعہ یہی ہے کہ ان چار گروہوں میں سے کسی ایک کی رفاقت نصیب ہو —— راہِ صواب طے کرنے کے لیے رفیقِ سفر کی ضرورت ہے۔ عربی کہاوت ہے کہ:

اَلرَّفِيْقُ ثُمَّ الطَّرِيْقُ	مطلب پہلے رفیق تلاش کرو، پھر راہ
ہیچ چیزے خود بخود چیزے نشد	مطلب کوئی چیز خود بخود چیز نہ بنی
ہیچ آہن خود بخود تیغے نشد	کوئی لوہا خود بخود تلوار نہ بنا
مولوی[2] ہرگز نشد مولائے روم	مولوی روم کے آقا نہ ہوئے
تا غلامِ شمس[3] تبریزے نشد	جب تک شمس تبریز کے غلام نہ ہوئے

ولی کی تعریف اور اس کے مراتب کا ذکر مقصود ہے —— ولایت کی دو قسمیں ہیں۔ ایک ولایتِ صغریٰ۔ دوسری ولایتِ کبریٰ۔

---

[1] صالح سے مراد عام اولیاء کرام ہیں۔ حضرات صدیقین اور حضرات شہداء کے بعد ان کا مرتبہ ہے۔

[2] مشہور عالم و عارف صاحب مثنوی حضرت مولانا جلال الدین رومی علیہ الرحمہ

[3] سلطان العارفین حضرت شیخ شمس تبریز قدس سرہٗ۔ حضرت شمس تبریز علیہ الرحمہ حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کے شیخ طریقت ہیں۔

ولایتِ صُغریٰ

"نفحات الانس" میں عالم ربانی و عارف کامل حضرت مولانا عبدالرحمٰن[1] جامی رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا ہے کہ ولایت دو قسم کی ہے۔ ایک ولایتِ صغریٰ جو ایمان لانے سے حاصل ہوتی ہے، قرآن عظیم میں ہے کہ:

اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ	اللہ تعالیٰ دوست ہے مومنین کا ان کو تاریکی سے نور کی طرف لاتا ہے۔

ولایتِ کُبریٰ

دوسری ولایت کبریٰ جو مخصوص بندوں کو عطا ہوتی ہے، تقویٰ، طہارت، عبادت و ریاضت، مجاہدات کے ساتھ ساتھ روحانی لطافت اس قدر بڑھ جاتی ہے کہ ان کے انکشافات عام طور پر صحیح ہوتے ہیں۔ اس کو حدیث شریف میں بشریٰ اور رویاءِ صالحہ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

مکاشفہ

یہ انکشاف بعض اوقات اس قدر ترقی پا جاتا ہے کہ اس کے لیے نیند کی بھی ضرورت نہیں ہوتی ___ حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بیانات میں بعض مقامات پر مذکور ہے کہ:

بَيْنَ النَّوْمِ وَالْيَقْظَةِ [2]	مطلب	نیند اور بیداری کے درمیان

اسی کو مکاشفہ کہتے ہیں۔ اس کے لیے حضراتِ صوفیہ برحق رحمۃ اللہ علیہم میں مراقبہ کا طریقہ جاری ہے۔

مُراقبہ

مراقبہ اسے کہتے ہیں کہ یعنی دنیا سے دل کو ہٹا کر اس امر کا انتظار کرنا کہ مولیٰ تعالیٰ جل شانہٗ و عم نوالہٗ کرم کی نظر سے دیکھ لے اور اس کے انوار و تجلیات کی بارش شروع ہو جائے۔ اس

---

[1] حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامی بڑے جید عالم اور عالی نسبت بزرگ تھے۔ صاحب تصانیف تھے۔ آپ کی مشہور تصنیف "شرح جامی" درس نظامی میں شامل ہے جو طلبہ کو پڑھائی جاتی ہے لاجواب کتاب ہے۔ اور دوسری کتب جیسے نفحات الانس، شرح فصوص الحکم، الدرۃ الفاخرۃ فی تحقیق مذہب الصوفیہ، رسالہ فی وحدۃ الوجود وغیرہ کثیر تصانیف ہیں۔" آپ کا کلام نہایت عارفانہ ہے۔ مشہور نقشبندی بزرگ حضرت خواجہ عبیداللہ احرار قدس سرہٗ کے مرید و خلیفہ تھے" آپ کی ولادت اصفہان کے ایک محلہ دشت میں ۲۳ شعبان ۸۱۰ھ میں ہوئی۔ بعد میں اصفہان سے خراسان کے قصبہ جام کو جائے سکونت بنا لیا تھا اس کے بعد ہرات تشریف لے گئے۔ ۱۸ محرم ۸۹۸ھ کو شہر ہرات میں وفات پائی (احوال المصنفین ص ۳۳۲-۳۳۰)

[2] مندرجہ ذیل عبارت خاتم المحدثین سند المحققین حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث مبارک "بین النوم والیقظان" کے ذیل میں یوں بیان فرمائی ہے کہ واعلم ان ہذا حال فی الانبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام یشبہ الکشف فی الاولیاء وانہم یرون فی ہذا الحال یقظۃ ما نراہ فی الرؤیا ویعبر ہذا الحال بین النوم والیقظۃ ۔ فیض الباری علی صحیح البخاری ۔ جلد ۴ کتاب بدء الخلق ۔ باب ذکر الملئکۃ ۔ قولہ وانا لنحن الصافون ۔ ص ۲

مراقبہ کے لیے مجاہدہ کی ضرورت ہے۔

مُجاہدہ[1] مجاہدہ کا مطلب یہ ہے کہ ریاضت کرے۔ ریاضت سے مراد یہ نہیں ہے کہ خود بخود خواہ مخواہ تکالیفِ شاقہ برداشت کرے، بلکہ حق پرست، صالح، پابندِ شریعت مطہرہ، مرشدِ کامل اور واقف کار کی تعلیم و تلقین کے مطابق کرے۔

---

[1] مکاشفہ، مراقبہ، مجاہدہ ان تینوں کی مفصل تعریفات اکابر حضراتِ صوفیہ برحق علیہم الرحمہ نے اپنی اپنی تصانیف میں بیان فرمائی ہیں۔ حضرت امام غزالی، حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہما وغیرہ بہت سے مشائخ اسلام نے بڑی تفصیل کے ساتھ "احیاء العلوم" اور "مکتوبات شریف" میں ان چیزوں کو بیان کیا ہے خود حضرت مصنف قدس سرہٗ "مسلک اربابِ حق" نے بھی اپنی تصنیف لطیف "فیوضاتِ وزیریہ" میں مختصر مگر جامع انداز میں ان کی تعریفات پیش کی ہیں۔ (ملاحظہ ہو فیوضاتِ وزیریہ ص ۲۹-۲۸-۲۷، مطبوعہ ۱۹۸۲ء، ناشر مکتبہ وزیریہ۔ انگوری باغ رام پور)

علمِ تصوف ایسا فن ہے جو قال سے نہیں حال سے تعلق رکھتا ہے۔ مکاشفہ، مراقبہ اور مجاہدہ یہ سب چیزیں روحانیت ہی سے تعلق رکھتی ہیں۔ جتنے حضراتِ صوفیہ برحق علیہم الرحمہ گذرے ہیں سب ان چیزوں کو مانتے تھے اور مکاشفہ، مراقبہ اور مجاہدہ کے ذریعہ ان کے نفوس قدسیہ، انوار و تجلیاتِ الٰہی کا مخزن بن جایا کرتے تھے۔ روحانی لطافت ان چیزوں کے ذریعے صوفی کے اندر پیدا ہوتی ہے۔

چودھویں ہجری کے ایک جدت پسند مؤلف ابو الاعلیٰ مودودی صاحب نے اپنی تالیف "تجدید احیاءِ دین" وغیرہ میں تصوف اور ان چیزوں کا ایسا مذاق اڑایا ہے کہ وہ خود جمہور اہلِ اسلام کی نظروں میں مذاق کا موضوع بن گئے۔ حق پرست انسان وہی ہے جو کسی چیز سے پوری طرح واقف ہو اور پھر اسے بیان کرے اور اس پر قلم اٹھائے۔ محض کسی چیز کا کوئی اس لیے انکار کر دے کہ وہ چونکہ خود واقف نہیں، یہ عقل و دیانت دونوں کے خلاف بات ہے۔ پھر ایک بات قابلِ ذکر یہ ہے کہ مودودی صاحب فخر کرتے تھے کہ میں حضرت خواجہ سید قطب الدین مودود چشتی قدس سرہ کی اولاد میں ہوں۔ حضرت خواجہ سید قطب الدین مودود چشتی سلسلہ چشتیہ کے اکابر شیوخ میں سے ایک کامل ترین شیخ اور ولی محترم ہیں۔ ان کی طرف نسبت کرنے والا اپنے اکابر کی باتوں کو نہ سمجھ سکے اور نہ سمجھ سکنے کی وجہ سے ان چیزوں کا تمسخر اڑائے تو یہ اور زیادہ قابلِ تعجب ہے۔ افسوس صد افسوس!

بات یہ ہے کہ آج کے تجدد پسند حضرات مادہ پرست ہیں ان کی نگاہیں بس ظاہر ہی پر رہتی ہیں، وہ روحانیت سے مکمل خالی ہوتے ہیں۔ اہلِ روحانیت اپنے ایمان کی کاملیت کی وجہ سے اللہ کے نور سے ہر شئی کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ ایسے ہی حضرات کو اولیاء اللہ کہتے ہیں۔

ہمارے ایک مخلص نے بڑی اچھی بات کہی ہے کہ وہابیہ قانونی مسلمان ضرور ہیں لیکن روحانیت کا شمہ ان میں موجود نہیں۔

عقائدِ متعلقہ بہ جنّات

قرآن کریم اور احادیث شریف کی لاتعداد نصوص سے یہ امر ثابت ہے کہ ایک قوم جو ہماری یعنی انسان کی نظروں سے غائب ہے، اور ان کی پیدائش آتش (آگ) سے ہوئی ہے، ان کا وجود انسانوں سے پہلے زمین پر تھا۔ اس قوم کو جنات کہتے ہیں۔ قوم جنات بھی شریعت اور اس کے احکام کے ساتھ مکلف ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم انسانوں اور جنات دونوں کے رسول ہیں

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جس طرح انسانوں کے نبی بناکر اللہ رب العزۃ کی طرف سے مبعوث ہوئے، اسی طرح جنات کے لیے بھی آپ کو ہادی و رہنما بنایا گیا، اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا لقب نبی الثقلین بھی ہے۔

جنات کو صورتیں تبدیل کرنے کی قوت حاصل ہے

اس قوم جنات میں مذکر (مرد) مؤنث (عورت) بھی ہوتے ہیں، ان میں شادی و بیاہ کا سلسلہ بھی جاری ہے، اللہ تعالیٰ نے قوم اجنہ کو صورتیں بدلنے کی طاقت عطا فرمائی ہے، جس طرح ملائکہ عظام (فرشتوں) کو یہ قوت حاصل ہے۔

جن لڑکی کا انسانی لڑکے سے نکاح جمہور ائمہ کے نزدیک صحیح نہیں

اس قوم جنات کی لڑکی اگر بشکل انسان کسی آدمی سے نکاح کرنا چاہے تو جمہور حضراتِ ائمہ کرام اور احناف علیہم الرحمہ کے نزدیک یہ نکاح صحیح نہیں ہے۔

جن لطیف شی ہے، اس کے اثر سے حفاظت کا ذریعہ مُعوذتین ہیں

اپنی لطافت کی وجہ سے جن بدن انسانی میں بھی سرایت کرجاتا ہے۔ قرآن عظیم اور احادیث شریفہ سے بھی ثابت ہے، اسی کو آسیب کا اثر کہتے ہیں۔ اگر کسی انسان کو آسیب کا اثر ہوجائے تو اس کے دفعیہ کے لیے "قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ" کی پوری سورۃ اور "قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ" کی پوری سورۃ یہ دونوں مبارک سورتیں پڑھ کر بدن پر دم کرلی جائیں ویسے

بھی ان سورتوں کو عشاء کی نماز پڑھنے کے بعد روزانہ پڑھ کر اپنے بدن پر دَم کرلینا بہت بہتر عمل ہے۔

ضروری تنبیہ بعض عورتیں مکر و فریب کے طور پر اپنے کو آسیب زدہ ظاہر کرتی ہیں اور اُن کا مقصد اپنے گھر والوں یا غیروں پر اثر قائم کرنا ہوتا ہے۔ بعض عورتیں نسوانی امراض میں مبتلا ہوتی ہیں اور اُن پر بے ہوشی یا اختلاجِ قلب کا دورہ ہو جاتا ہے۔ ایسی حالت میں بیمار اور تیمار دار دونوں کو آسیب کا شبہ پیدا ہو جاتا ہے، بلکہ یقینی طور پر جن کا اثر سمجھ کر تعویذ گنڈے شروع کر دیئے جاتے ہیں۔

جیسے قرائن اور حالات ہوں ویسے ہی تدابیر ہونی چاہئیں بعض مقامات پر فی الواقع جن کا اثر ہی ہوتا ہے، اہلِ خانہ کو قرائن اور علامات سے سمجھنا چاہیئے کہ واقعہ کیا ہے، اور اسی کے مطابق تدبیر اور علاج کرنا چاہیئے۔ مکر و فریب کا علاج حُسنِ تدبیر اور بہتر تعلیم و تربیت ہے۔ اَمراض کا علاج دوائیں ہیں جو معتبر تجربہ کار طبیب اور ڈاکٹر کے ذریعے استعمال کرائی جاتی ہیں۔

جنات کا اصل علاج اگر کسی آدمی پر فی الواقع جن کا اثر ہو جائے تو اس کا اصل علاج قرآنِ عظیم کی آیاتِ مبارکہ اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک احادیث ہیں۔

عقائدِ متعلقہ بہ تعویذات

کلماتِ متبرکہ صحیحہ سے کام لینا جائز ہے۔ خواہ قرآنی ہوں یا ماخوذ از احادیث شریفہ یا دوسرے کلماتِ طیبات ——— لیکن کلمۂ کفر اور کلمۂ شرک قطعاً نہ ہو، اور ایسا مبہم کلام بھی نہ ہو جس کے معنیٰ ہی معلوم نہ ہوں۔

کلماتِ طیبات کے ذریعے علاج

"حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی کلماتِ مبارکہ بطور علاج استعمال فرمائے ہیں۔"[1] اور حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی کلماتِ مبارکہ علاج کے طور پر استعمال کیے ہیں۔ "حضرت سیدنا عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بھی کلماتِ مبارکہ لکھ کر اپنے بچوں کے گلے میں ڈالے ہیں"[2]

تعویذات و جھاڑ پھونک پر اجرت لینا صحابہ رضی اللہ عنہم کے عمل سے ثابت ہے،

جس آدمی کو تعویذ کا صحیح طریقہ آتا ہو اور وہ شریعتِ مطہرہ کے مطابق تعویذ کرتا ہو، اُس پر اُجرت لینا بھی جائز ہے ——— "حضرات صحابہ عظام رضی اللہ عنہم نے یہ اُجرت حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے دورِ مقدس میں حاصل کی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو پسند فرمایا ہے۔"[3]

---

[1] یہ عبارت اس حدیث شریف کا خلاصہ ہے۔ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان ینفث علی نفسہ فی المرض الذی مات فیہ بالمعوذات۔ بخاری شریف جلد ۲۔ کتاب الطب۔ باب الرقیٰ بالقرآن والمعوذات۔ ص ۸۵۴

[2] فکان عبد اللہ بن عمرو یلقنہا من بلغ من ولدہ ومن لم یبلغ منہم کتبہا فی صکٍ ثم علقہا فی عنقہ ہذا حدیث حسن غریب۔ ترمذی شریف جلد ۲۔ ابواب الدعوات۔ ص ۱۹۱۔

[3] عن ابی سعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان ناساً من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم اَتَوا علیٰ حیٍّ من احیاء العرب فلم یقروہم فبینما ہم کذالک اذ لدغ سید اولٰئک فقالوا ہل معکم دواء او راقٍ فقالوا نعم انکم لم تقرونا ولا نفعل حتیٰ تجعلوا لنا جعلاً فجعلوا لہم قطیعاً من الشاء فجعل یقرأ بام القرآن ویجمع بزاقہ ویتفل فبرأ فاتوا بالشاء فقالوا لا نأخذہ حتیٰ نسئل النبی صلی اللہ علیہ وسلم فسالوہ فضحک وقال ما ادراک انہا رقیۃ خذوہا واضربوا لی بسہم۔ بخاری شریف جلد ۲۔ کتاب الطب۔ باب الرقیٰ بالقرآن والمعوذات۔ ص ۸۵۴

آیتہ کریمہ کا ختم شریف جسے ختمِ یونس بھی کہتے ہیں، جائز ضروریات اور مقاصد حقہ کے لیے پڑھانا اور پڑھنا صحیح ہے اور اس پر اجرت لینا بھی جائز ہے۔ یہ مسئلہ علامہ شامیؒ نے اپنی کتاب "ردّ المختار" میں لکھا ہے۔

نجومیوں، جادوگروں سے عملیات کرانا ناجائز ہے

بعض جہال مسلمان اس تعویذ گنڈے کے سلسلے میں نجومیوں اور رمالوں سے مدد لیتے ہیں، یہ طریقہ اسلام کے سراسر خلاف ہے، حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بہت سخت ممانعت فرمائی ہے[1] بعض لوگ جادوگروں کی طرف رجوع کرتے ہیں، یہ بھی ناجائز ہے بلکہ اس میں کافر ہو جانے کا اندیشہ ہے۔

---

[1] حدیث شریف ہے۔ من اتی عرافا فسالہ عن شئ لم تقبل لہ صلوٰۃ اربعین لیلۃ
مسلم شریف۔ جلد ۲۔ کتاب السلام۔ باب تحریم الکہانۃ واتیان الکہان۔ ص ۲۳۳

عقائدِ متعلقہ بہ ہمزاد

حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ انسان کی ولادت کے ساتھ ایک فرشتہ اور ایک جِن پیدا ہوتا ہے۔ فرشتہ کا اثر سیدھی جانب اور جِن کا اثر بائیں جانب ہوتا ہے۔ فرشتہ اچھے اور بہتر عمل کی ترغیب دیتا ہے، اور جن بری باتوں کی طرف ترغیب دیتا ہے۔ بعض اوقات یہ ہمزاد جن بُری خوابیں دکھا کر بھی انسان کو پریشان کرتا ہے۔[1]

بُری خوابیں دیکھے تو یہ عمل کرے

آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ اگر کوئی شخص بری خوابیں دیکھے تو اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْم پڑھ کر بائیں طرف تین بار پھونکے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ ان خوابوں کی مضرت سے محفوظ رہے گا۔[2]

تنبیہ

بعض لوگ عملیات کے ذریعے ہمزادِ جِن کو تابع کرنے کی کوشش کرتے ہیں اگر یہ کوشش صحیح اور معتبر شرعی ذریعہ سے ہو اور مقصد یہ ہو کہ بُرے خطرات سے محفوظ رہے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ لیکن تابع بنانے کا مقصد اگر غیر شرعی ہو یا مقصد دنیاوی کاموں میں کامیابی ہو تو کسی طرح مناسب نہیں بلکہ کم ظرف آدمی اپنے کو صاحبِ کرامت تصور کر لیتا ہے اور لوگ اس کی بزرگی کا گمان کر کے اس کو اپنا پیر و مرشد بنا لیتے ہیں، وہ خود بھی گمراہ ہوتا ہے اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتا ہے۔

---

[1] مشکوٰۃ المصابیح۔ باب فی الوسوسۃ۔ الفصل الاول۔ ص ۱۸

[2] مسلم شریف۔ جلد ۲۔ کتاب الرؤیا۔ ص ۲۴۱

عقائدِ متعلّقہ بہ بلیّاتِ خبیثہ

عربی زبان میں جس کو جن اور فارسی میں پری کہتے ہیں، ہندی زبان میں اس کا نام بھوت ہے بعض نے نفوسِ خبیثہ کو بھوت کہا ہے۔ اس چیز میں بھی زائد تخیلات اور توہمات کو دخل ہے۔ اصل حقیقت کچھ نہیں ہوتی۔ اگر فی الواقع کسی مقام پر کوئی اثر ہو تو وہ بلیّات کا اثر ہوتا ہے۔ اس کے دفعیہ کا علاج میں نے "فیوضاتِ وزیریہ"[1] کے حصۂ عملیات میں تحریر کر دیا ہے، اور حفظ ماتقدم کے لیے ہر نماز کے بعد اور سوتے وقت آیۃ الکرسی پڑھ کر اپنے بدن پر دم کر لینا کافی ہے۔

---

[1] اگر قرائن اور علامات سے معلوم ہو جائے کہ فلاں شخص پر آسیب یا جن کا اثر ہے تو پوری سورۂ جن پڑھ کر دن میں ایک بار اس کے بدن پر دم کی جائے۔ جب تک یہ اثر ختم نہ ہو جائے اس وقت تک عمل کیا جائے اور کسی کاغذ پر سورۃ الحمد شریف لکھ کر اور اس کے نیچے یَا دَافِعَ الْبَلِیَّاتِ تین مرتبہ لکھا جائے۔ پھر جن زدہ کے گلے میں ڈال دیا جائے۔ پروردگار عالم نے چاہا تو اثراتِ خبیثہ دفع ہو جائیں گے (ان شاء اللہ تعالیٰ)

فیوضات وزیریہ۔ حصہ عملیات۔ ص ۲۰۹ مطبوعہ ۱۴۰۲/۱۹۸۲ء

ناشر مکتبہ وزیریہ۔ انگوری باغ۔ رام پور ۲۴۴۹۰۱

عقائدِ متعلّقہ بہ سحر

عربی زبان میں جس کو سحر کہتے ہیں، اُردو میں اُسی کا نام جادو ہے۔ سحر اُسی شئی کا نام ہے جس کے ظاہری اسباب نہ ہوں، مخفی تدابیر سے کام کیا جائے۔ فن "نیرنجات" (مداری کا کھیل) اسی سحر کی ایک قسم ہے۔

جادو کا علاج مُعوّذتین ہیں

بعض لوگ اپنی چالاکی سے ایسا فریب اور مکر کرتے ہیں کہ لوگ دھوکا کھا جاتے ہیں۔ کچھ لوگ منتر پڑھتے ہیں اور اس کے ذریعے کچھ آثار نمودار ہو جاتے ہیں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی سحر (جادو) کیا گیا تھا، جس سے وقتی طور پر نسیان (بھول) کا مادہ پیدا ہو گیا تھا[1] ــــ اللہ تعالیٰ نے سحر کے ازالہ کے لیے "معوّذتین" یعنی قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ کی آخری مبارک سورتیں نازل فرمائی تھیں، اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مزاجِ سامی اس سے مکمل صحت یاب ہو گیا تھا ــــ صبح و شام ان دونوں سورتوں کا تین تین مرتبہ پڑھ کر بدن پر دم کر لینا سحر سے حفاظت اور دفعیہ کے لیے مفید ہے۔

سحر کا عمل کفریہ و شرکیہ ہے

اس سحر کا سیکھنا اور عمل کرنا حرام و ناجائز ہے، بلکہ بعض اوقات کفر و شرک کا قوی خطرہ ہے۔

---

[1] بخاری شریف جلد ۲۔ کتاب الطب۔ باب السحر۔ ص ۸۵۷

عقائدِ متعلّقہ بہ سورج و چاند گرہن

ہر سال ایک بار سورج اور چاند گرہن ہوتے ہیں۔ اس کے متعلق قدیم زمانے سے مختلف توہمات تھے اور اب بھی ہیں۔

گرہن قادرِ مطلق کی قدرت کی عبرت خیز نشانی ہے

شریعتِ مطہرہ میں اس قدر ثابت ہے کہ جہاں قدرتِ قادرِ مطلق جل شانہٗ وعم نوالہٗ کی اور بے شمار نشانیاں ہیں، اسی طرح قلیل الوجود اور عبرت خیز یہ بھی مخصوص علامت ہے۔ چمکتے ہوئے سورج و چاند کو جس طرح وہ تیرہ و تاریک کر سکتا ہے۔ اسی طرح چراغ حیات کو بجھا بھی سکتا ہے، روشن اور عزت دار زندگی ذلت کی سیاہی سے بدل سکتا ہے، چمکتی ہوئی دولت کو چھین کر افلاس اور محتاجی کے اندھیرے میں پہنچا سکتا ہے۔ اقتدار کے عروج کو پستی سے بدل سکتا ہے۔

حدیث شریف میں وارد ہے کہ گہن کے وقت صدقہ اور خیرات کرو، غلام آزاد کرو، نماز پڑھو۔[1]

گرہن کے وقت نماز و خیرات کا اہتمام کرنا چاہیے

سورج گرہن کی نماز با جماعت ہوتی ہے طویل قیام و رکوع و سجود کے ساتھ پڑھی جاتی ہے۔ یہ نماز سنتِ مؤکدہ ہے۔ جماعت کے ساتھ پڑھنا مستحب ہے — البتہ چاند گرہن کے وقت کی نماز فرداً فرداً پڑھی جائے۔ طریقۂ نماز فقہ کی کتب میں مفصل مذکور ہے۔

ہندوستان میں غلام کی آزادی کا تو سوال پیدا نہیں ہوتا۔ البتہ خیرات اور نماز کا اہتمام ممکن ہے لیکن افسوس ہے کہ اہل اسلام ان دونوں چیزوں میں کاہل الوجود سست اور بے پرواہ ہیں۔

---

[1] یہ عبارت ان دو احادیث شریف کا مفہوم ہے: "ان الشمس والقمر اٰیتان من اٰیات اللّٰہ لا یخسفان لموت احد ولا لحیاتہ فاذا رأیتم ذالک فادعوا اللّٰہ وکبروا وصلوا وتصدقوا" بخاری شریف جلد ۱۔ ابواب الکسوف۔ باب الصدقۃ فی الکسوف — ص ۱۴۴

"لقد امر النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم العتاقۃ فی کسوف الشمس"

بخاری شریف جلد ۱۔ باب من احب العتاقۃ فی کسوف الشمس۔ ص ۱۴۴

عقائدِ متعلقہ بہ افلاک

قدیمی فلسفہ میں یہ بتایا گیا تھا کہ آسمان نو ہیں، اور آپس میں پیاز کے چھلکے کی طرح ایک دوسرے سے چپکے ہوئے ہیں ـــــ اس زمانے میں جس فلسفہ کا چرچا ہے اس میں آسمان کے وجود کا مکمل انکار کیا جاتا ہے جو اسلام کے منافی ہے۔

اہلِ اسلام حکمتِ الٰہی اور فلسفۂ اسلامی کو مانیں

ہم مسلمانوں کو حکمتِ الٰہی اور فلسفہ اسلامی پر ایمان لانا ضروری ہے قرآن عظیم اور احادیث نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور اجماعِ امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے یہ امر بداہۃً ثابت ہے کہ آسمان سات ہیں، اور ہر آسمان میں خلائقِ ربانی آباد ہے، یعنی ملائکہ عظام، اور وہ خداوند قدوس کی عبادت میں مشغول ہیں۔

آسمانوں پر لوح وقلم، عرش وکرسی ہیں

ایک آسمان سے دوسرے آسمان کا کافی فاصلہ ہے۔ آسمانوں پر لوح وقلم عرش وکرسی ہیں، جن کے حالات دوسری کتب میں مفصل مذکور ہیں۔

جنات کا فرشتوں کی باتوں کا سننا اور پھر کاہنوں کو خبر دینا

جنات آسمان کے قریب ضرور پہنچتے ہیں اور ملائکہ عظام کی باتیں سن کر دوسرے جنات کو بتلاتے ہیں، یہاں تک کہ بعض اوقات وہ باتیں انسانوں کے کانوں تک پہنچا دیتے ہیں، جن کو عربی میں کاہن کہا جاتا ہے۔ لوگ ان کاہنوں کے معتقد ہو جاتے ہیں، اس لیے کہ ان کی خبروں میں اگرچہ جھوٹ بہت شامل ہوتا ہے، لیکن بعض اخبار صادق ہوتی ہیں۔

مقربانِ بارگاہ الٰہی اور کاہنوں میں بڑا فرق ہے

یہ کاہن قوم خیر کے کاموں سے مکمل محروم ہوتی ہے، دروغ گوئی ان کی عادت میں داخل ہے ـــــ حضراتِ خاصانِ خدا ومقربانِ بارگاہِ الٰہی صادق القول، معتبر اور خیر

کے کاموں کے مکمل عادی ہوتے ہیں۔ یہی فرق ہے حضرات خاصانِ خدا و مقربانِ بارگاہِ الٰہی اور کاہنوں میں حضراتِ اولیاء کرام کی ارواحِ مقدسہ کا تعلق ملائکہ مقربین کی پاک اور نورانی ارواح سے ہوتا ہے اور کاہنوں سے ناپاک شیاطین اور جنات کا تعلق ہوتا ہے۔ دونوں باتوں پر قرآنِ عظیم شاہد ہے۔ مقبول بندوں کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ :

اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِیْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ۝

بے شک وہ لوگ جو کہتے ہیں ہمارا رب اللہ ہے پھر صراطِ مستقیم پر قائم رہتے ہیں اُن پر ملائکہ کا نزول ہوتا ہے اور وہ کہتے ہیں کہ خوف زدہ نہ ہو اور نہ غم کرو' اس جنت کا جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے، مژدہ سنو، ہم دنیا اور آخرت میں تمھارے دوست ہیں۔

نامقبول بندوں کے لیے ارشاد ربانی ہے کہ :

هَلْ اُنَبِّئُكُمْ عَلٰی مَنْ تَنَزَّلُ الشَّیٰطِیْنُ ۝ تَنَزَّلُ عَلٰی كُلِّ اَفَّاكٍ اَثِیْمٍ ۝

کیا میں بتاؤں کہ شیاطین کا کس پر نزول ہوتا ہے وہ ہر مکار اور گناہ گار پر نزول کرتے ہیں۔

کاہنوں سے میل جول سخت ممنوع ہے

شریعتِ مطہرہ میں کاہنوں سے میل ملاپ رکھنا بہت سخت ممنوع ہے۔ جس طرح جادوگروں اور نجومیوں سے صحبت رکھنا ناجائز ہے' اسی طرح کاہنوں سے بھی میل جول رکھنا ناجائز ہے۔ حدیث شریف میں اس کی ممانعت موجود ہے۔[1]

اچھی صحبت اللہ کی نعمت ہے

الغرض اچھی صحبت اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے اور بری صحبت سخت مضر ہے۔ دنیاوی ضرورتوں اور مجبوریوں میں ہر شخص سے ملا جائے اور بد اخلاقی کسی سے نہ کی جائے۔ لیکن قلبی تعلق اور دلی محبت اللہ تعالیٰ اور اس کے خاص بندوں سے ہی ہونا چاہیے۔

---

[1] مشکوٰۃ المصابیح۔ باب الکہانۃ۔ الفصل الاول۔ ص ۳۹۲

عقائدِ متعلقہ بہ حرکتِ زمین و فلک

قدیم فلسفہ میں یہ چیز مسلّم تھی کہ آسمان متحرک ہے اور زمین ساکن۔ اس زمانے میں جس فلسفہ کا رواج ہے، اس میں یہ ہے کہ آسمان کا کوئی وجود نہیں اور زمین متحرک ہے۔

آسمانوں کا وجود ثابت، زمین و فلک کی حرکت یا سکون کا ذکر نہیں

اسلام نے اس مسئلہ کے متعلق کوئی فیصلہ نہیں فرمایا، البتہ آسمانوں کا وجود اسلام میں ضرور ثابت ہے۔ اس کی حرکت کا کوئی ذکر قرآن کریم یا احادیث نبی کریم اللہ علیہ وسلم میں نہیں ہے۔ اسی طرح زمین کا سکون یا حرکت بھی شریعتِ مطہرہ میں مذکور نہیں۔

تنبیہ عالم میں بے شمار چیزیں ہیں اور اسی طرح اُن کی کیفیات و حالات بھی بے گنتی ہیں۔ عقائد کی تصحیح اور اعمال و اخلاق کی اصلاح کے لیے جن چیزوں کا بیان کرنا ضروری تھا، اس کا ذکر قرآن کریم اور احادیث شریفہ میں آیا ہے۔ اور جس شی کی ضرورت نہ تھی، اس کا ذکر بے سود تھا۔ البتہ حدودِ شریعت میں رہ کر حکمت و فلسفہ کی جس قدر ترقی کی جائے، اسلام میں ممنوع نہیں، بلکہ آقائے دو عالم ارواحنا فداہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکیمانہ ترقی کی ترغیب دی ہے۔ حدیث مبارک میں وارد ہے کہ:

اَلْکَلِمَۃُ الْحِکْمَۃُ ضَالَّۃُ الْمُؤْمِنِ فَحَیْثُ وَجَدَھَا فَھُوَ اَحَقُّ بِھَا [1] مطلب حکمت کی بات مومن کی گمشدہ چیز ہے۔ پس جہاں اس کو پالے وہ اس کا حقدار ہے۔

---

[1] ترمذی شریف جلد ۲۔ ابواب العلم۔ باب ماجاء فی فضل الفقہ علی العبادۃ ص ۸۳

عقائدِ متعلّقہ بہ کواکب

کواکب جمع کوکب کی ہے۔ کوکب، ستارہ کو کہتے ہیں۔ ستاروں کی گنتی نہ کسی فلسفی حیثیت سے معلوم ہے، نہ شریعتِ مطہرہ میں اس کا ذکر ہے، اور نہ اس کی ضرورت ہے۔

قدیم فلسفہ میں یہ مذکور ہے کہ ستارے آسمانوں میں جڑے ہوئے ہیں۔ جدید فلسفیانہ تحقیق یہ ہے کہ آسمان کا وجود ہی نہیں، جس کی عقلاً، طبعاً و شرعاً کسی طرح کوئی دلیل نہیں۔

جدید فلسفی یہ کہتے ہیں کہ جب آسمان کا وجود نہیں تو اس میں جڑے ہوئے ہونے کا کیا مطلب؟ بلکہ فضا اور خلا میں بے شمار ستارے بکھرے ہوئے ہیں[1]

قرآن عظیم نے یہ ارشاد فرمایا ہے اسلام نے ستاروں کے جڑے ہوئے ہونے کے متعلق کوئی صراحت نہیں کی نہ اسلام نے ستاروں کے لیے آسمان متعین کیے ہیں، البتہ قرآن عظیم میں اللہ تعالیٰ نے صرف اس قدر ارشاد فرمایا ہے کہ:

وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ وَجَعَلْنٰهَا رُجُوْمًا لِّلشَّيٰطِيْنِ ۔	بلاشبہ ہم نے قریب والے آسمان کو چراغوں سے زینت بخشی اور ان چراغوں کے ذریعے شیاطین کو ہنکالا۔

آسمان کا ستاروں سے مزیّن ہونا اور شیاطین کو ان کی مدد سے ہنکالا جانا اس آیۃ مبارکہ میں پہلے آسمان کا ستاروں سے مزین ہونا تو ضرور معلوم ہوتا ہے، لیکن آسمان میں ستارے جڑے ہوئے ہونے کا کوئی تذکرہ نہیں، نیز یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ شیاطین کو ان ستاروں کی مدد سے ہنکالا بھی جاتا ہے۔

تنبیہ پہلے یہ بتایا گیا ہے کہ جنات اور شیاطین آسمان کے قریب جاکر ملائکہ عظام (فرشتوں) کی گفتگو سے فائدہ حاصل کرنا چاہتے ہیں اور ان کو جو مل جاتا ہے وہ کاہنوں کے حوالے کر دیتے ہیں۔

---

[1] جدید فلاسفہ کا یہ نظریہ کہ فضا اور خلا میں ستارے بکھرے ہوئے ہیں اس حد تک جمہور اہلِ اسلام کی تحقیق کے مطابق ہے۔ جمہور اہلِ اسلام کی تحقیق کو پیش کرتے ہوئے "مدارک التنزیل وحقائق التاویل" میں آیۃ کریمہ كُلٌّ فِیْ فَلَكٍ یَّسْبَحُوْنَ کے تحت امام جلیل علامہ ابو البرکات عبداللہ بن احمد بن محمود النسفیؒ فرماتے ہیں "والجمهور على ان الفلك موج مكفوف تحت السماء تجري فيه الشمس والقمر

(باقی اگلے صفحہ پر)

بعثتِ سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جہاں دوسرے طریقوں سے اسبابِ گمراہی کی کمی کی گئی، اسی طرح آسمانی اسرار کو شیاطین سے بچانے کی تدبیر میں بھی اضافہ کیا گیا۔

شہابِ ثاقب کا ٹوٹنا آسمان پر ستارہ ٹوٹنا جسے شہابِ ثاقب کہتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وسلم کی ولادتِ باسعادت سے پہلے بھی تھا لیکن اس کی زیادتی

(بقیہ حاشیہ) والنجوم" (جمہور کے نزدیک فلک آسمان کے نیچے ایک رُکی ہوئی موج کا نام ہے جس میں سورج و چاند اور ستارے گردش کرتے ہیں) البتہ اسلام جدید فلسفیوں کے انکارِ آسمان کو اُن کی لاعلمی اور معذوری قرار دیتا ہے جس کو وہ اپنی نادانی کی وجہ سے انکار سے تعبیر کرتے ہیں۔ آج تک اُن کی نظر و فکر کی ساری قوت و پرواز اس کو پار نہیں کر پائی جو آسمانوں کا وجود انھیں ملتا۔ ہو سکتا ہے کہ آئندہ اُن کی نظر و فکر کی رسائی آسمانوں تک ہو جائے تو وہ آسمانوں کے وجود کا بھی اقرار کرنے پر مجبور ہو جائیں۔ فلسفیوں اور سائنس دانوں کی تحقیقات بدلتی رہتی ہیں۔

آسمانوں کے وجود کے سلسلے میں اہلِ اسلام کی قوی نقلاً دلیل یہ ہے کہ سب سے اعلیٰ صادق البیان، سمیع و توانا اور سب سے زیادہ باعقل و باشعور بے مثل انسانِ کامل آسمانوں پر گزر کر، ان کو دیکھ کر واپس آچکا ہے (معراجِ جسمانی کے ساتھ) اور بتا چکا ہے۔ وہ بے نظیر ذات کائنات کے سب سے اعلیٰ سرچشمۂ علم و حکمت، حقائقِ کائنات کا صحیح علم رکھنے والے سیّدِ عالم حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مبارک ہستی ہے۔

ہر دور کے بڑے بڑے فلسفیوں نے جن میں عیسائی بھی ہیں، یہودی بھی، مجوسی بھی اور مشرکین بھی، خواہ وہ یورپ کے رہنے والے ہوں یا افریقہ و امریکہ کے یا ایشیا کے، سب نے حضور سیّدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ صادق القول، امانت دار اور معتبر مانا ہے۔ دنیا میں آج تک ایک بھی شخص ایسا نہیں گزرا جس نے آپ کی صداقت کا انکار کیا ہو۔ اگرچہ مستشرقین نے اسلام سے بغض و کینہ رکھنے کی وجہ سے دینِ رحمت پر بہتان تراشی میں کوئی کمی نہیں کی، لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کو کائنات میں پیدا ہونے والی برگزیدہ ہستیوں میں سب سے زیادہ سچا اور افضل و عقل مند ضرور تسلیم کیا۔ ——— الغرض حضرت مصنف نے قدیم فلاسفہ کے باطل نظریہ کا "آسمان نو ہیں اور وہ ایک دوسرے سے ایسے چپکے ہوئے ہیں جیسے پیاز کے چھلکے ایک دوسرے سے چپکے ہوئے ہوتے ہیں اور ستارے آسمانوں میں جڑے ہوئے ہیں" عقلاً و نقلاً بہترین رد فرما دیا ہے۔ جب آسمانوں کے درمیان فاصلہ ہی نہیں (بقول اُن کے) تو ستاروں کے جڑے ہوئے ہونے کا کیا مطلب؟ اور جدید فلسفیوں کا باطل نظریہ یہ کہ آسمانوں کا وجود نہیں۔ خود قرآنِ مجید میں باری تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اَلَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا (جس اللہ نے سات آسمان بنائے الگ الگ طبقے) عقلاً و نقلاً دونوں طرح سے ثابت ہو گیا کہ قدیم و جدید فلاسفہ کا نظریہ اس سلسلے میں باطل ہے ——— ہم اہلِ اسلام پر لازم ہے کہ اسلامی حکمت و فلسفہ کو مانیں جتنا قرآن و سنّت نے پیش کیا ہے۔ مادّہ پرست فلسفیوں اور سائنس دانوں کی تحقیقات کا اس لیے کوئی اعتبار نہیں کہ ان میں تغیر و تبدل ہوتا رہتا ہے۔ اسلام روحانی فلسفہ کو پیش کرتا ہے اور روحانی فلسفہ ہی اصل فلسفۂ اسلامی ہے۔

سیدالمرسلین خاتم النبیین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی آمدِ مبارک کے بعد ہی ہوئی ہے۔ اب رہا یہ معاملہ کہ ستاروں کا ٹوٹنا معلوم تو ہوتا ہے۔ کیا واقع میں بھی ایسا ہے یا نہیں۔ اس کی تحقیق فلسفۂ طبعیات میں ہے۔

احکامِ الٰہی اور فرامینِ نبوی ہی اصل ہیں

مسلمانوں کو رہنمائی کے لیے دین اسلام کی ضرورت ہے، ان کے واسطے اللہ تعالیٰ کے احکام اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامین ہی اصل اور مقدم ہیں۔ انھیں فلسفیانہ بحث کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں ہے۔ ان چیزوں کی طولانی بحث کو قرآن عظیم اور احادیث شریفہ میں مُصرَّح نہیں کیا گیا۔

تنبیہ

عرصہ سے سائنس دانوں کی تحقیق اخبارات و رسائل میں آرہی ہے کہ مریخ میں آبادی ہے۔ اوّل اوّل تو یہ خیال کیا گیا کہ چاند میں مخلوق آباد ہے اور وہاں آباد ہونے کی کوششیں بھی کی گئیں، بعد میں سائنس دانوں کی تحقیق یہ سامنے آئی کہ چاند میں کوئی آبادی نہیں۔ یہ امور اب تک بداہتہً بلا اختلاف ثابت نہیں۔ ہمیشہ اس کے متعلق آراء کی تبدیلی ہوتی رہتی ہے۔ نہ معلوم آئندہ کی تحقیق سے کیا انکشافات ہوں۔

ستاروں میں آبادی کی نہ نفی ہے نہ اثبات

اسلام نے ستاروں میں آبادی کی نہ نفی کی ہے اور نہ اثبات، بلکہ قرآن مجید نے یہ بیان کیا ہے کہ:

وَمَا یَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ ؕ

(اے رسول) تمھارے رب کے لشکروں کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔

خلائق کی کثرت کا علم

اس آیۂ مقدسہ سے خلائق کی کثرت تو ضرور معلوم ہوتی ہے لیکن خلائق کی تعداد اور مقامات کی کوئی تعیین معلوم نہیں ہوتی۔

آسمانوں میں، جنت میں اور دوزخ میں آبادی کا ذکر ضرور آیا ہے۔ لیکن ستاروں میں آبادی کی بحث نہیں کی گئی۔ جس شی کی واضح طور پر تحقیق ہو جائے، اس کے ماننے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ (وَاللہُ اَعْلَمُ)

آسمان و زمین کی اشیاء کی تحقیق سہل نہیں

آسمانی اشیاء کی تحقیق جس طرح سہل نہیں، اسی طرح زمین اور اس کی آبادی کی تحقیق بھی کوئی آسان کام نہیں ــــــ جغرافیہ کے ماہرین، قدیم زمانہ سے کرۂ ارض کی تحقیق کر رہے ہیں، اور اس زمانے میں تیز رفتار سواریاں اور ناپ تول کے جدید ذرائع بکثرت موجود ہیں۔ اس لیے بہت سے واقعات اور

حالات کا انکشاف ہوگیا ہے جو پہلے نہ تھا، لیکن پھر بھی بہت سی چیزیں اب تک گوشۂ خفا میں ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامین پر ایمان رکھنا ضروری ہے

اس لیے حضور سید الاولین والآخرین امام الانبیاء خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے جن چیزوں کی خبر دی ہے اور وہ شرع میں وضاحت کے ساتھ ثابت ہیں، ان پر عقیدہ رکھنا ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے، خواہ حکمت وفلسفہ سے اس کا ثبوت ہو یا نہ ہو۔

علاماتِ قیامت

یاجوج وماجوج یہ ایک انسانی قوم ہے، جس کو "مفسرین کرامؒ" نے یافث بن حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اولاد بتایا ہے۔ پہاڑوں کے پرے یہ جماعت آباد ہے، قیامت کے قریب اس کا خروج ہوگا اور زمین پر قسم قسم کے فساد برپا کریں گے۔

ایک عرصہ تک بے دین قومیں اس جماعت کا انکار کرتی رہیں لیکن اب جغرافیہ کی تحقیق سے ثابت ہوگیا کہ یہ قوم یوگا ماگا ہے، جو فی الواقع پہاڑوں کے پرے آباد ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ربانی ہے کہ:

اِنَّ یَاْجُوْجَ وَمَاْجُوْجَ مُفْسِدُوْنَ فِی الْاَرْضِ — بے شک یاجوج وماجوج زمین میں فساد برپا کرنے والے ہیں۔

دجّال علاماتِ قیامت میں سے دجال بھی ہے۔ وہ ایک انسان ہے، جس کا خروج آخری زمانے میں ہوگا۔ اس کے مفاسد بڑے عبرت انگیز اور ہولناک ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کو قوتیں حاصل ہوں گی، جس کی وجہ سے وہ خلائق کو دھوکا دے کر اپنی خدائی منوائے گا اور خلائق اس کے دامِ گمراہی میں پھنس کر دولتِ ایمان اور طریقۂ اسلام سے محروم ہوجائے گی ——— ہاں! جس پر خدائے تعالیٰ کا کرم ہوگا، محفوظ رہے گا۔

"رسولِ انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو تلقین فرمائی ہے کہ وہ دجالی فتنہ سے پناہ مانگیں"[1]

اس دجال کے ہلاک کرنے والے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام ہوں گے ——— ہم اہلِ اسلام کے نزدیک حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام آسمان پر بقیدِ حیات ہیں، اور ان کا نزول قربِ قیامت ہوگا۔

نزول حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام قادیانی اور بہت سے مغربیت زدہ افراد، نزول حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا انکار کرتے ہیں، بلکہ یہ کہتے ہیں کہ اس قدر طویل حیات خصوصاً آسمان پر انسان کے لیے ناممکن ہے۔

---

[1] یہ عبارت اس حدیث شریف کا مفہوم ہے۔ استعیذوا باللہ من فتنۃ المسیح الدجال
ترمذی شریف جلد ۲۔ ابواب الدعوات۔ ص ۲۰۰

جمہور اہلِ اسلام عیسیٰ علیہ السلام کی حیات اور اُن کے نزول کے قائل ہیں

لیکن جمہور اہلِ اسلام حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو زندہ مانتے ہیں اور ان کے نزول کے بھی قائل ہیں۔

طویل حیات بظاہر عادت کے خلاف لیکن قادرِ مطلق کی قدرت کے خلاف نہیں

بظاہر کسی انسان کا اس قدر دیر تک زندہ رہنا عادت کے ضرور خلاف ہے، لیکن قادرِ مطلق اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کے قطعاً خلاف نہیں۔

حضراتِ ملائکہ عظام علیہم السلام عرصۂ دراز سے بقیدِ حیات ہیں۔ حضرت عزرائیل علیہ السلام (ملک الموت) عالم بھر کے انسانوں کی ارواح قبض کر رہے ہیں اور خود بفضلہ تعالیٰ سالم ہیں جس باری تعالیٰ جل شانہٗ وعم نوالہٗ کو یہ قدرت حاصل ہے کہ وہ حضرت عزرائیل علیہ السلام، حضرت جبریل امین علیہ السلام نیز دیگر تمام ملائکہ عظام کو زندہ رکھے، تو کیا وہ کسی انسان کو دیرینہ زمانے تک زندہ نہیں رکھ سکتا؟ کیوں نہیں۔ یقیناً اللہ تعالیٰ انسان کو بھی زندہ رکھنے پر قادر ہے۔

ادنیٰ، اعلیٰ، ضعیف، قوی سب کا خالق اور موجد صرف ایک ہی ذاتِ گرامی ہے اور وہ ذاتِ گرامی ہے اللہ تعالیٰ جل شانہٗ وعم نوالہٗ کی، اور اس کی قدرت کامل ہے اور ہر ممکن پر محیط ہے۔

مُظاہرِ قُدرت

مظاہرِ قدرت میں اس کی شانِ عالی کی نیرنگیاں مختلف طور پر نمایاں ہیں۔ ایک قسم کی گھاس آج پیدا ہوتی ہے تو کل فنا ہو جاتی ہے لیکن امریکہ اور افریقہ میں بعض ایسے بھی درخت ہیں جن کی عمر کا تخمینہ پانچ، چھ ہزار سال سے بھی زیادہ کا بیان کیا جاتا ہے۔ اسی طرح حیوانات میں بعض حیوانات بہت جلد ختم ہو جاتے ہیں، تو بعض بہت عرصہ تک زندہ رہتے ہیں۔ گِدھ کی عمر کی درازی کے قصے عام طور پر مشہور ہیں۔ پانی کے بولے کی عمر اگر آپ کے سامنے مختصر ہے تو پتھر اور موتی کی دراز عمر بھی آپ کے علم میں ہے۔ چمکتے ہوئے جگنو اگر جلدی سے فنا ہو جاتے ہیں تو آسمان کے روشن ستاروں کی عمر اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے۔ بعض نوزائیدہ بچے پیدا ہوتے ہی مر جاتے ہیں اور بعض انسان طویل عمر پاتے ہیں۔ اکثر وبیشتر اخبارات میں اطلاعات شائع ہوتی رہتی ہیں۔

حیاتِ عیسیٰ علیہ السلام کا انکار صرف وسوسۂ شیطانی ہے

ان تمام مظاہرِ قدرت اور اس کی بے مثل شانِ عالی کی نیرنگیوں اور جملہ حالات کا مشاہدہ اور اندازہ کرتے ہوئے اگر حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دیرینہ حیات مانی جاتی ہے تو کیا قیامت کی بات ہے؟ لہٰذا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طویل حیات کا انکار کرنا یا اس میں شبہ کرنا

محض شیطانی وسوسہ ہے۔

عیسیٰ علیہ السلام کا نزول قربِ قیامت ہوگا

ہم اہلِ اسلام کو یہ عقیدہ رکھنا ضروری ہے کہ آسمان پر حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام یقیناً بقیدِ حیات ہیں اور قیامت سے پہلے اُن کا نزول ہوگا۔

عیسیٰ علیہ السلام حضور کی شریعت پر عمل پیرا ہوں گے

ایک بات اچھی طرح یہ بھی پیشِ نظر رہے کہ جس وقت آسمان سے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام دنیا میں دوبارہ تشریف لائیں گے، یعنی قیامت سے پہلے اُن کا نزول ہوگا تو وہ اس دنیا میں نبی یا رسول کی حیثیت سے قطعاً نہیں تشریف لائیں گے بلکہ خاتم الانبیاء افضل الرسل حضور محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے متبع بن کر آئیں گے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعتِ مقدسہ پر وہ عمل پیرا ہوں گے —— حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پہلے حضرت امام مہدی کی ولادت باسعادت ہوگی۔

حضرت امام مہدی رضی اللہ عنہ

حضرت امام مہدی رضی اللہ عنہ سے متعلق "مقدمہ ابن خلدون" میں تحریر ہے کہ امام مہدی والی حدیثیں کمزور ہیں۔ اس لیے بہت سے جدید تخیل سے متاثر افراد بھی حضرت امام مہدی کی دنیا میں آمد کے منکر ہیں اور اگر پوری طرح انکار نہیں کرتے تو امام مہدی رضی اللہ عنہ کی نوعیت اُن کے ذہن میں وہ نہیں جو جمہور محدثین کرام رحمۃ اللہ علیہم کی نظر میں ہے۔

احادیث اور شروحِ احادیث میں امام مہدی کی آمد کا ذکر نصوص سے ثابت

احادیث شریفہ کی کتابوں میں بکثرت ایسی نصوص موجود ہیں جس سے امام موصوف کا مخصوص صفات کے ساتھ حامل ہو کر ظہور پذیر ہونا ثابت ہے۔[1] احادیث کی شروح میں بھی بکثرت اس کا ذکر موجود ہے۔[2] حضراتِ محدثین کرام علیہم الرحمہ کا اجماع ہے

---

[1] حضرت امام مہدیؓ کے سلسلے میں صحاح کی کتب میں بہت سی احادیث مذکور ہیں جن سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ امام مہدیؓ دنیا میں تشریف لائیں گے اور وہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد میں ہوں گے۔ ابوداؤد شریف جلد ۲۔ کتاب المہدی صفحہ ۵۸۸ میں ہے: عن ام سلمۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول المہدی من عترتی من ولد فاطمۃ قال عبداللہ بن جعفر وسمعت ابا الملیح یثنی علی علی بن نفیل ویذکر منہ صلاحاً

ابوداؤد میں بہت سی احادیث مذکور ہیں۔ ایک حدیث مبارک یوں ہے: قال لو لم یبق من الدنیا الا یوم قال زائدۃ لطول اللہ

←

کہ حضرت امام مہدی رضی اللہ عنہ اس دنیا میں تشریف لائیں گے، جو رسولِ انور سید المرسلین خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد میں سے ہوں گے۔

ابن خلدون کی رائے پر محدثین کرامؒ کا خیال مُقدّم اور اہم ہے

ہم لوگ جمہور محدثین کرام رحمۃ اللہ علیہم کے خیال کو ابن خلدون کی رائے سے مقدم اور اہم سمجھتے ہیں۔

امام مہدیؓ کے سلسلے میں ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کی خامہ فرسائی

ابوالاعلیٰ مودودی صاحب جو جماعتِ مودودی کے بانی تھے اور ان کے خیالات و نظریات کا اثر ہندوستان و پاکستان میں کچھ نہ کچھ پایا جاتا ہے اپنی کتاب "تجدید احیائے دینؒ" میں مسئلہ ظہور امام مہدی رضی اللہ عنہ کے متعلق جمہور اہل اسلام کے نظریات کے خلاف خامہ فرسائی کر چکے ہیں اور زمانہ حال کا مذاق جو آزاد خیالی اور سلف صالحین رحمۃ اللہ علیہم سے (استغفر اللہ) بدگمانی کی طرف لے جا رہا ہے، مودودی صاحب کی تصانیف سے بہت تقویت پا رہا ہے۔ اس مسئلہ کے علاوہ

(بقیہ حاشیہ)

ذلک الیوم حتی یبعث رجلاً منی او من اہل بیتی یواطئ اسمہ اسمی واسم ابیہ اسم ابی زاد فی حدیث فطر یملأ الارض قسطاً وعدلاً کما ملئت ظلماً وجوراً وقال فی حدیث سفیان لا تذہب او لا تنقضی الدنیا حتی یملک العرب رجل من اہل بیتی یواطئ اسمہ اسمی۔

۲؎ جیسا کہ مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح جزء خامس "باب العلامات بین یدی الساعۃ" کے بیان میں صفحہ ۱۸۰ (مطبع اصح المطابع بمبئی) میں راس المفسرین امام المحدثین علامہ علی بن سلطان محمد القاری رحمہ اللہ الباری نے تفصیل کے ساتھ امام مہدیؓ کی بعثت کو ثابت اور ان کے اوصاف حمیدہ کا ذکر کیا ہے کہ "امام مہدی اس دنیا میں تشریف لائیں گے اور امام موصوف حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد امجاد میں ہوں گے۔" ——— اور دوسرے محدثین کرامؒ نے بھی بہت سی احادیث کی شرحوں میں حضرت امام مہدیؓ کی تشریف آوری کو ثابت کیا ہے۔ مستند اہلِ علم جانتے ہیں کہ اس پر محدثین کا اجماع ہے۔ دینی علوم سے ناواقف اور مغرب زدہ بعض افراد امام مہدی کی آمد کے منکر ہیں۔ اہل حق کے پاس واضح ثبوت اور دلائل موجود ہیں وہ امام مہدی کی بعثت کے مکمل قائل ہیں۔ ہم نے نمونہ کے طور پر دو حدیثیں اور علامہ علی قاریؒ کی عبارت کا حوالہ پیش کیا ہے جسے تفصیل دیکھنا ہو وہ صحاح کی دوسری کتب اور شروح کا مطالعہ کر سکتا ہے۔

۱؎ مودودی صاحب امام مہدی کے ظہور کے سلسلہ میں جمہور اہل اسلام کے نظریات پر طنز کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"... وہ (یعنی علماء و مشائخ اور جمہور اہلِ حق) سمجھتے ہیں کہ امام مہدی کوئی اگلے وقتوں کے مولویانہ وصوفیانہ وضع قطع کے آدمی ہوں گے۔ تسبیح ہاتھ میں لیے یکایک کسی مدرسے یا خانقاہ کے حجرے سے

←

(بقیہ حاشیہ)

برآمد ہوں گے" تجدید احیائے دین ص ۴۷۔ ناشر مکتبہ جماعت اسلامی رام پور مطبوعہ اسٹیٹ پریس رام پور۔ ۱۹۴۰ء)

صفحہ ۴۸ پر تحریر کرتے ہیں :

"... نہ میں یہ توقع رکھتا ہوں کہ وہ مہدی ہونے کا اعلان کرے گا۔ بلکہ شاید اسے خود بھی اپنے مہدی موعود ہونے کی خبر تک نہ ہوگی اور اس کی موت کے بعد اس کے کارناموں سے دنیا کو معلوم ہوگا کہ یہی تھا وہ خلافت کو منہاج النبوۃ پر قائم کرنے والا۔"

صفحہ ۴۹ پر رقم طراز ہیں :

"مہدویت دعویٰ کرنے کی چیز نہیں، کر کے دکھانے کی چیز ہے۔ اس قسم کے دعوے جو لوگ کرتے ہیں اور جو ان پر ایمان لاتے ہیں میرے نزدیک دونوں اپنے علم کی کمی اور اپنے ذہن کی پستی کا ثبوت دیتے ہیں۔ مہدی کے کام کی نوعیت کا جو تصور میرے ذہن میں ہے وہ بھی ان حضرات کے تصور سے مختلف ہے۔ مجھے اس کام میں کرامات و خوارق، کشوف و الہامات اور چلّوں اور مجاہدوں کی کوئی جگہ نظر نہیں آتی۔"

جمہور اہلِ اسلام کے حق نظریات سے انحراف کرتے ہوئے اپنی عقل کے گھوڑے دوڑاتے ہوئے مودودی صاحب صفحہ ۴۸ پر لکھتے ہیں :

"... میرا اندازہ یہ ہے کہ آنے والا اپنے زمانہ میں بالکل جدید ترین طرز کا لیڈر ہوگا۔"

میں (محشی) کہتا ہوں کہ مودودی صاحب کرامات و خوارق، کشف و الہامات اور مجاہدوں کا تمسخر اڑا رہے ہیں۔ کشف و کرامات حق ہیں، شریعت سے ثابت ہیں ۔۔ جب کشف و کرامات کی کوئی حیثیت ان کی نظر میں نہیں ہے تو مودودی صاحب کو یہ کیسے کشف و الہام ہوگیا کہ امام مہدی اپنے زمانہ میں بالکل جدید ترین لیڈر ہوں گے۔ کہنا یہ چاہتے ہیں کہ وہ شریعت اسلامیہ کی وضع قطع لیے ہوئے نہیں ہوں گے بلکہ مغربی وضع قطع کا ایک لیڈر ہوگا جو وضع قطع کے لحاظ سے کوٹ پتلون اور ٹائی لگائے ہوتے داڑھی منڈوائے ہوئے انسان ہوں گے۔ کیا ان کی عبارت سے یہ ظاہر نہیں ہو رہا ہے؟ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ قارئین غور فرمائیں کہ جناب مودودی صاحب سلف صالحینؒ اور امام مہدیؑ کا کیسا تمسخر اڑا رہے ہیں۔ مودودی صاحب نے یہ کیسے گمان کرلیا کہ وہ جدید وضع قطع کا لیڈر ہوگا۔ انھیں کشف و الہام کہاں سے ہوگیا؟ وہ لکھ رہے ہیں کہ اسے خود بھی اپنے مہدی موعود ہونے کی خبر تک نہ ہوگی، حالانکہ شروح احادیث سے ثابت ہے کہ امام مہدی اپنے مہدی ہونے کا اعلان فرمائیں گے اور ان کے زمانہ کے لوگ ان کے ہاتھ پر بیعت کریں گے، یقیناً انھیں اپنے مہدی موعود ہونے کا علم من جانب اللہ عطا ہوگا۔ مودودی صاحب سلف صالحینؒ کے کشف و کرامات اور الہام کا مذاق اڑا رہے ہیں اور گویا اپنا کشف و الہام بیان کر رہے ہیں کہ وہ میرے نزدیک ایسا ویسا ہوگا۔ یہ کس قدر دریدہ دہنی ہے۔ مسلمان ایسے فاسد خیالات سے پرہیز کریں۔ یہ روش تو اسلام و شریعت اور اکابرین اسلام کا مذاق اڑانے کے مترادف ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسی کج روی سے محفوظ رکھے۔ آمین۔

مثلاً عدم تقلید، اولیاء اللہ علیہم الرحمہ سے (العیاذ باللہ) بدعقیدگی، حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور حضراتِ ائمہ اسلام علیہم الرحمہ پر تنقیصی تنقید بلکہ بعض حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی شان میں تحقیر آمیز جملے اور نکتہ چینیاں مودودی صاحب کے قلم سے ظاہر ہوئی ہیں۔ اب اُن کے رفقا کے قلم اور زبان سے آئے دن ظہور میں آتی رہتی ہیں، یہ چیز اسلام کے لیے سخت مضرت رساں ہے —— البتہ ظاہری تنظیم، انتظامِ مالی، آپسی اتحاد، اخبارات ورسائل کی اشاعت، تصانیف کی کثرت، قلم کا زور وغیرہ ایسی ملمع سازیاں ہیں، جن سے مسلمانوں کا بچ کر نکل جانا بہت دشوار ہو گیا ہے۔ عالم کا انتظام رَبُّ العٰلَمِیْن کے حوالہ ہے، ظاہری اور مجازی نظم حکومت کر سکتی ہے یا کوئی منظم جماعت۔

اہلِ سنت، عقائد وخیالات کے اعتبار سے صحیح راہ پر

اہلِ اسلام، جمہور اہلِ سنت وجماعت کے اربابِ حق کے عقائد وخیالات کے لحاظ سے صحیح طور پر زندگی گزار رہے ہیں (الحمد للہ) لیکن عملی دنیا میں بہت پیچھے ہیں۔ ہمارے ہم مشرب عقائد وخیالات کے حضرات کو عملی میدان میں سخت جدوجہد کی ضرورت ہے، اور اُن کو اپنی سستی وکاہلی اور زبانی لن ترانیاں ترک کر دینے کی شدید ضرورت ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمارے ہم مشرب اور ہم خیال لوگوں کو توفیق عطا فرمائے کہ وہ صحت عقائد کے ساتھ ساتھ حُسنِ اخلاق اور اصلاحِ اعمال کی طرف بھی متوجہ ہوں —— الغرض نہ میں عالم کا منتظم ہوں اور نہ آپ حضرات۔ محض اپنے مخلصین کو متنبہ کرنے کے لیے احقر نے یہ امور ظاہر کر دیئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کی مدد فرمائے اور راہِ حق پر چلنے کی توفیق عنایت فرمائے۔ آمین

مودودی جماعت کے متعلق "رسالہ استفتائے ضروری"[1] میں اکابر علماء ہند کی آراء کو متبعینِ اربابِ حق،

---

[1] اس صدی کی چھٹی دہائی کے اوائل میں مولانا مودودی صاحب کے متبعین نے جب سرزمینِ رام پور پر مودودی افکار پھیلانا شروع کیے اور سلف صالحین علیہم الرحمہ کی کھلے عام تنقیص کی جانے لگی تو رام پور کے اربابِ علم نے متحد ہو کر ان نظریات کے خلاف تحریک چلائی اور عظمتِ بزرگانِ اسلام کا چرچا کیا۔ اس تحریک کے بانی بزرگ اور مستند اربابِ علم تھے جس کی قیادت سالارِ علماء خطیبِ اعظم مُصلحِ اُمّت حضرت علامہ مولانا شاہ وجیہ الدین احمد خاں صاحب محدّث رام پوری نور اللہ مرقدہٗ (متوفی ۱۴۰۷ھ/۱۹۸۷ء) نے فرمائی۔ حضرت مولانا مفتی حامد علی خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ رام پوری ثم ملتانی (متوفی ۱۹۹۰ء) حضرت شاہ فضل حسن صاحب صابری، حضرت مولانا سید عرفان شاہ صاحب قادری رحمۃ اللہ علیہم، مولانا عبد الواحد خاں صاحب رام پوری اور مولانا محمد اللہ خاں صاحب عنایتی رام پوری سجادہ نشین خانقاہِ عنایتیہ) وغیرہ جیسے ثقہ حضرات اس کامیاب

←

اہل رام پور نے شائع کر دیا ہے۔

دابۃ الارض علاماتِ قیامت میں سے ایک چیز دابۃ الارض بھی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی ایک مخلوق ہے، اور ہماری نظروں سے پوشیدہ، لیکن قیامت کے قریب اس کا ظہور ہوگا۔

یہ کافر اور مؤمن میں امتیاز پیدا کرے گا حضرت موسیٰ علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کا عصائے مبارک اور حضرت سلیمان علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کی انگشتری دابۃ الارض کے ساتھ ہوگی۔ یہ دابۃ الارض کافر اور مومن میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے امتیاز پیدا کرے گا۔

آفتاب کا مغرب سے طلوع ہونا آخر زمانے میں ایک اہم علامت آفتاب کا مغرب سے طلوع ہونا بھی ہے۔ جس وقت ایسا ہو جائے گا، تو درِ توبہ بھی بند ہو جائے گا۔ ایمان لانا اور توبہ کرنا اس کے بعد مفید نہ ہوگا۔

تنبیہ یہ امور عام عادات کے خلاف ہیں اور ان کے علم کے ذریعے ظاہری اسباب میں کچھ نہیں ہیں۔ البتہ باری تعالیٰ جل شانہٗ وعم نوالہٗ نے اپنے حبیب پاک روحی فداہٗ صلی اللہ علیہ وسلم کو اُن امور کی اطلاعات دی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی اطلاع میں اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے علمِ کامل میں شبہ کرنا مومن کا کام نہیں ہے۔

(بقیہ حاشیہ)

تحریک میں شامل تھے۔ اس وقت ان ارباب علم نے ایک کتابچہ علماء ہند کی آراء پر مشتمل استفتائے ضروری کے نام سے طبع کرایا تھا۔ جس میں علماء ہند نے جماعت مودودی کے نظریات کو انتہا پسندانہ اور ملّتِ اسلامیہ کے واسطے سخت نقصان دہ قرار دیا تھا۔ یہ استفتائے ضروری جامع العلوم فرقانیہ رام پور کی لائبریری میں موجود ہے۔

حضور نبیِ اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کا علمِ کامل

اللہ تعالیٰ کے علمِ محیط کا حال ابتدائے کتاب میں آپ کو معلوم ہو چکا کہ ہر ممکن، ہر ممتنع اور واجب کو شامل ہے۔ اس کا علم لامتناہی ہے۔ اس نے اپنے فضل و کرم سے اربابِ عقول کو علوم مرحمت فرمائے ہیں۔ کسی کو کم اور کسی کو زائد۔

کائنات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ علم عطا ہوا

ہمارے عقیدے کے مطابق ساری کائنات میں، جو مرتبہ علمی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے اور کسی کا نہیں۔ سب سے زیادہ علم آپ ہی کو مرحمت فرمایا گیا ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ربانی ہے:

وَعَلَّمَكَ مَالَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ط وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ۝

یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ کو (اے رسول) وہ امور سکھائے جس سے آپ واقف نہ تھے اور اللہ کا آپ پر کرم عظیم ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد عالی ہے:

أُعْطِيْتُ عِلْمَ الْأَوَّلِيْنَ وَالْآخِرِيْنَ [1]

مجھے تمام اولین و آخرین کے علم کا مجموعہ عطا کیا گیا ہے۔

علم غیب کی تحقیق

حواس اور بداہتِ عقلی سے جو شئی حاصل نہ ہو، وہ غیب ہے۔ بعض اشیاء غائبہ ایسے ہوتے ہیں کہ وہ حواس اور بداہتِ عقلی سے تو حاصل نہیں ہوتے، لیکن علامات اور دلائل سے اُن کا علم ہو جاتا ہے۔ دلائل اور علامات اگر گمانِ غالب پیدا کریں تو شرعی اصطلاح میں اسے علم نہیں کہتے ہیں، بلکہ اس کا نام ظن ہے

---

[1] اس مضمون کی دوسری حدیث مبارک یہ ہے: وقل اخبرنا صلی اللہ علیہ وسلم بانہٗ اوتی علم الاولین والآخرین ۔ الیواقیت والجواہر فی بیان عقائد الاکابر۔ جلد ۱۔ المبحث الخامس والثلاثون فی کون محمد صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ص ۴۸۔ امام عبدالوہاب بن احمد شعرانی شافعی نور اللہ تربتہٗ

ظنّی علمِ کی مثال نجومیوں اور رمّالوں کے علوم حدِ یقین تک نہیں پہنچتے بلکہ مرتبۂ ظن ہی تک یہ لوگ رہتے ہیں۔اَطبّہ اور ڈاکٹروں کی تشخیص اسی قبیلہ سے ہوتی ہے۔

البتہ بعض مقامات پر ایسے دلائلِ یقینیہ موجود ہوتے ہیں جن میں شبہ کی گنجائش نہیں ہوتی۔اس علم یقینی کا حاصل کرنا کسی مرتبۂ دینی یا مقبولیتِ عند اللہ پر موقوف نہیں، بلکہ ممارست اور استعدادِ علمی پر اس کی بنا ہے۔انسان کا جو علمی اور فلسفی رتبہ ہوتا ہے، اسی کے مطابق اُس کو علم حاصل ہوتا ہے۔علمِ حساب کے مسائل میں عام طور پر یقین حاصل ہوجاتا ہے، اور اس میں اسلام اور کفر کی بھی تفریق نہیں۔بعض غیر مسلم بھی قواعد دانی میں ایسے ماہر ہوتے ہیں کہ مدتوں غور کرنے کی بات وہ منٹوں اور لمحوں میں حاصل کرلیتے ہیں۔

انبیاء کو جو علم منجانب اللہ عطا ہوا اسی کا نام علمِ غیب ہے لیکن بعض امور غائبہ اس قسم کے ہیں کہ اُن کے لیے اسباب اور علامات بالکل نہیں۔ان کا علم محض اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔البتہ اپنی عنایت سے باری تعالیٰ نے ان علوم خاصہ سے اپنے انبیاء کرام و مرسلین عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو ضرور کچھ حصہ مرحمت فرمایا ہے، قرآن مجید میں ہے کہ:

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِي مِنْ رُّسُلِهِ مَنْ يَّشَآءُ ص	اللہ تعالیٰ کی یہ شان نہیں کہ تم کو اپنے غیب پر مطلع کرے، لیکن اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں میں سے جس کو چاہتا ہے، اس کے لیے منتخب فرمالیتا ہے۔

اس آیۃ کریمہ اور اس کی امثال سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ رسولوں کو ضرور غیبِ خاص پر مطلع فرمایا گیا ہے، اور اللہ تعالیٰ کی اطلاعات کے بعد علم کا حاصل ہونا لازم ہے، اسی کا نام علمِ غیب ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ علمِ غیب میں اعلیٰ و اَرفع ہے جب جملہ حضرات انبیاء کرام و رسلِ عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے متعلق اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانِ عالی ہے تو حضور خاتم النبیین اشرف المرسلین حبیب خدا سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا رتبہ اس علم غیب میں تمام انبیاء کرام و مرسلین عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام سے بلند و بالا ہونا چاہیے، چنانچہ یقینی طور پر ایسا ہی ہے، آپ کو یہ معلوم ہوچکا کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اولین و آخرین کے علم کا مجموعہ مرحمت ہوا ہے۔

اللہ تعالیٰ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے علم میں فرق اللہ تعالیٰ کا علم غیر متناہی ہے اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا علم متناہی۔ باری تعالیٰ کا علم ذاتی ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا علم عطائی۔ باری تعالیٰ کا علم قدیم ہے اور حضور

صلی اللہ علیہ وسلم کا علم حادث ——— نیز اَزل سے اَبد تک جملہ امور اللہ جل شانہٗ وعم نوالہٗ کے سامنے یکساں طور پر ہر وقت، ہر لمحہ حاضر ہیں، اللہ رب العزۃ کو ان علوم سے نہ کبھی غفلت ہوتی ہے، نہ فراموشی۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بعض اوقات بعض معلومات سے غفلت بھی ہو جاتی تھی اور بعض امور میں نسیان اور فراموشی بھی واقع ہوئی ہے۔ البتہ ایسا نسیان اور فراموشی جس سے شریعتِ مطہرہ میں خلل واقع ہو اور کارِ تبلیغ خراب ہو جائے، حضراتِ انبیاء کرام خاص کر سید المرسلین رسول انور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہرگز ہرگز واقع نہیں ہوئی۔

مقدارِ علم رحمۃٌ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم

اللہ تعالیٰ کے بعد جملہ کائنات میں سب سے زائد علم حضور رحمۃٌ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے اور اس کی مقدار کا یقینی علم ہمیں نہیں، اور نہ ہمیں اس میں بحث کرنے کی کوئی ضرورت ہے۔

عالم الغیبِ والشہادۃ کا اطلاق حضور کی ذاتِ گرامی پر نہیں کرنا چاہیے

عالم الغیب کا لفظ جب استعمال کیا جاتا ہے تو ذہن اللہ تعالیٰ ہی کی طرف منتقل ہوتا ہے، اس لیے نبی الثقلین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی پر لفظ عَالِمُ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ کا اطلاق نہیں کرنا چاہیے۔

علمِ نبی اور علمِ غیرِ نبی میں فرق

آپ کو یہ معلوم ہو چکا ہے کہ نبی کی ذات غیرِ نبی سے بہت ممتاز بنائی گئی ہے۔ جملہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام قربِ عند اللہ، قوتِ روحانی، انکشافِ عقلی اور صفائیِ باطن کے لحاظ سے ایسے ممتاز اور برگزیدہ ہیں کہ غیرِ نبی کو یہ رتبہ حاصل ہونا ناممکن ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ اور کمال جملہ انبیاء سے بالاتر ہے

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حرم مبارک میں بیٹھے ہوئے ملائکہ عظام کو آسمان پر دیکھ لیتے تھے[1] نماز کی حالت میں اپنے مقتدیوں کو اسی طرح پیش نظر

---

[1] یہ عبارت اس حدیث شریف کے بعض حصہ کا خلاصہ ہے:

اخرج احمد وابن سعد قال بینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بفناء بیتہ بمکۃ جالس اذ مر بہ عثمان بن مظعون فکشر الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال لہ الا تجلس قال بلیٰ فجلس الیہ فبینما ہو یحدثہ اذ شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ببصرہ الی السماء فنظر ساعۃً الی السماء الیٰ آخرہ۔ خصائص کبریٰ جلد ۱۔ باب ما وقع فی اسلام عثمان بن مظعون۔ ص ۱۳۶ للشیخ الامام العلامۃ الہمام ابی الفضل جلال الدین عبد الرحمٰن بن ابی بکر السیوطی الشافعی رحمۃ اللہ (باقی اگلے صفحہ پر)

رکھتے تھے، جس طرح سامنے کی چیز کو ہر بینا آدمی دیکھتا ہے[1] ـــــــ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت سیدنا عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسلام قبول کرنے سے پہلے جب جنگ بدر میں گرفتار ہوئے اور اُن سے فدیہ طلب کیا گیا تو انھوں نے اپنی بے مائیگی کا اظہار کیا۔ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اپنی بیوی (حضرت) ام الفضل (رضی اللہ عنہا) کے پاس جو ہار آپ نے رکھا ہے، اس سے فدیہ کیوں آپ ادا نہیں کرتے؟ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ اس ہار کی خبر سوائے میرے اور میری بیوی کے کسی کو بھی نہ تھی، میں نے اسی روز سے سمجھ لیا کہ میرے بھتیجے (حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم) کا تعلق اللہ وحدہٗ لاشریک سے ہے اور وہی حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کو امورِ مخفیہ پر مطلع فرما دیتا ہے[2]۔ اسی واقعہ سے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے دل میں اسلام کی حقانیت اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جلالتِ قدر جاگزیں ہوگئی۔ البتہ اظہارِ اسلام فتح مکہ کے موقع پر کیا ـــــــ اس قسم کے بے شمار واقعات احادیثِ مبارکہ میں پائے جاتے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مولیٰ تعالیٰ کے دربارِ عالی سے کمالِ قرب ہوتا تھا، اس وقت باہر کی چیز سے لاعلمی شانِ رسالت کے خلاف نہ تھی۔

ہاں بعض اوقات سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہ عالی انتظامِ ملکی کی طرف ہوتی تھی یا اپنے مولیٰ تعالیٰ جل شانہ وعم نوالہٗ کے دربارِ عالی سے کمالِ قرب ہوتا تھا، تو اس وقت ایک قسم کی غفلت ان امور سے ضرور ہو جاتی تھی، اسی لیے بعض اوقات دروازہ کے باہر کی چیز سے بھی لاعلمی ظاہر فرماتے تھے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال اور کیفیات کی تبدیلی سے ان انکشافات میں تغیر و تبدل شانِ نبوت اور مرتبۂ رسالت کے قطعاً خلاف نہیں ـــــــ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا کہ "بعض اوقات میں عائشہ اور حفصہ (رضی اللہ عنہما) کے ساتھ گفتگو میں مشغول ہوتا ہوں، اور ایک وقت مجھ پر وہ آتا ہے

(سلسلہ صفحہ گزشتہ)

یہ واقعہ اس دور کا ہے جب حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسلام قبول نہیں کیا تھا۔ بعد کو حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا اور شرفِ صحابیت سے مشرف ہوئے۔ ہجرت کے بعد سب سے پہلے جن صحابی کی مدینہ منورہ میں وفات ہوئی وہ یہی حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں اور یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے رشتے میں رضاعی بھائی بھی تھے۔

[1] عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اقیموا صفوفکم فانی اراکم من وراء ظہری

بخاری شریف جلد ا۔ کتاب الاذان۔ باب الزاق المنکب بالمنکب الیٰ آخرہ۔ ص ۱۰۰

[2] خصائص کبریٰ جلد ا۔ ذکر المعجزات الواقعۃ فی الغزوات۔ باب ما وقع فی غزوۃ بدر الخ۔ ص ۲۰۵

(مطبع مجلس دائرۃ النظامیہ حیدر آباد دکن ۱۳۱۹ھ)

کہ میرے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان میں کوئی نہیں ہوتا"۔ [1]

بعض اہلِ علم کا نامناسب طریقہ

بعض اہلِ علم (استغفر اللہ) جو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا بلند و بالا رتبہ گھٹا کر بیان کرنا چاہتے ہیں، وہ دھوکے میں مبتلا ہو گئے کہ اوقاتِ غفلت اور واقعاتِ ذہول (ماسوائے خدا سے وقتی بے تعلقی) کو پیش کر دیتے ہیں۔ اس پر وہ اہلِ علم غور نہیں کرتے کہ دوسرے اوقات کے احوال کیا ہیں؟

انبیاء و رُسل خصوصاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و توقیر بے حد ضروری ہے

انسان خاص کر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ بڑوں کی عظمت و احترام کا بے حد خیال رکھے۔ حضراتِ خاصانِ خدا اور خاص کر حضراتِ انبیاء کرام و مرسلین عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام، خصوصاً سید الاولین والآخرین حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی توقیر و تعظیم کو اپنے لیے انتہائی ضروری سمجھے۔ کوئی کلمہ اپنی زبان اور قلم سے ایسا ظاہر نہ کرے جس سے گستاخی اور بے ادبی ظاہر ہو بلکہ وہ کلمہ بھی ادا نہ کرے جس سے گستاخی و بے ادبی کا ادنیٰ سا شبہ بھی ہوتا ہو۔

اللہ نے صحابہ کو حکم دیا کہ رَاعِنَا نہ کہو بلکہ اُنْظُرْنَا کہو

سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب کرتے ہوئے حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم لفظ "رَاعِنَا" استعمال کرتے تھے اور اس میں کوئی بے ادبی بھی نہ تھی لیکن یہودیوں نے اس لفظ کو بے ادبی کے لیے استعمال کیا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن عظیم میں اس کلمہ کے استعمال کو ممنوع قرار دیا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقُولُوا رَاعِنَا وَقُولُوا انْظُرْنَا	اے مومنو! رَاعِنَا نہ کہو بلکہ اس کی جگہ (لفظ) اُنْظُرْنَا استعمال کرو۔

حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے دلوں میں گستاخی اور بے ادبی کا توہم بھی پیدا نہیں ہو سکتا تھا، البتہ اس لفظ کو دوسری قوم بطورِ بے ادبی استعمال کرتی تھی، اس لیے حضرتِ حق سبحانہٗ و تعالیٰ نے مسلمانوں کو منع فرمایا تاکہ سوءِ ادب کا ادنیٰ سے ادنیٰ توہم بھی نہ پیدا ہو۔

بعض اوقات سخن پروری کی بنا پر آدمی لغزش سے باز نہیں آتا

اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو بے باکی اور دریدہ دہنی سے باز رکھے، اور اتفاق سے اگر

---

[1] لِي مَعَ اللهِ وَقْتٌ لَا يَسَعُنِي فِيهِ مَلَكٌ مُقَرَّبٌ وَلَا نَبِيٌّ مُرْسَلٌ۔ اس حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ ایک وقت مجھ پر ایسا آتا ہے کہ میرے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان نہ کوئی مقرب فرشتہ ہوتا ہے اور نہ کوئی نبی مرسل۔ بس میں ہوتا ہوں اور میرا مولیٰ۔

کوئی خدانخواستہ غلطی کر بیٹھے تو مطلع ہونے کے بعد اس سے رجوع کرے۔ مگر بعض اوقات غلط فہمی یا سخن پروری کی بنا پر آدمی اپنی بات کی پیچ کرتا ہے اور بتانے پر بھی اپنی لغزش سے باز نہیں آتا، یہ طریقہ حق وانصاف کے سراسر خلاف ہے۔

بعض علماءِ دیوبند کی لغزشیں، اور مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی کی نکتہ چینیاں

علماءِ دیوبند کے بعض اکابر سے اس قسم کی لغزشیں ہوئی ہیں اور مولانا المولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی نے ان لغزشوں پر مدلّل نکتہ چینیاں کی ہیں اور وقتِ نکتہ چینی وہ اکابر موجود تھے، لیکن اپنے اقوال کی تفسیریں اور تاویلیں انھوں نے بیان کی ہیں، قول سے رجوع نہیں کیا۔

دیوبندی اکابر رجوع کر لیتے تو نزاع ختم ہو جاتا

کاش! یہ دیوبندی اکابر اپنے اقوال سے رجوع کر لیتے تو آج ہندوستان کا بہت بڑا اختلاف مٹ جاتا۔ لیکن نہ اکابر نے رجوع کیا اور نہ اصاغر نے لغزش کا اقرار کیا۔ نتیجہ میں دیوبندی، بریلوی محاذ[1] قائم ہو گیا۔ اب علمائے بریلی اہل دیوبند کی تکفیر کرتے ہیں اور علمائے دیوبند بریلوی مشرب کے لوگوں کو بدعتی اور مشرک کہتے ہیں۔

اس نزاع سے علماء کا وقار متاثر ہوا

اس مخالفت کی بنا پر عدالتوں میں مقدمات پہنچے اور آج بھی ایک دوسرے کے خلاف کبھی کبھی مقدمات دائر ہوتے رہتے ہیں، جا بجا فوجداریاں ہوتی ہیں، جانبین سے رسائل اور کتابچے ایک دوسرے کے خلاف لکھے جاتے ہیں، مناظرات کی مجلسیں منعقد ہوتی ہیں، جانبین پر تمسخر اڑایا جاتا ہے۔ مغربیت زدہ اور جدید تعلیم یافتہ گروہ دونوں جماعتوں کو بے وقوف اور مفسد کہتا ہے، جس سے علماء کا وقار سخت متاثر ہوتا ہے۔

---

[1] دیوبندی بریلوی تنازعہ قدیمی نہیں ہے بلکہ یہ انیسویں صدی کے اواخر میں پیدا ہوا اور بیسویں صدی کے اوائل میں بڑھ کر اس نے ہندوستان ہی میں شہرت حاصل کی۔ یہ انگریزوں کے دورِ حکومت میں پیدا ہوا، جو صرف اردو زبان والے علاقوں میں ہی پھیلا تھا، اس لیے کہ جانبین نے اردو ہی میں بعض ایسی کتب تصنیف کر ڈالیں جن کی بعض عبارتوں کے الفاظ ہی کی وجہ سے اس نے شدت اختیار کی۔ ان علاقوں کے مرکز دیوبند اور بریلی تھے۔ دونوں مرکزوں نے علاوہ ہندوستان کے تمام عالمِ اسلام اور بین الاقوام کے دوسرے ممالک کو روشناس کرانا چاہا لیکن سو برس سے زائد گزر چکے پھر بھی ان کے وجوہِ فکر کو عالمِ اسلام اور افریقہ، ایشیا، یوروپ میں بسنے والے کروڑوں مسلمان نہ سمجھ سکے۔ کیا ضرورت ہے اس وقت کے اربابِ دین وملت کو کہ اس سے آگاہ ہو کر اختلافات کی دنیا الگ الگ بسائیں جب وہ اپنے اپنے دور

(باقی اگلے صفحے پر)

میرا اپنے مخلصین کو مشورہ

احقر کا اپنے مخلصین کو مشورہ ہے کہ وہ اس کش مکش میں مبتلا نہ ہوں، دیوبندی، بریلوی جھگڑوں سے اپنے کو علیحدہ رکھیں جو اپنے مذاق و مشرب کی چیز ہے اپنے طور پر کریں، دوسروں کو مجبور نہ کریں۔

(بقیہ حاشیہ) میں بھی یہاں والوں کو اپنے اپنے ان خاص اختلافی مسائل سے روشناس نہ کرا سکے۔ سو برس سے زیادہ سمجھانے کی کوشش کے باوجود جب ان کی باتوں کو کوئی نہیں سمجھ سکا تو اب اس زمانے کے لوگوں پر کیا زبردستی ہے کہ وہ غور کریں اور سمجھیں، اور کیا ضروری ہے کہ پوری ایک صدی کے علماء کی بڑی اکثریت جسے نہ سمجھ سکے، آج قلت علم کے دور میں ہر ایک سمجھ لے؟ —— پھر سو سال گزر جانے کے بعد آج تک اس تنازعہ کا فیصلہ ہی نہ ہو پایا کہ اس تنازعہ کے دو فریقوں میں سے کسی ایک فریق نے بھی مسلمانوں سے اپنی بات اور اپنی فکر کو متفقہ طور سے منوالیا ہو۔ عالم اسلام اور ایشیا، افریقہ، یوروپ کے ممالک کی سیر و سیاحت کرنے والے حضرات اچھی طرح واقف ہیں کہ یہ سارے علاقے اس تنازعے کو جانتے تک نہیں۔ لہذا مسلمانانِ ہند جس طرح اب تک اس جھگڑے سے الگ رہے آئندہ بھی الگ رہیں تو یہ ملتِ اسلامیہ کے واسطے نہایت مفید رہے گا، جیسا کہ عالم اسلام اور دنیا بھر کے ممالک میں بسنے والے کروڑوں مسلمان الحمد للہ اس سے نابلد ہیں، بلکہ اس تنازعہ کا انھیں باوجود فریقین کی کوششوں کے علم تک نہیں ہے کہ آخر یہ ہے کیا؟ دراصل یہ انگریزوں کے دور میں پھیلایا ہوا فتنہ ہے کہ کسی طرح مسلمانوں میں باہمی اخوت و محبت اور دینی و ملی اتحاد کا شیرازہ بکھر جائے۔ چنانچہ اُس وقت کے نصاریٰ اور یہود کی کوششیں کامیاب ہوگئیں اور آج بھی کسی نہ کسی شکل میں ملی اتحاد کا بہت کچھ فقدان ہے۔ اِس وقت ہندوانہ عہد میں وقتاً فوقتاً جزوی طور پر یہ نزاع اُچھالا جاتا رہتا ہے۔ اس سے بچنے کی کوشش کرتے رہنا چاہیے، کیونکہ سارا عالم اسلام اور ساری دنیا کے ممالک میں بسنے والے اہل اسلام اس فتنہ سے مکمل محفوظ ہیں یہ تنازعہ دلوں میں بغض، کینہ، حسد اور شدید دشمنی پیدا کرتا ہے، نہ پہلے کبھی اس کا حل ہوا اور نہ آئندہ حل ہونے کی امید ہے۔ اس لیے کہ فریقین کے اپنے ذاتی اغراض و مقاصد اس تنازعہ سے وابستہ ہیں۔ ہندوستان کے مسلمانوں کے درمیان اسلامی، دینی، سیاسی اور ملی اخوت و محبت کا تقاضا ہے کہ اس جھگڑے سے فرزندانِ توحید و رسالت الگ رہیں، ورنہ افتراق بین المسلمین سے فائدہ ہمیشہ یہودیوں، مشرکوں اور کافروں نے ہی اٹھایا ہے اور مسلمانانِ ہند نے سوائے شدید نقصانات کے کچھ نہیں پایا۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے درمیان باہمی اخوت و محبت و اتحاد و اتفاق کی عظیم نعمت کی دولت پیدا فرمائے تاکہ مسلمانانِ ہند اپنی اسلامی شوکت و قوت کو دوبارہ حاصل کر کے ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن جائیں اور اپنے دینی تشخص، اسلامی تہذیب و تمدن اور مقاماتِ مقدسہ کی حفاظت کر سکیں اور اس ملک میں باوقار زندگی گذار سکیں اور غیر مسلمین کو اسلام کے حق و پاک مقاصد سے روشناس

(سلسلہ اگلے صفحہ پر)

علماءِ بریلی کا تشدد

اکابر علماء دیوبند سے جو لغزشیں ہوئی ہیں اُن پر حضراتِ علماءِ بریلی نے سخت تشدد اختیار کیا ہے اور لغزشوں کے کرنے والوں کو ہی فقط کافر نہیں کہا ہے بلکہ اُن کے کفر میں جو شک کرے، اُس کو بھی کافر کہا ہے۔

میں پہلے بھی اس بات کا اظہار کرچکا ہوں کہ اس غلو آمیز عموم سے ہندوستان میں کوئی بھی مسلمان نہیں رہ سکتا۔ میرے نزدیک یہ مبالغہ صحیح نہیں ہے۔

(بقیہ حاشیہ) کرا سکیں جو دین اسلام کی اشاعت کے واسطے اس ملک کے پُرخطر حالات میں بہت ہی ضروری ہے۔ مسلمانوں پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ اپنے بچوں کو دینی تعلیم کے زیور سے آراستہ کریں، کیونکہ مستقبل کے حالات بظاہر اچھے معلوم نہیں ہوتے۔ اللہ تعالیٰ کرم فرمائے۔ آمین ثم آمین

اس جھگڑے نے اتنی شدت کب اور کیوں اختیار کی اس کا ثبوت ہمیں "ظفر المحصلین باحوال المصنفین" مؤلفہ مولوی محمد حنیف گنگوہی سے ملتا ہے ملاحظہ ہو:

صورت یہ ہوئی کہ ۱۲۸۸ھ/۱۸۷۱ء میں شیخوپور ضلع بدایوں میں مسئلہ امکان و امتناعِ نظیر پر مولوی عبدالقادر بدایونی اور امیر احمد سہسوانی کے درمیان ایک مناظرہ منعقد ہوا۔ سہسوانی نے ہر دو فریق کے مفصل حالات و تحریرات پر مشتمل ایک کتاب "مناظرۂ احمدیہ" کے نام سے طبع کرادی۔ تحریراتِ مناظرہ میں اثر ابن عباسؓ ان اللہ خلق سبع ارضین فی کل ارض آدم کآدمکم و نوح کنوحکم الخ بھی زیرِ بحث آیا۔ سہسوانی نے آخر کتاب میں ایک جملہ یہ بھی لکھ دیا،، مولوی محمد احسن صدیقی نانوتوی بھی اسی (صحت اثر ابن عباسؓ) کے معتقد ہیں اور اسی مضمون پر ان کی مہر ثبت ہے اور اسی کے اور علماءِ دین قائل و معتقد ہیں۔" سہسوانی کے نقل کردہ اقتباس پر مولانا محمد احسن کی تکفیر کی گئی۔ علماء بریلی اور بدایوں نے مولانا محمد احسن کی بڑی شد و مد سے مخالفت کی۔ بریلی میں اس محاذ کی قیادت مولوی نقی علی خاں (والد مولوی احمد رضا خاں بریلوی) کر رہے تھے اور بدایوں میں مولوی عبدالقادر بن فضل رسول بدایونی سرخیل جماعت تھے، یہی بریلی اور دیوبند کی مخالفت کا نقطۂ آغاز تھا جو بعد کو ایک بڑی وسیع خلیج کی شکل اختیار کرگیا۔

(۵۶) صاحب مفید الطالبین کے حالات میں عنوان ،، دورِ مخالفت،، ص ۲۹۵ تا ۲۹۶
ناشر حنیف بکڈپو- محبوب پریس دیوبند

بات واضح ہوگئی کہ اس جھگڑے کو پھیلانے کی اصل ذمہ داری دیوبندی علماء پر ہی عائد ہوتی ہے نہ دیوبندی علماء اس مناظرہ کی تشہیر کرتے اور نہ بریلوی علماء کو غصہ آتا۔ کوئی کچھ کہے تاریخی واقعات سے یہ ثابت ہوچکا کہ اس تنازعہ کو عوام میں لانے اور اس میں شدت پیدا کرنے کے اصل ذمہ دار دیوبندی اہلِ علم صاحبان ہی ہیں۔

(سلسلہ اگلے صفحہ پر)

علماءِ رام پور کا مسلک

میرا مسلک تحریر کے اول حصہ سے ظاہر ہو چکا ہے۔[1] میرا مسلک وہی ہے جو اربابِ حق علماءِ رام پور وغیرہ کا ہے کہ اکابر علماءِ دیوبند کے الفاظ ضرور کفریہ ہیں، لیکن قائل جب اپنی نیت گستاخی کی نہیں بتاتا اور اپنے الفاظ کی تاویل کرتا ہے تو اس نے کفر کا اپنے ذمہ التزام نہیں کیا۔ لزومِ کفر اور ہے اور التزامِ کفر اور شی ہے۔

بعض بزرگانِ دین کے اقوال کی تاویلیں جو اہلِ حق نے کی ہیں

بسا اوقات بعض معتبر مستند اور جلیل القدر بزرگانِ دین کے اقوال کا ظاہری مطلب شریعتِ مطہرہ کے خلاف ہوتا ہے، لیکن اُن بزرگانِ دین کی علمی، عملی اور اخلاقی زندگی اور ان کے دوسرے اقوال مبارکہ سے اُن کا مقصد صحیح چونکہ معلوم ہو جاتا ہے، اس لیے ظاہری مخالفت کا اعتبار نہیں کیا جاتا۔ اربابِ حق علماء اہلِ سنت نے ان کے ظاہری اقوال کی تاویلات کی ہیں اور انھیں تسلیم کیا ہے۔

(بقیہ حاشیہ) ہاں رہی سہی کسر جو مسلمانوں کے درمیان ملی اتحاد کی کچھ باقی تھی وہ دوسرے فریق نے ختم کر ڈالنے میں اپنی ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا۔ یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ سلطنتِ مغلیہ کے سقوط کے بعد نصاریٰ نے ہندوستان پر اپنا تسلط قائم کرنے کے بعد مسلمانوں کے درمیان دینی اخوت اور باہمی اتحاد کو پارہ پارہ کر دینے کے لیے جس عیاری کے ساتھ چالیں چلیں اور اول قادیانیت کا فتنہ کھڑا کیا، کہیں ایسا تو نہیں کہ دیوبندی بریلوی تنازعہ کو پھیلانے اور اس میں شدت لانے میں نصاریٰ اور دوسرے کفار و مشرکین کی سازشوں کی یہ بھی ایک کڑی ہو؟ اس لیے کہ مسلمانان ہند اس دور میں پوری جرأت، بہادری اور اتحاد کے ساتھ انگریزوں کے خلاف متحد ہو کر آزادیٔ ملک کی تحریک کی قیادت کر رہے تھے۔ الغرض اس دیوبندی بریلوی تنازعہ سے برصغیر کے مسلمانوں کا دینی ملی اور سیاسی اتحاد سب فنا ہو گیا جس کا نتیجہ آج ہم سب کے سامنے ہے کہ اس ملک میں ہمارے آپسی خلفشار کی وجہ سے ہمارا اسلامی تشخص، دینی تہذیب، شرعی قوانین (مسلم پرسنل لا)، مدارس اسلامیہ، مساجد اور خانقاہیں سب حکومتِ وقت اور ہندو اکثریت کے لیے آنکھوں کا کانٹا بنے ہوئے ہیں۔ خدانخواستہ اگر مستقبل میں دشمنان اسلام نے ان اسلامی یادگاروں پر شب خون مارا تو اس کی ذمہ داری گروہ بند عناصر پر ہوگی اس لیے کہ ان لوگوں کے اختلاف اور جھگڑوں کی وجہ ہی سے اسلام دشمن عناصر کو موقع ہاتھ لگے گا۔ خدارا ان گروہ بندیوں کو فی الفور ترک کر دیں اور اپنے دین و ایمان کو قائم رکھنے کے لیے دشمن کے سامنے سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن جائیے۔ ——

---

[1] حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ کریں

(حاشیہ)

۵ ـــــ لُزومِ کفر اور التزامِ کفر کا آسان مطلب سمجھ لیجیے۔ "لُزومِ کفر" اور "التزامِ کفر" میں بڑا فرق ہے۔ مثلاً اَعرض ہے کہ ایک شخص نے دوسرے شخص سے کہا، تمھارے منہ پر ریش (داڑھی) بڑھ گئی ہے، جاؤ چہرے کو صاف کرلو۔ جب اس شخص نے داڑھی منڈوادی تو کہا گیا اب تمھارا چہرہ صاف ستھرا لگنے لگا۔ جب اس سے کسی عالم یا مفتی نے سوال کیا کہ اے ظالم! تونے ریش جو آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک سنتِ مؤکدہ ہے (جس کا رکھنا جمہور اہلِ اسلام حضراتِ ائمہ اربعہ رضوان اللہ علیہم کے نزدیک بقدر ایک مشت واجب (ضروری) ہے آپ کی محبوب سنت کی تونے تحقیر کی اور اسے (استغفر اللہ۔ العیاذ باللہ) بدرونق جانا، یہ تونے کفر کا کلمہ ادا کیا۔ اب اگر اس نے یہ کہا کہ حضرت! اللہ کی پناہ! میں نے توہین یا تحقیر کی نیت کرتے ہوئے ہرگز یہ بات نہیں کہی، بلکہ آج کے غیر اسلامی ماحول میں ہم رہ رہے ہیں، دفتر میں سرکاری نوکری کرتے ہیں، ماحول کی مجبوری کی وجہ سے میں نے یہ بات کہی۔ اکثر لوگ دفتر میں داڑھی والے کا مذاق بناتے ہیں۔ مجھے داڑھی کے مذاق بننے پر تکلیف ہوتی تھی، اس کی وجہ سے یہ بات کہی۔ نیت ہرگز گستاخی کی نہیں ہے، بلکہ میں تو داڑھی کی دل سے عظمت کرتا ہوں کیونکہ یہ میرے آقا رحمۃ للعٰلمین صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک اور محبوب سنت ہے۔ یہ اس شخص نے اپنے قول کی تاویل کی، تو یہ لزومِ کفر ہے۔ یعنی اس کی بات سے کفر ظاہر ہورہا ہے مگر نیت چونکہ اس کی نہیں اس لیے وہ کافر نہیں قرار دیا جائے گا ـــــ (داڑھی صاف کرنے والا فاسق اور سخت گناہ گار ہے۔ اسی طرح کتروانے والا بھی فاسق ہے کیونکہ بقدر ایک مشت داڑھی کا رکھنا ائمہ اربعہ رضی اللہ عنہم کے نزدیک ضروری ہے) ہاں اگر وہ شخص یہ کہے (استغفر اللہ۔ معاذ اللہ) کہ مجھے داڑھی سے نفرت ہے اور اس کے رکھنے سے چہرہ حقیر لگتا ہے۔ اللہ کی پناہ! تو یہ التزامِ کفر ہے، یعنی اس نے کفر اپنے ذمے لے لیا۔ چونکہ اس نے وہی معنیٰ مراد لیے جو اس کے الفاظ سے ظاہر ہورہے ہیں یعنی اس نے دل سے داڑھی کو برا جانا تو وہ یقیناً کافر ہے۔ (معاذ اللہ)

دوسری مثال یوں سمجھیے۔ ایک شخص نے دوسرے شخص سے کہا ارے چھوڑو کا ہے کو روزہ رکھتے ہو، گرمی کا موسم ہے، دفتر میں بیٹھ کر کام کاج کرنا ہے، یا محنت و مزدوری کرنا ہے، تو یہ جملہ کفر ہے۔ اب اس شخص سے دریافت کیا گیا کہ بدنصیب! تونے روزہ جو ہر عاقل و بالغ مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے اس کو منع کیا اور اسے استغفر اللہ حقیر جانا۔ اگر اس نے کہا، اللہ کی پناہ! میں نے ہرگز یہ سمجھتے ہوئے نہیں کہا، میرے تو دل میں ادنیٰ سی بھی تحقیر کی نیت نہیں ہے۔ میں تو روزے کا احترام دل سے کرتا ہوں، اُسے فرض جانتا ہوں۔ بلکہ یہ سمجھتے ہوئے میں نے کہا کہ سخت گرمی کا موسم ہے محنت و مزدوری کرنا ہے یا دفتر میں ٹین کی چھت کے نیچے بیٹھ کر آٹھ دس گھنٹے مسلسل کام کرنا ہے، یہ سمجھتے ہوئے میں نے فلاں شخص کو روزے سے روکا۔ تو یہ لزومِ کفر ہے یعنی اس کی بات سے کفر کا اظہار ہوتا ہے، نیت گستاخی کی اس کی ہرگز نہیں، اس لیے وہ کافر نہیں ہوگا۔ ہاں وہ فاسق اور بہت سخت گناہ گار ضرور ہوا، اس لیے کہ اس نے بلا عذرِ شرعی روزے کو ترک کیا۔ البتہ اگر وہ یہ کہے کہ روزہ رکھنا بے کار، بھوکا پیاسا رہنا حماقت ہے

(حاشیہ)

(معاذاللہ- استغفراللہ) تو ایسا انسان یقیناً کافر ہے کیونکہ اس نے روزہ جو فرضِ عین ہے اس کا انکار کیا اور اس کی کھلم کھلا تحقیر کی، تو یہ اِلتزامِ کفر ہے، یعنی اس نے کفر اپنے ذمے لے لیا اور تاویل بالکل نہیں کی ــــــ لُزومِ کفر اور اِلتزامِ کفر کی مثالوں کے سمجھنے کے بعد اب سمجھیے کہ بعض علمائے دیوبند کی متنازعہ اور نہایت نامناسب عبارتوں سے لُزومِ کفر واقع ہو رہا ہے، کیونکہ قائلین نے تاویلیں کیں اور اپنی نیت گستاخی یا تحقیر کی نہیں بتائی۔ ہاں وہ متنازعہ اہلِ علم اگر یہ کہہ دیتے کہ ہماری عبارتوں سے جو مطلب ظاہر ہو رہا ہے وہی ہماری مراد ہے اور وہی ہمارا اعتقاد بھی' تو یہ التزامِ کفر ہو جاتا اور کہنے والا کافر ہو جاتا۔ مگر اُن علماء دیوبند کی تاویلوں کو ہندوستان کے علماء اہل سنت کی بہت بڑی اکثریت نے مانتے ہوئے انھیں کافر نہیں کہا۔ مگر ان لوگوں کی عبارتوں کی سخت مذمت کی اور حقارت کی نگاہوں سے دیکھا۔ عالم بھر کے لاکھوں علماء ومشائخ اور دنیا بھر کے کروڑوں مسلمان تو ان دونوں گروہوں کے موقف سے آج تک بے خبر ہیں کہ یہ مسئلہ ہے کیا؟ کیونکہ یہ بس اردو علاقوں تک ہی محدود رہا اور ہندوستان کی سرحدوں سے آگے نہ بڑھ سکا۔ یہ دیوبندی بریلوی تنازعہ آج تک اجماعی اور کلی نہ بن سکا۔ دونوں گروہ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے مقلدین میں شامل ہیں۔ ان کے تنازعہ سے علماء اسلام اور مشائخ کرام کی ذوات بے وقعت ہو کر رہ گئیں، نتیجہ ہنوز صفر۔ مسئلہ کا حل نہ پہلے ہوا اور نہ آئندہ ہونے کی امید ہے۔ ایک صدی گذر جانے کے بعد بھی یہ مسئلہ وہیں کا وہیں ہے جہاں پہلے تھا۔ اس جھگڑے میں پڑنے سے سوائے تضیعِ اوقات کے اور کچھ نہیں۔ اہلِ حق پہلے بھی اس بے کار کے جھگڑے سے بہت دُور رہے اور آج بھی الحمدللہ اس نزاع کو سخت ناپسند اور امتِ مسلمہ کے واسطے زہرِ قاتل تصور کرتے ہیں۔ کیونکہ اس سے امتِ مسلمہ میں انتشار پھیلا، مسلمانوں کا دینی، ملی اور سیاسی اتحاد ختم ہوا۔ صرف دشمنانِ اسلام نے ہی اس جھگڑے سے فائدہ اٹھایا۔

ہمارے ایک بزرگ محترم عالمِ دین نے بہت عمدہ بات فرمائی کہ "دیوبندی علماء، علماء تو تھے لیکن عقل مند ہونے کے باوجود ان میں اچھے برے میں امتیاز کے شعور کی بہت کمی تھی وہ جن علاقوں کے رہنے والے تھے وہ شعور سے کوسوں دُور اور تہذیبِ اسلامی سے ناآشنا علاقے تھے۔ غیر متمدن افراد اس طرح کے عقلی مرض کے شکار ہوا ہی کرتے ہیں، اسی طرح متنازعہ مسئلہ جو سببِ اہانت اور غیر سببِ اہانت ہونے میں ان کے عدمِ شعور کو واضح کر رہا ہے، جبکہ ان کا مقصدِ توحید بلا اہانت آمیز کلمات کے بھی خوب حاصل ہو سکتا تھا۔ اللہ وحدہٗ لاشریک کی وحدت سے دنیا کو قریب لانے کے لیے ضروری نہیں ہے کہ اس کے محبوب بندوں کی شان میں اہانت آمیز کلمہ بھی لایا جائے، بلکہ توحیدِ الٰہی کا مدار عظمتِ محبوبانِ خداوند قدوس جل شانہٗ وعم نوالہٗ پر ہے اور اس شعور سے وہ لوگ (علماء دیوبند) اپنی مسلسل برقراری کے سبب آج تک دور نظر آرہے ہیں۔ حضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلویؒ اگر ایسے علماء کے عقلی مرض کو ذہن نشین رکھتے تو شاید نظر انداز فرما دیتے۔" چنانچہ ان لوگوں کے عدمِ شعور کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے برصغیر کے علماءِ اہلِ سنت و

(حاشیہ)

مشائخِ طریقت کی بہت بڑی اکثریت سمیت علماءِ حق رام پور علیہم الرحمہ نے یہی سمجھا کہ جو عبارتیں ان لوگوں نے لکھیں وہ ان لوگوں کی فطری طور پر تمدنی کمزوریاں تھیں اور فطری کمزوری والا انسان بے شعوری میں جانے کیا سے کیا کہہ دیتا ہے اور اسے خبر تک نہیں ہوتی کہ میں کیا کہہ رہا ہوں۔ یہ صحیح ہے کہ ان کی علمی و شرعی زندگانی نے ان میں بہت حد تک شعور پیدا کیا، لیکن سیّد المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرما رہے ہیں کہ فطرت نہیں بدلا کرتی ہے: اذا اسمعتم بجبل زال عن مکانہ فصدقوہ واذا اسمعتم برجل تغیر عن خلقہ فلا تصدقوا بہ فانہ یصیر الی ماجبل علیہ۔ مقصد حدیث مبارک واضح ہے کہ پہاڑ کا ہٹ جانا اتنا بعید از قیاس نہیں جتنا ایک انسان کا اپنی جبلی کمزوریوں کو چھوڑ کر بدل جانا بعید از قیاس ہے، کیونکہ وہ بدلا ہوا اگر نظر بھی آئے تو اسے جبلت کی طرف پھر لوٹنا ہی ہے۔ اس کے علاوہ بھی دوسرے اقوالِ نبویہ اسی حقیقت کو ظاہر کر رہے ہیں ـــــ اس کی مثال یوں سمجھیے:

ایک مرتبہ ایک بے شعور، تہذیب سے نا آشنا شخص جو حضرت مجدد الامت خطیب اعظم قدس سرہٗ سے کامل عقیدت رکھتا تھا اور آپ کے دست حق پرست پر بیعت بھی تھا، مجلس میں حاضر ہوا۔ اور اس نے کہا حجور (حضور) بھوت (بہت) دنوں سے میرے گھر کو نہیں گئے ہو، کوئی دن بتا دو حجور میرے گھر کب کو چلوگے، تمہارے قدم گھر کو پہنچ جائیں گے تو برکت آجائے گی۔ حضرت قبلہؒ نے فرمایا! بھائی فلاں تاریخ معین کر لو، ان شاء اللہ تعالیٰ میں چلوں گا۔ اس نے حضرت سے عرض کیا کہ دیکھو لاپرواہی مت برت جیئو۔ یہ سن کر حضرت قبلہؒ تو مسکرا دیے، لیکن احقر اور دوسرے حاضرینِ مجلس کو بڑا غصہ آیا کہ کیسا بدتمیز انسان ہے حضرت قبلہؒ کی شان میں ایسے جملے بول رہا ہے جب وہ مجلس سے اٹھ کر چلا گیا تو حضرت قبلہؒ سے عرض کیا گیا کہ یہ تو بڑا بدتمیز انسان تھا۔ حضرتؒ نے فرمایا! نہیں بھائی ایسا نہیں۔ اس کا مطلب یہ نہیں تھا جو تم سمجھے بلکہ اس کے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ وعدہ کیا ہے بھول مت جائیے گا۔ آپ کے ذہن سے اتر نہ جائے۔ یہ شخص نہایت عظمت و عقیدت دل میں رکھنے کے باوجود شعور نہیں رکھتا ہے، تمدن سے نا آشنا ہے، یہی اس کی زبان ہے، دل میں اُس کے ایسی کوئی بات نہیں، تم لوگ سمجھے نہیں۔ حضرت قبلہ علیہ الرحمہ کے ارشاد کے بعد بات پوری طرح سمجھ میں آگئی ـــــ اتنی واضح مثالوں کے بعد ان شاء اللہ شبہات رفع ہو جائیں گے اور بات سمجھ میں آجائے گی اور جس نے یہ طے کر لیا ہے کہ مجھے دوسرے اربابِ حق علماءِ اہلِ سنت و جماعت کی بات کو نہ تو سننا ہے اور نہ سمجھنا، بلکہ صرف ایک مفتی کی کورانہ پیروی کرتے رہنا ہے تو اس کا علاج کسی کے پاس نہیں ہے۔ اس کے لیے بس اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اسے سلامتیِ عقل اور ہوش کی نعمت سے نوازے۔ آمین۔

ایک اہم بات یہ بھی سمجھ لیجیے کہ رام پور علم و ادب اور روحانیت کا اس وقت سے مرکز اور گہوارہ رہا ہے جب کہ دیوبند اور بریلی کے مدارس کا وجود بھی نہ تھا۔ بعض علماءِ دیوبند اور علماءِ بریلی براہِ راست علماءِ رام پور کے شاگرد رہے ہیں جیسے کہ سلسلۂ نقشبندیہ مجددیہ کے کامل شیخ اور بزرگ عالم حضرت مولانا شاہ احمد سعید صاحب علیہ الرحمہ (شیخ اجل

(حاشیہ)

مولانا ارشاد حسین صاحب مجددیؒ رام پوری) رامپوری کے شاگرد مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی تھے۔ اسی طرح مولانا احمد رضا خاں صاحبؒ بریلوی رام پور کے مشہور عالم مولانا عبد العلی خاں صاحبؒ کے شاگرد تھے۔ عالمِ اسلام کی شہرت یافتہ دینی علوم کی مایۂ ناز درس گاہ "المدرسۃ العالیہ" رام پور کا قیام بارہویں صدی ہجری کے نصف آخر میں ہو چکا تھا جبکہ دیوبند اور بریلی کے مدارس کا قیام اس کے ایک صدی سے بھی زیادہ بعد کی بات ہے۔ ہر اعتبار سے رام پور کو فضیلت و اہمیت حاصل ہے اور یہ فضیلت دنیا بھر کے اہل علم کے حلقوں میں تسلیم شدہ ہے۔ رام پور کے علماءِ کرامؒ کے مسلکِ حقہ کو پوری طرح سمجھنے میں حضرت قبلہ علیہ الرحمہ کی تصنیف لطیف "مسلکِ اربابِ حق" کافی وافی ہے جو عوام و خواص کی دینی ضرورتوں کو پورے طور پر سمجھنے اور سمجھانے میں انتہائی ممد و معاون ہے۔ اختصار کے باوجود اس کی جامعیت اور عمدہ امثال نے اس کی افادیت اور اہمیت کو دوبالا کر دیا ہے۔ ہندوستان و پاکستان کے عام و خاص کے حلقوں میں یہ اللہ کے کرم سے بہت مقبول ہوئی، اسی لیے اہتمام کے ساتھ مع حواشی و حوالوں کے شائع کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے مؤمن اور مقبول بندے کا کلام ایک طرف محبوبِ خلائق ہے تو دوسری طرف محبوبِ رب العٰلمین بھی ہے۔

اب مختصر طور پر علماءِ حق رام پور علیہم الرحمہ کا مسلک سمجھ لیجیے۔

حضرات علماءِ حق رام پور علیہم الرحمۃ والرضوان کا مسلک بڑا معتدلانہ اور باعثِ خیر و برکت ہے۔ یہ خالص سلفِ صالحین ائمہ مجتہدین علیہم الرحمۃ والرضوان کا مسلک ہے۔ فقہ میں یہ حضرات امام الائمہ سراج الامت سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے مقلد ہیں۔ علماء رام پورؒ "خیر الامور اوسطھا" کا مصداق ہیں۔ اُن کے اس مبارک طریقہ نے اسلام کی اشاعت اور دینی علوم کو دنیا بھر میں پھیلانے اور ان کی مخصوص، علمی، عملی، اخلاقی اور روحانی شناخت کے قیام میں بڑا اہم کردار ادا کیا ہے، جو انھیں دنیا بھر کے اہلِ علم و عرفان کے حلقوں میں ممتاز کرتا ہے۔ حضراتِ علماءِ حق رام پورؒ وہابیت اور نجدیت کی بدعقیدگی اور گمراہی سے (جس میں خارجیت کا رنگ پایا جاتا ہے) الحمد للہ مُبرّہ و مُنزّہ ہیں اور اس کا قلع قمع کرنے والے ہیں اور متشددین کے غلو آمیز طریقہ و بدگوئی سے بھی کوسوں دور ہیں (جس میں رفض (شیعیت) کا رنگ پایا جاتا ہے) یہی حضرات حقیقت میں فرقۂ ناجیہ اہل سنت وجماعت کے ائمہ کرام علیہم الرحمہ کے متبعین ہیں۔ جس طرح بدبخت فرقۂ خوارج اور بدنصیب فرقۂ روافض کے درمیان اہلِ حق یعنی اہل سنت وجماعت کا مبارک گروہ ہے، اسی طرح دیوبندی اور بریلوی گروہوں کے درمیان حضراتِ علماءِ حق رام پورؒ ہیں۔ اہل سنت وجماعت اعتدال والے ہیں ان کی اتباع میں علماء رام پورؒ بھی ان دونوں گروہوں کے درمیان اعتدال والے ہیں۔ یہی حق طریقہ حضراتِ صحابہ، حضرات اہل بیت اطہار رضی اللہ عنہم حق پرست تابعین اور ائمہ مجتہدین علیہم الرحمۃ والرضوان کا ہے، جس پر علماءِ رام پورؒ اول دور سے لے کر آج تک قائم ہیں۔ مسلمانانِ برصغیر یہ خوب پیشِ نظر رکھیں کہ اسی معتدلانہ اور مبارک طریقے ہی میں امتِ مسلمہ کی دینی فلاح اور دنیاوی سرخروئی کی ضمانت کا راز

(سلسلہ اگلے صفحہ پر) ←

حضرت شیخ محی الدین بن عربی رحمۃ اللہ علیہ کے جن کا لقب "شیخ اکبر" ہے اور ان کی جلالتِ قدر اور شانِ بزرگی اور کمالِ علمی حضرات اہلِ سنت وجماعت کے نزدیک مقبول اور مسلّم ہے، اُن کے بعض اقوالِ ظاہرہ شریعتِ مقدسہ کے خلاف ہیں، اسی طرح اور بعض جلیل القدر حضرات بزرگانِ دینؒ کے بھی اقوال موجود ہیں، جن کا ظاہر مطلب شریعت مطہرہ کے خلاف ہمیں نظر آتا ہے، جنھیں اربابِ علم جانتے ہیں، لیکن اُن کی تاویل کی طرف توجہ کرنا یا یہ کہہ کر خاموش ہوجانا کہ نہیں معلوم اِن کا مقصد کیا ہے، ہمیشہ اربابِ حق کا وتیرہ رہا ہے اسی طریقے میں عافیت اور سلامت روی ہے۔ (واللہ اعلم)

(بقیہ حاشیہ) مضمر ہے، اسی طریقہ میں روحانی سکون ہے۔ اسی مبارک راہ میں اللہ جل شانہٗ وعم نوالہٗ کی رضامندی اور اس کے حبیب مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی حاصل ہوسکتی ہے۔ اسی طریقۂ حقہ پر مسلمانوں کو قائم رہنا چاہیئے۔ ..

[1] جیسا کہ سلطان العارفین سیدنا ابو یزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ سے جذبی کیفیت میں "سُبْحَانِی مَا اَعْظَمَ شَانِی" اور شیخ حسین بن منصور حلاجؒ کا قول "اَنَا الْحَق"۔ لیکن اکابر علماءِ صالحین و اولیاءِ امت رحمہم اللہ نے ان حضرات کے اقوال کی تاویلیں اور تفسیریں بیان کی ہیں اور فرمایا ہے کہ ان کے یہ اقوال بظاہر شریعت کے خلاف ظاہر ہوئے لیکن فی نفسہٖ یہ حضرات ان عقائد سے مُبرّہ ہیں۔ جب میدانِ سلوک میں اُن پر جذبی کیفیت کا غلبہ ہوا اور تجلیاتِ ربانی کے مشاہدہ میں یہ حضرات غرق ہوگئے تو اس وقت بے خودی کے عالم میں بسبب غلبۂ جذب وسکر ان سے یہ اقوال سرزد ہوگئے لیکن جب یہ کیفیات ان کی دور ہوگئیں، جذب مغلوب ہوا، سلوک غالب ہوا اور انھیں معرفتِ خداوندی حاصل ہوگئی تو پھر اُن حضرات کی زبان سے کبھی یہ الفاظ ادا نہ ہوئے۔ بلکہ ان کے منہ سے یہ الفاظ تاحیات ادا ہوتے رہے اَنَا عَبْدُكَ (اے اللہ) میں تیرا بندہ ہوں۔ خود حضرت شیخ اکبر علیہ الرحمہ کا قول ہے کہ عوام اور کم علم ہماری کتابوں کے مطالعہ سے پرہیز کریں چند اہلِ ظاہر اس چیز کو نہ سمجھ سکے اور انھوں نے شیخ اکبرؒ، حضرت ابو یزید بسطامیؒ اور ابن منصور حلاجؒ کو خدا جانے کیا کیا کہدیا۔ لیکن جو اللہ تعالیٰ کے عارف بندے تھے اور جو علم وعمل وتقوی کے پیکر رفیع الدرجات حضرات تھے، جن میں حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی سیدنا شیخ احمد فاروقی سرہندی قدس سرہٗ کی مخصوص ذات والاصفات شامل ہے انھوں نے اور دوسرے جلیل القدر علماءِ راسخین اور اولیاءِ کاملین نے اپنی تصنیفات میں ان اقوال کی نہایت عمدہ پیرائے میں تاویلیں وتفسیریں بیان فرمائیں کہ "انا الحق" سے مراد اُن کی یہ تھی کہ "میں کچھ بھی نہیں ہوں بس جو کچھ ہے وہ حق ہی حق ہے"۔ اسی طرح سبحانی ما اعظم شانی سے مراد ہے "میں کیا میری ذات کیا جو کچھ ہے حق ہی کی پاک ذات ہے اور اسی ہی کی شان

(باقی اگلے صفحہ پر)

(حاشیہ)

بلند ہے۔" ان حضرات کے علاوہ رب اللعٰلمین ہی جانے امتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں کتنے اولوالعزم حضرات اور رشد و ہدایت کے مینار گذرے ہیں، جن کو علمائے ظاہر کی محدود تعداد نے اپنی ظاہری علم کی محدود علمی حیثیت سے سمجھا اور انھیں ان کا اصل مرتبہ نظر نہیں آیا۔ لیکن جنھیں اللہ تعالیٰ نے اپنی مخصوص معرفت، فہم و فراست اور حکمت کی نعمتوں سے نوازا، اُن پر باطن کے اسرار آشکارا ہوئے اور انھوں نے حقیقت کو حقیقت سمجھا، سلف صالحین علیہم الرحمہ کی بہت سی باتیں اور اقوال آج بھی ہماری فہم و عقل سے باہر ہیں، اس میں سلف صالحینؒ کی بیان کردہ باتوں کا ہرگز قصور نہیں، بلکہ ہماری عقلوں کا قصور ہے کیونکہ ایسے حضرات کے اقوال کے حقیقی معنیٰ تک ہماری عقل کی رسائی نہیں۔ اس بات کو یوں سمجھیے کہ ایک مرتبہ حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم سے حضرت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ "ایک علم تو یہ ہے جو احادیث شریفہ کی شکل میں میں نے پیش کیا اور ایک وہ ہے جو رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے سکھلایا اور بتلایا اگر وہ میں ظاہر کر دوں تو لوگ میری گردن مار دیں گے۔" یہ خلاصہ ہم نے اس حدیث شریف کا پیش کیا جو صحاح میں موجود ہے۔ صحیح البخاری جلد ۱۔ کتاب الایمان - باب العلم ص ۲۳ پر حدیث شریف ان الفاظ میں مذکور ہے: عن ابی ھریرۃ قال حفظت من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وعائین فاما احدھما فبثثتہ واما الآخر فلو بثثتہ قطع ھذا البلعوم۔ اس سے ظاہر ہوا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور بعض مخصوص صحابہؓ باطنی علوم جو رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مخصوص طور سے انھیں بتائے تھے وہی واقف تھے اُن اسرار کو انہی کا قلب مبارک اپنے اندر رکھنے کی طاقت رکھتا تھا۔ اور دوسرے عام حضرات اُن اسرار و نکات کی باریکیوں سے اس طرح واقف نہ تھے ——— اب سمجھیے اس امت کے اہلِ ظاہر میں سے ایک یا چند ہستیوں نے حضرت شیخ اکبرؒ، حضرت ابو یزید بسطامیؒ اور ابن منصور حلاجؒ وغیرہ کو اور ان کے باطنی مرتبہ کو اس طور پر نہ سمجھا جیسا کہ عالم بھر کے عارفین، کاملین حضرات نے سمجھا اور ان کے اقوال کی تاویلیں بیان کیں، ان کے رتبے، ان کے مقبولانِ بارگاہِ الٰہی ہونے کا اچھی طرح ادراک کیا اور اپنی تصنیفات میں ان کے اعلیٰ و ارفع رتبے کو بیان بھی کیا اور دل سے تسلیم بھی کیا تو کیا ایک یا چند کی بات مانی جائے گی یا جمہور اہلِ حق اہلِ اسلام کی۔ ظاہر ہے جمہور اہلِ حق ہی کی بات ہمیشہ سے مانی گئی ہے، وہی ماننے کے قابل ہے۔ ایک یا دو کی بات ماننے کے قابل نہیں۔ بس اسی طرح اس بات کو ذہن نشین کر لیجیے کہ اگر ایک شخص یا اس کے دو چار متبعین کسی کو کافر کہدیں یا بدعتی اور سارا عالم اور جمہور اہلِ اسلام حنفیہ، مالکیہ، شافعیہ، حنبلیہ وغیرہ اس کے کفر کے قائل نہ ہوں تو کس کی بات ماننے کے قابل ہوگی ایک کی یا دو چار کی یا سارے عالم بھر کے جمہور کی۔ حقیقت یہ ہے کہ جمہور کی بات مانی جائے گی، چاہے اسے کوئی مانے یا نہ مانے۔ یہی صورت فقہی مسائل میں ہے کہ ایک امام برحق کا ایک قول ہے اور اس کے برخلاف جمہور اہل حق کا دوسرا قول۔ تو جب امام برحق کے قول کو چھوڑا جا سکتا ہے جمہور کے مقابلہ پر تو اس مسئلہ میں اتنی شدت اور کورانہ متابعت اپنے عالم یا مفتی کی یقیناً سمجھ سے بالاتر ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم رحمۃ للعٰلمین ہیں۔ آپ انسانوں کو مکمل انسان بنانے، انھیں اللہ کا سچا بندہ

اور مؤمن بنانے کے واسطے جلوہ گر ہوئے۔ آپ نے اور آپ کے پاک اصحاب نے اور سلف صالحینؒ نے تو لوگوں کو مسلمان بنایا، کافر یا مشرک ذرا ذرا سی بات پر تو نہیں کہا، تو پھر اتنی ضد کیوں ہے، بس جو ہم سمجھیں وہی تم مانو اور جو ہم کہیں وہی تم کہو، چاہے جمہور اہلِ حق عالم بھر کے مسلمان، صلحاء واتقیاء، اولیاء، کا قول اس کے برخلاف ہی کیوں نہ ہو؟ یہ تو غرور اور تکبر کی علامت ہے۔ اہلِ قبلہ کی تکفیر حضرت سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے بھی نہیں کی حالانکہ خوارج کے عقائد نہایت مردود ہیں۔ خوارج اور روافض وغیرہ کو جمہور اہلِ اسلام کافر نہیں کہتے۔ بس اسی پر قیاس کر لیجیے۔ البتہ قادیانیوں اور بہائیوں کو جمہور اہلِ اسلام نے اور عالم بھر کے مسلمانوں نے کافر قرار دیا۔ اس لیے وہ کافر ہیں اس میں شبہ ہرگز نہیں۔ بات ظاہر ہی ہوئی کہ جمہور اہلِ اسلام کی ہی بات مانی جائے گی، ایک یا چند کی نہیں مانی جائے گی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد عالی پیش نظر رہے ان امتی لاتجتمع علی ضلالۃ فاذا رأیتم اختلافاً فعلیکم بالسواد الاعظم (میری امت ماری کی ساری گمراہی پر جمع نہیں ہوگی۔ پس جبکہ تم اختلاف دیکھو بس اپنے اوپر بڑے گروہ کی اتباع لازم کر لو) ہم نے مذکورہ بالا عبارت بزرگوں کے اقوال کے سلسلہ میں اہلِ حق کا نظریہ پیش کر دیا کہ نہ معلوم ان اقوال سے ان کی مراد کیا ہے اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث شریف بھی پیش کی۔ در اصل بات یہ ہے کہ ہماری عقلوں کی رسائی ان بزرگوں کے اقوال کے حقیقی معانی تک نہیں۔ مذکورہ بالا بزرگانِ دین کے اقوال کی تاویلیں بعد کے اولوالعزم اہلِ حق نے کتنے عمدہ پیرائے میں بیان فرمائیں اور فرمایا کہ اولیاء اللہ کی مبارک جماعت میں ان بزرگوں کی ذوات مسلّم ہیں اور وہ حضرات مقبولان بارگاہِ الٰہی ہیں ان کے باطنی مراتب اور علمی مقامات کو تسلیم کرتے ہیں۔ حضرت ابویزید بسطامیؒ اولیاء کے سالار اور سلسلہ نقشبندیہ کے اکابر شیوخ میں سے ہیں۔ حضرت شیخ اکبر شیخ محی الدین بن عربیؒ کو حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ سمیت بے شمار علماء حق و اولیاءِ کرام مقبول بارگاہ الٰہی فرماتے ہیں، شیخ حسین بن منصور حلاجؒ کے سلسلے میں بھی ان حضرات کا یہی نظریہ ہے۔ بات یہ ہے کہ جن اہلِ حق پر ان بزرگوں کے رتبے و مقامات کے راز منکشف ہو گئے وہ ان کی حقانیت و بزرگی کو تسلیم کرتے ہیں اور جن علماء پر ان کے رتبوں کے راز منکشف نہ ہو سکے، وہ ان مذکورہ بزرگوں کو سمجھ نہ سکے، اور انھیں جانے کیا سے کیا کہہ دیا۔ جمہور اہلِ اسلام جسے حق کہیں گے وہی حق مانا جائے گا۔ بغیر سوچے سمجھے جلد بازی میں کسی کی تکفیر کرنا اچھی بات نہیں۔ ہر بات کے لیے ٹھوس اور معتبر دلائل ہوا کرتے ہیں، انہی کی روشنی میں فیصلہ کرنا چاہیے۔ اس کے لیے سلامتی عقل، علم نافع اور قلب کی اعلیٰ پاکیزگی کی ضرورت ہوتی ہے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ہماری نادانی کی وجہ سے ہماری ہی بات کی زد بڑے بزرگوں پر بھی پڑتی ہے جو حقانیت کے خلاف بات ہے۔ ••

سُنّت اور بدعت

بعض علماء کا تشدد اور غُلو بعض علماء، اور اتباعِ سنّت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیشِ نظر بہت سے امور کو بدعت کہتے ہیں بلکہ بعض اوقات شرک[1] کی بھی تہمت لگا دیتے ہیں، ان علماء نے بھی انتہائی تشدد اور غلو کا طریقہ اپنایا ہے۔

اپنی طرف سے سنّت کو محدود اور بدعت کو وسیع کرنا خلافِ انصاف ہے اتباعِ سنت کی اہمیت تمام اربابِ حق کے نزدیک مسلّم ہے۔ مسلمان کی نجات اسی میں ہے کہ وہ خاتم النبیین اشرف المرسلین شفیع المذنبین حضور احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم بقدم چلے، لیکن سنّت کے میدان کو محدود اور بدعت کے میدان کو وسیع کر دینا قرینِ انصاف نہیں ہے۔

---

[1] عجیب بات ہے کہ حدیث اور فقہ کا علم رکھنے والے اور بزرگانِ دین کی سوانح، ان کے مبارک کارنامے اور ان کے اعمالِ خیر کو جانتے ہوئے بھی بعض لوگ بات بات پر شرک اور بدعت کے فتوے لگا کر اپنے اکابر بزرگوں تک کی تحقیر کرتے ہیں اور اپنی نادانی کی وجہ سے اپنی عقبیٰ کو بھی خراب کرتے ہیں، امت میں انتشار پھیلاتے ہیں، اس پر انھیں یہ دعویٰ ہے کہ ہم توحید خالص کے پھیلانے والے ہیں سنتوں کی اشاعت کرنے والے ہیں، بدعات کو مٹانے والے ہیں۔ ایسے متشددین سے ہمیں اتنا کہنا ہے کہ جن اعمالِ خیر کو آپ بدعات یا شرک کہتے ہیں۔ ان اعمال کو تو آپ کے مشائخ بھی انجام دیا کرتے تھے۔ آپ قلتِ تدبر کی وجہ سے ان پر بھی الزامات لگا رہے ہیں اور آپ کے دیئے ہوئے فتووں کی زد خود آپ کے اکابر مشائخ کرام پر بھی پڑتی ہے۔ ہماری اس بات کا جواب دیجیے کہ جن اعمال خیر کو آپ لوگ (استغفر اللہ) بدعات کہتے ہیں وہ آپ کے جلیل القدر مشائخ سلسلہ خود انجام دیا کرتے تھے یا نہیں؟ یہ ثابت ہے کہ وہ حضرات میلاد مبارک کی محافل منعقد کیا کرتے تھے، اس میں قیام کے ساتھ سلام پڑھا کرتے تھے اور اسے لذت روحانی کا ذریعہ فرماتے تھے، اعراس کی مجالس میں بنفسِ نفیس شریک ہوا کرتے تھے اور بعض حضرات مشائخ مزامیر کے ساتھ سماع (قوالی) کی محفلیں بھی منعقد کرتے تھے، آپ کے فتووں کی رو سے آپ کے

(اگلے صفحہ پر) ←

عالم کو اصولِ شریعت اور کلیاتِ دین کی روشنی میں مسائل کا جانچنا ضروری ہے

یہ مسئلہ بہت غور طلب ہے۔عالم کو اصول اور کلیات کی روشنی میں مسائل کا جانچنا ضروری ہے اور معتبر مستند اربابِ حق کے طریقہ کو پیشِ نظر رکھ کر فتویٰ دینا اور جلد بازی سے کام نہ لینا ہر عالِم کا فریضہ ہے۔

(بقیہ حاشیہ) مشائخ کون ہوئے؟ اور پھر بھی آپ انھیں مقبولانِ بارگاہ الٰہی کہتے ہیں اور ان کے وسیلے سے دعائیں بھی کرتے ہیں۔ایسے صاحبان کے اس طرح کے طرزِ عمل کو کیا سمجھا جائے اگر ہم ایسا کریں تو بدعت اور آپ کے مشائخ کرامؒ یہ اعمال انجام دیں تو اس پر آپ خاموش کیوں ہو جاتے ہیں؟ اس بات کا معقول جواب آپ کے پاس نہیں ہے۔حضرت حاجی شاہ امداد اللہ مہاجر مکیؒ اور ان کے شیوخؒ وہ سب اعمال خیر انجام دیا کرتے تھے جنھیں آپ (استغفر اللہ) بدعات کہتے ہیں۔امت کے دوسرے جلیل القدر اولیاء وعلماءِ حق جیسے حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ، حضرت خواجہ محمد باقی باللہ دہلوی، حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہم وغیرہ، بے شمار علماءِ حق و اولیاءِ امت ان مذکورہ بالا اعمالِ خیر کو نہایت اہتمام کے ساتھ مستحسن سمجھتے ہوئے انجام دیا کرتے تھے۔آپ کے غیر مدلل اور بے اصول فتووں کی زد کیا ایسے رفیع الدرجات مقبولانِ بارگاہ الٰہی پر نہیں پڑتی؟ یہاں ایک دل چسپ واقعہ جو بڑا مشہور ہے، وہ نقل کیا جارہا ہے۔متنازعہ دیوبندی علماء میں سے ایک مولوی صاحب سے ایک شخص نے دریافت کیا کہ آپ کے شیخ محترم تو مجلس میلاد شریف بڑے اہتمام کے ساتھ منعقد فرمایا کرتے تھے اور اس میں نہایت عقیدت واحترام کے ساتھ سلام مع قیام پڑھا کرتے تھے اور آپ یہ کہتے ہیں کہ یہ سب بدعات ہیں۔آپ کے پیر ومرشد بھی تو یہ اعمال انجام دیتے تھے۔کس قدر طفلانہ جواب انھوں نے دیا۔کہنے لگے ہم ان کے شریعت میں متبع نہیں ہیں، طریقت میں ان کی اتباع کرتے ہیں۔سوال کرنے والے بھی پیچھے رہ جانے والے نہ تھے، کہنے لگے جب پیر بدعتیں کرنے لگے تو وہ حق پرست کہاں رہا؟ وہ تو خود بدعتی ہوگیا اور بدعتی قابلِ اہانت ہے نہ کہ قابلِ تعظیم وتکریم۔ایسے پیر کی اطاعت وفرماں برداری کرنا اور ان کے وسیلے سے دعا کرنا پھر کیوں کر درست ہے؟ آپ کا پیر جب شریعت میں بدعتیں نکالے تو اس کی بیعت فاسد اور بیعت کرنے والا خود سخت گناہ گار ہے؟ یہ سنتے ہی ان مولوی صاحب کو پسینے چھوٹ گئے۔ان سے جواب تو بن نہ پڑا اور وہ جواب دیتے بھی کیا۔یہ کہہ کر اپنا دامن چھڑایا کہ تم احمق ہو، ہم تم سے گفتگو نہیں کرنا چاہتے۔عقل مند انسان عقلمندی کی بات کرتا ہے۔سائل نے کہا کہ میں تو دلائل کے ساتھ بات کر رہا ہوں آپ بھی دلائل کا جواب دلائل سے دیجیے۔مولوی صاحب کہنے لگے میں احمقوں سے بات کرنا تو درکنار ان کی طرف دیکھنا بھی نہیں چاہتا۔سائل نے کہا کہ اس کا فیصلہ کون کرے گا کہ میں احمق ہوں اور آپ عقل مند۔کہنے لگے میں تو کہہ رہا ہوں کہ تم احمق ہو۔سائل نے

(باقی اگلے صفحہ پر)

مسلمانوں کی وضع قطع کیا اسلامی ہے؟

عالَم بھر کے مسلمان خواہ وہ مقلد ہوں یا غیر مقلد، دیوبندی ہوں یا بریلوی، دورِ حاضر میں صورت وشکل کے لحاظ سے اپنی زندگی کا سانچہ جدید[1] بنائے ہوئے ہیں۔

(بقیہ حاشیہ) برجستہ جواب دیا کہ جو دوسروں کے معقول سوالات کا جواب نہ دے سکے وہ تو عقل مند ٹھہرا اور میں احمق۔ اب قارئین غور فرمائیں کہ علم رکھتے ہوئے بھی بعض اوقات انسان بہکی بہکی باتیں کر جاتا ہے۔ جب ایسے لوگ اپنے حق پرست مشائخ کرام کے اعمالِ خیر کو ہی بدعت سمجھیں تو انھیں ان کا روحانی فیض کیسے حاصل ہو سکتا ہے؟ اسی لیے ایسے لوگ مرشدِ محترم کے تسامح (خطاؤں سے چشم پوشی) کی بنا پر کچھ روحانیت پالیں تو عنایتِ مرشد ہے، ورنہ صلاحیت نہ ہونے کی وجہ سے خالی نظر آتے ہیں۔ کیوں کہ ان کے دل میں بزرگوں کی عقیدت وعظمت کما حقہٗ نہیں پائی جاتی۔ مسلمان کو چاہیے کہ وہ اپنے بزرگوں اور حق پرست علماء کرام کی عظمت وتوقیر کریں، تب ہی ان کے اعمال میں نورانیت پیدا ہو سکتی ہے بدعقیدگی فرقہ خوارج کی صفت ہے، جو متوہب الخیال عناصر میں سرایت کیے ہوئے ہے۔ توحید ورسالت دونوں کی عظمت مسلمان کے لیے لازمی اور ضروری ہے۔ سلف صالحین رحمۃ اللہ علیہم سچے توحید پرست تھے، اُن کے قلوب میں رسالت کے رتبہ ومقام کی عظمت تھی اور احترام تھا۔ وہ ایسے توحید پرست ہرگز نہیں تھے کہ جس میں رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام وعظمت میں ادنیٰ سی توہین کا توہم بھی پیدا ہوتا۔ اہلِ حق اہلِ سنت وجماعت کے علماءِ راسخین اور اولیاءِ امت کے نقش قدم پر چلتے ہوئے توحید پرست بنیئے تاکہ رسالت کی عظمت صحیح طور پر آپ کے قلب میں قائم ہو سکے۔ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو بدعقیدگی اور فاسد خیالات سے محفوظ رکھے۔ آمین

[1] آج عام طور پر وہ اربابِ علم جو دن رات اتباعِ شریعت اور توحیدِ خالص کے نعرے بلند کرتے رہتے ہیں اور وہ مدعیانِ عشقِ رسول جو اپنی دھواں دھار تقریروں میں محبت رسول اللہ علیہ وسلم کی صدائیں دیتے رہتے ہیں، اس دور میں ان کی نجی زندگیاں دیکھ لیجیے کہ کیا ہیں۔ دنیا داری کا ان پر کیسا غلبہ ہو چکا ہے، زبانوں پر دینداری اور عمل مکمل دنیا داری پر مبنی۔ عیش وعشرت کی زندگی۔ احکامِ اسلام اور ارکانِ دین سے غافل سنتوں کو اختیار کرنے کی دوسروں کو ترغیب دی جاتی ہے خود ان کا عمل عام طور پر سنتوں کا مخالف ہوتا ہے۔ —— عام طور پر اب مسلمانوں کے دینی رہنماؤں کا یہی حال ہو چکا ہے۔ جب ایسے لوگ محفلوں میں شریک ہوتے ہیں تو توحید کی اشاعت اور عشق رسالت کی تبلیغ سے ان کے گلے کی رگیں پھول جاتی ہیں۔ شریعت مطہرہ پر چلنے کی مسلم قوم کو تلقین کرنا ان کا مشغلہ ہوتا ہے، لیکن نجی زندگیوں میں ان کے حال سے وہی لوگ

(باقی اگلے صفحہ پر)

بدعت کی دو قسمیں: حَسَنَہ اور سَیِّئَہ

دورِ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میں اس کا مغز اور اصل تو ضرور ملتی ہے لیکن موجودہ صورت اس سے بالکل جدا ہے۔ بس ایسی جدید شئی جو کسی سنت کے خلاف ہو اور اس کو اٹھا دینے والی ہو، وہ بدعتِ سَیِّئَہ مذمومہ ہے جس کی شریعت مطہرہ میں سخت ممانعت ہے اور جو جدید شئی ایسی نہ ہو وہ بدعتِ حَسَنَہ ہے۔

جس شئی کی اصل شریعت میں موجود ہو وہ بدعتِ حَسنہ ہے، جس کی اصل نہ ہو وہ بدعت سَیِّئَہ ہے

الغرض جس کی اصل شریعتِ مطہرہ میں موجود نہ ہو وہ بدعت سیئہ ممنوعہ مذمومہ ہے۔ اور جس کی اصل شریعت مقدسہ میں موجود ہو، وہ بدعتِ حسنہ ہے اور شریعتِ مطہرہ میں جائز اور درست ہے۔ اس کی بہت سی مثالیں ہیں۔

بدعتِ حَسنہ کی مثالیں

جیسا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس دور میں عام طور پر نہ پاجامہ کا استعمال تھا نہ کرتے کا، نہ چپل کا استعمال ہوتا تھا، موجودہ جوتا مفقود تھا کھانا پینا، تعمیرِ مساجد، تعمیرِ مکانات میں بالکل سادگی تھی، کتابت اور تصنیف گویا معدوم تھی، نہ یہ کاغذ تھا

(بقیہ حاشیہ) واقف ہوتے ہیں جو ان کے کردار کو پرکھ لیتے ہیں۔ اے مدعیانِ توحید اور اے مدعیانِ عشقِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) خدارا اپنی اصلاح کیجیے۔ آپ کیا کر رہے ہیں۔ کیا دینِ اسلام کی پابندی عام مسلمانوں کے لیے ہے آپ کے لیے نہیں ہے؟ جب آپ لوگ ہی دین کا احترام نہیں کریں گے تو عام مسلمان کیسے دیندار بنیں گے۔ جب آپ کی اولاد علم دین سے محروم رہے گی تو دوسرے مسلمان کیسے اپنی اولاد کو دینی علوم حاصل کرنے کے لیے مدارسِ اسلامیہ میں بھیجیں گے۔ آپ رہنمایانِ دین ہو کر خود اپنی اولاد کو مغربی تعلیم اور نصاریٰ کی تہذیب کو اپنانے کے لیے راہیں ہموار کر رہے ہیں اور بڑے فخر کے ساتھ کہتے ہیں کہ ہمارا بیٹا اعلیٰ تعلیم یافتہ ہے۔ ذہین ڈاکٹر ہے، اعلیٰ انجینئر ہے۔ پی ایچ ڈی اور ڈی لٹ کی ڈگریاں ماشاء اللہ اس نے حاصل کی ہیں اور فلاں ملک میں اتنے ہزار ڈالر یا ریال پا رہا ہے۔ ان سب فانی چیزوں پر اتنی خوشیاں آپ مناتے ہیں اور اسی چیز کو سب کچھ سمجھ رہے ہیں اور جو اصل شئی ہے دین اس کی طرف سے شدید غفلت بلکہ آپ کو اس سے عام طور پر نفرت ہے۔ (استغفر اللہ) اسی مادہ پرستی نے آج رہنمایانِ دین کو بھی بے وقعت کر کے رکھ دیا ہے اور دینی تعلیم کی طرف سے بھی لاپرواہ بنا دیا ہے۔ ہمارا مقصد یہ بتانا ہے کہ رہنمایانِ دین کے قول و عمل میں کتنا تضاد پیدا ہو گیا ہے، اس کی وجوہات پر غور فرمائیں کہ ایسا کیوں ہے؟ کس لیے ہے؟ اور اس کی اصلاح کی صورت کیسے پیدا ہو؟ خواص جب بگڑتے ہیں تو عوام کیسے صحیح ڈگر پر قائم رہ سکتے ہیں؟ ان پر خواص کے ہی کے بگاڑ کا اثر تو ہوگا۔ اس کی وجوہات پر غور کرنا ضروری ہے۔ فرائض اور احکام سے اتنے غافل ہونے کے بعد مسلکی جھگڑوں میں مسلم قوم کو مبتلا رکھنے میں ایسے لوگوں کے دنیاوی اغراض اور نفسانیت کو دخل ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب پر اپنا کرم فرمائے۔ آمین

نہ یہ طباعت، نہ مدارس، نہ خانقاہیں، نہ شفاخانے، نہ فوجی مراکز، نہ کوتوالی نہ کچہری، نہ لائبریریاں، نہ اخبارات نہ رسائل، نہ دعوتوں کے یہ اہتمام جو اس زمانہ میں ہیں، نہ مختلف اقسام کے کھانے جو آج نیک و بد سب کھا رہے ہیں، نہ تعلیم کے لیے نصاب، نہ سالانہ امتحانات، نہ انعامات کی تقسیم کے جلسے، نہ حدیث شریف کی دستاربندیاں، فارغ التحصیل ہونے پر نہ اسناد کا دیا جانا، نہ وہ علوم جو عرصۂ دراز سے داخل نصاب ہیں اور انھیں کی تحصیل سے علماء، علماء بنتے ہیں یعنی اول دورِ اسلام میں نہ علمِ کلام تھا نہ تصوف، نہ فقہ تھی نہ اصولِ فقہ، نہ علمِ اسماء الرجال نہ تاریخِ اسلامی، نہ صرف و نحو، نہ معانی و بیان، نہ علمِ مناظرہ، نہ علمِ جدل، نہ منطق نہ فلسفہ ـــــ اسی طرح فوجی ہتھیاروں میں نہ بندوق تھی، نہ رائفل، نہ توپ، نہ میزائل، نہ ٹینک نہ بمبار ہوائی جہاز، نہ ہیلی کوپٹر، نہ موٹر نہ لاریاں، نہ یہ بحری جہاز، نہ پٹرول نہ یہ گیس، نہ مٹی کا تیل، نہ ڈیزل۔ اس قسم کی بے شمار نظیریں ہیں جو وقتی ضرورتوں کے ماتحت ایجاد ہوتی رہیں اور نہ معلوم آئندہ کیا کیا چیزیں ایجاد ہوں۔

اہلِ اسلام کے اربابِ حل و عقد کلیات اور اصولِ دین کے ماتحت ہر چیز کو جانچتے رہے اور کسی نے بھی آج تک ان چیزوں کو ناجائز یا حرام نہیں کہا۔

بدعتِ سیئہ مذمومہ کی مثالیں

ہاں جو چیز کسی طرح بھی اصولِ دین کے تحت جائز نہ ہو سکی اور عذرِ شرعی اس کے لیے سازگار نہ ہوا تو اہلِ حق نے ناجائز اور حرام ہی قرار دیا۔ مثلاً فوجوں کے ساتھ آزاد عورتوں کا تعلق یا شراب کا استعمال۔

اہلِ حق کے درمیان اختلاف صحابہ رضی اللہ عنہم کے باہمی اختلاف کی طرح ہے

ہاں جن امور کے لیے کوئی وجہ شرعی موجود ہوئی اُسے گوارا کر لیا گیا۔ بعض نو ایجاد چیزوں میں اربابِ حق کا اختلاف ہوا۔ کسی گروہ نے نئی ایجاد کو جائز اصل کے تحت داخل سمجھ کر جائز کہا، اور کسی جماعت نے ناجائز اصل میں مندرج تصور کر کے ناجائز قرار دیا۔ یہ اختلاف کوئی عجیب چیز نہیں۔ اس لیے کہ حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں بھی اس قسم کے اختلافات ہوئے ہیں، اور ان فروعی اختلافات کی وجہ سے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی جلالتِ قدر میں کوئی فرق نہیں آیا۔

تابعین رحمہم اللہ اور ائمہ رحمہم اللہ اور علما کے درمیان بھی فروعی اختلافات رہے ہیں

دورِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے بعد تابعین عظام رحمۃ اللہ علیہم اور حضراتِ ائمہ مجتہدین رحمۃ اللہ علیہم میں بھی اختلافات رہے ہیں اور دورِ اجتہاد ختم

ہو جانے کے بعد علمائے صالحین علیہم الرحمہ کے درمیان انطباقِ[1] اصول اور استنباطِ فروع میں (جو آج تک موجود ہے) اختلاف چلتا رہا ہے۔ عقول کا تفاوت اور رجحانات و ذوقیات کا فرق ہمیشہ کارفرما رہا ہے اور قیامت تک رہے گا۔

اختلاف کا حق تو ضرور ہے لیکن طنز و تشنیع سے پرہیز ضروری ہے

ان فروعی امور میں ایک عالم کو دوسرے عالم سے اختلاف کا حق تو ضرور ہے لیکن ایک دوسرے پر لعن وطعن اور طنز و تشنیع کا حق سمجھنا کسی طرح مناسب نہیں۔ بلکہ حق پرست ذی علم کا منصب یہ ہے کہ مسئلہ میں اپنی تحقیق کے مطابق فتویٰ دے اور اختلاف کرنے والے کی بے عزتی کے درپے نہ ہو۔

جو امور اہلِ سنّت کے نزدیک ممنوع ہیں اُن میں موافقت ہرگز جائز نہیں

ہاں وہ امور جن کو حضرات اہلِ سنت وجماعت نے بالاتفاق ممنوع قرار دیا ہے اور کسی حق پرست نے ان کے جواز کا فتویٰ نہیں دیا ہے۔ اُن میں کبھی موافقت نہیں کرنا چاہیئے۔

مُنصفانہ اتحاد کی ضرورت

غالباً میرے اس بیان کے بعد بہت سے نزاعی مسائل میں بڑی سہولت پیدا ہو جائے گی، اور انصاف کے لیے میدانِ اتحاد کافی وسیع ہو جائے گا۔ لیکن زمانۂ حال میں جدا جدا جماعتیں بن گئی ہیں اور عرصۂ دراز سے آپس میں تکفیر و اضلال کے فتاویٰ شائع ہو چکے ہیں۔ ہر جماعت نے دوسری جماعت کو برا بھلا کہا ہے اور ایک نے دوسرے کے اکابر پر حملے کیے ہیں۔ ایسی حالت میں دلوں سے بغض وعداوت کا دور ہونا بہت دشوار ہے۔

مسلمانوں کو مشورہ اور میری دلی تمنّا

احقر اہلِ اسلام سے عموماً اور اپنے مخلصین سے خصوصاً گزارش کرتا ہے، یہی میرا مشورہ بھی ہے اور یہی میری دلی آرزو کہ طریقۂ کار معتدلانہ اور منصفانہ ہونا چاہیئے تاکہ اختلاف باعثِ تفریق بین المسلمین نہ ہو۔

نزاعی مسائل کے حل کے لیے معیار کی ضرورت

تفریق بین المسلمین کی ہر شخص برائی کرتا ہے اور اتحاد و اتفاق کی ترغیب دیتا ہے، لیکن عام طور پر اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ میں جس طریقۂ زندگی کو پسند کرتا ہوں اسی کی دوسروں کو

---

[1] اس سے مراد اصول کے مطابق فروع کا ہونا اور ان اصول سے فروع کا سمجھا جانا ہے۔

بھی پابندی کرنا چاہیئے، تاکہ تفریق مٹ جائے۔ لیکن یہ ناممکن ہے کہ ہر مسلمان ایک ہی عالم کی طرف مائل ہوجائے اور دوسروں کو نسیًا منسیًا کردے۔ عالم میں مختلف اساتذہ اور مختلف مشائخ کے ہوتے ہوئے یہ کیسے ممکن ہے کہ سب کا طریقہ ایک ہی ہوجائے۔ اس لیے کوئی معیار ایسا قرار دیا جائے کہ باوجود اختلاف کے اتحاد ہوجائے۔ اس کے لیے تمہیدی بیان کی ضرورت ہے، تاکہ اس کی روشنی میں نزاعی مسائل کا حل ہوسکے۔

(بدعت کی دو قسمیں حسنہ اور سیئہ) کے متعلق فرقہ ضالہ نجدیہ وہابیہ کے لوگ کہتے ہیں کہ مقلدینِ ائمہ اربعہؒ خصوصًا مقلدینِ امام اعظم ابوحنیفہؒ نے بدعت کو دو حصوں میں تقسیم کر رکھا ہے۔ غیر مقلدین اور نجدیوں کا یہ نظریہ فاسد ہے۔ دیکھیئے بخاری جلد ا۔ کتاب الصوم۔ باب فضل من قام رمضان۔ (قال عمر: نِعْمَ الْبِدْعَةُ هٰذِهٖ۔ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ اچھی بدعت ہے) حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جماعت تراویح چند یوم ادا کی۔ آپ کے دورِ مقدس میں اور خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں صحابہ کرامؓ انفرادی طور سے نمازِ تراویح ادا کرتے رہے۔ خلیفہ ثانی حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں نمازِ تراویح کی باقاعدہ جماعت کا اہتمام فرمایا۔ صحابہ نے آپ کے اس مبارک عمل کو بہت پسند کیا۔ تو حضرت فاروق اعظمؓ نے فرمایا نِعْمَ الْبِدْعَةُ هٰذِهٖ یہ اچھی بدعت ہے (حاشیہ بخاری جلد ا میں ہے کہ بعض روایات میں نِعْمَتِ الْبِدْعَةُ هٰذِهٖ بھی آیا ہے) غیر مقلدین وہابیہ عجیب گروہ ہے۔ اس کے جو دل میں آیا وہ مان لیا اور جسے عقل نے قبول نہیں کیا وہ نہیں مانا۔ اسی طرح فاروق اعظمؓ نے جماعتِ تراویح کو قائم کیا غیر مقلدین نے مان لیا خود بھی جماعت کے ساتھ تراویح ادا کرنے کے قائل ہیں۔ لیکن حضرت فاروق اعظمؓ نے بیس رکعات نمازِ تراویح تمام صحابہ کرامؓ سے مشورے کے بعد مقرر فرمائیں۔ اسے یہ لوگ نہیں مانتے، حالانکہ بیس رکعات پر تمام صحابہؓ کا مکمل اتفاق و اجماع ثابت ہے۔ ائمہ اربعہؒ، مجتہدینِ اسلام اور جمہور علماء۔ اہل سنت حنفیہ، شافعیہ، مالکیہ، حنبلیہ سب نے بالاتفاق بیس رکعات نمازِ تراویح پر عمل کیا اور آج تک ان کا یہ عمل جاری ہے۔ خود حرمین شریفین میں بیس رکعات نمازِ تراویح کا پڑھنا پڑھانا آج تک جاری و ساری ہے۔ غیر مقلدین سعودی حکومت کے بڑے دلدادہ ہیں۔ کم از کم امامِ حرم کعبہ اور امام مسجد نبوی کی ہی پیروی کریں۔ وہاں کا عمل تو ان کے لیے ضرور حجت ہونا چاہیئے۔ مگر وائے قسمت نفسانیت کے غلبہ اور سلفِ صالحینؒ کے طریقہ حقہ سے انحراف نے انھیں من شذ شذ فی النار کے دروازہ پر کھڑا کر دیا۔ اللہ تعالیٰ انھیں ہدایت دے اور انھیں حقانیت کی توفیق مرحمت فرمائے آمین ــــ حضرت فاروق اعظمؓ نے نِعْمَ یا نِعْمَتِ الْبِدْعَةُ کے الفاظ خود بولے ہیں۔ بڑے بڑے محدثین، معتبر فقہاء، ائمہ مجتہدینِ اسلام، علماءِ ربانیین نے اپنی اپنی تصانیف میں بدعت کی دونوں قسموں حسنہ اور سیئہ کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔ امام ابن ہمامؒ، علامہ ابن حجر عسقلانیؒ، علامہ ابن حجر ہیتمی مکیؒ، علامہ تقی الدین سبکیؒ، علامہ تاج الدین سبکیؒ، حضرت شیخ عبدالحق محدثؒ، علامہ ابن عابدین شامیؒ، حضرت شاہ ولی اللہ محدثؒ اور حضرت شاہ عبدالعزیز محدثؒ وغیرہ نامور علماء کرام نے بدعتِ حسنہ اور بدعتِ سیئہ پر تفصیلی بحثیں فرمائی ہیں۔ سب سے بڑھ کر فاروق اعظمؓ کے الفاظ نِعْمَ الْبِدْعَةُ هٰذِهٖ بخاری میں مذکور ہیں۔ شریعتِ مطہرہ میں بدعت کی دونوں اقسام بدعتِ حسنہ اور بدعتِ سیئہ ثابت ہیں۔ ہم نے صحیح البخاری سے روشن دلیل پیش کردی۔ غیر مقلدین وہابیہ کی کم علمی اور ناقص العقلی کی اس سے بڑی دلیل اور کیا ہوسکتی ہے کہ انھیں صحیح البخاری کے واضح الفاظ نظر نہیں آرہے ہیں۔ بزرگانِ دین سے خوش عقیدہ حضرات ان باتوں کو صدقِ دل سے مانتے ہیں۔ لیکن جو لوگ اپنی نفسانیت کی بنا پر ایسی واضح چیزوں کا انکار کرتے ہیں ان کا اعتبار نہیں، یہ غیر مقلدین وہابیہ کا ہی شیوہ ہے۔ سلف صالحینؒ کی باتوں کو ٹھکرانا غیر مقلدین کا طریقہ ہے۔ خلیفہ راشد حضرت عمرؓ کی ایک بات مان لی، دوسری کا انکار کر دیا، تیسری مان لی اور چوتھی کو ٹھکرا دیا، یہ ان کی نفس پرستی اور شقاوتِ قلبی کا بیّن ثبوت ہے۔

اُصولِ شریعت

شریعتِ مطہرہ کے چار اُصول ہیں۔

۱۔ کتاب اللہ یعنی قرآن عظیم

۲۔ سنّتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعنی حدیث

۳۔ اجماعِ امت یعنی اتفاقِ اربابِ حق

۴۔ قیاسِ مجتہد یعنی معتبر مجتہد کا قیاس

چار اُصولوں میں سے جو چیز ثابت ہو وہ صحیح جس کا ثبوت نہیں وہ بدعت ہے

ان چار اصول سے جو چیز کلّیۃً یا جزئیۃً ثابت ہو، وہ معتبر اور صحیح ہے اور جس شئی کا ان چار اصول سے ثبوت نہ ہو، نہ صراحۃً نہ دلالۃً وہ بدعت ہے۔

جو امور مُصرح طور پر بالاتفاق ثابت ہیں ان میں شرعی فیصلہ واضح ہے

جو امور قرآن وحدیث و اجماعِ امت اور قیاسِ مجتہد سے مصرح طور پر ثابت ہیں اور حضراتِ ائمۂ امت رحمۃ اللہ علیہم میں اُن کے متعلق کوئی اختلاف بھی نہیں اُن کے متعلق شرعی فیصلہ تو بالکل واضح ہوتا ہے۔ البتہ ایسے مسائل میں ضرور دِقّت پیدا ہوتی ہے، جہاں علمائے امت میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ یہاں پر یہ دیکھنا ضروری ہے کہ اختلاف کرنے والے کون ہیں ——— اگر وہ اربابِ علم ہیں جن کو امتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام نے بے دین یا بدعتی کہا ہے تو ان کا قول کسی طرح قابلِ قبول نہیں۔ اسی لیے ہمیشہ جمہور اہلِ سنت وجماعت نے خوارج، روافض، جبری، قدری جماعتوں کے اقوال نسیاً منسیاً قرار دیئے، حالانکہ ان جماعتوں میں بڑے بڑے حکماء، اعلیٰ منطقی وفلسفی گذرے ہیں اور اُن کی طاقتِ علمی کو تسلیم کیا ہے، اُن کی کتابوں کو درس میں رکھا ہے۔ متفقہ مسائل میں ان کی حجتوں اور دلیلوں سے فائدہ علمی حاصل کیا ہے۔ لیکن اختلافی صورت میں اہلِ حق جمہور اہلِ سنت وجماعت کے مقابل اُن کے اقوال ومسائل میں کوئی وزن نہیں سمجھا ہے اور نہ اُن امور کی طرف توجہ کی ہے۔

اربابِ حق کے درمیان مسائل میں اختلاف

معتبر اور اربابِ علم اور مُسلّم و مستند اربابِ حق کے نظریات میں بھی کافی اختلاف ہے۔ ایک جماعت نے دوسری جماعت کے مقابلہ میں اپنے مسائل کو قوی اور راجح ضرور قرار دیا ہے لیکن دوسرے کو بدعت اور بے دینی سے ہرگز تعبیر نہیں کیا ہے۔

متبعینِ ائمہ ایک دوسرے کا احترام اور ایک دوسرے کو حق جانتے ہیں

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مقلدین نے حنفیّت کو، امام شافعی علیہ الرحمہ کے متبعین نے شافعیت کو، امام مالک علیہ الرحمہ کے مقلدین نے مالکیّت کو، امام احمد بن حنبل علیہ الرحمہ کے متبعین نے حنبلیّت کو قوی اور راجح سمجھا۔ لیکن ایک امام برحق نے دوسرے امام برحق کو، ایک جماعت حقہ نے دوسری جماعتِ حقہ کو مبتدعین میں ہرگز داخل نہیں کیا، بلکہ ایک نے دوسرے کی تعظیم وتکریم کا پورا پورا لحاظ رکھا۔

بعض لوگوں نے مخلوقِ خدا کو فریب دیئے ہیں

ہاں بعض لوگوں نے یا بعض بدعتی گروہوں نے اپنے کو حنفیت یا مالکیت یا شافعیّت یا حنبلیت کے جامہ میں دکھا کر خلائق کو دھوکے ضرور دیئے ہیں اور مسائلِ غیر حقہ کی اشاعت کی۔ ایسے لوگ چاہے اپنے کو مقلد کہیں یا کسی امام برحق کے پیرو۔ غالبًا ایسے ہی لوگوں کے متعلق کتاب "غنیۃ الطالبین" میں برائی کی گئی ہے جس کی میں پہلے مفصل اور مدلّل وضاحت کر چکا ہوں۔

طریقۂ حق

اس وقت اہلِ حق یعنی اہل سنّت و جماعت اور تابعِ طریقۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ شخص ہے، جو حضرت امام اعظم ابو حنیفہ، حضرت امام مالک، حضرت امام شافعی اور حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہم اور ان کے مخصوص متوسلین کے بنائے ہوئے اصول کے مطابق راہِ شریعت پر گامزن ہو۔

متبعینِ امام اعظمؒ کا منصب

ہم الحمد للہ حنفی ہیں۔ اس لیے ہمارا اور آپ کا منصب ہے کہ فقہ حنفی کے مطابق اپنے اعمال و افعال اور اخلاق کا جائزہ لیں، بلا مجبوری اصول و فروع حنفیہ سے سرِ مُو اپنے کو نہ ہٹائیں۔

صاحبِ تقویٰ مجتہدین کا اس زمانہ میں فقدان

اس زمانہ ایسا عالم جو قرآن کریم اور احادیث شریفہ سے اختلافی مسائل کا استنباط کر سکے، نہیں ہے، بلکہ عرصہ دراز سے ایسے مجتہدینؒ کا فقدان ہو گیا ہے۔ اجتہاد کے لیے جس علم و عمل اور تقویٰ کی ضرورت ہے، زمانہ حال میں مفقود ہے۔ زمانہ کے بدلنے سے جدید واقعات کے لیے حضرات ائمۂ سلف علیہم الرحمہ کے بتائے ہوئے اصول کافی ہیں — عالمِ جید، واقعاتِ جدیدہ کو منضبطہ اصول کے مطابق سمجھ سکتا ہے — لہٰذا وقت ضرورت علمائے صالحین کی طرف رجوع کرنا چاہیے اور ان کے بتائے ہوئے مسائل پر عمل کرنا چاہیے۔

ل کلی اجتہاد کا زمانہ ختم ہو چکا، متقدمین ائمۂ کرامؒ کے بنائے ہوئے قواعد و ضوابط ہر زمانہ کے تقاضوں کو مکمل پورا کرتے ہیں۔ چوتھی صدی ہجری میں امت کا اجماع و اتفاق ہو چکا ہے کہ مسائل شریعت مطہرہ میں ائمہ اربعہ حضرت امام اعظم، حضرت امام مالک، حضرت امام شافعی اور حضرت امام احمد بن حنبل علیہم الرحمۃ والرضوان میں سے کسی ایک کی فقہ پر عمل کیا جائے۔ البتہ علمائے حق کے درمیان فروعات میں جب اختلافات ہوں گے تو مسائل فرعیہ میں جزئی اجتہاد ہر زمانہ میں ہوتا رہا ہے اور آئندہ بھی ہوتا رہے گا۔ سلف صالحینؒ کے نزدیک اختلاف امتی رحمۃ میں جزئی و فرعی اختلاف کی طرف ہی اشارہ ہے۔ حق پسند اہلِ علم اس بات کو مانتے ہیں۔

علمائے ربانیین میں جس پر اعتماد ہو اس کے قول پر عمل کیجیے

اگر علمائے ربانیین میں اختلاف ہو تو کسی کو برا یا حقیر نہ کہنا چاہیئے۔ علمائے اہل سنت کی تحقیر و توہین سے بچنا چاہیئے، بلکہ جس عالم صالح[1] پر اپنا اعتماد ہو اُس کے قول پر عمل کر لینا چاہیئے۔

علمائے صالحین

یہ واضح رہے کہ علمائے صالحین اور علمائے ربانیین صحیح معنی میں صرف وہی حضرات ہیں جو اہلِ سنت و جماعت میں سے ہوں اور ائمہ اربعہ کے صحیح متبعین اور سلفِ صالحین کے قدم بہ قدم ہوں۔ ان حضرات کے علاوہ جو لوگ ہیں وہ اہلِ حق یعنی اہلِ سنت میں سے نہیں ہیں۔

اہلِ ہند میں کش مکش

ہندوستان میں بہت سی چیزیں ایسی رائج ہیں، جن کا پورا خاکہ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس زمانہ میں اور دورِ صحابہ رضی اللہ عنہم میں موجود نہ تھا۔

مثلاً میلاد مبارک[1] کا مخصوص انداز اور اس میں قیام کے ساتھ درود و سلام پڑھنا۔ کھانا[2] سامنے رکھ کر دعا کرنا۔ ایصالِ ثواب[3] کے وقت کوئی رکوع قرآنِ عظیم کا پڑھ کر سورۂ قُلْ یٰٓاَیُّهَا الْکٰفِرُوْنَ سے ختمِ قرآنِ کریم تک پڑھنا، اس کے بعد سورۃ اَلْحَمْدُ اور سورۃ البقر کا اول حصہ یعنی الٓمّٓ ۚ ذٰلِکَ الْکِتٰبُ لَا رَیْبَ ۚ فِیْهِ ۚ سے وَ اُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ تک پڑھنا، پھر مختلف آیاتِ مبارکہ کی تلاوت کے بعد کوئی سا بھی درود شریف مختصر یا طویل پڑھنا (جس کو عرف عام میں پنج آیتہ کہتے ہیں) بزرگانِ[4] دین کا عرس کرنا، یعنی سال میں ایک بار اہلِ عقیدت کا کسی بزرگ[5] کے مزار کے قریب یا دور جمع ہو کر ان کی روح کو ایصال ثواب کرنا۔ بعد نماز فجر و عصر[6] مصافحہ کرنا۔ ذوق و شوق میں "یَا رَسُوْلَ اللّٰہ" کا نعرہ لگانا،

---

[1] اس کا مطلب یہ ہے کہ نیک نیتی اور رضائے الٰہی کے واسطے علماء صالحین رح کی پیروی کی جائے، یہ مطلب ہرگز نہیں کہ نفس کی خوشنودی کے لیے جیسے چاہا ویسا عمل کر لیا۔ بعض لوگوں کو دیکھا گیا ہے کہ وہ عام طور سے حنفی مسائل پر عمل پیرا ہوتے ہیں، لیکن کبھی کبھی اپنی نفسانی خواہش کو پورا کرنے کے لیے وہ دوسرے امام برحق کے طریقہ کو محض اغراضِ دنیا کے حصول کے واسطے عمل میں لاتے ہیں۔ یہ طریقہ نہایت غلط اور دین متین کے ساتھ مذاق ہے۔ یہ غیر مقلدانہ طریقہ ہے جو حقانی راہ سے ہٹا کر بے راہ روی تک لے جانے والا ہے۔ قرآن و سنت اور اعمالِ صحابہ رضی اللہ عنہم کی روشنی میں اولوالعزم مقربانِ بارگاہِ الٰہی مجتہدین کرام نے جو کلیات اور ضوابط بنائے ہیں انہی کی روشنی میں دینی و دنیاوی زندگیاں گذارنے میں ہی دینی سلامتی اور آخرت کی فلاح کا دارومدار ہے۔ اپنے نفس کی خاطر سلف صالحین رح کی راہوں سے جان بوجھ کر انحراف کرنے میں گمراہی کے غار میں گر جانے کا قوی خطرہ ہے۔

عیدؔ کے دن معانقہ کرنا۔ بزرگوں[8] کے مزارات پر چراغاں کرنا۔ چادروں[9] سے قبورِ اولیاء کا مزین کرنا۔ پختہ[10] قبور کا بنانا۔ قبور[11] پر عمارات بنانا۔ ندائے[12] غیر اللہ۔ گیارہویں[13] شریف۔ سماع[14] یا قوالی۔ ایصالِ[15] ثواب کی تاریخوں کی تعیین۔ جماعتِ[16] ثانیہ۔ زیارتِ[17] قبور کے لیے سفر۔ توسل[18] بالاموات۔ سماعِ[19] موتی۔ بعد وفات[20] تصرفِ اموات۔ حیاتِ[21] انبیاءِ کرام و اولیاءِ عظام۔ تعزیہ[22] و علم۔ تقبیلِ[23] ابہامین۔ مزارات[24] پر شرینی لے جانا۔ مزارات[25] پر درخواستیں لٹکانا۔

مسائلِ مذکورہ پر اجمالی نظر امورِ مذکورہ میں عملی اختلاف ہے کوئی کرتا ہے اور کوئی نہیں کرتا، اسی طرح اعتقادی اور علمی بھی اختلاف ہے، کوئی شخص ان چیزوں کو برا جانتا ہے، بعض کو بدعت اور بعض کو شرک کہتا ہے۔ کوئی شخص ان امور کو اچھا جانتا ہے اور دوسروں کو ترغیب دیتا ہے اور علامتِ حقانیت سمجھتا ہے۔

تفصیلی بحث تو ہر چیز کے متعلق بعد میں کی جائے گی، اجمالی بات کا سمجھنا بھی فائدے سے خالی نہیں۔ وہ یہ ہے کہ اگر کسی شی کو عوام جائز تصور کرتے ہوں اور خواص یعنی اہلِ علم میں کوئی اُس کے جواز کا قائل نہیں، تو وہ چیز جائز نہیں ہو سکتی۔ البتہ خواص میں اگر اختلاف ہو، بعض جواز کے قائل ہوں اور بعض عدمِ جواز کے، تو پہلے یہ دیکھنا ہوگا کہ ان خواص کا دوسرے امورِ شرعیہ میں اعتبار کیا جاتا ہے یا نہیں۔ اگر ان خواص کو اربابِ حق تصور کر کے اُن کی بات مانی جاتی ہے اور ان کو مقبولِ بارگاہِ الٰہی کہا جاتا ہے تو پھر اہلِ انصاف کے نزدیک ان حضرات کا اختلاف، شافعیت اور حنفیت کا سا ہے۔ احناف اعمال طریقہ حنفیہ کے مطابق انجام دیتے ہیں، لیکن شوافع کو باطل پرست اور نامقبول ہرگز نہیں کہتے۔

میں نے غور کیا ہے تو مسائلِ مذکورۃ الصدر میں اکثر ایسا ہی پایا ہے کہ بعض علماءِ ربانیینؒ نے ایک مصلحت[1] پر نظر کرتے ہوئے جواز کا قول نقل کیا ہے اور دوسرے علماءِ حق نے دوسری مصلحت پر نظر کر کے ممانعت کی طرف میلان کیا ہے۔ پہلی جماعت کو یہ حق حاصل نہیں کہ دوسری جماعت کو وہ باطل پرست کہیں اور اُن کو برے الفاظ سے یاد کریں، یا دوسری جماعت کو بھی یہ حق حاصل نہیں کہ وہ پہلی جماعت کی مذمت کریں۔

ضروری وضاحت بہت سے امور حقانی ہوتے ہیں لیکن عوام اپنی طرف سے ان حقانی امور

---

[1] اس کا مطلب یہ ہے کہ خالص شرعی اور دینی نقطۂ نظر کو مدِ نظر رکھتے ہوئے علمائے ربانیینؒ عمل فرمایا کرتے تھے اس میں نفسانیت کو قطعاً دخل نہیں ہوتا تھا۔ مصالح دو طرح کے ہوتے ہیں ایک نفس کی خوشنودی کے واسطے اور دوسرے شرعی تقاضوں کو پورا کرنے کے واسطے۔ دین کے ہر کام میں شرعی مصلحتوں کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اعمالِ خیر انجام دینا چاہئیں۔

کے ساتھ امورِ باطلہ کو ملا لیتے ہیں۔ ایسی حالت میں دو طریقے اصلاح کے ہو سکتے ہیں، یا تو اس شئی کو بالکل ختم کر دیا جائے یا پھر حصۂ غلط کو دور کرنے کی کوشش کی جائے۔

میرے نزدیک[1] طریقۂ اصلاح یہ مناسب ہے کہ اصلی کارِ خیر کو ختم نہ کیا جائے بلکہ غلط حصہ کو ختم کیا جائے۔ حقانی حصہ کو باقی رکھا جائے تاکہ مسلمان امورِ خیر سے محروم نہ ہوں۔

اس زمانہ میں بہت سے مسلمان ارکانِ اسلام اور اعمالِ خیر میں اپنی حماقت کی بنا پر ایسی چیزوں کا اضافہ یا کمی کرتے ہیں۔ اُن کو اس زیادتی اور کمی پر مطلع کیا جائے۔ اگر غلطی کی آمیزش کی وجہ سے امور خیر کو ختم کیا جائے گا تو غالباً کلمۂ شہادت سے بھی بعض انسان محروم کر دیئے جائیں گے (والعلم عند اللہ)

اب میں ہر شئی کے متعلق قدرے تفصیل سے روشنی ڈالنے کی کوشش کروں گا۔ اللہ تعالیٰ میری نیت کو بخیر رکھے اور اپنے فضل و کرم سے بتوسل حضور رحمۃٌ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم صحیح مسئلہ القا کرے اور مسلمانوں کے درمیان باہمی اخوت و محبت پیدا فرمائے اور انصاف کی نظر سے وہ میری باتوں پر غور فرمائیں تاکہ نزاع ختم ہو اور اتفاق و اتحاد کی فضا قائم کرنے میں مدد مل سکے۔ آمین

مسئلہ میلادِ مبارک پر تفصیلی نظر

میلادِ مبارک میں موضوع اور غلط روایات کا پڑھنا کسی کے نزدیک جائز نہیں ہے۔ حضراتِ علماءِ کرام اس کا فیصلہ اپنی علمی استعداد اور قوتِ مطالعہ سے خود کر سکتے ہیں۔ البتہ غیر علماء[2] کا منصب ہے کہ معتبر اور مستند مصنفین کی تصانیف سے روایات نقل کریں۔ عوام کے خوش کرنے کے لیے غیر معتبر کتابوں کی روایات ضعیفہ سنا کر مجلس کو

---

[1] یہاں غور فرمائیں حضرت مصنف قدس سرہ کتنے معتدلانہ اور حقانی انداز میں اصلاح کا طریقہ بیان فرما رہے ہیں، آج کے علماء و مفتیان کو بھی اس طریقہ پر عمل کرنا چاہیئے، اگر ایسا ہو گا تو ان مسائل کے سلسلے میں جس میں دورِ حاضر کے علماء کے درمیان محض نفسانیت کی وجہ سے جھگڑے پیدا ہو جاتے ہیں، خود بخود تنازعات ختم ہو جائیں گے اور ارشادِ باری تعالیٰ جل شانہ کے مطابق مسلمان "وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا وَّلَا تَفَرَّقُوا" کی عملی تصویر بن جائیں گے جس کی ہر دور میں اہمیت تسلیم کی جاتی رہی ہے اور آج کے غیر اسلامی ماحول میں اس کی اور زیادہ ضرورت ہے تاکہ مسلمانوں کی دینی و دنیاوی شوکت کا رعب و دبدبہ پھر سے دنیا پر قائم ہو۔

[2] غیر علماء سے مراد یہ ہے کہ اردو کی چند کتابیں رٹ لینے والے اشخاص۔ آج کل ٹھوس علم اور گہری استعداد تو موجودہ اکثر اربابِ علم میں بھی نہیں پائی جاتی، خال خال حضرات ہی میں نظر آتی ہے تو اردو کی چند کتابوں کے مطالعہ کر لینے اور ان میں درج واقعات رٹ لینے والے افراد کیسے علماء کہلائے جانے کے مستحق ہو سکتے ہیں؟ (باقی اگلے صفحہ پر)

ہنسانے یا رُلانے کی کوشش نہ کریں ـــــ ناواقف یا واقف اس قسم کی روایات بیان کرے اور اس کو کوئی عالمِ برحق منع کرے تو اس بندۂ خدا پر محض اس وجہ سے وہابیت کا بہتان اور داغ لگانا انصاف کے سراسر خلاف ہے

محفلِ میلاد جائز، قیام کی حالت میں سلام پڑھنا مستحسن

محفلِ میلاد مبارک کا منعقد کرنا بلاتامل جائز اور مستحسن ہے۔

ایک قسم کی روایات کا ایک جگہ تحریر یا تقریر میں جمع کرنا خلافِ عقل و نقل نہیں۔ کتب احادیث شریفہ

(بقیہ حاشیہ)

جید اور محقق اہلِ علم کی خدمتوں میں حاضر ہو کر مدتوں کے بعد علمی استعداد پیدا ہوتی ہے، جب تک کوئی باقاعدہ اربابِ علم کے سامنے زانوئے ادب طے نہیں کرتا، اس وقت تک وہ عالم نہیں بن سکتا۔ لیکن یہ دور تو عجیب ہے۔ عوام تو بس اس شخص پر فریفتہ ہو جاتے ہیں جو جوشیلی آواز میں دھواں دھار تقریر کرتا ہو اور ہنسنے ہنسانے اور رونے رُلانے والے واقعات کو ان کے سامنے نقل کر دیتا ہو۔ انھیں کیا خبر کہ مقرر کے اندر علمی لیاقت کتنی ہے؟ اس سے تو بس اہلِ علم ہی واقف ہو سکتے ہیں۔ یہی حال ایک مخصوص گروہ بند عناصر کا ہے کہ وہ اپنے گروہ کے سرخیل کی تالیف کردہ کتاب کو اتنا بڑا درجہ دیتے ہیں کہ جیسے اس کتاب کو بخاری، مسلم اور دیگر صحاح کی کتب پر (استغفراللہ) فضیلت حاصل ہے۔ یہاں تک کہ اگر ان سے کہا جاتا ہے کہ سلف صالحینؒ کی بھی تو بہت سی معتبر و مستند کتابیں ہیں انھیں کیوں دوسروں کو نہیں سناتے ہو، ان کے انتہا پسندانہ عمل کو ملاحظہ فرمائیں۔ ان سے بعض مسلمانوں نے کہا، ہم قرآن کریم کی تلاوت میں مشغول ہیں آپ لوگ بعد نماز کے اپنی کتاب لے کر بیٹھ جاتے ہیں ہماری تلاوت میں خلل واقع ہوتا ہے تو ان کا جواب یہ ہوتا ہے کہ اس کتاب میں احادیث کی روایات ہی تو ہیں۔ کس قدر دریدہ دہنی کہ اپنے گروہ کی مخصوص شناخت کو قائم کرنے کے لیے حیلے بہانے تراشے جاتے ہیں۔ ان لوگوں کی اصلیت کو پہچاننا بہت ضروری ہے کہ صرف نماز کی ترغیب دلا کر یہ لوگ گمان کر لیتے ہیں کہ بس اسلام و ایمان کے سارے تقاضے پورے کر لیے، حالانکہ اسلام کے اور بھی دوسرے احکام اور ارکان دین ہیں ان کا ان کی زبانوں سے کبھی ذکر نہیں سنا جاتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ دراصل نماز جیسی اہم اور سب سے افضل عبادت کو استعمال کر کے اپنے گروہ کے افراد کی عددی قوت کو دکھانا مقصود ہے۔ دین کے دوسرے ارکان اور احکامِ اسلام کی طرف سے چشم پوشی اور مسلمانوں کو اس کی طرف رغبت نہ دلانا کیا معنیٰ رکھتا ہے؟ دین کے دوسرے ارکان کی اشاعت نہ کرنے کا کیا مقصد ہے؟ ان کی نظروں میں نہ ان ارکانِ دین کی اہمیت اور نہ ان کی زبانوں پر ذکر۔ اصل بات یہ ہے کہ انھوں نے نماز جیسی اہم اور افضل عبادت کو محض اس لیے آڑ بنایا ہے کہ لوگ ان کے دامِ فریب میں جلد اور آسانی کے ساتھ پھنس جائیں گے اور ایسا ہی پایا گیا ہے کہ بعد کو وہ بھولے بھالے مسلمانوں کو غالی وہابی بنا دیتے ہیں۔

میں بھی ایسا کیا گیا ہے ــــــــ یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ عمدہ مقررین وہی سمجھے جاتے ہیں جو وقتِ تقریر وہی مضامین بیان کریں جو اس موضوع سے متعلق ہوں۔ اس قسم کے بیان پر بدعت کا حکم لگانا خلافِ انصاف ہے ــــــــ وقتِ ذکرِ ولادتِ باسعادت یہ سمجھتے ہوئے کہ اس وقت درود و سلام کے نذرانے ملائکہ مقربین نے پیش کیے تھے اور مخصوص رحمتِ خداوندی حضور اکرم نورِ مجسم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس پر نازل ہوئی تھی، کوئی مضائقہ کی بات نہیں، بلکہ یہ چیز امرِ مستحسن ہے، نیز ایسے وقت میں سب کا کھڑے ہوکر درود و سلام پڑھنا اور زائد مستحسن ہے، تاکہ ملائکہ عظام، حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے دربارِ عالی میں مسلمانوں کا تعظیمی قیام و سلام پیش کریں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روحِ مقدس (روحی فداہٗ) صلی اللہ علیہ وسلم پر کھڑے ہوکر درود و سلام پڑھنا خلافِ سنتِ نبویہ ہرگز نہیں۔ نمازِ جنازہ اور دعائے قنوت کے وقت درودِ پاک قیام ہی کی حالت میں سلام پڑھا جاتا ہے۔

علمائے دیوبند کے شیخ حضرت امداد اللہ مہاجر مکی قیام کو مستحسن جانتے تھے

علمائے ربانیین علیہم الرحمہ نے اس قیام و سلام کو مستحسن فرمایا ہے۔ یہ محض عوام کا ہی عمل نہیں۔ متقدمین اور متاخرین علمائے صالحین سے قطع نظر کرکے اکابر علمائے دیوبند کے شیخ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی علیہ الرحمہ نے اپنی تصنیف "فیصلہ ہفت مسئلہ" میں لکھا ہے کہ میں درود و سلام[1] قیام میں پڑھتا ہوں اور مجھے لذتِ روحانی حاصل ہوتی ہے۔

---

[1] ذکرِ خدا اور رسول تینوں حالتوں میں درست ہے۔ لیٹے ہوں یا بیٹھے ہوں یا کھڑے ہوں۔ آیۃ قرآنی ہے: اَلَّذِیۡنَ یَذۡکُرُوۡنَ اللّٰہَ قِیَامًا وَّقُعُوۡدًا وَّعَلٰی جُنُوۡبِہِمۡ۔ لیکن اس ذکر (صلوٰۃ و سلام) کی کھڑے ہونے کے ساتھ خصوصیت ہے کہ اس کی بنیاد روضۂ انور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بلا اختلاف دورِ صحابہ رضی اللہ عنہم سے آج تک یونہی معمول ہے، اس لیے یہ طریقہ دنیا میں جہاں بھی پھیلا اسی بنیاد کی نقل بن کر پھیلا۔ اور نقل مطابق اصل ہونے میں ہی افضلیت ہے، لہٰذا ترجیح قیام ہی کو ہے۔ ہوسکتا ہے کہ جہاں دیگر وجوہِ ترجیح ہیں یہ بھی ہمارے اسلاف کے لیے وجہِ ترجیح ہو، جیسا کہ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہٗ اور شاہ امداد اللہ مہاجر مکی علیہ الرحمہ وغیرہ کا مبارک عمل رہا ہے۔ یہ کہنا کہ روضۂ اطہر کے سامنے ہی قیام در صلوٰۃ و سلام متعین ہے بلا دلیل بات ہے، کیونکہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نہ وہاں نظر آرہے ہیں اور نہ یہاں نظر آرہے ہیں لیکن اپنے امتیوں کی طرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہ عالی وہاں بھی ہے اور یہاں بھی ہے ؎

تری نیتوں پہ مدار ہے ترے عشق کا ہے معاملہ
شہِ دوجہاں کی شعاعِ رخ نہ قریب ہے نہ وہ دور ہے (حضرت وجیہ)

(باقی اگلے صفحہ پر)

(بقیہ حاشیہ) "فیصلہ ہفت مسئلہ" حضرت شاہ امداد اللہ مہاجر مکیؒ نے اس وقت تحریر فرمائی جب اُن کے مرید مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی نے سلام مع قیام کو بدعت کہا، جس کے رد میں حضرت مہاجر مکیؒ نے اپنا حقانی نظریہ پیش فرما کر مخالفین کی شدّت کو بے وزن کر دیا۔ "فیصلہ ہفت مسئلہ" کا مطالعہ کریں، اس کتاب کا جواب نہیں۔ مخالفینِ قیام کے سامنے جب کوئی حاجی صاحبؒ کی اس کتاب کو پیش کرتا ہے تو وہ یا تو خاموش ہو جاتے ہیں، اس لیے کہ اس کا معقول جواب اُن سے نہیں بن پڑتا یا کوئی متشدد ہوتا ہے تو وہ بے سوچے سمجھے کہہ بیٹھتا ہے کہ حضرت حاجی صاحبؒ ہمارے طریقت میں مرشد ہیں شریعت میں ہم ان کے متبع نہیں ہیں۔ ذرا اس بے وقوفی کو ملاحظہ فرمائیں کہ آپ ایک طرف تو حاجی صاحبؒ کو مقبولِ بارگاہِ الٰہی کہتے ہو اور دوسری طرف ان کے عمل کو بدعتِ سیئہ مانتے ہو، تو ایک شخص ایک ہی وقت میں مبتدع بھی ہو اور مقبولِ بارگاہِ الٰہی بھی ہو، کیا کوئی ذی عقل اسے تسلیم کرے گا؟ جواب یہی ہوگا، ہرگز نہیں۔ پتہ چلا کہ بزرگوں کے طریقہ مبارکہ سے جو شخص انحراف کرتا ہے اس کی عقلی صلاحیت ختم ہو جاتی ہے۔ یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ جو بھی غلو آمیز طریقہ اختیار کرتا ہے اس کی عقلِ سلیم مفقود ہو جاتی ہے عقل اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے۔ قرآن عظیم میں ہے: لَا تَغْلُوْا فِیْ دِیْنِکُمْ (تم دین میں غلو مت کرو) یعنی دین کے معاملات میں سختی اور انتہا پسندی سخت ناپسندیدہ چیز ہے۔ جو شخص گروہ بندی کو فروغ دیتا ہے اور غلو کرتا ہے، دوسرے حق پرست اربابِ علم کی تحقیر کرتا ہے اس کا قلب روشن ہونے کے بجائے تاریک اور اس کے چہرے کی باطنی رونق ختم ہو جاتی ہے اس لیے کہ اس کے قلب میں توہین و تحقیر سرایت کیے ہوئے ہوتی ہے ——— "فیصلہ ہفت مسئلہ" سے واضح ہو گیا کہ سلام مع قیام جائز اور مستحسن عمل ہے۔ حاجی صاحبؒ فرماتے ہیں کہ مجھے لذتِ روحانی اس سے حاصل ہوتی ہے۔ اس کے بعد دوسرے جلیل القدر محدث معروف محقق بزرگ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہٗ کا قول پڑھ لیجیے۔ اپنی تصنیف "اخبار الاخیار فی سرّ الابرار" (مناجات بدرگاہِ قاضی الحاجات) میں تحریر فرماتے ہیں:

"اے اللہ میرا کوئی عمل ایسا نہیں ہے جو تیرے دربار کے لائق ہو کیونکہ میرے تمام اعمال میں فسادِ نیت و کمی عمل شریک ہے، البتہ مجھ حقیر فقیر کا ایک عمل صرف تیری ذات پاک کی عنایت کی وجہ سے بہت شاندار ہے اور وہ یہ ہے کہ میلادِ مبارک کے موقع پر میں کھڑے ہو کر سلام پڑھتا اور نہایت عاجزی و خاکساری، محبت و خلوص کے ساتھ تیرے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام بھیجتا رہا۔" (دیکھیے اخبار الاخیار مترجم اردو۔ مترجم مولانا اقبال الدین احمد صاحب فاضل ادب لکھنؤ دارالاشاعت کراچی۔ ص ۵۲۴ ۔ مطبوعہ ۱۹۶۸ء)

قیام در سلام کے مخالفین غور کریں کہ حضرت محدث دہلویؒ اور حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ وغیرہ کو ان مخالفین کے اساتذہ اور مشائخ خود بزرگ، ثقہ، محدث و عالم جانتے تھے اور اپنی کتابوں میں ان کے حوالے بھی دیتے تھے، وہ بھی سلام مع قیام پڑھا کرتے تھے اور وہ اس مبارک عمل کو اپنی نظر میں کس قدر اہمیت دیتے تھے، ایسے اللہ والوں کے عمل کو کوئی کیسے بدعت کہنے کی ہمت کر سکتا ہے؟ ایسے نائبینِ رسول کی تحقیر کرنا اور ان کے پاک عمل کو بدعت سمجھنا بڑی دریدہ دہنی کی بات ہے۔ (حَفِظَنَا اللّٰہُ تَعَالٰی مِنْ سُوْءِ الْاَدَبِ)

اپنے ہی شیخ کے عمل کو بدعت سمجھنا بڑے افسوس کی بات ہے

بڑا افسوس ہوتا ہے ان علما پر جو ایک طرف اپنے شجرۂ طریقت میں "الٰہی بحرمۃ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ" پڑھ کر دعا مانگتے ہیں اور دوسری طرف ان کے عمل اور عقیدہ کو بدعت کہتے ہیں۔ اگر یہ عمل فی نفسہٖ ان کے نزدیک بدعت سیئہ ہے تو بدعتِ سیئہ قابلِ مذمت ہے، لہٰذا حاجی صاحب موصوف رحمہ بھی مبتدع ہوئے اور ان کی بیعت کرنا اور پھر اُن کو مقرب بارگاہ سمجھنا اور ان کے وسیلہ سے دعا بھی کرنا سب ناجائز (العیاذ باللہ) کیونکہ مبتدع قابلِ اہانت ہے نہ کہ قابلِ تعظیم ــــــ تعجب ہوتا ہے ان علما پر کہ ان کے عمل کو بدعت بھی کہتے ہیں اور ان کی تعظیم بھی کرتے ہیں اور انھیں اپنا روحانی مقتدا و پیشوا بھی کہتے ہیں۔

بعض عوام کی غلطی

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ جس وقت ذکرِ ولادت ہوتا ہے، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مجلس میں تشریف لاتے ہیں اس طرح کا شرعی ثبوت[1] نظر سے نہیں گذرا۔

مجلس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہ عالی کا ہونا ثابت ہے

ہاں مجلسِ میلاد مبارک کی طرف سید الاولین والآخرین رسولِ انور صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہ عالی کا ہونا اول سے آخر تک ہو یا درمیان میں کسی وقت ناممکن نہیں، بلکہ تجربہ خواص سے محافل کی طرف حضورِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا متوجہ ہونا، خلوصِ نیت سے انعقاد کرنے والے سے خوش ہونا ضرور ثابت ہے، اس کے لیے کوئی وقتِ خاص نہیں۔

---

[1] بعض عوام کا جو یہ خیال ہے کہ مجلس میلاد پاک میں رسول انور صلی اللہ علیہ وسلم اسی جسم اطہر شریف کے ساتھ تشریف لاتے ہیں جس جسم اطہر شریف کے ساتھ اس دنیا میں جلوہ افروز تھے، اس خیال کے بارے میں حضرت مصنف قدس سرہٗ کا فرمانا ہے کہ اس کا شرعی ثبوت واضح نہیں، رہی مثالی صورت کے ساتھ آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری اور روحانی فیوض و برکات کا حصول تو اس سے انکار کون حق پرست کر سکتا ہے؟ وہ تو آج بھی اکمل طور پر باقی ہیں اور قیام قیامت تک باقی رہیں گے اسلام کی نشر و اشاعت، دینی علوم کا جگہ جگہ خدا کے فضل و کرم سے چرچا اور روحانی فیوض ساری دنیا میں آپ ہی کی ذاتِ اقدس ہی کے بے مثل کمالاتِ عالیہ و صفاتِ جمیلہ کی بدولت تو ہیں۔ ہمارا تو الحمد للہ یہ عقیدہ ہے جو ہمیشہ اہلِ حق کا رہا ہے کہ کائنات کی جب تخلیق آپ ہی کے واسطے باری تعالیٰ جل شانہٗ نے فرمائی ہے تو اس کی بقا کا دار و مدار آپ ہی کی ذاتِ اطہر کی وجہ سے ہے۔ کائنات میں سارا فیض ظاہری و باطنی آپ ہی کا ہے۔ رب للعالمین کی جانب سے رحمۃ للعالمین کو عطا کردہ تصرفات ساری دنیا میں جاری و ساری ہیں۔ ان چیزوں کو وہی جانتے ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے چشم بصیرت مرحمت فرمائی ہے، انھی کو اولیا حق ہم کہتے ہیں۔ بس انھی اربابِ ظاہر نے اس کا انکار کیا ہے جو روحانیت سے دور رہے ہیں اسی لیے وہ فیوض و تصرفات کا انکار کر دیتے ہیں۔ ان کے انکار سے یہ لازم نہیں آتا کہ جس شئی کی حقیقت سے وہ غافل ہیں تو اس کا وجود نہیں۔

ذکرِ ولادتِ نبی خیرات و برکات کا مبدأ ہے سلام و قیام کے لیے ذکرِ ولادتِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس لیے مخصوص کیا گیا ہے کہ جملہ خیرات و برکات کا مبدأ وہی ہے۔

ایک غلط فہمی اور اس کا جواب بعض لوگوں کو یہ غلط فہمی پیدا ہوگئی ہے اور ان کے اندر یہ شبہ تقویت پا گیا ہے کہ میلادِ مبارک کی محافل وقتِ واحد میں بے شمار ہوتی ہیں، ہر ایک کی محفل کی طرف حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا متوجہ ہونا بیک وقت ناممکن ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ وقتِ واحد میں حضرت عزرائیل علیہ السلام بے شمار اموات کا انتظام کرتے ہیں اور اُن کی توجہ بیک وقت سب کی طرف ہوتی ہے۔ آفتاب بیک وقت عالم کے کثیر حصے کو منور کر دیتا ہے، بلکہ رات میں ہر انسان ایک نظر سے بے گنتی ستارے دیکھتا ہے ——— اگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہ عالی بیک وقت کثیر محافل کی طرف ہو تو اس میں کیا استحالہ یا دشواری ہے۔ نیز قوی احادیث شریفہ سے ثابت ہے اور جملہ علمائے برحق رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک مسلّم ہے کہ خواب میں ہمارے آقا اور عالم کے سردار حضور احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارتِ مبارکہ ہوتی ہے۔ اس سلسلے میں حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانِ عالی ہے کہ:

"جس نے مجھے خواب میں دیکھا اُس نے مجھے ہی دیکھا، میری صورت میں شیطان کبھی نہیں آسکتا۔"[1]

پس اگر ایک وقت مومنین سرکار سید الانام صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت کریں، حالانکہ ایک مشرق میں ہو، دوسرا مغرب میں، تیسرا جنوب میں، چوتھا شمال میں، تو اس میں کیا اشکال ہے؟

——— اگر حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم بہ نفس نفیس میرے گھر تشریف لائے تو کیا اس رویت اور دید کو نہیں مانا جائے گا؟ اگر نہیں مانا جائے گا تو حدیث شریف کے خلاف ہوگا اور صحیح مانا جائے گا تو وقت واحد میں زیارت رسولِ انور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی توجہ عالی کا متعدد مقامات کی طرف ہونا ثابت۔[2]

---

[1] یہ عبارت اس حدیث شریف کا مفہوم ہے
مَنْ رَاٰنِیْ فِی الْمَنَامِ فَقَدْ رَاٰنِیْ فَاِنَّ الشَّیْطٰنَ لَا یَتَمَثَّلُ فِیْ صُوْرَتِیْ
بخاری شریف جلد ۱۔ کتاب العلم ص ۲۱

[2] حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی رویت اور روحانی جلوہ گری کے مخالفین غور کریں کہ دورِ حاضر میں ٹیلیویژن کی ایجاد نے انہی کے باطل نظریہ کا قلع قمع کر دیا اور اہلِ حق کی بات کو سو فیصد صحیح ثابت کر دیا۔ دہلی، بمبئی، کلکتہ، کراچی (باقی اگلے صفحہ پر)

الغرض وقتِ واحد میں محافل میلاد مبارک کے اندر سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہاتِ عالیہ کا نہ ہونا بعض لوگوں کے نزدیک یہ شبہ محض وسوسۂ شیطانی ہے، عقل سے اس کا کوئی تعلق نہیں —— حاصل کلام یہ ہوا کہ میلاد مبارک صحیح روایات سے پڑھنا جائز اور درود و سلام قیام کے ساتھ پڑھنا امرِ مستحسن ہے —— یہ کہنا ٹھیک نہیں ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت اس محفل میں خود جلوہ گر ہوتے یا ہیں اور ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و توقیر کے لیے کھڑے ہوتے، بلکہ یہ خیال کرنا چاہیئے کہ رحمۃٌ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی روحِ مقدس (روحی فداہٗ) اس مبارک مجلس کی طرف متوجہ ہے۔ اور آپ کی توجہ خاص کے فیوضات و برکات محفل کو پُر نور کر رہے ہیں۔

میں نے اپنے مخلصین اور انصاف پسند مسلمانوں سے اپنی رائے کا اظہار کیا ہے۔ اگر کوئی عالمِ دین متبعِ سنّت حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح عقیدت اور کامل محبت رکھے اور اس کے نزدیک قیام کا ثبوت نہ ہو اور مرجوح قرار دے کر نہ کرتا ہو تو وہ وہابی نہیں کہلائے گا، لیکن اس کے لیے لازم ہے کہ قیام و سلام کے کرنے والے کو وہ بدعتی بھی نہ کہے۔ جو شخص ادعائے سنت کے تحت اس مستحسن عمل کے کرنے والے کو بدعتی کہتا ہو وہ یقیناً وہابی ہے۔ اسے خدا جانے یہ خیال کیوں نہیں آیا کہ میں جن علماء و مشائخ کو معتبر اور صالح جانتا ہوں اور اُن کے اقوال کے مطابق فتویٰ دیتا ہوں، انھیں کے عمل کو بدعت کہوں، جن کو وہ حضراتِ علماءِ کرام مستحسن اور جائز سمجھتے تھے۔

(بقیہ حاشیہ) لندن، نیویارک وغیرہ اور دیگر دور دراز ممالک سے پروگرام نشر کرنے والے وقت واحد میں کروڑوں گھروں میں نظر آتے ہیں۔ یہ کس چیز کا ظاہری کمال ہے، ہوا کی لہروں کا بجلی کا۔ اور یہ ہوائی لہریں اور بجلی بنانے کی دماغوں میں صلاحیت کس نے پیدا کی، اللہ تعالیٰ جو ربّ للعالمین ہے اس نے ہی پیدا کی۔ مادی دور کے سائنس داں ٹیلی ویژن ایجاد کر کے اپنے مادی کمالات دکھلا کر یہ کیوں بھول گئے کہ ان مادی کمالات کا اعتبار وقتی ہے حقیقی نہیں۔ عقل سلیم سے محروم مادیت پرست اللہ تعالیٰ کو بھول گئے، جو ان کا اور ساری کائنات کا خالق و مالک حقیقی ہے کہ وہ اپنے فضل و کرم سے ایک وقت میں بے شمار جگہوں پر اپنے حبیب مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رویت کیوں نہیں کرا سکتا؟ اللہ تعالیٰ کی قدرت ہر شئی کو محیط ہے۔ یقیناً وہ اپنے مخصوص محبوب بندوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار ایک وقت میں بے شمار جگہوں پر اور بے شمار مومنین کو کرانے پر مکمل قادر ہے اور ایسا ہوتا ہے۔ مادی کھلونے ٹیلی ویژن پر اتنا ایمان، اور باعثِ تخلیقِ کائنات سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی میلاد شریف کی محافل میں رویت اور دیدار کا انکار کتنی بڑی بدنصیبی کی بات ہے۔ یہ ایمان کی سخت کمزوری کی علامت ہے۔

کھانا و شیرینی سامنے رکھ کر فاتحہ

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دورِ مقدس میں عام طور پر اس ہیئت کا رواج نہ تھا لیکن اصل ضرور موجود تھی۔ وہ یہ ہے کہ جب نئے پھل حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ عالی میں پیش کیے جاتے تھے تو آپ اُن پر مختلف دعائیں پڑھ کر صغیر سن بچوں کو عطا فرما دیتے تھے۔ عرب کی متعارف غذا کھجور تھی، بلکہ اکثر اوقات اسی پر زندگی گذاری جاتی تھی۔ اگر کھانے سے پہلے دعا ناجائز ہوتی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسا عمل صادر نہ ہوتا، بلکہ آپ سے مختلف طور پر بِسْمِ اللّٰہ اور کلمات طیبات کا پڑھنا ثابت ہے۔ اس کے علاوہ کھانے میں ایصالِ ثواب کی نیت مالی عبادت ہے اور قرآنِ کریم کی تلاوت اور دعا عبادتِ بدنی ہے۔ اگر دو عبادتوں کو بیک وقت جمع کر دیا جائے تو اس میں کوئی مضائقہ کی بات نہیں۔ ہاں اس جمع کرنے کو ضروری یا سنّتِ مؤکدہ نہ سمجھا جائے۔

فرائض و واجبات و سُنَنِ مُؤکّدہ مقدم مُستحبات و مُستحسنات مؤخر

یہ خوب واضح رہے کہ فرائض و واجبات اور سننِ مؤکّدہ انجام دینے کے بعد یہ امورِ مستحبات اور مستحسنات کرے، ورنہ اُن کے کرنے سے کیا فائدہ ہوگا۔ مسلمان کو چاہیئے کہ پہلے نمازِ پنج گانہ کا پابندی کے ساتھ اہتمام کرے، روزوں کا اہتمام کرے، مالکِ نصاب ہو تو زکوٰۃ ادا کرے، صاحبِ استطاعت ہو تو حج کرے، اور ان کے علاوہ اہم امورِ شرعیہ کو پہلے صحیح صحیح طور پر انجام دے۔ تب مستحب اور مستحسن کام کرے تو بہتر ہے۔

ایصالِ ثواب کے لیے حلال کمائی شرط ہے

ایک اہم اور قابلِ ذکر چیز یہ ہے کہ پاک[1] اور حلال کمائی سے ایصالِ ثواب کرے، یہ خوب پیشِ نظر رہے۔

---

[1] مسلمانوں کو یہ پیشِ نظر رکھنا بہت ضروری ہے کہ پاک حلال آمدنی میں سے وہ ایصالِ ثواب بھی کریں اور دوسرے کارِ خیر بھی، آج کے مسلمان تاجروں اور کاروباری لوگوں نے سود اور رشوت کے لین دین میں بہت ڈھیل دے رکھی ہے۔ لاٹری، جوا، سٹہ، چرس، گانجہ اور اسمیک سب کی آمدنی حرام ہے۔ ان کی تجارت کرنا شیطانی افعال ہیں۔ ان کی کمائی سے اہل و عیال کی پرورش کرنا اور دین و دنیا کے کسی کام میں خرچ کرنا باعثِ لعنت و ملامت ہے۔ اکثر دیکھا جاتا ہے کہ کاروبار کرنے والے لوگ بینک سے لون لے کر کاروبار کرتے ہیں اور اس سے ہونے والی آمدنی سے حج بھی کرتے ہیں، عمرہ بھی اور دوسرے دینی امور بھی انجام دیتے ہیں اور اس میں یہ ناپاک کمائی خرچ کرتے ہیں۔ ایسی ناجائز کمائی سے ان کا کوئی نیک عمل دربارِ الٰہی میں مقبول نہیں ہوگا بلکہ الٹا وبالِ جان بنے گا۔ مسلمانوں کو پاک و حلال کمائی کی طرف توجہ کرنا ضروری ہے اور یہ خیال کرنا کہ بغیر اس کے چارہ ہی نہیں محض شیطانی وسوسہ ہے، جب ہمارے سامنے آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کا ایک ایک نمونہ موجود ہے، صحابۂ کرام اور سلف صالحین کی مبارک زندگیوں کے نمونے اس سلسلے میں موجود ہیں تو پھر حیلے بہانے تراشنا دین کا مذاق اڑانے کے مترادف ہے، جو اللہ کی سخت ناراضگی کا باعث ہے۔ اس سے بچنا ضروری ہے۔

چند عبادتوں کا جمع کرنا جائز ہے

الغرض ثابت یہ ہوا کہ دونوں عبادتوں (مالی وبدنی) کو جمع کرلیا جائے تو اس میں کوئی حرج کی بات نہیں۔ مثلاً ثواب کی نیت سے کسی کو غسل کراکر کپڑے پہنائے یا کسی بزرگ کو کھانا کھلاکر اس کی خدمت کرے یا کسی طالب علم کو وظیفہ دے کر تعلیم دلائے یا خیرات کا مال تقسیم کرتے ہوئے حج کرے، یا اس کے مثل دو یا دو سے زیادہ عبادتوں کو جمع کرے جس کا ذکر مصرح بطورِ جزئیہ حدیث وفقہ میں نہ ہو تو کیا یہ جمع کرنا ناجائز ہوگا؟ (العیاذ باللہ) نہیں ہرگز نہیں۔

مانعینِ ایصالِ ثواب خود متعدد مواقع پر عبادات کو جمع کرتے ہیں

میرے تجربہ میں تو یہ ہے کہ وہی علماء جو اس فاتحہ وایصالِ ثواب کو منع کرتے ہیں، مختلف مواقع، اور سیکڑوں مقامات پر خود متعدد عبادات کو جمع کرتے ہیں، پھر کیا وجہ ہے کہ اُن کا جمع کرنا تو جائز ہوا اور بزرگانِ دین کی فاتحہ کرنا ناجائز؟ لہٰذا یہ اُن مانعینِ فاتحہ کی غلط فہمی کے سوا کچھ نہیں۔

فاتحہ کو بدعتِ سیئہ کہنا مقربانِ بارگاہ کی ذات پر حملہ کے مترادف

غرضیکہ اضافۂ برکات کی نیت سے اگر یہ عمل کیا جائے تو بلاشبہ مستحسن ہے، بشرطیکہ اس کو ضروری تصور نہ کیا جائے۔ اگر کوئی ناواقف کسی غلطی میں مبتلا ہو تو اس کا سہل طریقہ یہ ہے کہ اُس کی غلطی کی اصلاح کردی جائے اور اصل شئی کو باقی رکھا جائے ——— اس فاتحہ کو بدعتِ سیئہ کہنے میں جلیل القدر محدثین کرام، فقہاء عظام، مقربانِ بارگاہِ الٰہی اور اکابر اولیاء کرام رحمۃ اللہ علیہم کی ذواتِ مقدسہ پر حملہ ہوگا، جو خوش عقیدہ مسلمان کے لیے کسی طرح روا نہیں۔

فاتحہ میں پنج آیتہ

"فتاویٰ عالمگیری" میں مذکور ہے کہ:

قراۃ الکافرون الی الاٰخر مع الجمع مکروھۃ لانھا بدعۃ[1]

یعنی قُلْ یٰاَیُّهَا الْکٰفِرُوْنَ کی سورۃ کا جماعت کے ساتھ مل کر پڑھنا مکروہ ہے، اس لیے کہ وہ بدعت ہے۔

اس عبارت سے بعض علماء نے دھوکا کھایا ہے اور پنج آیتہ کو ناجائز قرار دیا ہے، حالانکہ عالمگیری کی کی عبارت میں یہ مذکور ہے کہ مجمع کے ساتھ پڑھنا ناجائز ہے، یعنی قرآن عظیم کا ایک مجلس میں سب کا بہ آوازِ بلند علیحدہ علیحدہ پڑھنا ناجائز ہے۔ لیکن ایک شخص پڑھے اور سب خاموشی کے ساتھ سنیں، اس میں کوئی مضائقہ نہیں، کیونکہ عالمگیری میں مع الجمع ہے فی الجمع نہیں ہے۔

---

[1] فتاویٰ عالمگیری جلد ۴ کتاب الکراہیۃ۔ الباب الرابع فی الصلوٰۃ والتسبیح وقرآۃ القرآن۔ ص ۹۱

بعض اربابِ علم کا غلط خیال اور اس کا مدلل جواب

بعض اربابِ علم کہتے ہیں کہ مختلف مقامات سے قرآنِ عظیم کے کسی حصہ کا انتخاب کرنا بدعت ہے، ایک مقام سے پڑھنا چاہیئے، یہ خیال بھی اُن اہلِ علم کا غلط ہے۔

"اگر مختلف مقامات سے قرآنِ عظیم کی آیاتِ کریمہ کو ایک وقت میں پڑھا جائے تو کوئی حرج نہیں ہے، جیساکہ "تفسیر اتقان فی علوم القرآن" میں ہے"۔ [1]

البتہ نماز کی ایک رکعت میں مختلف مقامات سے بلا مجبوری پڑھنا ضرور ممنوع ہے۔ خارج از نماز مختلف اوراد و وظائف میں چند مقامات سے آیات کو جمع کیا جاتا ہے، جن میں بعض اوراد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی مروی ہیں۔ خطبۂ جمعہ اور خطبۂ نکاح میں مختلف مقامات کی آیات ایک ہی مجلس میں پڑھی جاتی ہیں۔ مصنف اور مقرر اپنے مقاصد کے لیے جگہ جگہ سے آیات کا انتخاب کرتا ہے اور یہ عمل موافقینِ پنج آیتہ اور مخالفینِ پنج آیتہ میں یکساں طور پر رائج ہے۔ پھر نہیں معلوم کہ مانعین ایک مقام پر ممانعت کیوں کرتے ہیں اور دوسرے مقامات پر جائز کیوں رکھتے ہیں؟ حالانکہ قرآن مجید یا سنت سے ہر ایک انتخاب ثابت نہیں۔ [2]

بعض سورتوں اور آیات کو فضیلتیں

بعض لوگوں کو یہ شبہ ہوتا ہے کہ مخصوص سورتوں کو معین کرنے کی وجہ کیا ہے؟ قرآنِ عظیم سارا کا سارا قرآن ہے اور ہر ایک حصہ کا ثواب پہنچایا جا سکتا ہے ــــ اس کا جواب یہ ہے کہ قرآنِ کریم مجموعی اعتبار سے اللہ تعالیٰ کی مقدس اور محترم کتاب ہے جو باعثِ خیر و برکت ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے بعض سورتوں

---

[1] الاتقان فی علوم القرآن، للشیخ الاسلام جلال الدین عبدالرحمٰن السیوطی الشافعیؒ جلد ۲۔ خواص القرآن ص ۲۱۱۔ مطبع اصح المطابع بمبئی

[2] حضرت مصنف قدس سرہٗ کا مقصد یہ معلوم ہوتا ہے کہ سید العرب والعجم صلی اللہ علیہ وسلم کے خطباتِ جمعہ وعیدین اور اہم خطابات میں انتخاباتِ آیاتِ قرآنیہ کا پیش کرنا جو قاعدہ کلیہ ہمیں عطا کرتا ہے، وہ ہر موقع اور محل کے لحاظ سے مناسب انتخاب کی اجازت دیتا ہے۔ وہ اجازت صرف مخالفین پنج آیتہ کے اوراد میں بھی صحیح ہے۔ خطباتِ جمعہ و عیدین اور خطبۂ نکاح میں بھی صحیح ہے علاوہ نماز کے آدھ گھنٹہ کے اندر بلا ترتیب تکمیل قرآن مجید میں بھی صحیح ہے، لیکن پنج آیت وغیرہ میں انتخاباتِ آیاتِ قرآنیہ کی اجازت نہیں، جبکہ یہ بھی اسی طرح کا انتخاب ہے۔ لہٰذا اس انتخاب کو بھی درست اور صحیح تسلیم کرنا پڑے گا۔

اور بعض آیات کو ثواب کے اعتبار سے فضیلت عطا فرمائی ہے ـــــ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۃ الحمد، سورۃ اِخلاص، سورۃ قُلْ یٰاَیُّھَا الْکَافِرُوْنَ اور مُعَوِّذَتَین کی بہت فضیلتیں بیان فرمائی ہیں۔ اگر ان امور کو مدِّ نظر رکھ کر مختلف سورتوں یا آیات کا انتخاب کیا جائے تو کچھ مضائقہ نہیں۔

اہلِ ذوق فاتحہ کو اچھی نظر سے دیکھتے ہیں

بات دراصل یہ ہے کہ مسلمانوں کے ذوق جدا جدا ہیں۔ جن مسلمانوں کو ایصال ثواب کا یا بزرگوں کے اعراس کی محافل کے انعقاد کا ذوق ہے وہ اس فاتحہ کو اچھی نظر سے دیکھتے ہیں اور جس گروہ کو اس کا ذوق ہی نہیں، وہ اس میں طرح طرح کی خامیاں پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے، یہ طریقہ انصاف کے خلاف ہے۔

مُوافقینِ فاتحہ کو مردود تصور کرنا بہت بُری حرکت ہے

امورِ مستحبہ میں مسلمانوں کو شریعتِ مطہرہ کی طرف سے اختیار ملا ہے، جس کا جو ذوق ہو، وہ پورا کرے، لیکن دوسرے ذوق والے کو حقیر اور اپنے کو بلند نہ سمجھے۔ خواہ مخواہ ایسی کھینچا تانی نہ کرے، جو لوٹ کر خود اس پر ہی پڑتی ہوں۔ منصف مزاج مسلمان کے نزدیک اگر کوئی شخص تمام عمر بھی فاتحہ نہ کرے تو اصل اسلام میں کچھ فرق نہیں آتا، لیکن فاتحہ کرنے والوں کو (العیاذ باللہ) مردود تصور کرنا بہت ہی بری بات ہے ـــــ فاتحہ کے جواز کے قائل حضرات کو نامقبول تصور کرنے سے بلند پایہ محدثین کرام اور اکابر اولیائے عظام رحمۃ اللہ علیہم کی نامقبولیت کا قول کرنا ہوگا (العیاذ باللہ) جو ایک سنی العقیدہ حنفی کے لیے کسی طرح جائز نہیں ہو سکتا۔

فاتحہ کے عدمِ جواز کے فتوے کا اثر

بہت سے ناعاقبت اندیش بڑی عجلت اور جلد بازی میں فاتحہ کے عدمِ جواز کا فتویٰ دے بیٹھتے ہیں اور یہ غور نہیں کرتے کہ اُن کے اپنے دیئے ہوئے فتوے کا اثر خود ان کے اپنے بزرگوں پر بھی پڑے گا اور وہ بھی اُن کے فتوے کی رو سے نامقبول قرار پائیں گے۔ (العیاذ باللہ)

بزرگانِ دین کا عُرس اور اُس کی حقیقت

انسان کا جب ایمان پر خاتمہ بالخیر ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ عالمِ برزخ میں اس پر کرم فرماتا ہے اور وہ منکر نکیر کے سوالات کے جوابات صحیح دیتا ہے تو نکیرین اس سے کہتے ہیں کہ:

نَمْ کَنَوْمَۃِ الْعُرُوْسِ [1] ـــ تو اس طرح سو جا جیسے دلہن سوتی ہے۔

---

[1] ترمذی شریف جلد ا۔ ابواب الجنائز۔ باب ماجاء فی عذاب القبر ص ۱۲۷

دنیا میں مختلف اوقات میں رنج والم آتے رہتے ہیں اور مسرت و شادمانی کے مواقع بھی فراہم ہوتے رہتے ہیں، لیکن اس دنیائے فانی کی مسرت و شادمانی کا کوئی اعتبار نہیں، اس لیے کہ یہ عارضی ہے پائیدار نہیں۔ اصل شادی اور مسرت مؤمن کو اسی وقت حاصل ہوگی اور ہوتی ہے جس وقت فرشتے اس سے کہتے ہیں کہ "تو دلہن کی طرح سو جا" ـــــــ انھیں امور کے پیشِ نظر بزرگانِ دین کے مزارات پر ان کی تاریخ وفات کے مواقع پر جو اجتماعات ہوتے ہیں اُن کو عرس کہا جاتا ہے۔

عرس کی اصل ثابت ہے

"حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم شہدائے اُحد کے مزارات پر سال میں ایک بار تشریف لے جایا کرتے تھے"[1] یہی عرس کی اصل ہے۔ اگر یہ اجتماع قرآن عظیم کی تلاوت، نعت و منقبت کے ساتھ ہو اور اُن بزرگ کے تاریخی واقعات صحیح صحیح اس نوعیت کے ساتھ بیان کیے جائیں کہ اُن کے متوسلین اور معتقدین کو عبرت و موعظت حاصل ہو تو اس میں کوئی مضائقہ کی بات نہیں۔

عرس میں جاری خرافات کسی صالح کی نظر میں جائز نہیں

اس زمانہ میں دنیاداروں نے جو میلے ٹھیلے شروع کر دیئے ہیں اور گانے بجانے کے چرچے ہو گئے ہیں ـــــــ یہاں تک کہ بعض مزارات پر طوائفوں

---

[1] اخرج ابن جریر عن محمد بن ابراہیم قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یأتی قبور الشہداء علیٰ رأس کل حول فیقول سلامٌ علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار ایضاً وابوبکر وعمر وعثمان رضی اللہ عنہم انتہیٰ۔

مجموعہ فتاویٰ حضرت مولانا ابوالحسنات شاہ محمد عبدالحی صاحب لکھنوی قدس سرہٗ۔ جلد ۳۔ ص ۶۹

ناشرین ملک سراج الدین اینڈ سنز پبلشرز کشمیری بازار۔ لاہور۔ مطبوعہ ۱۹۵۶ء

علمائے حق اور اولیائے امت اپنے بزرگوں کا عرس کیا کرتے تھے۔ معتبر تذکروں اور مستند سوانح سے ثابت ہے۔ پھر حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے بعض مکتوبات میں موجود ہے آپ اپنے نقشبندی شیخ محترم حضرت خواجہ محمد باقی باللہ دہلوی قدس سرہٗ کے وصال کے بعد ان کے سالانہ عرس شریف کے موقع پر بنفسِ نفیس دہلی تشریف لے گئے ہیں اور مجلس عرس میں شرکت فرمائی ہے۔ اگر شریعت مطہرہ کے حدود کے اندر عرس کی محافل منعقد ہوں تو اس میں برائی کیا ہے؟ جب بزرگانِ دین کے عمل سے یہ چیز ثابت ہے تو جائز ہے۔ ہاں دنیاوی خرافات تو اس میں عرس کی کیا قید، وہ تو ہر جگہ ہر محفل خواہ وہ عرس کی محفل ہو سب جگہ ناجائز ہیں۔ مگر افسوس تو اس بات کا ہے کہ بعض لوگ شریعت مطہرہ کے حدود کے اندر ہونے والے عرس تک کو ناجائز کہہ ڈالتے ہیں، جبکہ انھی کے بزرگانِ سلف خود عرس کی محافل کا انعقاد کیا کرتے تھے۔

کا رقص وسرود[1] بھی ہوتا ہے، نہ یہ کسی عالم صالح کے نزدیک جائز ہے اور نہ کسی صوفی برحق کے نزدیک جائز ہے۔ ہندوستان میں اولیائے کرام رحمۃ اللہ علیہم کے اعراس کے بڑے بڑے اجتماعات ہوتے ہیں اور لوگ دور دراز مقامات سے جوق در جوق آکر مزارات پر جمع ہوتے ہیں اور جمع ہونے والے مختلف نیتوں کے ساتھ حاضری دیتے ہیں ــــ تاجروں، دکانداروں کی بظاہر نظر تحصیل مال کی ہوتی ہے لہو ولعب والے کھیل کود اور تماشوں کی غرض سے آتے ہیں۔ بزرگوں کے مزارات پر میلے ٹھیلے کی شان پیدا ہو جاتی ہے ــــ میں پہلے بھی تحریر کر چکا ہوں کہ یہ خرافات کسی عالمِ صالح بلکہ کسی بھی ذی علم اور حق پرست شیخ اور صوفی برحق کے نزدیک قطعاً جائز نہیں ہو سکتیں۔ بلکہ یہ خرافات صوفیہ کرامؒ کی مجالس اور محافل کی شان کو بے وقعت کرنے والی اور ذی علم حضرات کے لیے نکتہ چینی کا باعث ہوتی ہیں ــــ اللہ تعالیٰ اربابِ انتظام کو ان خرافات کو مٹنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

عرس میں یہ چیزیں انصاف پرست ہر عالم کے نزدیک جائز ہیں

دوسری چیز عرس میں سماع (قوالی) ہے جس کا آئندہ ذکر سماع کے مضمون میں آئے گا۔ تیسری چیز۔ قرآن عظیم کی تلاوت، بیان حالاتِ بزرگانِ دین، نعت ومنقبت اور ذکر وشغل بطریقہ صوفیہ کرام، اُس روحِ مقدس صاحب عرس کو ایصال ثواب کرنا، یہ امور علیحدہ علیحدہ فی نفسہٖ جائز ہیں اور ہر انصاف پسند عالِم کے نزدیک ان چیزوں کا انکار ممکن نہیں۔

البتہ تمام امور کا اجتماع اور خصوصاً مزارات پر علماء کے نزدیک اختلافی مسئلہ ہے۔ بعض علماء اس مخصوص صورت کو بدعت سمجھ کر ناجائز کہتے ہیں اور بعض مستحسن کہتے ہیں۔

---

[1] اگر کسی بزرگ کے عرس میں یہ شیطانی خرافات جاری کر دی گئیں تو اس میں نہ تو صاحب مزار کا قصور ہے، نہ علماءِ صالحین کا اور نہ حق پرست مشائخ صوفیہ کا۔ بلکہ یہ تو آج کے بے علم دنیا پرست بعض منتظمین اور ان کے نااہل جانشینوں کا قصور ہے کہ ان لوگوں نے دنیاوی اغراض کی خاطر ان چیزوں کو رواج دیا ہے۔ پھر عرس ہی کی کیا خصوصیت، یہ خرافات علاوہ عرس کی مجالس کے کہیں بھی ہوں کسی موقع پر بھی ہوں، از روئے شریعت مطہرہ ہر جگہ ہر موقع پر حرام و ناجائز ہیں۔ ہر مسلمان کو ایسی شیطانی خرافات سے باز رہنا چاہیئے، ان چیزوں کی سخت ترین مذمت علماءِ کرام ہر دور میں کرتے رہے، آج بھی کرتے ہیں۔
لیکن یہاں سوال اس بات کا ہے کہ وہ عرس کی مجالس جو خالص شریعت مطہرہ کے حدود کے اندر رہتے ہوئے منعقد ہوتی ہیں وہ کیسے حرام قرار دی جا سکتی ہیں، جبکہ ہمارے سلف صالحینؒ کے عمل سے ثابت ہیں۔ اگر قرآن عظیم کی تلاوت ہو یا علماءِ کرام کی نصیحت آمیز تقاریر اور درود پاک کا ورد ہو، نعتیں پڑھی جاتی ہوں تو ایسی مجالس کے ناجائز ہونے کی دلیل سلفِ صالحینؒ کے عمل سے کہاں اور کس جگہ ثابت ہیں۔ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ٥

ان امور کا اجتماع عرس میں جائز و مستحسن

میں اس قدر عرس مبارک کو جائز اور مستحسن تصور کرتا ہوں میرے نزدیک علمِ ظاہر کی اشاعت کیلئے سال میں ایک بار کسی مدرسہ دینیہ میں علماء، طلبہ، نیز دیگر اربابِ ذوق کا اجتماع جس طرح احیائے علمِ دین اور اشاعتِ علوم ظاہرہ کا ذریعہ ہے، اسی طرح اربابِ تصوف کا اور اُن سے عقیدت و محبت رکھنے والے حضرات کا اجتماع خصوصاً کسی معتبر اور مقبول بزرگ کے مزار مقدس پر فیوضِ روحانی و اشاعتِ علمِ باطن اور بقائے مغزِ اسلام کا بڑا ذریعہ ہے۔ اسی کو شریعتِ مطہرہ میں احسان و اخلاص کے نام سے پکارا گیا ہے۔

ایک بڑا شبہ اور اس کا جواب

بعض لوگ اس اجتماع کو خصوصاً مجلسِ عرس کو جاہلانہ دکانداری اور مکاری سے تعبیر کرتے ہیں، اور ان کا کہنا ایک حد تک صحیح ہے، کیونکہ اس زمانہ میں بعض مدعیانِ تصوف کے اندر فریب کاری، تصنّع، ریاکاری کو اچھا خاصا دخل ہے۔ عوام رنگے ہوئے کپڑوں اور ہاتھ میں تسبیح دیکھ کر اُن کی خدارسیدگی کے قائل ہو جاتے ہیں اور اُن کی خدارسیدگی کے دعوے پر دھوکا کھا جاتے ہیں، خواہ مدّعی تصوف میں کوئی معنیٰ اور مغز ہو یا نہ ہو۔ اس دامِ فریب کا برا نتیجہ یہ برآمد ہوتا ہے کہ سچے اہل اللہ اور اہل دل بھی حقیر نظروں سے دیکھے جاتے ہیں، خواہ وہ اپنے کمالِ ذاتی اور حسنِ صفاتی کی وجہ سے کتنا ہی بلند رتبہ رکھتے ہوں۔ لیکن معترض کے دل میں اُن کی وقعت رتی بھر بھی قائم نہیں ہوتی، بلکہ اس صاحبِ دل کے دوسرے کمالات بھی اس لیے حقیر خیال کیے جاتے ہیں کہ اُس کا شمار زمرۂ صوفیہ میں ہوتا ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ دنیا میں کون سا گروہ ایسا ہے جس میں سچے لوگوں کے ساتھ جھوٹے نہ ہوں اور اچھے انسانوں کے ساتھ بُرے انسان نہ ہوں ———— فنِ طب یونانی حکمت ہے جس میں بے شمار اربابِ کمال پیدا ہوئے اور اس وقت بھی ہر آبادی میں ذہین اطبّہ کچھ نہ کچھ میسر آجاتے ہیں۔ لیکن لاتعداد ناواقف بے لکھے پڑھے، بغیر تجربہ، بلا صحبتِ طبیب خود بخود طبیب بن جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے بندے اُن کے دامِ فریب میں پھنس کر اپنی دولت کو بھی ضائع کرتے ہیں اور اپنی صحت کو بھی تباہ کرتے ہیں۔ اسی طرح ڈاکٹری علاج (ALLOPATHY) دنیا کا مُسلّم علاج ہے، عام طور پر حکومتیں اسی علاج کی طرف متوجہ ہیں۔ لاتعداد اس کے کالج دنیا بھر میں موجود ہیں، ہر سال بے شمار ڈاکٹر فارغ ہو کر حکومت کے بڑے بڑے اسپتالوں میں ملازم ہوتے ہیں اور نجی طور پر بھی اپنا مطب کرتے ہیں۔ ان کا علاج ضابطہ اور قاعدہ کے مطابق ہوتا ہے۔ لیکن ڈاکٹروں سے زیادہ کمپاؤنڈر ڈاکٹر بنے ہوئے ہیں اور سند یافتہ ڈاکٹروں کی طرح علاج کرتے ہیں اور کسی ماہر طبیب یا قابل ڈاکٹر کے مشورہ کے بھی وہ نہ پابند ہیں اور نہ منتظر

رہتے ہیں۔ —— یہی حال اس زمانہ کے علمائے ظاہر کا ہے کہ ہر سال مختلف آبادیوں سے دین کے فارغ التحصیل طلبہ علمِ دین حاصل کر کے دنیا کے گوشہ گوشہ میں پھیل جاتے ہیں، اور اُن کو عالمِ دین سمجھا جاتا ہے، لیکن ان کے علم کا حال یہ ہوتا ہے کہ اردو یا اپنی کسی دوسری مادری زبان کی کتابوں کا مطالعہ کر کے وہ چند تقریریں رٹ لیتے ہیں اور زبان چلتی ہوئی اور خوش آوازی کے ساتھ ترنم کی عادت کر لی یا رُلانے اور ہنسانے والے قصے یاد کر لیے تو پھر ان کی دھواں دھار تقریروں پر خلائق فریفتہ ہو جاتی ہے، سیکڑوں انسان جانی و مالی خدمت کے لیے تیار رہتے ہیں، حالانکہ وہ علمی استعداد اور سرمایۂ معلومات سے بالکل صفر ہوتے ہیں۔

بہت سے اہلِ عقول نے عرس کی شرکت کو ترک کر دیا ہے، اور بعض صاحب عُقول یہ خیال کرتے ہیں کہ کسی کا کوئی بھی خیال ہو، ہم احتیاط کے ساتھ بزرگوں کے مزارات پر حاضری دیں اور اُن کے فیوض و برکاتِ باطنہ سے مستفیض ہونے کی کوشش کریں۔

حج جو رکنِ اسلام ہے اور تمام مسلمانوں کے نزدیک صاحبِ استطاعت کے لیے فریضۂ عُمری ہے، اور کسی طبقہ کے عالم کو بھی اس سے اختلاف نہیں ہے اور ہر سال حرمین شریفین میں لاکھوں مسلمان جمع ہوتے ہیں، لیکن وہاں بھی پوری احتیاط نہیں ہو پاتی، جو شریعتِ مطہرہ کا تقاضا ہے۔ نمازوں میں صف بندی درست نہیں ہوتی۔ بعض مواقع پر عورتیں مردوں کے ساتھ مخلوط ہو جاتی ہیں۔ بعض لوگ جاہلانہ عقیدت سے کعبۂ مکرمہ کا بردہ تراش لیتے ہیں، بعض بدنیت حجاج کی جیبیں کترتے ہیں، بعض لوگ خرید و فروخت میں مکر و فریب سے کام لیتے ہیں، بعض رفقاء اپنے رفقاء سے مالی معاملات میں جھگڑا کرتے ہیں، لیکن باوجود ان کمزوریوں کے حج کو ترک نہیں کیا جا سکتا۔

بس یہی حال اعراس (جمع عُرس کی) کا اور مجالس دینی کا ہے۔ جماعت کی نماز قریب قریب واجب کے ہے، لیکن مساجد کے اجتماعات میں اچھے اور برے سب ہوتے ہیں، لیکن جماعت ترک کرنے کے قابل ہرگز نہیں۔ حافظ شیرازیؒ فرماتے ہیں:

؎ حافظ از بادِ خزاں در چمنِ دہر مرنج　　　فکرِ معقول بفرما گُلِ بے خار کجاست

یعنی انسان کو اچھی بات تلاش کرنا چاہیے اور خرابیوں کے پیدا ہونے سے بہتر بات کو ترک نہیں کرنا چاہیے پھولوں کے دامن میں کانٹے ہوتے ہی ہیں، لیکن کانٹوں کی وجہ سے پھول چھوڑے نہیں جا سکتے —— ان مثالوں کے بعد اب اس کی ضرورت باقی نہیں رہتی کہ پھول اور خار کا اجتماع ایک ہی گروہ میں دکھایا جائے۔ الغرض وہ کون سا گروہ ہے جس میں اچھے لوگوں کے ساتھ برے لوگ نہ ہوں اور اصل کے ساتھ نقل نہ ہو۔

اربابِ اخلاص کا اجتماع قابلِ قبول۔ مکاروں کی محافل قابلِ نفرت

تصوف اور خدارسیدگی امرِ مخفی ہے اس لیے یہ ڈھونگ کچھ دیر کے بعد کھلتا ہے۔ لیکن مکار، عیار اور جھوٹے مدعیانِ تصوف کو اربابِ فہم و فراست جانچ لیتے ہیں، اور دودھ کا دودھ، پانی کا پانی علیحدہ ہوجاتا ہے۔ کسی ذی ہوش نے آج تک نہ تو طب کو برا کہا، نہ ڈاکٹری کو اور نہ علمائے ظاہر نے مدارس کے اجلاس اور دستار بندی کی محفلوں پر عمومی نکتہ چینیاں کیں، بلکہ بروں کو برا کہا اور اچھے انسانوں کو اچھا۔

میرے نزدیک مسئلہ عرس کا بھی یہی ہے۔ اربابِ اخلاص کا اجتماع قابلِ قبول اور مکاروں کی مجالس قابلِ نفرین۔

اللہ تعالیٰ غیر مخلصین کو اخلاص اور صحیح طریقۂ کار کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

عرس کے فوائد

بزرگوں نے اشاعتِ اسلام کی، شریعتِ مطہرہ کے احکام کو پھیلایا، عبادتیں کیں، ریاضتیں کیں، مجاہدات کیے، مخلوقِ خدا کی خدمات انجام دیں۔ ظاہری و باطنی فیوض و برکات سے اللہ تعالیٰ کے بندوں کو مستفیض فرمایا۔ نیک عقائد، اچھے اعمال اور اعلیٰ اخلاقیات کا انھیں پابند بنایا۔ ان احسانات کا تقاضا یہ ہے کہ ان سے عقیدت و محبت رکھی جائے اور ان کی ارواحِ طیبہ کو ثواب پہنچایا جائے، خواہ وہ ثواب عباداتِ بدنی سے ہو یا عباداتِ مالی سے، ان بزرگوں کی سچی اور صحیح صحیح سوانح عمری بیان کی جائے، تاکہ سننے والوں کو عبرت و موعظت حاصل ہو۔

اگر بزرگ صاحبِ سجادہ پابندِ شریعتِ مطہرہ ہو اور خدارسیدہ بھی ہو تو اس سے فیضِ روحانی حاصل کیا جائے۔ اگر خدارسیدگی میں کامل نہ ہو لیکن شریعتِ مطہرہ کا وہ پابند ہو اور صرف اوراد و وظائف، اعمال و اشغال سے واقف ہو تو کم از کم معتقدین اس سے اتنا ہی فائدہ حاصل کرسکیں گے۔ اہلِ سلسلہ اپنے حالات اس سے بیان کریں اور اپنی خوابوں کی تعبیر حاصل کریں۔

مقامِ افسوس

بڑے افسوس کا مقام ہے کہ اس زمانہ میں مزارات کے اکثر سجادگان اور خدام عام طور پر دنیادار طامع اور لالچی ہوگئے ہیں اور انھوں نے اعراس کی محافل کو اپنی کمائی کا ذریعہ بنالیا ہے، گویا سجادگی بھی ایک پیشہ ہوگیا۔ عوام اور جہّال تو ہر قسم کی کمزوری برتحمل کرتے ہیں، لیکن لکھا پڑھا طبقہ اور اہلِ عقل و دانش کا گروہ اُن سے متنفر ہوجاتا ہے۔ عرس میں عوام اور ناواقفوں کی کثرت ہوتی چلی جارہی ہے، بلکہ اب تو مستورات بھی مردوں میں ملی جلی نظر آتی ہیں اور ان چیزوں سے بہت سے فتنے پیدا ہوتے ہیں۔

کاش منتظمین و سجادہ نشین علمائے کرام کی نصیحتوں کو مانتے

اس زمانہ میں اربابِ انتظام، سجادہ نشین[1] اور عوام کا عجب حال ہو گیا ہے کہ اگر قاعدہ ضابطہ اور حق بات کسی کو بتائی جاتی ہے تو وہ کان لگا کر سننے کو تیار نہیں۔ حق گو اور حق پرست حضراتِ علمائے کرام

---

[1] چونکہ اس دور میں عام طور پر خانقاہیں شرعی علوم سے خالی ہو چکی ہیں۔ منتظمین اور سجادگی کی مسندوں پر بیٹھنے والے لوگ علوم شرعیہ سے عام طور پر بے بہرہ ہو چکے ہیں، اس لیے یہ بگاڑ ہمیں نظر آتا ہے۔ جب تک خانقاہوں سے قال اللہ اور قال رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی صدائیں بلند ہوتی رہیں اور علوم دینیہ کے چرچے ہوتے رہے تو خانقاہیں اس بگاڑ سے مکمل دور نظر آیا کرتی تھیں اور وہ روحانیت کا اصل مرکز تھیں۔ یہ بگاڑ اسی وقت دور ہو سکتا ہے جب خانقاہیں اپنی اصل شکل پر لوٹ آئیں یعنی وہاں کے اربابِ انتظام اور سجادگان کے قلوب علوم دینیہ سے لبریز ہوں جیسا کہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی، حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہما وغیرہ کی خانقاہیں اپنے ابتدائی اور بعد کے ادوار میں شریعت و طریقت کا مرکز و منبع تھیں۔ ہمارے ایک بزرگ حضرت شاہ صفدر حسین صاحب صفدر قادری مجددی علیہ الرحمہ متوفی ۱۴۰۳ھ (مرید حضرت قبلۂ عالم مولانا شاہ وزیر محمد خاں صاحب قادری مجددی قدس سرہٗ) نے کیا خوب کہا ہے "خانقاہ و مدرسہ ہے درسگاہ" آپ نے جامع العلوم فرقانیہ کے ایک کمرہ کی تعمیر نو کے سلسلہ میں یہ تاریخ کہی تھی۔ واقعہ یہ ہے کہ مدرسہ اور خانقاہ دونوں حقیقتاً درسگاہیں ہیں جہاں ظاہری اور باطنی تربیت کے ذریعہ مسلمانوں کے قلوب اور نفوس کا تزکیہ کیا جاتا ہے۔ خانقاہوں سے علم شریعت کیوں رخصت ہوا اس کی وجہ صاف ہے کہ بزرگ مشائخ صوفیہ رحمہم اللہ خود علوم شرعیہ کے ماہر و کامل ہوا کرتے تھے، وہ ایک ایک کر کے اس عالم سے رخصت ہو گئے اور ان کے جانشینوں نے علوم شرعیہ کو حاصل نہیں کیا، بس سجادگی کو اصل مقصد سمجھ کر مسندوں پر بیٹھ گئے۔ آج عام طور پر خانقاہوں کا یہی حال ہے۔ یاد کیجیے پہلے زمانہ میں جب حضرات مشائخ عظام کے پاس کوئی مرید ہونے اور جذب و سلوک کی منازل طے کرنے کے لیے آتا تو سب سے پہلے شیخ کا یہ سوال ہوتا کہ تم نے علم شریعت حاصل کیا یا نہیں۔ اگر اس کا جواب یہ ہوتا کہ جی ہاں! تو اسے حلقۂ ارادت میں داخل فرما لیتے اور اگر جواب نفی میں ہوتا تو حکم ہوتا کہ جاؤ پہلے علمائے کرام کی خدمتوں میں حاضر ہو اور علوم شرعیہ حاصل کر کے اس میں کامل ہو۔ بزرگانِ سلف علیہم الرحمۃ کے تذکرے ان واقعات سے پُر ہیں۔ غور فرمائیں۔ جب مرشد علوم شرعیہ میں کامل و اکمل ہوگا تو وہ مرید کی صفائی قلب کے معاملہ میں عمدہ رہنمائی کر سکے گا اور جب مرشد ہی علم سے بے بہرہ ہوگا تو وہ مرید کی اصلاح کیا کرے گا؟ اردو کی چند کتابیں رٹ لینے سے عالم نہیں کہلایا جا سکتا۔ عالم وہی کہلائے جانے کا مستحق ہے جس نے باقاعدہ کامل علمائے کرام کی دیرینہ صحبتوں میں حاضر رہ کر علم حاصل کیا ہو۔ اسی طرح پیری کا لباس زیب تن کر لینے سے حقیقی پیر (شیخ) نہیں ہو سکتا۔ لال پیلے، نیلے ریشمی کرتائی والے لباس اور سروں پر گول ٹوپیاں اور جبہ و دستار تندرست و توانا جسموں پر پہن لینے سے مرشد نہیں کہلایا جا سکتا۔ نہ عبادت، نہ ریاضت، نہ تلاوت قرآن مجید، نہ دیگر اذکار، نہ خوف خدا۔ الحاصل یہ کہ اعمال صالحہ اور اخلاق حسنہ سے دور ایسا انسان شیخ حقیقی قطعاً نہیں ہو سکتا۔

آج کے خانقاہی حضرات اس اہم مسئلہ پر غور فرمائیں اور اپنی اولاد کو دینی علوم سے آراستہ کریں اور انہیں اعمال صالحہ اور اخلاق حسنہ کا عادی بنائیں اور اپنی خانقاہوں سے ان خرافات کو نکالیں۔ اللہ تعالیٰ ہدایت فرمائے آمین۔

اعراس کی محافل میں اپنے خطابات اور تقاریر کے ذریعے منتظمینِ اعراس، نا اہل سجادگان اور ناواقف مسلمانوں کو بہت کچھ سمجھاتے اور بتاتے رہتے ہیں اور دل وجان سے چاہتے ہیں کہ ان لوگوں کی اصلاح ہو لیکن ہنوز ان کے کانوں پر جوں تک نہیں رینگتی اور وہ ایک کان سے سنتے ہیں، دوسرے سے اڑا دیتے ہیں بلکہ اب تو علماءِ برحق کی نصیحتوں کو یہ لوگ برا جانتے ہیں اور ان کی تحقیر اور توہین پر آمادہ نظر آنے لگے ہیں۔ ایسی حالت میں حتی الوسع اس کی کوشش کرنا چاہیئے کہ اپنی اور اپنے ماننے والوں کی صلاح و فلاح پر نظر رکھے اور عوام سے بحث نہ کرے۔

خود بینی و بد بینی اعمال صالحہ کو باطل کر ڈالتی ہے

بعض مدعیانِ اتقا[1] کے دل میں تکبر پیدا ہو جاتا ہے کہ وہ دوسرے بندگانِ خدا کی تحقیر کرتے ہیں اور اپنے کو بلند و بالا جانتے ہیں، یہ خود بینی اور بد بینی انسان کے اعمالِ صالحہ کو باطل کر دیتی ہے اور تقویٰ ریاکاری کی نذر ہو جاتا ہے۔ حضرت شیخ سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان ہے کہ ؎

مرا پیر دانائے روشن شہاب — دو اندرز فرمود بر روئے آب
یکے آنکہ بر خویش خود بیں مباش — دوم آنکہ بر غیر بد بیں مباش

میرے پیر و مرشد حضرت شیخ شہاب الدین عمرؒ سہروردی رحمۃ اللہ علیہ نے پانی کے کنارے پر مجھے دو نصیحتیں

---

[1] آج کے مدعیانِ اتقا غور کریں کہ خود بینی اور بد بینی کے نتائج کیا برآمد ہوتے ہیں۔ انسان جب محض رضائے الٰہی کے واسطے عبادت کرے گا تو اس کے دل میں خوفِ خدا پیدا ہوگا اور جب خوفِ خدا پیدا ہو جائے گا تو اس میں بندگی کے اوصافِ حمیدہ کے جواہر نمایاں ہوں گے۔ کینہ، بغض، حسد اور ریاکاری جیسے تمام صفاتِ رذیلہ سے اس کا قلب صاف ہو جائے گا۔ دراصل تصوف کا یہی منشا ہے کہ انسان کے اندر عجز و انکساری پیدا ہو۔ اس دور میں عام طور پر ایسے لوگ نظر آتے ہیں جو اپنی عبادت کے حلقوں میں چرچے کرتے ہیں اور دوسروں کے خواہ مخواہ عیوب بیان کرتے ہیں، یہ بہت بری صفت ہے، اس سے پرہیز لازم ہے جو دوسروں کے عیوب کی پردہ پوشی کرے گا، اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس کے عیوب کی پردہ پوشی فرمائے گا۔ آج کے بعض اہلِ تصوف میں کبریائی کا مادہ پیدا ہو گیا ہے جو نہایت بری بات ہے۔ اس لیے کہ صفتِ کبریائی صرف باری تعالیٰ ہی کی صفت خاصہ ہے۔ بندہ کو بندۂ خدا بن کر رہنا لازم ہے جو بندہ متکبر ہوتا ہے وہ اللہ کی رحمت اور نظرِ عنایت سے دور ہو جاتا ہے۔ بندہ کا کام تواضع و انکساری ہے۔ خود بینی و بد بینی تکبر کی علامت ہے، اسی کو عارفِ کامل حضرت شیخ سعدی شیرازی علیہ الرحمہ نے اپنے قطعہ میں اپنے جلیل القدر شیخ اور اولوالعزم ولی شیخ الشیوخ سیدنا حضرت شیخ شہاب الدین عمرؒ سہروردی قدس سرہ کی کتنی پیاری نصیحت کا ذکر کیا ہے۔ تصوف تو انسان کے اندر صفاتِ حمیدہ کو چمکاتا اور اسے اعمالِ صالحہ و اخلاقِ حسنہ کا عادی بناتا ہے۔ اس کے اندر تواضع اور عجز و انکساری کی لاجواب شان کو ظاہر کرتا ہے اور یہ چیز بندہ میں اس وقت پیدا ہوتی ہے، جب وہ محض رضائے الٰہی کے واسطے عبادت و ریاضت کرتا ہے اور یکسوئی کے ساتھ اس کی ذاتِ پاک کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔

فرمائیں - ایک یہ کہ اپنے کو اچھا مت سمجھ، دوسری نصیحت یہ کہ غیر کو برا مت سمجھ ——— کیا معلوم کس کا خاتمہ[1] کس حال میں ہو، اور اللہ تعالیٰ کس سے راضی اور کس سے ناراض ہو۔

خاتمہ بالخیر کرمِ خداوندی پر ہی منحصر ہے

بسا اوقات انسانی زندگی صلاح و فلاح میں گذرتی ہے لیکن خاتمہ کے وقت یہ سب دولت چھن جاتی ہے۔ اسی طرح بعض لوگوں کی زندگی برائیوں میں گذرتی ہے لیکن انجام (خاتمہ) کے وقت اللہ تعالیٰ انھیں توبہ کی توفیق مرحمت فرماتا ہے، اور وہ مقبول بارگاہِ الٰہی ہو جاتے ہیں۔

حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ عالی ہے کہ "انسان اچھے کام کرتا ہے اور جنت ایک ہاتھ کے بقدر رہ جاتی ہے، لیکن اخیر میں اس سے کوئی ایسی برائی سرزد ہو جاتی ہے کہ خاتمہ بخیر نہیں ہوتا۔ اور بعض اشخاص برائی کی زندگی گذارتے ہیں اور دوزخ ایک ہاتھ کے بقدر رہ جاتی ہے لیکن اللہ تعالیٰ کا جب کرم ہوتا ہے، تو وہ انسان برائیوں سے باز آکر پاک و صاف ہو جاتا ہے اور جنت کا حقدار ہو جاتا ہے"[2]

اللہ تعالیٰ ہم پر اور جملہ مسلمانوں پر اپنا کرم فرمائے، اور ہمیں صلاح و فلاح کی توفیق عطا فرمائے۔ ہم سب مسلمانوں کا خاتمہ بخیر فرمائے اور جو لغزشیں ہم سے ہوئی ہیں انھیں معاف فرمائے۔ آمین

بعد نمازِ فجر و عصر مُصافحہ

مصافحہ سنتِ مستحبہ ہے، جو سلام کی تکمیل ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دورِ مقدس میں اس کا کوئی وقت مخصوص نہ تھا۔ بلکہ وقتِ ملاقات جس طرح سلام علیک کا سلسلہ جاری تھا، اسی وقت مصافحہ بھی ہوتا تھا۔ لیکن روز بروز اس سنت کی تقلیل ہوتی چلی گئی۔ اس تقلیل کی بنا پر بعض اربابِ علم کو خیال ہوا کہ احیائے سنت کی خاطر بعد نمازِ فجر و عصر مصافحہ

---

[1] حضرت مصلح الامت خطیب اعظم "مصنف" مسلکِ اربابِ حق" اپنی تصنیف "فیوضاتِ وزیریہ صفحہ ۲۱۶ پر خاتمہ بالخیر یعنی خاتمہ بالایمان کے سلسلہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ ہر نماز کے بعد ایک بار سورۃ الحمد اور اس کے بعد یہ دعا پڑھ لینا چاہیے:
اَللّٰھُمَّ یَرْ فَتَحْ لَنَا بِالْخَیْرِ وَاخْتِمْ لَنَا بِالْخَیْرِ وَاجْعَلْ عَوَاقِبَ اُمُوْرِنَا بِالْخَیْرِ بِیَدِكَ الْخَیْرُ۔ اِنَّكَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝ دوسرا طریقہ تحریر فرماتے ہیں کہ "کثرت سے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کا ذکر کرتے رہنا چاہیے۔ تسبیح کے آخری دانہ پر اس کلمہ کو پورا پڑھنا چاہیے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ اگر اس ذکر کی کثرت کرے گا تو وقتِ انتقال بھی یہ کلمہ انشاء اللہ تعالیٰ بے اختیار زبان پر آجائے گا۔ ہر مسلمان کو چاہیے کہ موت کو ہر وقت یاد رکھے۔ اللہ تعالیٰ سے ہر وقت ڈرتا رہے اور خاتمہ بخیر کی آرزو کرتا رہے اور اس کے لیے اللہ جل شانہ وعم نوالہ کے دربارِ عالی میں دعائیں کرتا رہے۔"

[2] ترمذی شریف جلد ۲ - ابواب القدر - باب ماجاء ان الاعمال بالخواتیم - ص ۳۶

کی ترویج کی جائے۔ لیکن دوسرے اربابِ علم نے اس لیے اس کی مخالفت کی کہ تعیینِ وقت مصافحہ کے لیے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور قرونِ خیر سے منقول نہیں۔ لیکن اگر کوئی شخص فجر و عصر کی نمازوں کے بعد انہی اوقات میں سنت نہ سمجھ کر بلکہ یہ عقیدہ رکھتے ہوئے مصافحہ کرے کہ چونکہ شریعت مطہرہ میں اس کے لیے کوئی وقت معین نہیں ہے کسی وقت بھی مصافحہ کیا جاسکتا ہے۔ لہذا اس وقت بھی مصافحہ کیا جاسکتا ہے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔

میرا طریقہ عمل

اس سلسلے میں میرا طریقہ یہ ہے کہ احیائے سنت اس تعیین پر موقوف نہیں۔ اگر اہلِ اسلام کو ترغیب دی جائے کہ وقت ملاقات جس طرح سلام علیک کی سنت ادا کرتے ہیں، سنتِ مصافحہ کو بھی زندہ کریں تو یہ ممکن ہے۔ الغرض اربابِ حق[1] میں ہی دو گروہ ہو گئے اور وہی اب تک چلے آرہے ہیں۔ میرے نزدیک نہ مانعین قابلِ نفرت ہیں اور نہ مجوزین قابلِ حقارت ہیں۔ میرا اپنا ذاتی عمل اور رامپور کا عام دستور ترکِ مصافحہ بعد فجر و عصر ہے۔ اگر کسی مقام پر کوئی شخص مجھ سے مصافحہ کرتا ہے تو میں اسے حقیر نہیں سمجھتا اور نہ مصافحہ سے دست کشی کرتا ہوں۔ لیکن بعض لوگ اس مسئلہ کو بھی معیارِ سنت اور علامتِ وہابیت قرار دیتے ہیں، حالانکہ اس مسئلہ کو اس سے کوئی تعلق نہیں۔ فقہ حنفی میں اجازت و ممانعت دونوں موجود ہیں۔

---

[1] اس سلسلہ میں ہم محدثینِ کرام اور فقہائے عظام رحمۃ اللہ علیہم کے اقوال پیش کرتے ہیں۔

محدثینِ کرامؒ کا قول صاحبِ "مرقاۃ المفاتیح"، علامہ علی بن سلطان محمد القاری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

"امام نووی علیہ الرحمہ کا یہ قول ہے کہ ہر ملاقات کے وقت مصافحہ سنت مستحبہ ہے اور فجر و عصر کی نمازوں کے بعد جو لوگوں نے اس کی عادت بنائی ہے، اس کی شریعتِ مطہرہ میں اس شکل پر کوئی اصل نہیں ہے۔ لیکن اس میں کوئی حرج بھی نہیں ہے۔ کیونکہ اصل مصافحہ سنت ہے اور لوگوں کا بعض حالات میں اس سنت کی محافظت کرنے والا ہونا اور اکثر حالات میں اس میں کوتاہی اختیار کرنے والا ہونا، اس کو اس مصافحہ میں داخل ہونے سے کہ جس کی اصل کے ساتھ شریعت وارد ہوئی ہے، خارج نہیں کرتا ہے اور یہ (جس کی لوگوں نے فجر و عصر کے بعد عادت ڈالی ہے) بدعت مباح ہے۔ اس کے بعد صاحب مرقاۃ" خود یہ فرماتے ہیں کہ امام نووی علیہ الرحمہ کے کلام میں ایک قسم کا اختلاف پایا جاتا ہے، کیونکہ بعض اوقات میں کسی سنت کو ادا کرنا، اس کا نام علیٰ وجہ الاستحباب نہ ہو، ویسے مشروع مصافحہ کا محل اوّل ملاقات ہے کبھی ایک جماعت آپس میں ایک دوسرے سے ملاقات کرتی ہے اور مصافحہ نہیں کرتی آپس میں وہ گفتگو کرتے رہتے ہیں، علمی مذاکرے میں مصروف رہتے ہیں اور اس میں کافی وقت گزر جاتا ہے، پھر جب وہ نماز

(باقی اگلے صفحہ پر)

ذوق وشوق میں یارسولَ اللہ کہنا اللہ تعالیٰ کی طرح کسی دوسرے کو ہر مقام پر ہر وقت حاضر وناظر سمجھنا شرک ہے۔ اس حیثیت سے اگر خدانخواستہ کوئی مسلمان یَارَسُوْلَ اللہ کہے گا تو وہ مشرک ہوجائے گا۔

ندائے یارسول اللہ کا پڑھنا علمائے صالحین کے نزدیک صحیح ہے البتہ بعض اوقات روحانی توجہات کا ہونا یا ملائک (فرشتوں) کا دربارِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں یَارَسُوْلَ اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے کلمہ کو پہنچا دینا ناممکن نہیں بلکہ

(بقیہ حاشیہ) پڑھتے ہیں تو مصافحہ کرتے ہیں تو یہ چیز سنت مشروعہ میں کیسے داخل ہو جائے گی؟ اسی وجہ سے ہمارے بعض علماء نے ایسی حالت میں اُسے مکروہ قرار دیا ہے اور کہا ہے کہ یہ بدعتِ مذمومہ ہے۔ ہاں اگر کوئی شخص مسجد میں داخل ہوا اور لوگ نماز پڑھ رہے تھے یا نماز شروع کرنے کا ارادہ کر رہے تھے تو ایسی صورت میں نماز سے فراغت کے بعد اگر کوئی شخص کسی سے مصافحہ کرے اس شرط کے ساتھ کہ پہلے سلام علیک کرے پھر مصافحہ کرے تو یہ عمل بلاشبہ مسنون مصافحہ کے اندر داخل ہوگا۔ ان تمام باتوں کے باوجود اگر کوئی مسلمان آدمی مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھائے تو اس سے اعراض کرنا اپنا ہاتھ کھینچ کر یہ درست نہیں ہے، کیونکہ اس کے اندر ایذا رسانی ہے جس کی رعایت آداب کی رعایت پر غالب ہے۔"

(مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح۔ جزء رابع۔ باب المصافحۃ والمعانقۃ۔ ص ۵، ۴۔ ۵۷)

فقہائے عظامؒ کا قول مشہور حنفی عالم ومحقق وفقیہ علامہ ابن عابدین شامی علیہ الرحمہ اپنی شہرۂ آفاق کتاب "شامی" میں فرماتے ہیں کہ: ——— "شیخ ابوالحسن البکری علیہ الرحمہ نے فرمایا ہے کہ بعد نماز فجر وعصر ہمارے زمانہ میں مصافحہ کی عادت تھی، ورنہ تمام نمازوں کے بعد درست ہے، کیونکہ شریعتِ مطہرہ میں مصافحہ کے لیے کوئی وقتِ خاص معین نہیں کیا گیا ہے۔ اور "شامی" نے "الملتقط" کے حوالہ سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ نماز کے بعد مصافحہ کرنا ہر حال میں مکروہ ہے، کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نماز کے بعد مصافحہ نہیں کیا ہے، اس لیے کہ یہ روافض کا طریقہ ہے ——— شوافع میں سے علامہ ابن حجر علیہ الرحمہ سے منقول ہے کہ یہ بدعتِ مکروہہ ہے، شریعت میں اس کی کوئی اصل نہیں ہے ——— مالکیہ میں علامہ ابن الحاج علیہ الرحمہ نے یہ کہا ہے کہ یہ بدعات میں سے ہے، شریعتِ مطہرہ میں مصافحہ کا مقام صرف وقت ملاقات ہے، نہ کہ نمازوں کے بعد۔"

(شامی، جلد خامس۔ ص ۳۳۵)

علماء رام پور کا اس مسئلہ میں بھی بڑا معتدلانہ طریقہ رہا ہے کہ اگر کوئی شخص بعد نماز فجر اور بعد نماز عصر مصافحہ کرتا تو وہ بھی مصافحہ کر لیتے تھے، کیونکہ یہ سب فروعات ہیں۔ فروعی مسائل میں وہ نزاع کو کبھی پسند نہیں کرتے تھے۔ وہی مبارک طریقہ حضرت مصلح الامت خطیب اعظم قدس سرہٗ کا بھی تھا۔

تجربات اور واقعات تاریخی اس امر پر شاہد ہیں کہ عادت کے خلاف اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی آواز دور و دراز مقامات پر پہنچا دی ہے۔

خلیفہ ثانی امیر المؤمنین حضرت سیدنا فاروق اعظم عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جمعہ کے روز خطبہ پڑھنے کی حالت میں حضرت ساریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آواز دی ہے یا ساریۃ الجبل[1] جبکہ حضرت ساریہ رضی اللہ عنہ نہاوند میں جہاد میں مصروف تھے، اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے وہ آواز نہاوند تک پہنچی ہے —— ہندوستان میں کافروں کی طرف سے پہنچنے والی تکالیف سے تنگ آکر مسلمان عورتوں نے یا حجاج[2] پکار کر آواز دی ہے اور اللہ تعالیٰ کے کرم سے وہ آواز عراق تک پہنچی ہے۔

یہ ظاہری اسباب کے خلاف ہے لیکن اللہ کی قدرت کے خلاف نہیں

یہ چیزیں اسبابِ ظاہرہ کے خلاف معلوم ہوتی ہیں۔ اب اسباب نے اس قدر ترقی کرلی ہے کہ ریڈیو، ٹیلی فون، وائرلیس اور ٹیلی ویژن کی آواز ہزاروں میل تک پہنچتی ہے۔ اِن امور کا لحاظ کرتے ہوئے مُسلم عاشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز کا مدینہ منورہ میں سرورِ کائنات رحمۃٌ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے دربارِ عالی تک پہنچنا اور پروردگارِ عالم جل شانہٗ وعم نوالہٗ کا ملائکہ کے ذریعہ اس آواز کا پہنچانا کون ناممکن کہہ سکتا ہے؟ علاوہ اس کے محبت اور ذوق وشوق میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا تصورِ مبارک اور حضورِ قلبی یَا رَسُوْلَ اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم کہنے کے لیے کافی ہے۔ آواز کا پہنچنا یا پہنچانا اور جواب کا حاصل کرنا کسی کو مقصود ہی نہیں ہوتا۔

علمی اُصول نے خطاب کے لیے مُخاطَب کا حاضر ہونا ضروری قرار نہیں دیا

انسان اس قسم کی آواز حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ اپنی مرغوب چیزوں کو دیتا ہے اور لکھا پڑھا اس پر معترض نہیں ہوتا۔ علمی اصول نے خطاب کے لیے مُخاطَب کا سامنے ہونا ضروری قرار نہیں دیا۔ نیز بڑے بڑے خاصانِ خدا و مقربانِ بارگاہِ الٰہی اور محتاط محدثینِ کرام وعلمائے صالحین رحمۃ اللہ علیہم کے اشعار اور عبارتوں میں یَا رَسُوْلَ اللّٰہ یا اس کے مثل الفاظ کا استعمال بکثرت پایا جاتا ہے، لہٰذا اس ندائے حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں کوئی مضائقہ نہیں۔

---

[1] مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح جلد ۵۔ باب الکرامات۔ ص ۴۹۰

[2] تاریخ اسلام حصہ دوم بنی امیہ۔ مرتب شاہ معین الدین نے صفحہ ۱۳۹ پر "فتوح البلدان" اور چچ نامہ نسخہ قلمی دار المصنفین کے حوالہ سے اس واقعہ کو تفصیل سے نقل کیا ہے۔ ان کی عبارت میں "حجاج المدد" کے الفاظ مذکور ہیں۔ یہ واقعہ مستند تاریخی حوالوں سے بہت سے مورخین نے نقل کیا ہے۔

عیدکے دن مُعانقہ کرنا

سفر سے واپسی کے وقت معانقہ کرنا مسنون ہے، اس لیے کہ وہ وقتِ مسرت ہے۔ حضراتِ علماءِ برحق رحمۃ اللہ علیہم نے اوقاتِ مسرت میں معانقہ کرنا مباح قرار دیا ہے۔ حضرت مولانا ارشاد حسین صاحب مجددیؒ[1] رام پور کے مشہور عالم اور فقیہ تھے، انھوں نے اپنے فتاوٰیؔ[2] میں اس کی اجازت دی ہے۔

میرے نزدیک بھی اس میں کوئی مضائقہ نہیں، البتہ عید کے روز معانقہ کرنے کو سنّتِ ضروریہ سمجھنا یا جو شخص نہ کرے اس سے جھگڑا کرنا اور اسے حقیر نظروں سے دیکھنا نادانی ہے۔ ترمذی شریف میں حدیث مبارک ہے کہ :

---

[1] مولانا ارشاد حسین صاحب مجددیؒ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی سرہندی قدس سرہٗ کی اولاد میں سے تھے۔ حضرت مولانا نصیر الدین خاں صاحب رام پوریؒ (برادر اصغر حضرت شاہ سلطان امام الدین خاں غالب جہاں قدس سرہٗ) اور علامہ محمد نواب صاحبؒ وغیرہ جید علماء وفضلا کے شاگرد تھے۔ حضرت شاہ احمد سعید صاحب نقشبندی مجددیؒ سے بیعت اور ان کے خلیفہ تھے۔ رام پور کے علماء اہلِ سنّت کے معتدلانہ مسلک کے سالار تھے۔ مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلویؒ آپ سے نہایت عقیدت رکھتے تھے اور اپنے فتاویٰ آپ کی خدمت میں بھیج کر اس کی تصدیق کے طالب ہوا کرتے تھے۔ آپ کے فتاویٰ جو فتاویٰ ارشادیہ کے نام سے بہت پہلے طبع ہو چکے ہیں، جس میں دیوبندی بریلوی علماء کے بعض نظریات (جو بعض مسائل میں جمہور اہلِ سنت کے متفق علیہ موقف سے مختلف ہیں) کا عمدہ رد موجود ہے۔ "فتاویٰ ارشادیہ" میں دیوبندی علماء کی بعض انتہا پسندانہ عبارتوں کا مدلل رد خوب عمدہ پیرائے میں آپ نے فرمایا ہے۔ لیکن علماء دیوبند کی تکفیر کے آپ اور آپ کے تلامذہ اور علماءِ رام پور کی بہت بڑی اکثریت قطعاً قائل نہیں۔ "فتاویٰ ارشادیہ" جلد ۱۔ ص ۶۱ (الیکٹرک ابوالعلائی پریس آگرہ۔ ۱۹۲۸ء) پر ایک فتوے کا مدلل جواب مذکور ہے جو سائل نے آپ سے کیا تھا۔ واضح طور پر دلالت کر رہا ہے کہ آپ نے کسی دیوبندی مولوی کی تکفیر نہیں کی۔ ملاحظہ فرمائیں۔ یہ الزام کہ مولانا مجدّدیؒ اور دوسرے علماء تکفیر کے قائل تھے، سوائے دروغ گوئی کے اور کچھ نہیں۔ علماءِ رام پور کا موقف انتہائی واضح اور روشن ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ علماءِ رام پور جو سب سے علم میں بلند، ذی استعداد تھے اور انہی کے بعض بریلوی اور دیوبندی علماء شاگرد بھی رہے ہوں، وہ ان میں سے کسی کی پیروی یا کورانہ تقلید کریں؟ یہ صرف گمراہ کن پروپیگنڈہ اور جھوٹ ہی جھوٹ ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ بریلوی اور دیوبندی علماء نے تو بعض مسائل میں علماءِ رام پورؒ کی پیروی کی ہے اور ان کی علمی و روحانی فضیلت کو تسلیم کیا ہے جو ثابت ہے۔

[2] معانقہ عیدین کہ بنا برزیادہ محبت و تودد مسلمانان آنرا رواج دادہ اند جائز و مباح است وسند جوازش قول عامہ فقہاء است قال فی التاتارخانیۃ "ناقلاً عن المنظومۃ ولیس بالعناق والتقبیل باس۔
فتاویٰ ارشادیہ جلد ۱ ص ۷۲ مطبوعہ ۱۹۲۸ء

"سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ حضرت ابوالہثیم انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے باغ میں تشریف لے گئے اور اس وقت وہ باغ میں موجود نہ تھے، اُن کی بیوی نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) وہ ہمارے لیے میٹھا پانی لینے گئے ہیں، اسی اثنا میں حضرت ابوالہثیم انصاری رضی اللہ عنہ آگئے اور خوش ہو کر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مَرحَبا کہا اور وہ آقائے دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم سے چمٹ گئے"۔ [1]

لہٰذا مسرت و شادمانی کے وقت معانقہ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

بزرگوں کے مزارات پر روشنی کرنا

اگر کوئی شخص مزار پر اس غرض سے چراغ جلائے یا روشنی کرے کہ اس سے میت کو نفع پہنچے گا تو یہ بدعتِ سیئہ اور باعثِ لعنت و ملامت ہے اور اس کے متعلق حدیث شریف میں سخت وعید ہے —— ہاں البتہ ضرورتِ دفن یا زائرین کی سہولت کے لیے روشنی کی جائے تو یہ سب کے نزدیک جائز ہے۔ اور اس کی حدیث شریف سے اجازت ظاہر ہوتی ہے۔ احترام کے واسطے اگرچہ اختلافی مسئلہ ہے مگر ہمارے نزدیک کوئی مضائقہ کی بات نہیں [2] ——

---

[1] ترمذی شریف جلد ۲۔ ابواب الزہد۔ باب ماجاء فی معیشۃ اصحاب النبی ص ۵۹

[2] ہم مشہور فقیہ وقت امام العصر علامہ الشیخ عبدالقادر الرافعیؒ کی مستند کتاب "التحریر المختار لرد المحتار" کی عبارت نقل کر رہے ہیں جس سے مزارات پر روشنی کرنے کا جواز ثابت ہے۔ علامہ الشیخ عبدالقادر الرافعیؒ بڑے بلند پایہ عالم فقیہ اور محقق تھے حنفی العقیدہ تھے۔ عالمِ اسلام کے جمہور علماء جن میں احناف، شوافع، موالک اور حنابلہ شامل ہیں، سب آپ کی علمی و تحقیقی بصیرت کے معترف رہے ہیں۔

(قولہ وقیل لایکرہ البناء اذا کان المیت الخ) فی روح البیان عند قولہ تعالیٰ اِنَّمَا یَعۡمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰہِ مَنۡ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَالۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوۃَ وَاٰتَی الزَّکٰوۃَ وَلَمۡ یَخۡشَ اِلَّا اللّٰہَ فَعَسٰۤی اُولٰٓئِکَ اَنۡ یَّکُوۡنُوۡا مِنَ الۡمُہۡتَدِیۡنَ من سورۃ التوبۃ مانصہ قال الشیخ عبدالغنی النابلسی فی کشف النور عن اصحاب القبور ما خلاصتہ ان البدعۃ حسنۃ الموافقۃ لمقصود الشرع تسمی سنۃ فبناء القباب علی قبور العلماء والاولیاء والصلحاء ووضع الستور والعمائم والثیاب علی قبورہم امر جائز اذا کان القصد بذالک التعظیم فی اعین العامۃ حتی لایحتقروا صاحب ہذا القبر وکذا ایقاد القنادیل والشمع عند قبور الاولیاء والصلحاء من باب التعظیم والاجلال ایضا للاولیاء فالمقصد فیہا مقصد حسن ونذر الزیت والشمع للاولیاء یوقد عند قبورہم تعظیما لہم ومحبۃ فیہم جائز ایضا لاینبغی النہی عنہ۔

جزء اول ص ۱۲۳ مطلب فی بناء القباب علی قبور العلماء والاولیاء الخ

بالمطبعۃ الکبریٰ الامیریہ بولاق مصر المحمیہ۔ مطبوعہ ۱۳۲۳ھ

جس طرح مساجد کے گنبد اور مینار ظاہری طور پر تو غیر ضروری چیزیں ہیں لیکن معابدِ مسلمین کی شوکت کا اس سے اظہار ہوتا ہے۔ اس لیے عام طور پر ہند اور بیرونِ ہند اس کا رواج ہے اور علماءِ کرام عام طور پر اس پر متفق ہیں، اسی طرح بزرگانِ دین کے مزارات پر اگر شوکت ظاہر کی جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

چادروں سے قبورِ اولیاء کا مزین کرنا

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور دورِ صحابہ رضی اللہ عنہم میں قبور پر چادریں ڈالنا ثابت نہیں، اس لیے بعض علماءِ اس زمانہ میں اس کو بدعت اور بے کار کہتے ہیں۔

لیکن میرے نزدیک چادر اور روشنی کا ایک ہی حکم ہے۔ ہر زمانہ میں اظہارِ شوکت کا طریقہ جدا ہوتا ہے۔ اینٹ پتھر پر کپڑے ڈالنا بظاہر بے سود کام ہے۔ اور ایک حدیث پاک میں بھی دیواروں کو کپڑوں سے مزین کرنے کو ناپسند فرمایا گیا ہے —— لیکن کعبۂ مکرمہ کے بے جان پتھروں پر پردہ حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے دورِ مقدس سے لے کر اب تک ڈالا جاتا ہے اور کسی عالم کو اس میں اختلاف نہیں معلوم ہوا کہ دیواروں پر اظہارِ شوکت و قیامِ وقعت کے لیے یہ چیز کی جا سکتی ہے۔ تمدن کی ترقی سے امور میں تغیرو تبدل ہو سکتا ہے، بشرطیکہ اس کے لیے شریعتِ مطہرہ میں کچھ اصول موجود ہوں۔ اسی لیے حضراتِ علماءِ حنفیہ علیہم الرحمہ نے چادرِ قبور کی اجازت دی ہے[1] —— لیکن یہ پیشِ نظر رہے کہ چادریں ڈالنے سے صاحب مزار کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا۔ لہٰذا یہ عقیدہ رکھنا کہ چادریں ڈالنے سے صاحبِ مزار کو فائدہ پہنچے گا، بدعت اور ناجائز ہے۔

قبروں کا پامال کرنا اور اس پر ٹیکی لگا کر بیٹھنا یا قبروں کے پاس نجاست پھیلانا تو حضور خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے دورِ مقدس ہی سے ناجائز ہے —— مگر دنیا اور دین کی ترقی کے بعد خاصانِ خدا و مقربانِ بارگاہِ الٰہی کی قبور کو امتیاز حاصل ہونا چاہیے، تاکہ احترامِ قبور میں کمی واقع نہ ہو۔ اسی وجہ سے مزارات پر چادریں ڈالی جاتی ہیں، جن کا ڈالنا جائز ہے۔

---

[1] حضراتِ علماءِ حنفیہ علیہم الرحمۃ والرضوان کے جواز کا قول شامی میں ہے۔ ملاحظہ ہو:

کرہ بعض الفقہاء وضع الستور والعمائم والثیاب علی قبور الصالحین والاولیاء قال فی فتاوی الحجۃ وتکرہ الستور علی القبور الی آخرہ ولکن نحن نقول الآن اذا قصد بہ التعظیم فی عیون العامۃ حتی لا یحتقروا صاحب القبر ولجلب الخشوع والادب للغافلین الزائرین فہو جائز۔ لان الاعمال بالنیات وان کان بدعۃً فہو کقولہم بعد طواف الوداع یرجع القہقری حتی یخرج من المسجد اجلالا للبیت حتی قال فی "منہاج السالکین" انہ لیس فیہ سنت مرویۃ ولا اثر محکی وقد فعلہ اصحابنا الخ کذا فی "کشف النور" عن اصحاب القبور للاستاذ عبد الغنی النابلسی قدس سرہ

شامی جلد ۵ - کتاب الحظر والاباحۃ ص ۳۱۹

قبروں پر پھولوں کا ڈالنا

حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم دو قبروں کی طرف سے گذرے فرمایا: اے صحابہ! یہ دونوں عذاب میں مبتلا ہیں۔ کسی اہم گناہ میں مبتلا نہیں تھے کہ جس سے بچنا دشوار ہو، مگر وہ احتیاط نہیں کرتے تھے۔ ان میں سے ایک چغل خوری کیا کرتا تھا، اور دوسرا پیشاب کرنے کے بعد طہارت کا خیال نہیں رکھتا تھا۔ حضور اقدس سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ٹہنی لی جو تروتازہ تھی اور اس کو درمیان میں سے چیرا، ایک ٹکڑا ایک قبر پر اور دوسرا دوسری قبر پر نصب فرما دیا۔ اور ارشاد فرمایا کہ جب تک یہ تروتازہ رہیں گی، عذاب میں تخفیف ہوتی رہے گی۔ اس سے فقہائے عظام ؒ نے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ ہرے پتّے یا تروتازہ پھول قبروں پر ڈالے جائیں تو اس میں کوئی حرج کی بات نہیں، یہ عمل جائز ہے[۱]

۱۔ بخاری شریف جلد ۱۔ کتاب الوضوء ۔ باب من الکبائر ان لایستتر من بولہ ص ۳۴ پر حدیث مبارک ہے:

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ یا مکہ کے باغات میں سے کسی باغ میں گذرے پس دو آدمیوں کی آواز سنی جن کو قبور میں عذاب ہو رہا تھا۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے صحابہ! یہ دونوں عذاب میں مبتلا ہیں اور وہ کسی بڑے گناہ کی وجہ سے عذاب میں مبتلا نہیں ہیں (جس سے بچنا دشوار ہو مگر وہ احتیاط نہیں کرتے تھے) پھر فرمایا: ہاں ان میں سے ایک اپنے پیشاب سے نہیں بچتا تھا (یعنی پیشاب کرنے کے بعد طہارت کا خیال نہیں رکھتا تھا) اور دوسرا چغلخوری کیا کرتا تھا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ٹہنی لی جو تروتازہ تھی اور اس کو بیچ میں سے چیرا، ایک ٹکڑا ایک قبر پر دوسرا ٹکڑا دوسری قبر پر نصب فرما دیا۔ پس کہا گیا یا رسول اللہ یہ آپ نے کیوں کیا۔ فرمایا:[۲]

عن عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنھما قال مرّ النبی صلی اللہ علیہ وسلم بحائطٍ من حیطان المدینۃ او مکۃ فسمع صوت انسانین یعذبان فی قبورھما فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم یعذبان وما یعذبان فی کبیرٍ ثم قال بلیٰ کان احدھما لا یستتر من بولہ وکان الاٰخر یمشی بالنمیمۃ ثم دعا بجریدۃٍ فکسرھا کسرتین فوضع علیٰ کل قبرٍ منھما کسرۃً فقیل لہٗ یا رسول اللہ لم فعلت ھذا قال لعلّہٗ ان یخفّف عنھما ما لم تیبسا

۲ جب تک یہ تروتازہ رہیں گی، ان دونوں کے عذاب میں تخفیف ہوتی رہے گی۔

(باقی اگلے صفحہ پر)

پختہ قبور بنانا

حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ قبروں کو چونے سے نہ بنایا جائے۔ اسی بنا پر بعض علماء مطلقاً قبور کو پختہ کرنا ممنوع قرار دیتے ہیں۔

میرے نزدیک عام مسلمانوں کی قبریں کچی ہی رہنا چاہئیں۔ لیکن علماء کرام، ساداتِ عظام اور مشائخ

(بقیہ حاشیہ) فیض الباری علی صحیح البخاری الجزء الاول۔ کتاب الوضوء۔ باب من الکبائر ان لا یستتر الخ صفحہ ۳۱۰ پر لکھا ہے۔ عبارت کا مختصراً خلاصہ پیش خدمت ہے:

"اس سلسلہ میں مختلف اقوال ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ صاحب قبر کو تخفیفِ عذاب کا فائدہ دینے والی چیز تسبیح جریدہ ہے جب تک وہ خشک نہ ہو۔ دوسرا قول یہ ہے کہ حضور آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک کی برکت کا اثر تھا۔ یہ بھی صراحت ہے کہ ان دونوں قبروں والوں کے لیے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے حضور میں شفاعت کی تھی۔ پھر اس میں بھی اختلاف ہوا ہے کہ یہ دو واقعے ہیں یا ایک ہی قصہ ہے۔ حافظ رحمۃ اللہ تعالیٰ (علامہ حافظ ابن حجر عسقلانی رح) اس طرف گئے ہیں کہ یہ الگ الگ دو واقعے ہیں اور اس واقعہ میں دو مسلمانوں کی قبریں ہیں جو مدینہ منورہ کے اندر ہیں۔ اور مسلم شریف کے آخر میں اسی طرح کی حدیث دو کافروں کے قصہ کی ہے جو ایک سفر میں پیش آیا اور انھوں نے کافر سے عدمِ نجات کے باوجود عذاب کی تخفیف کو لازمی قرار دیا ہے۔ مگر علامہ شیخ بدر عینی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے دونوں قصوں کو ایک ہی بتایا ہے۔"

اس واقعہ سے یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ تر و تازہ چیز قبروں پر ڈالنا صاحبِ قبر کے لیے فائدہ مند ہے۔ اگر مسلمان ہے لیکن خطا کار تو اس کے عذاب میں تخفیف کا سبب وہ تر و تازہ چیز بن جاتی ہے جب تک وہ تر و تازہ رہے گی اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرتی رہے گی اور عذاب میں صاحبِ قبر کے لیے مفید۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ ہری تازہ شاخ یا صاف ستھری گھاس یا پھول قبروں پر لگائے یا ڈالے جائیں تو یہ عمل بلاشبہ جائز ہے۔ اب مسلمانوں کو یہ چاہیئے کہ وہ قبرستانوں میں اپنے عزیز و اقارب اور دوسرے مسلمان بھائیوں کی قبور پر روزانہ جائیں یا کبھی کبھی جائیں تو ان کی ارواح کو ایصال ثواب بھی کریں اور فاتحہ خوانی بھی اور ساتھ ساتھ تر و تازہ پھول وغیرہ ضرور ڈال دیا کریں اور پرانے سوکھے ہوئے پھولوں وغیرہ کو ہٹا دیا کریں۔ ہمارے اس عمل سے صاحبِ قبور مسلمین کی ارواح مسرور ہوں گی اور انھیں فائدہ پہنچائیں گی۔

بعض متوہب الخیال عناصر اس بات کو غلط کہتے ہیں کہ اولیاء کرام، صلحاء، علماء اور دوسرے بزرگانِ دین علیہم الرحمہ کی قبور پر پھولوں کا ڈالنا ہماری سمجھ میں نہیں آتا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ شریعت مطہرہ میں قاعدہ کلیہ موجود ہے۔ جب عام مسلمانوں کی قبور پر تر و تازہ چیز ڈالی جا سکتی ہے جس کے ذریعے انھیں فائدہ پہنچے تو یقیناً مقربانِ بارگاہِ الٰہی کے واسطے اور خود ہمارے لیے یہ وہ انتہائی مفید و کار آمد ہے۔ کیوں؟ اس لیے کہ جیسے جیسے حالات و کیفیات اور ان کے مراتب ہوتے ہیں ویسے ویسے وہ

(باقی اگلے صفحہ پر)

ذوی الاحترام کی قبور کو پختہ کرنے کی اجازت فقہ حنفی میں ملتی ہے ــــــ "علامہ ابن عابدین شامیؒ نے بھی شرح دُرِّ مختار میں حنفیہ کا قول نقل فرمایا ہے کہ علماء کرام، ساداتِ عظام اور مشائخ ذوی الاحترام کی قبور کو پختہ کرنا بعض علماء کرامؒ کے نزدیک جائز ہے"[1] ــــــ لیکن یہ پختگی صرف باہر کے حصہ پر ہی ہونا چاہیے۔ قبر کا وہ حصہ جہاں میت کو رکھا

(بقیہ حاشیہ) تروتازہ چیز فائدہ مند ہوتی ہے۔ اولیاء کرام اور دوسرے مقربانِ بارگاہِ الٰہی کے مزارات پر پھول اس لیے ڈالے جاتے ہیں کہ ہمارے عمل سے ان کی ارواحِ طیبہ مسرور ہوں اور ان پر اللہ تعالیٰ کی رحمتوں اور نعمتوں میں مزید اضافہ ہو اور ان کی پاک ارواح ہماری طرف متوجہ ہوں اور ہم فیضیاب ہوں۔ خاصانِ حق کی توجہاتِ عالیہ بڑی مؤثر ہوتی ہیں۔ عام مسلمانوں کی قبور پر تروتازہ پھول ڈالنے اور حضراتِ خاصانِ خدا و مقربانِ بارگاہِ الٰہی کے مزارات پر پھول وغیرہ ڈالنے میں بس یہی فرق ہے۔ جو سب جگہ بلاشبہ جائز و مستحسن ہے۔ ــــــ یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر وہ دو کافروں کی قبور تھیں تو کافروں کی نجات تو کبھی ممکن ہی نہیں، تو پھر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی قبور پر تر شاخ لگائی تو کیوں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا خاصہ تھا کہ آپ نے اپنے چچا ابوطالب جو مسلمان نہیں تھے لیکن آپ کے بڑے ہمدرد، رفیق تھے۔ آپ نے انھیں بھی بہت کچھ فائدہ پہنچایا۔ صحاح میں حدیث مبارک موجود ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ میرے چچا جہنم کے نچلے طبقہ میں تھے، مگر چونکہ انھوں نے اسلام قبول نہیں کیا تھا اس لیے آخرت کے عذاب میں مبتلا تو ہیں، مگر میں نے انھیں جہنم کے نچلے طبقہ سے نکال کر اوپر کر دیا ہے۔ اب وہ سب سے کم عذاب میں مبتلا ہیں۔ آگ کے دو جوتے ان کے پاؤں میں ہیں جس سے ان کا دماغ ہانڈی کی طرح کھول رہا ہے (العیاذ باللہ) جب حضور انور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہمدرد رفیق غیر مسلم چچا کو فائدہ پہنچا سکتے ہیں تو اور کسی کافر کو باوجود عدم نجات کے اس کے عذاب میں کیوں تخفیف نہیں کرا سکتے۔ یقیناً کرا سکتے ہیں۔ یہ چیز احادیث سے ثابت ہے لیکن یہ پیشِ نظر رہے کہ یہ حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی خصوصیت تھی، ہماری آپ کی یا اور کسی مسلمان کی قطعاً یہ شان نہیں کہ ہم کسی کافر کے عذاب میں تخفیف کرا سکیں۔ لہٰذا آج کے مسلمان کفار و مشرکین کی قبور اور سمادھیوں پر جاکر دنیاداری اور نفسانی اغراض کیلئے جو شرعی عمل کرتے ہیں، وہ انتہائی غلط طریقہ ہے۔ اس لیے کہ اس چیز کی شریعت مطہرہ میں سخت ممانعت ہے۔ بلکہ جو مسلمان کفار و مشرکین کی سمادھیوں پر جاکر ایسے عمل کے مرتکب ہوں گے تو وہ عمل ان کے لیے الٹا وبالِ جان ہی بنے گا۔ مسلمانوں کو اس فعلِ قبیح سے سخت پرہیز لازم ہے۔ مسلمانوں کے بے شمار قبرستان ویران پڑے ہوئے ہیں اور ان کی قبور پر ایصالِ ثواب و فاتحہ خوانی کرنے والا کوئی نہیں۔ ضرورت تو اس بات کی ہے کہ مسلمان ان مسلمین کی قبور پر پہنچتے اور ان کے لیے دعا کرتے اور اپنے عمل سے انھیں فائدہ پہنچاتے، وہاں تو جاتے نہیں لیکن بعض مسلمان راج دربار کے بلاوے پر بغیر کسی اکراہ کے انتم سنسکار کے موقع پر سمادھیوں پر تلاوت قرآن مجید کرتے ہیں جس کی شریعت میں کوئی اجازت ہے نہ گنجائش۔ ہدایت و خوف زندوں پر ہے، مُردوں پر نہیں۔ بے شک مسلمان اپنے مسلم بھائیوں کی قبور پر جائیں اور ان کے لیے فاتحہ خوانی کریں۔

[1] شامی جلد ۱۔ کتاب الجنائز ص ۸۳۹

جاتا ہے، خام (کچا) ہی ہونا چاہیئے۔ قبر کے اندرونی حصہ کو پختہ کرنا جائز نہیں۔ بعض ناواقف اس کو بھی پختہ بنا دیتے ہیں، اُن کا یہ عمل ہرگز درست نہیں بلکہ انتہائی غلط ہے۔

قبور پر عمارات بنانا

قبور اگر مقبرہ موقوفہ میں ہوں تو اُن کو کھود کر اپنی ضرورت کے لیے عمارات تعمیر کرنا جائز نہیں۔ اگر کسی کی مملوکہ زمین میں قبریں ہوں تو ان پر عمارت تعمیر کرنا اس وقت جائز ہے کہ میت بالکل ختم ہو جائے، ایسی حالت میں عمارات بنانا، کھیتی کرنا، باغ لگانا ایک ہی حکم رکھتا ہے یعنی موقوفہ زمین میں یہ امور ناجائز ہیں اور مملوکہ زمین میں بشرطِ مذکور جائز ہیں۔ عام قبور کے چاروں طرف عمارت بنانا خواہ وہ مملوکہ زمین ہی کیوں نہ ہو، بے سود ہے۔ البتہ وہ اولیاءِ کرام جن کی ذواتِ مقدسہ سے فیوض و برکات حاصل کرنے کے لیے خلائق آتی ہے اور گرمی سردی اور برسات میں مزار کے اِردگرد اُن کو بیٹھنے کی ضرورت ہوتی ہے، وہاں عمارت بنوانا اختلافی مسئلہ ہے۔

میرے نزدیک زائرین کی سہولت کے لیے مزار کے اردگرد عمارت بنانے میں کوئی حرج نہیں۔ اس لیے کہ اس سے زائرین کو فائدہ حاصل ہوگا تاکہ وہ اطمینان کے ساتھ بیٹھ کر تلاوتِ قرآن عظیم اور ذکر و اذکار و اشغال کر سکیں۔

زیارتِ قبور کا طریقہ

بعض حضرات کی ولایت و بزرگی تواتر سے ثابت ہے۔ ان کے مزاراتِ مقدسہ پر اُن کو بزرگ سمجھ کر جانا چاہیئے یا پھر اپنے طور پر یقین ہو کہ یہ بزرگ ہی کا مزار ہے۔ اگرچہ اس کا تعارف نہ ہو، وہاں بھی بزرگ و محترم سمجھ کر جانا چاہیے۔ باقی قبروں پر عام مسلمین کی قبور کی طرح جانا چاہیے۔ ظاہری رونق و زینت اور زیبائش کا اعتبار نہیں۔ بعض لوگ بلا ثبوت اور بغیر علم جیتی پتی قبر کو بزرگ کا مزار سمجھتے ہیں۔ یہ جاہلانہ طریقہ ہے۔

مزار پر بیٹھ کر کیا عمل کرنا چاہیے

مُسلّم اور محترم بزرگ کے مزار پر جا کر جب کوئی بیٹھے تو یہ تصور کرے کہ اُن بزرگ کے سینہ سے ایک نورانی شعاع نکل رہی ہے جو میرے دل تک پہنچتی ہے اور اس تصور کے ساتھ ساتھ ذکرِ قلبی کی کثرت کرے، اگر غفلت طاری ہو یا نیند آئے تو اس کو بُرا نہ سمجھے۔

علّیین جنّت کا اور سجّین دوزخ کا مقام ہے

روحِ انسانی بعد انتقال اپنے رتبہ کے مطابق مقامِ علیین میں پہنچ جاتی ہے جو عالمِ برزخ میں گویا ایک جنت ہے ——— بُرے لوگوں کی ارواح مقامِ سجّین میں پہنچتی ہیں جو عالمِ برزخ کا ایک عالم ہے۔ روح علّیین میں ہو یا سجّین میں، اس کو اس مقام سے ضرور تعلق رہتا ہے۔ جہاں اس کا مُسلّم جسم یا بوسیدہ استخوان یا خاک و راکھ موجود ہوں۔

قبرستان میں جائے تو یہ کہے فقہ کے مطابق قبر پر جاکر اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ یَا دَارَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِیْنَ کہنا چاہیئے اور عام مسلمانوں کے واسطے دعائے خیر کرنا چاہیئے۔

اہلِ قبور سنتے ہیں اگرچہ مسئلہ اختلافی ہے، مگر محققین[1] کرام علیہم الرحمہ کا قول یہ ہے کہ اہلِ قبور سنتے ہیں جس شخص کی قبر پر انسان جائے، اس کا خیال رکھے کہ زندگی میں جو اُن کا احترام وادب کیا جاتا تھا، وہ قبر پر بھی کرے۔ قبلہ کو پُشت کرکے سینہ کے سامنے کھڑا ہونا چاہیئے۔

---

[1] "تفسیر روح المعانی" میں سورۃ الروم۔ آیۃ کریمہ فَاِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى الخ کے ذیل میں سماعِ موتی پر محققینؒ کے دلائل میں عبارت یوں ہے۔ ملاحظہ ہو:

دھبت طوائف من اھل العلم الی سماعھم فی الجملۃ وقال ابن عبد البر: ان الاکثرین علی ذالك وھو اختیار ابن جریر والطبری وکذا ذکر ابن قتیبۃ وغیرہ واحتجوا بما فی الصحیحین عن انس عن ابی طلحۃ رضی اللہ تعالیٰ عنھما قال لما کان یوم بدر وظھر علیھم یعنی مشرکی قریش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امر ببضعۃ وعشرین رجلا وفی روایۃ اربع وعشرین رجلاً من صنادید قریش فألقوا فی طوی ای بئر من أطواء بدر وان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ناداھم یا اباجھل بن ھشام یا أمیۃ بن خلف یاعتبۃ بن ربیعۃ ألیس قد وجدتم ماوعد ربکم حقا فانی قد وجدت ما وعد ربی حقاً؟ فقال عمر رضی اللہ عنہ یارسول اللہ ماتکلم من اجساد لا ارواح لھا فقال والذی نفس محمد بیدہ ما انتم بأسمع لما اقول منھم زاد فی روایۃ لمسلم عن انس ولکنھم لایقدرون ان یجیبوا وبما اجرجہ ابوالشیخ من مرسل عبید بن مرزوق قال "کانت امرأۃ بالمدینۃ تقم المسجد فماتت فلم یعلم بھا النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فمر علی قبرھا فقال علیہ الصلوٰۃ والسلام ماھذا القبر؟ فقالوا ام محجن قال التی کانت تقم المسجد؟ قالوا نعم نصف الناس فصلی علیھا فقال صلی اللہ علیہ وسلم ای العمل وجدت افضل؟ قالوا یا رسول اللہ أتسمع؟ قال ما انتم باسمع منھا فذکر علیہ الصلوٰۃ والسلام انھا اجابتہ قم المسجد" وبما رواہ البیھقی والحاکم وصححہ وغیرھما عن ابی ھریرۃ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم وقف علی مصعب بن عمیر وعلی أصحابہ حین رجع من احد فقال "اشھد انکم احیاء عند اللہ تعالیٰ فزوروھم وسلموا علیھم فوالذی نفسی بیدہ لایسلم علیھم احد

(باقی اگلے صفحہ پر)

(بقیہ حاشیہ) الا ردوا علیہ الی یوم القیامة" وبما اخرج ابن عبد البر وقال عبد الحق الاشبیلی اسنادہ صحیح عن ابن عباس مرفوعاً" ما من احد یمر بقبر اخیہ المؤمن کان یعرفہ فی الدنیا یسلم علیہ الا عرفہ ورد علیہ" وبما اخرج ابن ابی الدنیا عن عبد الرحمن بن ابی لیلی قال "الروح بید ملك یمشی بہ مع الجنازة یقول لہ: أتسمع مایقال لك؟ فاذا بلغ حفرتہ دفنہ معہ" وبما فی الصحیحین من قولہ صلی اللہ علیہ وسلم ان العبد اذا وضع فی قبرہ وتولی عنہ اصحابہ انہ لیسمع قرع نعالھم" واجابوا عن الآیة فقال السھیلی انھا کقولہ تعالی اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ اَوْتَھْدِی الْعُمْیَ ای ان اللہ تعالی ھوالذی یسمع ویھدی وقال بعض الاجلة ان معناھا لاتسمعھم الا ان یشاء اللہ تعالی اولا تسمعھم سماعا ینفعھم وقد ینفی الشئ لانتفاء فائدتہ وثمرتہ کما فی قولہ تعالی وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَھَنَّمَ کَثِیْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ لَھُمْ قُلُوْبٌ لَّا یَفْقَھُوْنَ بِھَا وَلَھُمْ اَعْیُنٌ لَّا یُبْصِرُوْنَ بِھَا الآیة وھذا التاویل یجوزان یعتبر فی قولہ تعالی وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ ویکون نکتة العدول عن۔ فانك لا تسمع الموتی ولا الصم۔ الی ما فی النظم الجلیل العنایة بنفی الاسماع ویجوزان لا یعتبر فیہ ویبقی الکلام علی ظاھرہ ویکون نکتة العدول الاشارة الی ان لا تسمع فی کل من الجملتین بمعنی۔

ترجمہ: اہلِ علم کے بہت سے حلقے اس طرف ہیں کہ سماعِ موتیٰ درست ہے اور مجمل طور سے شریعت میں وہ ثابت ہے اور علامہ ابن عبد البرؒ نے فرمایا ہے کہ اکثر علماء اسی پر متفق ہیں اور اسی کو پسند کیا ہے۔ علامہ ابن جریرؒ اور علامہ طبریؒ نے اور ایسا ہی علامہ ابن قتیبہؒ وغیرہ کا بیان ہے۔ ان سب حضرات کی دلیلیں یہ ہیں۔ (۱) صحیحین میں حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ سے حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ بدر کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین قریش پر جب فتح پائی تو قریش کے بیس سے زیادہ اور ایک روایت کے مطابق چوبیس مقتول سرداروں کے جسموں کو ایک کنویں میں ڈال دینے کا حکم دیا، لہٰذا انھیں بدر کے کنووں میں سے ایک کنویں میں پھینک دیا گیا، اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کنویں میں (جھانک کر) ان کو آواز دی، اے ابوجہل بن ہشام، اے امیہ بن خلف، اے عتبہ بن ربیعہ، کیا تم نے اپنے رب کا وعدہ حق اور سچا نہیں پایا؟ میں نے تو اپنے رب کا وعدہ صحیح اور سچا پایا۔ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ ایسے جسموں سے باتیں کرتے ہیں جن میں کچھ بھی روحیں نہیں ہیں ـــــ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی جان ہے جس قدر یہ لوگ میری بات سننے والے ہیں

سلسلہ حاشیہ

اس سے زیادہ تم (بھی) سننے والے نہیں ہو۔ مسلم کی روایت میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اتنے الفاظ اور زیادہ مروی ہیں کہ "وہ (کافر) جواب دینے پر قدرت نہیں رکھتے ملتے" (۲) مرسل عبید بن مرزوق سے ابوالشیخ نے اخراج کیا ہے کہ مدینہ میں ایک (صحابیہ) عورت مسجد (نبوی) میں صفائی کرتی تھیں، ان کی وفات ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر نہیں ہوئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کی قبر کی طرف سے گذرے تو فرمایا کہ یہ کیا قبر ہے؟ تو جواب ملا کہ ام محجن کا انتقال ہوا ہے، اُن کی یہ قبر ہے۔ فرمایا وہ جو مسجد میں صفائی کرتی تھیں؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا، جی ہاں وہی۔ لوگ صف بستہ ہوئے تو آپ نے اُس (ام محجن) پر نماز (جنازہ) پڑھی۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس (ام محجن) سے معلوم کیا کہ کون سا عمل تو نے افضل پایا تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا یہ سن رہی ہیں؟ فرمایا "اِن سے زیادہ تو تم بھی سننے والے نہیں ہو"۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کا جواب ذکر فرمایا کہ وہ مسجد (نبوی) میں جھاڑو دیا کرتی تھیں۔ (۳) بیہقی اور حاکم کی روایت ہے جس کی تصحیح بھی کی ہے ــــــ

(۴) غیرہ بیہقی و حاکم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت پیش کی ہے کہ رسول انور صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ اُحُد سے واپسی پر (اپنے صحابہؓ) حضرت مُصعَب بن عُمیر رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں (کی قبروں) پر کھڑے ہو کر فرمانے لگے "میں گواہی دیتا ہوں کہ تم اللہ تعالیٰ کے نزدیک زندہ ہو، پس (اے لوگو!) تم ان کی زیارت کرو اور ان پر سلام بھیجو، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، قیامت تک اِن کو جب بھی کوئی سلام پہنچائے گا تو اس کا یہ جواب دیں گے"۔ (۵) علامہ ابن عبدالبرؒ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی مرفوع روایت نقل کی ہے جس کی اسناد کو علامہ عبدالحقؒ اشبیلی نے صحیح بتایا ہے۔ تم میں سے کوئی آدمی بھی اپنے جان پہچان مؤمن بھائی کی قبر پر گذرے اور اسے سلام کرے تو وہ اُسے پہچان لیتا ہے اور اس کے سلام کا جواب بھی دیتا ہے۔ (۶) علامہ ابن ابی الدنیاؒ نے حضرت عبدالرحمن بن ابی لیلیٰؒ سے اخراج کیا ہے، روح فرشتے کے قبضے میں ہوتی ہے جس کو وہ جنازہ کے ساتھ لے کر چلتا ہے اور اس سے کہتا ہے "کیا تو سن رہا ہے وہ جو تجھے کہا جا رہا ہے"۔ جب قبر کے اندر وہ پہنچتا ہے تو اس روح کو اس کے ساتھ دفن کر دیتا ہے۔ (۷) حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا صحیحین میں یہ ارشادِ عالی ہے "بندہ جب اپنی قبر میں رکھا جاتا ہے اور اس کے ساتھ والے اس سے واپس ہوتے ہیں تو وہ ان کی جوتیوں کی کھڑکھڑاہٹ خوب سنتا ہے"۔ ان (محققین) علماء نے فرمانِ خداوندی "کیا تم بہروں کو سناؤ گے یا اندھوں کو ہدایت کرو گے"، کا مطلب یہ بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی سناتا ہے اور وہی ہدایت دیتا ہے، یہ علامہ سُہیلیؒ کی وضاحت ہے اور بعض جلیل القدر محققینؒ نے اس آیۃ کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ تم بغیر مشیتِ خداوندی انھیں نہیں سنا سکتے یا ان کو نفع دینے والا سننا نہیں سنا سکتے (کیونکہ) کبھی شئی کا فائدہ اور اُس کا نتیجہ حاصل نہ ہونے کے سبب اس کا انکار کر دیا جاتا ہے، جیسے کہ فرمانِ خداوندی ہے، "ہم نے جہنم کے لیے بہت سے ایسے جنوں اور انسانوں کو پیدا کر دیا ہے جن کے سمجھنے والے

سلسلہ حاشیہ

دل نہیں اور دیکھنے والی آنکھیں نہیں (الآیۃ) اس تاویل کو باری تعالیٰ کے فرمان "آپ" بہروں کو نہیں سنا سکتے،، میں اعتبار کیا جاسکتا ہے۔ اسی نکتہ کے تحت باری تعالیٰ کے فرمان کے تحت "بیشک آپ مردوں کو نہیں سنا سکتے اور نہ بہروں کو" کی تاویل یہ کی گئی ہے آپ ان (کافر) مردوں کو اور بہروں کو ایسا نہیں سنا سکتے جو اُن کے لیے فائدہ مند ہو (جب وہ پیٹھ پھیر کر چل دیں اور سننا گوارا نہ کریں) اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس تاویل کے بجائے کلام کو اس کے ظاہر پر باقی رکھا جائے اور "تم نہیں سنا سکتے،، کی دونوں آیتوں میں ہر جملہ کے اندر وہی ایک مراد ہے جو وضاحتہً فرمان باری تعالیٰ " وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا "(اُن کے وہ کان ہیں جن سے فائدہ مند سننا اُن کو نصیب نہیں) میں بیان کیے گئے ہیں۔"

اس کے بعد صاحبِ روح المعانی علامہ محقق ابو الفضل شہاب الدین السید محمود آلوسی البغدادی (المتوفیٰ ۱۲۷۰ھ) رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے دونوں فریقوں (قائلینِ سماعِ موتیٰ اور منکرینِ سماعِ موتیٰ) کے دلائل پیش کر کے اپنی عمدہ تحقیق اس عبارت میں پیش فرمائی ہے۔ ملاحظہ ہو:

والحق ان الموتیٰ یسمعون فی الجملۃ وھذا علیٰ احد وجھین اولھما ان یخلق اللہ عزوجل فی بعض اجزاء المیت قوۃ یسمع بھا متیٰ شاء اللہ تعالیٰ السلام ونحوہ مما یشاء اللہ سبحانہ سماعہ ایاہ ولا یمنع من ذالک کونہ تحت اطباق الثری وقد انحلت منہ ھاتیک البنیۃ وانفصمت العری ولا یکاد یتوقف فی قبول ذالک من یجوز ان یری اعمی الصین بقۃ اندلس وثانیھما ان یکون ذالک السماع للروح بلا وساطۃ قوۃ فی البدن ولا یمتنع ان تسمع بل ان تحس وتدرک مطلقاً بعد مفارقتھا البدن بدون وساطۃ قوی فیہ وحیث کان لھا علی الصحیح تعلق لا یعلم حقیقتہ وکیفیتہ الا اللہ عزوجل بالبدن کلہ او بعضہ بعد الموت وھو غیر التعلق بالبدن الذی کان لھا قبلہ اجری اللہ سبحانہ عادتہ بتمکینھا من السمع وخلقہ لھا عند زیارۃ القبر وکذا عند حمل البدن الیہ وعند الغسل مثلا ولا یلزم من وجود ذالک التعلق والقول بوجود قوۃ السمع ونحوہ فیھا نفسھا ان تسمع کل مسموع لما ان السماع مطلقا وکذا سائر الاحساسات لیس الا تابعا للمشیئۃ فما شاء اللہ تعالیٰ کان ومالم یشأ لم یکن فیقتصر علی القول بسماع ما ورد سمع بسماعہ من السلام ونحوہ وھذا الوجہ ھو الذی یترجح عندی ولا یلزم علیہ التزام القول بان ارواح الموتیٰ مطلقا فی افنیۃ القبور لما ان مدار السماع علیہ مشیئۃ اللہ تعالیٰ والتعلق الذی لا یعلم کیفیتہ وحقیقتہ الا ھو عزوجل فلتکن الروح حیث شاءت

سلسلہ حاشیہ ______

اولاتکن فی مکان کماھورأی من یقول بتجردھا ویؤخذ من کلام ذکرہ العارف ابن برجان فی شرح اسماء اللہ تعالیٰ الحسنیٰ تحقیق علیٰ وجہٍ اٰخر وھوان المشخص نفسا مبرأۃ من باطن ماخلق منہ الجسم وھی روح الجسم وروحًا اوجدھا اللہ تبارک وتعالیٰ من باطن مابرأمنہ النفس وھی للنفس بمنزلۃ النفس للجسم فالنفس حجابھا وبعد المفارقۃ فی العبد المؤمن تجعل الحقیقۃ الروحانیۃ عامرۃ العلومن السماء الدنیا الی السماء السابعۃ بل الی حیث شاء اللہ تعالیٰ من العلو فی سرور ونعیم وتجعل الحقیقۃ النفسانیۃ عامرۃ السفل من قبرہ الی حیث شاء اللہ تعالیٰ من الجو ولذالک لقی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم موسیٰ قائما یصلی فی قبرہ وابراھیم علیہ السلام تحت الشجرۃ قبل صعودہ علیہ الصلوٰۃ والسلام الی السماء ولقیھما علیھما السلام بعد الصعود فی السمٰوات العلا فتلک ارواحھما وھذہ نفوسھما واجسادھما فی قبورھما وکذا یقال فی الکافر الا ان الحقیقۃ الروحانیۃ لہ، لاتکون عامرۃ العلو فلا تفتح لھم ابواب السماء بل تکون عامرۃ دارشقائھا والعیاذ باللہ تعالیٰ، وبین الحقیقتین اتصال وبوساطۃ ذالک ومشیتہ عزوجل یسمع من سلم علیہ فی قبرہ السلام ولایختص السماع فی السلام عند الزیارۃ لیلۃ الجمعۃ ویومھا وبکرۃ السبت اویوم الجمعۃ ویوما قبلھا ویوما بعدھا بل یکون ذالک فی السلام عند الزیارۃ مطلقا فالمیت یسمع اللہ تعالیٰ روحہ السلام علیہ من زائرہ فی ای وقت کان ویقدرہ سبحانہ علیٰ رد السلام کما صرح بہ فی بعض الاٰثار وما اخرج العقیلی من انھم یسمعون السلام ولا یستطیعون ردہ محمول علی نفی استطاعۃ الرد علی الوجہ المعھود الذی یسمعہ الاحیاء، وقیل رد السلام وعدمہ مما یختلف باختلاف الاشخاص فرب شخص یقدرہ اللہ تعالیٰ علی الرد ولا یثاب علیہ لانقطاع العمل وشخص اٰخر لایقدرہ عزوجل وعندی ان التعلق ایضا مما یتفاوت قوۃ وضعفا بحسب الاشخاص بل وبحسب الازمان ایضا وبذالک یجمع بین الاخبار والاٰثار المختلفۃ۔

ترجمہ: اورحق یہ ہے کہ اجمالی طور پر مردے سنتے ہیں اور اس کی دو وجہیں ہیں ______ پہلی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ میت کے بعض اجزا میں ایسی قوت پیدا فرما دیتا ہے جس کے سبب جب بھی اللہ تعالیٰ چاہتا ہے وہ سن لیتی ہے اور جو بھی اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ سنانا چاہتا ہے وہ اسی جیسی صورت سے بہ آسانی سن لیتی ہے جس کے لیے نمناک مٹی کے طبقات کے اندر کوئی رکاوٹ نہیں ہوتی اور اس کے جسم برزخی میں راستے کھل جاتے ہیں اور بندشیں ختم ہوجاتی ہیں اور نہیں قریب ہے کہ توقف کرے اس امر کے قبول کرنے میں وہ شخص جو جبین کے اندھے کا بقہ (بقیہ) (پیشو)

سلسلہ حاشیہ

اُندلس کو دیکھنا جائز سمجھتا ہو دبقہ اُندلس غالباً اس علاقہ کا محاورہ ہے جو مصنف علیہ الرحمہ نے عبارت میں استعمال فرمایا ہے) دوسری وجہ یہ ہے کہ روح کا یہ سننا قوت بدنی کے واسطے سے نہ ہو، اور ناممکن نہیں ہے کہ وہ اس طرح سن لے، بلکہ یہ ہوسکتا ہے کہ بدن سے جدا ہونے کے بعد بغیر وساطت قوائے جسمانیہ کے کہیں بھی وہ ہو اس کا احساس اور ادراک مطلقاً ایسا ہو کہ جس کی حقیقت اور کیفیت سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا کہ مرنے کے بعد اس کے بدن سے پوری طرح یا کچھ کچھ ایسا تعلق رہتا ہو جو پہلے والے (دنیا والے) بدن کے تعلق سے جدا ہو۔ اور اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی رحیمانہ عادت اس کو سننے کی طاقت دے اور جب بھی قبر کی زیارت کوئی کرے تو اس کے لیے یہی صورت پیدا فرما دے۔ ایسے ہی اس کے جنازہ کو اٹھاتے وقت ہو اور غسل کے وقت ہو۔ اس تعلق اور سننے کی قوت کے وجود کا ذاتی تقاضا یہ نہیں ہے کہ ہر بات کو وہ سن لے کیونکہ مطلقاً سننا اور احساس کرنا تابع ہے مشیتِ ایزدی کے۔ جو اللہ تعالیٰ نے چاہا ہُوا، جو نہ چاہا وہ نہیں ہوا، اس لیے جو سلام وغیرہ سننا احادیث میں آیا ہے ان ہی باتوں کے سننے پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ یہ صورت میرے نزدیک راجح ہے اور اس پر یہ التزام بھی نہیں آتا کہ مردوں کی روحیں مطلقاً قبروں کے اندر رہیں کیونکہ سننے کا مدار مشیت ایزدی پر ہے، اور وہ تعلق ہے جس کی کیفیت اور حقیقت کے سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا ہے۔ روح جہاں چاہے رہے یا کسی جگہ بھی نہ ہو جیسے کہ روح کو مجرد (مادہ سے خالی) کہنے والوں کا خیال ہے۔ عارف ابن برجان کی شرح اسماء باری تعالیٰ میں ان کے بیان سے ایک دوسری تحقیق سمجھی جاتی ہے، وہ یہ ہے کہ مشخص ومتعین ایک تو وہ نفس ہے جو جسم کی باطنی تخلیق سے پیدا کیا گیا ہے اور اسے روحِ جسم کہتے ہیں۔ اور ایک وہ روح ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے نفس کے پیدا کیے ہوئے حصّہ کے باطن سے بنایا ہے۔ یہ روح نفس کے لیے ایسی ہی ہے جیسے جسم کے لیے نفس، پس نفس اس (روح) کا حجاب ہے اور جب وہ مؤمن بندہ کے اندر دور ہوتا ہے تو حقیقتِ روحانیہ پہلے آسمان سے ساتویں آسمان تک کی بلندی میں آباد رہتی ہے۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ بلندیوں میں جس قدر بھی اللہ تعالیٰ بلندیاں دینا چاہتا ہے نعمتوں اور سرتوں کے ساتھ رہتی ہے۔ حقیقتِ نفسانیہ قبر سے لے کر جہاں تک خدا چاہے (آسمان سے) نیچے ہی خلا میں آباد رہتی ہے۔ اسی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ان کی قبر میں کھڑے ہوئے نماز پڑھتے پایا اور حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو آسمان کی طرف جانے سے پہلے درخت کے نیچے پایا اور پھر آسمانوں پر پہنچنے کے بعد بھی ان دونوں مبارک ہستیوں سے ملاقات فرمائی۔ وہ اُن کی روحیں تھیں اور یہ اُن کے نفوس اور اجسام تھے جو اُن کی قبروں میں نظر آئے۔ یہی تحقیق کافر کے سلسلے میں بھی سمجھی جاتی ہے مگر اس کی حقیقت روحانی بلندیوں پر آبادی کے لائق نہیں ہوتی۔ اس لیے کافروں کے لیے آسمانوں کے دروازے نہیں کھولے جاتے ہیں بلکہ وہ اپنے دارِ شقاوت میں آباد رہتے ہیں، اللہ تعالیٰ اس سے پناہ میں رکھے۔ مذکورہ دونوں

سلسلہ حاشیہ

حقیقتوں میں اتصال ہے، اس اتصال کا ایک واسطہ ہے اور مشیتِ ایزدی ہے کہ جو شخص بھی مدفون کو اس کی قبر کے پاس سلام کرتا ہے وہ اپنی قبر میں سن لیتا ہے، کوئی شب جمعہ یا یوم جمعہ یا ہفتہ کی صبح یا ایک دن اس سے آگے پیچھے کی خصوصیت نہیں بلکہ مطلقاً زیارتِ قبر کے وقت یہی بات سلام کی ہے۔ اللہ تعالیٰ زائر کی طرف سے صاحبِ قبر کی روح کو سلام پہنچا دیتا ہے، چاہے کوئی بھی وقت ہو، یہ دی ہوئی قدرت اللہ تعالیٰ ہی کی ہوتی ہے کہ وہ سلام کا جواب بھی دے دیتا ہے، جیسے کہ بعض احادیث میں اس کی صراحت ہے۔ علامہ عقیلیؒ کا یہ اخراج کہ مردے سنتے تو ہیں لیکن جواب دینے کی طاقت نہیں رکھتے، اس سے مراد وہی متعین صورت ہو سکتی ہے جس کو زندہ لوگ سنا کرتے ہیں اور جواب نہیں دے پاتے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ سلام کا جواب دینا اور نہ دینا اشخاص کے جدا جدا طریقوں سے مختلف ہوا کرتا ہے۔ بہت سے اشخاص ایسے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ جواب دینے کی قدرت تو مرحمت فرماتا ہے، لیکن اُن کو اس وجہ سے ثواب نہیں ملتا کہ عملی سلسلہ ان کا وفات کے سبب منقطع ہو چکا ہے۔ اور کچھ ایسے بھی اشخاص ہوتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ یہ قدرت ہی نہیں دیتا۔ میرے نزدیک (صاحبِ قبر سے) تعلق بھی اشخاص کے اعتبار سے بلکہ اوقات اور زمانوں کے اعتبار سے بھی قوت وضعف کا تفاوت رکھتا ہے۔ اس تحقیق سے سب طرح کی احادیث کے درمیان موافقت ہو جاتی ہے۔ (اور کسی طرح کا کوئی اشکال نہیں رہتا)

الغرض محققین کرامؒ کی تحقیق کے مطابق سماعِ موتیٰ ثابت ہے۔ جیسا کہ ہم نے ثبوت کے لیے خاتمۃ المحققین وعمدۃ المدققین مفتی بغداد علامہ محقق ابوالفضل شہاب الدین السید محمود آلوسی بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ رحمۃ واسعۃ کی عمدہ اور مدلل تحقیق پیش کی۔ علامہ محقق آلوسی بغدادی نوراللہ مرقدہٗ کی عربی تفسیر "روح المعانی" تمام متاخرین مفسرین کی عربی تفاسیر میں سب سے مستند اور اعلیٰ تفسیر ہر طبقہ کے علماءِ کرام میں تسلیم کی گئی ہے۔ حضرت علامہ محقق آلوسی بغدادی قدس سرہٗ سلطنتِ اسلامیہ عثمانیہ (ترکی) کے شاندار دور میں اہلِ عراق کے مرجع اور سردار تھے، عراق کے مفتی تھے۔ عالم اسلام میں آپ انتہائی تعظیم و تکریم کی نظروں سے دیکھے جاتے تھے، سرزمینِ عراق ہی نہیں عالمِ اسلام کے کونے کونے میں آپ کے علمی اور دینی کارنامے اظہر من الشمس ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ متاخرین مفسرین کی عربی تفاسیر میں "روح المعانی" کو تحقیقی اعتبار سے استناد کا درجہ حاصل ہے۔ اس تفسیر کی ایک خوبی یہ ہے کہ یہ بعض دوسری تفسیروں کی طرح رطب ویابس سے مکمل محفوظ ہے۔

قبر کا طواف، بوسہ ممنوع اور سجدۂ تعظیمی حرام ہے

قبر کے طواف اور بوسہ کو فقہائے عظام علیہم الرحمہ نے منع فرمایا ہے۔ لہٰذا قبر کا نہ طواف کرے اور نہ قبر کو بوسہ دے۔ سجدۂ تعظیمی کرنا غیر اللہ کے لیے حرام ہے اور بنظرِ عبادت شرک ہے، لہٰذا قبر کو سجدہ کرنا بھی حرام و ناجائز ہے۔

ندائے غیر اللہ

پہلی ابحاث سے یہ معلوم ہو چکا کہ ہر وقت اور ہر جگہ حاضر و ناظر سوائے اللہ تبارک و تعالیٰ کے اور کوئی نہیں۔ اس لیے بعض ظاہر پرست مسلمانوں کو یہ دھوکا ہوا ہے کہ سوائے خداوند قدوس کے، غائبانہ ندا کسی کے لیے نہ کی جائے، بلکہ بعض اوقات توحید کے ادّعا میں لفظ یا رسولَ اللہ کو شرک کہہ دیا ہے (العیاذ باللہ، استغفر اللہ) یہ چیز سراسر زیادتی ہے۔

ندائے غیر اللہ کی تفصیل

اس کی تفصیل یہ ہے اگر بالفرض کوئی شخص یا رسولَ اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) یا علی، یا شیخ عبد القادر جیلانی شیئاً للہ کہے اور ان حضرات کرام کو (استغفر اللہ) اللہ تعالیٰ کی طرح حاضر و ناظر سمجھے تو ضرور توحیدِ حقانی میں خلل واقع ہوگا اور کہنے والا مشرک ہو جائے گا۔ لیکن مسلمان کا یہ عقیدہ عام طور پر ہرگز نہیں ہوتا ہے۔

ندائے غیر اللہ جائز ہے

ہاں اگر ان حضرات کے مزاراتِ مقدسہ کے قریب ہو کر یہ ندا کرے تو بلاشبہ صحیح ہے ـــــ حضرات محققین کرامؒ کا مسلک سماعِ موتیٰ ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ دوسرے لوگ بھی بعد وفات آواز سنتے ہیں۔ البتہ دور ہونے کی حالت میں اس کلمہ کا استعمال ضرور مشتبہ ہو سکتا ہے لیکن یہ اشتباہ محض وسوسہ ہے۔

تشہد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کھلی ہوئی ندا ہے

اللہ تعالیٰ کی تعلیم کے مطابق سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے تشہد یعنی اَلتَّحِیَّات کی تلقین فرمائی ہے، جس کا پڑھنا واجب ہے۔ اس میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کھلی ہوئی ندا ہے

اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّھَا النَّبِیُّ ـــ سلامتی ہو آپ پر (اللہ کی)، اے نبی

جمہور اہلِ اسلام کا اسی پر عمل ہے اور کوئی شخص بھی اسے ناجائز قرار نہیں دیتا۔

مشائخ کرام و صالحین کا عمل

دعاء حزب البحر کے اعتصام میں نادِ علی کا پڑھنا اکثر مشائخ برحق اور صالحین کے عمل میں ہے۔ اربابِ علم میں بھی اس کا رواج ہے۔ اس میں صراحتہً لفظ یا علی، یا علی، یا علی تین بار مذکور ہے۔ علاوہ حزب البحر کے تنہا نادِ علی کا پڑھنا اربابِ صلاح میں مروّج ہے۔

مخالفینِ ندائے غیر اللہ کو مدلّل جواب

جو لوگ اس ندا کو ممنوع قرار دیتے ہیں، اُن کی دلیل یہ ہے کہ ندا کے لیے مُخاطَب اور مُنادیٰ کا حاضر و ناظر ہونا اور مشاھد ہونا شرط ہے اور غیر اللہ اس طرح ہے نہیں، لہٰذا اس کو ندا کرنا بھی غیر صحیح۔

اس کا جواب پہلے کلام میں اجمالاً معلوم ہو گیا کہ اگر یہ چیز ندا کے لیے شرط ہوتی تو نماز میں اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ پڑھنے کا حکم نہ دیا جاتا۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ ندا کے لیے حاضر و ناظر ہونا اور مشاہد ہونا تو ضروری ہے، لیکن حضور اور مشاہدہ کی دو قسمیں ہیں۔ ایک یہ کہ فی الواقع منادیٰ حاضر ہو۔ دوسرے یہ کہ قلب میں حاضر ہو، انسان بسا اوقات منادیٰ کو دل میں حاضر و ناظر رکھ کر پیغام رساں پر اعتماد کرتا ہے کہ یہ ہماری آواز اور ندا مخاطب اور منادیٰ تک پہنچا دیگا۔ جس طرح تحریر میں مکتوب الیہ کی طرف خطابات ہوتے ہیں

ل حضرت مصلح الامت علیہ الرحمہ اپنی تصنیف "فیوضاتِ وزیریہ" میں ص ۱۴۰ پر حجۃ الاسلام امام ابو حامد محمد بن محمد الغزالی قدس سرہ کا ارشاد نقل کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔ ملاحظہ ہو:

"امتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں سے ایک جلیل القدر ولی کامل اور علامہ حجۃ الاسلام حضرت امام غزالی قدس سرہٗ نے یہ تحریر فرمایا ہے کہ جس وقت تشہد میں "اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ" پڑھا جائے تو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دربارِ عالی میں حاضری کا تصور کر کے پڑھا جائے۔"

جب تشہد میں کوئی اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ پڑھے گا تو قلب میں سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کا تصور لازماً آئے گا۔ تشہد کا پڑھنا واجب ہے۔ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے پڑھنے کا حکم عنایت فرمایا ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ کوئی قرآنِ کریم کی آیۃ کریمہ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ پڑھے اور مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِیْنَ مَعَهٗ الیٰ آخرہ پڑھے اور آقائے کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام کا تصور نہ آئے۔ جب اللہ تعالیٰ نے قرآنِ عظیم میں اور اپنی عبادتوں میں آپ کا اسمِ مبارک یا آپ کی ذاتِ اطہر پر سلامتی اور رحمت بھیجنے کا حکم فرمایا ہے تو غور کیجیے آپ کا مبارک تصور قلبِ مؤمن میں کیسے نہیں آئے گا؟ لازمی طور پر آئے گا۔ اب جن اربابِ علم نے محض وسوسہ نفسانی میں مبتلا ہو کر نماز کی حالت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تصورِ مبارک کے وارد ہونے کو نماز کا فاسد ہونا کہا ہے، وہ بڑی دریدہ دہنی اور بہت بری بات ہے (معاذ اللہ) صحاح کی کتب میں بکثرت ایسی احادیث شریفہ مذکور ہیں جن میں حضراتِ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا بیان ہے کہ ہم نماز کی حالت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارکانِ نماز ادا کرنے اور آپ کے عمل کو دیکھا کرتے تھے۔ ظاہر ہے صحابۂ عظام رضی اللہ عنہم کی نگاہیں حالتِ نماز میں سید العرب والعجم صلی اللہ علیہ وسلم پر ہوتی تھیں۔ جیسا کہ مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الصلوٰۃ، باب صلوٰۃ الخسوف،

(باقی اگلے صفحہ پر)

بقیہ حاشیہ ــ

الفصل الاول میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے :

قالوا یارسول اللہ رأیناک تناولت شیئاً فی مقامک ھذا ثم رأیناک تکعکعت فقال انی رأیت الجنۃ فتناولت منھا عنقوداً ولو اخذتہ لاکلتم منہ مابقیت الدنیا ورأیت النار فلم ارکالیوم منظراً اقط افظع۔

یہ حدیث مبارک متفقٌ علیہ ہے یعنی اسے بخاری اور مسلم نے اپنی اپنی صحاح میں نقل کیا ہے۔

اسی طرح بخاری جلد ۲ - کتاب التفسیر سورۃ الانفال۔ باب قولہ یٰاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اسۡتَجِیۡبُوۡا لِلّٰہِ الیٰ آخرہ ص ۶۶۹ پر حضرت سعید بن المعلیٰ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے :

قال کنت اصلی فمر بی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فدعانی فلم اٰتہ حتیٰ صلیت ثم اتیتہٗ فقال مامنعک ان تاتی الم یقل اللہ یٰاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اسۡتَجِیۡبُوۡا لِلّٰہِ وَلِلرَّسُوۡلِ اِذَا دَعَاکُمۡ۔

ان احادیث شریفہ سے واضح طور سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا نماز کی حالت میں خیال آنے سے نماز ہرگز خراب نہیں ہوسکتی کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حالت نماز میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھاتے ہوئے دیکھا کہ آپ آگے بڑھ کر کچھ لے رہے ہیں، پھر یہ دیکھا کہ آپ پیچھے کو ہٹے۔ بعد نماز کے صحابہ کرامؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ ہم نے آپ کو نماز میں دیکھا کہ کبھی آپ آگے بڑھے اور کبھی پیچھے ہٹے، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں نے جنت کو دیکھا تو اس سے (پھلوں کے) خوشے چننے لگا اگر میں اسے لے لیتا تو تم قیامت تک اسے کھاتے رہتے، پھر دوزخ کو دیکھا تو اس سے زیادہ ہیبت ناک منظر میں نے نہیں دیکھا۔ اسی طرح دوسری حدیث شریف کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک صحابی جو نماز پڑھ رہے تھے ان کے پاس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گذرے اور ان کو آواز دی۔ ان کا بیان ہے کہ میں نہیں آیا کیونکہ میں نماز پڑھ رہا تھا۔ پھر نماز سے فارغ ہونے کے بعد جب میں حاضر خدمت ہوا تو فرمایا تمھیں ہمارے پاس آنے سے کس چیز نے روکا۔ کیا اللہ نے یہ نہیں فرمایا ہے کہ اے مومنو! اللہ اور اس کے رسول جب تمھیں پکاریں تو تم فوراً چلے آؤ۔"

اب غور کیجیے کہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے نام تو اللہ تعالیٰ کا یہ حکم تھا کہ اے مومنو! جب تمھیں اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) پکاریں یعنی آواز دیں تو تم فوراً ان کی آواز پر لبیک کہو اور ان کے پاس پہنچنے میں ذرا بھی پس وپیش نہ کرو خواہ نماز کی حالت میں ہو یا اور کسی کام میں مشغول ہو۔ غور کرنے کا مقام ہے صحابہ عظام تو حالتِ نماز میں حضور اکرم نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اطہر پر اپنی نگاہیں رکھتے تھے کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر عمل کو دیکھیں اور اس زمانہ کے بعض اربابِ علم یہ لکھ بیٹھے کہ نماز کی حالت میں اگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال بھی گذرے تو نماز فاسد ہو جائے گی (معاذ اللہ) ایسے لوگوں کو کیا کہا جائے گا جن کے پیشِ نظر نہ قرآن عظیم رہا اور نہ صحاح کی مبارک احادیث ان کے پیشِ نظر رہیں۔ ایسے لوگ سلامتی عقل سے محروم ہی کہے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ ایسی دریدہ دہنی سے مسلمانوں کو محفوظ و مامون رکھے۔ آمین

اور مکتوب رساں کا نامہ بر پر اعتماد ہوتا ہے کہ یہ خط مکتوب الیہ کو ضرور پہنچے گا۔ کبھی متکلم اور مخاطب میں کافی فاصلہ ہوتا ہے۔ لیکن اس زمانہ کے آلات مثلاً ٹیلی فون، ریڈیو، وائرلیس اور ٹیلی ویژن کے ذریعہ روزانہ مخاطبت ہو رہی ہے اور منادیٰ اور مخاطب سامنے نہیں۔

اللہ نے مقرب بندوں کی آواز دور دراز مقامات تک پہنچائی ہے خاصانِ خدا و مقربانِ بارگاہِ الٰہی کی آواز بلا ذرائع ظاہرہ اللہ تعالیٰ نے دور دراز مقامات تک پہنچائی ہے ـــــ خلیفہ ثانی امیرالمومنین حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے مدینہ منورہ میں منبر پر کھڑے ہونے اور خطبہ پڑھنے کی حالت میں حضرت ساریہ رضی اللہ عنہ کو یَاسَارِیَۃُ الْجَبَل[1] کہہ کر آواز دی تھی، جبکہ حضرت ساریہ رضی اللہ عنہ نہاوند میں تھے جو مدینہ منورہ سے بہت دور ہے۔ باوجود کافی فاصلہ کے اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے یہ آواز پہنچا دی ـــــ ہندوستان میں مسلمان عورتیں دشمنانِ اسلام کے نرغے میں پھنس گئی تھیں اور گھبرا کر ان عورتوں نے یا حجاج[2] کہہ کر آواز دی تھی، حالانکہ حجاج بن یوسف عراق میں تھا، اللہ تعالیٰ نے وہ آواز عراق تک پہنچا دی تھی۔

یا رسول اللہ، یا علی، یا شیخ عبدالقادر جیلانی کی آواز پہنچنا ممکن ان تمام حالات کے پیشِ نظر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ کی آواز اور حضرت سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کو یا علی کی آواز اور حضرت سیدنا غوث الثقلین شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی محبوب سبحانی رحمۃ اللہ علیہ کو یا حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کی آواز پہنچ جانا ناممکن نہیں۔

ندا کے ذریعے لذتِ قلبی مقصود ہوتی ہے علاوہ اس کے ذوق و شوق اور جذبہ محبت کے تحت جب آواز اور ندا دی جاتی ہے تو سنانا اور جواب لینا مقصود ہی نہیں ہوتا بلکہ محبوب کی صورت کو پیشِ نظر رکھ کر لذتِ قلبی حاصل کرنا مقصود ہوتا ہے۔ یہ عام امور بلاغت کی کتابوں میں مذکور ہیں، اور اربابِ علم کے نزدیک مسلّم ہیں۔

جلد بازی میں شرک کا فتویٰ بہت بُری بات ہے تو پھر یہ جلد بازی کہ یا رسول اللہ، یا علی، یا شیخ عبدالقادر جیلانی کسی نے کہہ دیا اور اس پر فتویٰ شرک کا دے دیا گیا، بہت ہی بری بات ہے۔

---

[1] مرقاۃ المفاتیح۔ جلد ۵۔ باب الکرامات۔ ص ۴۰۹ (للعلامہ علی قاریؒ)

[2] تاریخ اسلام حصہ دوم بنو امیہ مرتبہ شاہ معین الدین ندوی نے ص ۱۳۹ پر "فتوح البلدان" اور چچ نامہ نسخہ قلمی دار المصنفین کے حوالہ سے اس واقعہ کو تفصیل سے نقل کیا ہے۔ ان کی عبارت میں "حجاج المدد" کے الفاظ مذکور ہیں۔

علماءِ دیوبند کے اکابر کے قصائد میں خود ندا پائی جاتی ہے

صاحبِ انوارِ ساطعہ[1] نے اپنی کتاب میں حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی اور مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی کے وہ قصائد نقل کیے ہیں جس میں حضور خاتم النبیین سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بار بار ندا ہے۔ مولوی محمود حسن صاحب محدث نے عظمتِ وحی کا جو مضمون لکھا ہے اور وہ طبع بھی ہو گیا ہے۔ اس میں یہ شعر انھوں نے لکھا ہے:

اے لبرا پردہ یثرب بخواب   خیز کہ شد مشرق و مغرب خراب

---

[1] مولانا عبد السمیع صاحب بیدل سہارنپوری کی تصنیف ہے۔ مولانا موصوف شاہ امداد اللہ مہاجر مکی علیہ الرحمہ کے اجل خلفاء میں سے تھے۔ مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی بھی حضرت مہاجر مکی سے بیعت تھے۔ مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی نے اپنے ایک فتوے میں مجلس میلاد مبارک اور قیام کے وقت سلام پڑھنے کو اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ندا کو اور فاتحہ کو ناجائز اور خلافِ سنت کہا تھا (معاذ اللہ) انوار ساطعہ میں ص پر مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کے فتوے کی عبارت یوں تحریر ہے:

"ایسی مجلس ناجائز ہے اور اس میں شریک ہونا گناہ ہے اور خطاب جناب فخرِ عالم علیہ السلام کو کرنا اگر حاضر و ناظر جان کر کرے کفر ہے۔ ایسی محفل میں جانا اور شریک ہونا ناجائز ہے اور فاتحہ بھی خلافِ سنت ہے۔"

فقط واللہ تعالیٰ اعلم (رشید احمد گنگوہی)

صاحبِ انوارِ ساطعہ نے علامہ گنگوہی کے رد میں نہایت عمدہ اور مدلل کتاب تصنیف فرمائی جو لائق مطالعہ ہے۔ اس کتاب میں انھوں نے اپنے شیخ محترم حضرت امداد اللہ مہاجر مکی کا سات اشعار پر مشتمل ایک قصیدہ نقل کیا ہے۔ جس کا ایک شعر بطورِ نمونہ ہم ہدیہ قارئین کر رہے ہیں:

ذرا چہرہ سے پردے کو اٹھاؤ یا رسول اللہ   مجھے دیدار تم اپنا دکھاؤ یا رسول اللہ

مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف خطاب و ندا کی جس کے چار اشعار میں ایک شعر ملاحظہ ہو:

مدد کر اے کرم احمدی کہ تیرے سوا   نہیں ہے قاسمِ بیکس کا کوئی حامی کار

انوارِ ساطعہ دربیان مولود و فاتحہ۔ ص ۲۴-۲۲۳۔ مطبع نعیمی مراد آباد مطبوعہ ۱۳۰۷ھ ملاحظہ فرمائیں۔

[2] مولوی محمود حسن صاحب جید عالم اور محدث تھے۔ مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی کے شاگرد تھے۔ یہ دونوں علماء خطاب و ندائے خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے قائل تھے۔ تب ہی تو ان کے قصائد میں ندا اور خطاب ہے۔ رہے حضرت شاہ امداد اللہ مہاجر مکی، تو ان کی کتاب "فیصلہ ہفت مسئلہ" ایسی مدلل اور واضح تصنیف ہے کہ اس کے مطالعہ کے بعد اہل عقل و دانش کے لیے کوئی اشکال باقی نہیں رہتا۔

ندائے یارسول اللہ کو ناجائز کہنے والے ہی ایسے اربابِ علم کو مقتدا بھی مانتے ہیں

جو لوگ یارسول اللہ کا نعرہ ناجائز کہتے ہیں (العیاذ باللہ) ان میں سے اکثر افراد ان شخصیات کو اپنا مقتدا اور مقبولِ بارگاہِ الٰہی کہتے ہیں، اگر فی نفسہٖ یہ ندا شرک ہے ان لوگوں کے نزدیک، تو پھر ان تمام اربابِ علم کا مشرک ہونا لازم آئے گا۔ (العیاذ باللہ)

الغرض مسئلہ کا مدار نیتِ متکلم پر ہے۔ نیتوں کے بدلنے سے بسا اوقات احکام بدل جاتے ہیں۔

گیارہویں شریف

حضرت غوث الثقلین سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی محبوب سبحانی، قطب ربانی رحمۃ اللہ علیہ جو اُمّتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں جلیل القدر محترم و معظم بزرگ ہیں اور بے شمار اولیاء کرامؒ کے مقتدا، ان کی فاتحہ اور روح مقدس کو ایصالِ ثواب کرنے کا نام گیارہویں[1] شریف ہے۔

غوث الثقلینؒ کی فاتحہ کرنا ہرگز ممنوع نہیں

ایصالِ ثواب اور فاتحہ کے متعلق میں پہلے تحریر کر چکا ہوں، اب اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔ جب مطلقاً ہر بزرگ بلکہ ہر مومن کی روح کو ایصال ثواب طریقۂ مستحب ہے تو حضرت غوث الثقلینؒ کی روح مقدس کو ایصالِ ثواب کرنا کس طرح ممنوع ہو سکتا ہے؟

تعیین وقتِ فاتحہ سہولت کے لیے ہے

ہاں کچھ عارضی امور ایسے بیان کیے جاتے ہیں جس سے عدمِ جواز کا دھوکا دیا جاسکتا ہے۔ مثلاً عوام پر ایک تہمت یہ لگائی جاتی ہے کہ وہ وقتِ معین کو ضروری سمجھتے ہیں، اور گیارہ تاریخ کی تعیین جب شرعی نہیں تو تعیین کا عقیدہ بدعت ہے —— ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ اگر قبولیت کی شرط کسی نے گیارہ تاریخ ہی سمجھ لی ہے تو ضرور بدعت ہے، لیکن

---

[1] حضرت سیدنا غوث الثقلین شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی قطب ربانی قدس سرہ کے وصال کی تاریخ ۱۱ ربیع الثانی ہے۔ ۱۱ ربیع الثانی کو بھی آپ کی فاتحہ کی جاتی ہے۔ گیارہویں شریف اس فاتحہ کو اس لیے کہا جاتا ہے کہ حضرت غوث الثقلینؒ اپنی ظاہری حیات کے زمانہ میں بڑے اہتمام کے ساتھ ۱۱ تاریخ کو آقائے کائنات حضور اکرم نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم کی فاتحہ کیا کرتے تھے۔ آپ کی اتباع میں آپ کے بعد کے اولیاء امت اور علماء ملت بھی گیارہ تاریخ کو فاتحہ کیا کرتے تھے۔ بزرگوں کے طریقۂ حقہ پر چلتے ہوئے آج بھی آپ کے معتقدین یہ فاتحہ کرتے ہیں۔ لیکن سیدنا غوث الثقلینؒ کی وفات کی اصل تاریخ وہی ہے جو پہلے لکھی گئی۔ فاتحہ و ایصال ثواب مستحسن (پسندیدہ عمل) ہے جب چاہے کر سکتا ہے۔ ضروری سمجھ کر کوئی نہیں کرتا۔ اگر کوئی ضروری سمجھ کر گیارہویں شریف (بقول معترضین) کرتا ہے تو اس کو یہ سمجھانا چاہیے کہ ۱۱ تاریخ ضروری نہیں، کسی تاریخ میں بھی فاتحہ کی جاسکتی ہے۔ یہی منصفانہ طریقہ ہے۔

ہم اس کے برعکس دیکھ رہے ہیں بعض لوگ دس تاریخ گذرنے کے بعد گیارہویں شب میں، بعض گیارہ تاریخ کو دن میں اور بعض گیارہ تاریخ گذرنے کے بعد بارہویں شب میں، بعض سولہ تاریخ گذرنے کے بعد سترہویں شب میں، بعض سترہویں کو دن میں اور بعض اٹھارہویں شب میں فاتحہ کرتے ہیں اور سب کا نام اصطلاحاً گیارہویں ہے، اور کوئی شخص کسی فاتحہ کو نامقبول نہیں کہتا بلکہ بعض اوقات مصالح کے لحاظ سے مذکورہ تواریخ کے علاوہ بھی گیارہویں شریف کی فاتحہ کرتے ہیں۔

معترضین غلطی کی اصلاح کریں، کارِ خیر کو مٹانے کی سعی نہ کریں

اگر بالفرض (بقولِ معترضین) کوئی پڑھا لکھا پڑھا انسان ضروری ہی سمجھتا ہے تو طریقہ اصلاح یہ ہونا چاہیئے کہ اُس کو اُس کی غلطی پر متنبہ کیا جائے نہ یہ کہ اصل کارِ خیر ہی کو مٹانے کی کوشش کی جائے۔ اگر اس قسم کی عوامی غلطیوں کی بنا پر چیزوں کو ختم کیا جائے تو بے شمار چیزیں ختم کرنا پڑیں گی، حالانکہ بعض ان میں ضروری ہیں اور بعض بہتر۔

ایک تہمت اور اُس کا جواب

فاتحہ کرنے والوں پر ایک الزام یہ لگایا جاتا ہے کہ عبادت محض اللہ ہی کے لیے ہونا ضروری ہے، اور گیارہویں شریف کرنے والے اللہ تعالیٰ کے بجائے حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی عبادت کرتے ہیں (العیاذ باللہ۔ استغفراللہ) اسی بنا پر گیارہویں شریف اور دوسری فاتحہ کا کھانا وہ لوگ ناجائز و حرام[1] قرار دیتے ہیں (معاذ اللہ) یہ صرف تہمت ہے ــــــ فاتحہ اور گیارہویں شریف میں عموماً سورۃ اَلحَمد شریف اور سورۂ اخلاص پڑھی جاتی ہے اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ سے دعا کی جاتی ہے۔ اس دعا میں اللہ تعالیٰ سے یہ عرض کی جاتی ہے کہ "اے اللہ تعالیٰ تلاوتِ قرآن عظیم اور ماحضر کا ثواب سب سے پہلے آقائے نامدار حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی کو عطا فرما، آپ کے بعد جملہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم، صحابیات، ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن، اہلِ بیت اطہار رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی ارواحِ مقدسہ پر اور ان حضرات کرام کے بعد فلاں بزرگ محترم کی روحِ مبارک پر بھیج دے" ــــــ اس میں شرک اور حرمت کو قطعاً کوئی دخل نہیں۔

کسی کا نام لینا ہی شرک ہے تو پھر عقیقہ، قربانی کو کیا کہا جائے گا؟

کسی کا نام لینا ہی اگر شرک ہوتا تو عقیقہ بھی شرک ہو جاتا

[1] فاتحہ کے کھانے کو حرام و ناجائز کہنا بہت ہی بری بات ہے۔ اس لیے کہ بڑے بڑے اولیاء امت اور بزرگانِ سلف علیہم الرحمہ فاتحہ کیا کرتے تھے۔ فاتحہ کا کھانا امیر و غریب سب کھا سکتے ہیں۔ مخالفینِ فاتحہ کا اس مسئلہ میں تشدد اہلِ حق کے طریقۂ مبارکہ کے سخت خلاف بات ہے۔ اولیاء کرام کے حق و پاک طریقوں کی مخالفت کرنا مومنین کا شیوہ نہیں۔ ان کے طریقوں کی مخالفت سے پرہیز کرنا ضروری ہے۔ سلف صالحینؒ کی کتابوں کا مطالعہ کیجیے۔ اس میں سب کچھ موجود ہے۔ آج کل عام بدعقیدگی اس لیے پیدا ہو گئی ہے کہ ہم نے سلف صالحینؒ کی قدیم کتب کا مطالعہ ترک کر دیا ہے۔ ذوق بدل گئے ہیں۔ وہ کتابیں لائبریریوں میں الماریوں کی زینت بنی ہوئی ہیں اور مطالعہ کرنے والے اس دور میں عام طور پر نہ رہے۔

جونکہ اس میں بچے کا اور بچے کے والد کا نام لیا جاتا ہے ——— دوسرے کی طرف سے جب قربانی کی جاتی ہے تو اس کا نام لیا جاتا ہے، اپنی طرف سے قربانی کی جاتی ہے تو اپنا نام لیا جاتا ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب قربانی کی تو اللہ تعالیٰ سے عرض کیا

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مینڈھوں کی قربانی کی تو پہلے مینڈھے کے ذبح کے وقت اللہ تعالیٰ کے دربار عالی میں عرض کیا:

"اے اللہ تعالیٰ تو اس کو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور آلِ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے قبول فرما" ——— دوسرے مینڈھے کے ذبح کے وقت اللہ تعالیٰ سے عرض کیا:

"اے اللہ تعالیٰ اس کو میری اس امت کی طرف سے قبول فرما جس نے قربانی نہیں کی" (بدرجہ مجبوری یعنی غربت وافلاس کی وجہ سے)

نماز جنازہ کے وقت اس کی نیت کی جاتی ہے، بلکہ زبان سے بھی کہا جاتا ہے کہ اس نماز سے مقصود اس میت کے لیے دعا ہے ——— اگر نام لینا ہی شرک ہوتا تو یہ تمام عبادتیں (جو صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لیے کی جاتی ہیں) شرک ہی قرار پاتیں، حالانکہ کسی کے نزدیک بھی یہ شرک نہیں۔

عبادت صرف اللہ ہی کے لیے ہے۔ ایصالِ ثواب کسی کو بھی کیا جا سکتا ہے

الغرض عبادت مالی ہو یا جانی وہ محض اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے، مگر اس کا ثواب عابد کے اختیار میں ہے خواہ اپنے لیے رکھے یا کسی دوسری مسلم روح کے لیے ایصال ثواب کرے۔ امورِ بالا کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے کسی قسم کا اب شبہ باقی نہیں رہتا۔

صدقۂ واجبہ صرف فقراء کا حق۔ صدقۂ مستحبہ سب کے واسطے جائز

ایک الجھن یوں بھی پیدا کی جاتی ہے کہ گیارہویں شریف کا کھانا یا شیرنی کرنے والے خود بھی کھاتے ہیں اور خوش حال لوگوں کو بھی کھلاتے ہیں، حالانکہ خیرات کا مال صرف فقراء کا حق ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ صدقۂ مفروضہ یعنی "زکوٰۃ" اور صدقۂ واجبہ یعنی "صدقۃ الفطر" وغیرہ محض فقراء کا حق ہے۔ اور صدقۂ مستحبہ میں اغنیاء کی شرکت اور اپنے لیے استعمال دونوں جائز ہیں۔

متشددین نے دینی احکام کو مذاق سمجھ رکھا ہے

تعجب یہ ہے کہ بعض متشددین[1]، فاتحہ اور ایصال ثواب کے معاملہ میں اپنی طرف سے اتنی قیود لگاتے ہیں کہ فاتحہ کرنے والے اور خوش حال لوگوں تک کو محروم قرار دیتے ہیں، لیکن زکوٰۃ میں اپنی طرف سے

---

[1] حضرت مصنف قدس سرہٗ کے اس مضمون کو دل کی گہرائیوں کے ساتھ بار بار پڑھیے کہ بعض (باقی اگلے صفحہ پر)

اس قدر چھوٹ دیتے ہیں کہ اس کو تنخواہ میں مدرسین کو نیز تعمیر مدارس بلکہ تالیفِ قلوب کے لیے غیر مسلم کو بھی دینا گوارا کرتے ہیں۔ پہلے زمانہ میں تو بذریعہ حیلہ گری اس کا استعمال ہوتا تھا، لیکن اس وقت ایک گروہ کا یہ خیال ہے کہ قرآن عظیم زکوٰۃ کو فی سبیل اللہ خرچ کرنے کی اجازت دیتا ہے۔ لہٰذا (بقول اُن کے) ہر کارِ خیر میں اس کا صرف کرنا صحیح ہے، خواہ اس میں تملیک ہو یا نہ ہو، معاوضہ میں دی جائے یا بلا معاوضہ۔

یہ لوگ اس پر غور نہیں کرتے کہ دینی احکام کوئی مذاق نہیں ہیں کہ جیسے چاہا جس طرح چاہا خود اپنی عقل کے گھوڑے دوڑائے اور اس کو اپنے مطلب کے لیے استعمال کرلیا۔

زکوٰۃ کے لیے تملیک اور بلا معاوضہ ہونا شرط ہے

فقہ حنفی میں صاف طور پر تحریر ہے کہ زکوٰۃ کے لیے ایک طرف تملیک شرط ہے، دوسری طرف یہ بھی شرط ہے کہ بطورِ معاوضہ نہ ہو۔

(بقیہ حاشیہ) اربابِ علم نے خواہ مخواہ کا تشدد پیدا کر کے دینی علوم سے ناواقف مسلمانوں کو انتشار میں مبتلا کر دیا ہے اور دین کو مذاق کا موضوع بناڈالا ہے۔ اور ائمہ مجتہدین اہل سنت وجماعت کے متفق علیہ مسلک سے انحراف کرتے ہوئے بعض معمولی عربی پڑھے لکھے اردو داں لوگ اپنی ناقص تحقیق کو سلف صالحین علیہم الرحمہ کی تحقیق واجتہاد پر برتر تسلیم کرتے ہیں۔ اور دوسرے مسلمانوں سے تسلیم کرانے کے خواہش مند رہتے ہیں۔ ان لوگوں کا عجیب حال ہے بعض مسائل میں یہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تقلید کرتے ہیں اور بعض مسائل میں امام اعظمؒ اور دوسرے ائمہ مجتہدینؒ کے طریقوں کے خلاف ان کا عمل ہے۔ مسائل میں ان کا یہ تضاد فہم سے بالاتر ہے۔ کیا آج کے کم علم اور کم عقل اربابِ علم، فہم وفراست، علم وعمل، زہد وتقویٰ میں ائمہ مجتہدین علیہم الرحمہ سے بڑھ کر ہیں؟ مجتہد وقت کا کلی اور حقیقی درجہ انھیں کیسے حاصل ہے؟ ان کی جرأت وبے باکی نے عام مسلمانوں کے ایک طبقہ کو سلف صالحینؒ کی طرف سے بدعقیدگی میں مبتلا کر دیا ہے جو انتہائی نامناسب بات ہے۔ اردو کی چند کتابیں پڑھ لینے سے یا تصنیف کر لینے سے انسان مجتہد ومحقق ہرگز نہیں بن سکتا۔ اس کے لیے اعلیٰ علم، اعلیٰ عقل اور ارفع درجہ کے زہد وتقویٰ کی ضرورت ہے۔ یہ صفاتِ عالیہ تابعین وتبع تابعین حق پرست علیہم الرحمہ کے اندر ہی پائی جاتی تھیں۔ آج کے دور میں وہ صفاتِ جلیلہ کہیں نظر نہیں آتیں۔ لہٰذا کلی اجتہاد کا دور ختم ہو چکا۔ اب فروعات میں اجتہاد علماء کے درمیان قیامِ قیامت تک ہوتا رہے گا لیکن انہی کلیات اور قواعد وضوابط کی شرعی حدود کے اندر رہتے ہوئے فروعی اجتہاد آئندہ ہوتا رہے گا جو ائمہ مجتہدین سلفؒ نے مقرر فرما دیئے ہیں اور جنھیں امت کے تمام اکابر تسلیم کیا ہے۔ جس کو اجماعِ امت کہا جاتا ہے۔

ایسے لوگوں کی عقل پر تعجب ہوتا ہے ایک طرف تو اس قدر قیود[1] کہ مالِ مستحبہ دولت مند بھی نہ کھا سکے، دوسری طرف یہ نرمی کہ مالِ زکوٰۃ (جو صرف غریب مسلمانوں کا حق ہے) غیر مسلم بھی کھا سکے۔

بریں عقل و دانش بباید گریست

سماع (قوالی) سماع سے متعلق میں وضاحت کے ساتھ اپنی تصنیف "فیوضاتِ[2] وزیریہ" میں تحریر کر چکا ہوں۔ اس لیے اب مزید تحریر کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ اس سلسلہ میں "فیوضاتِ وزیریہ" کا مطالعہ کافی رہے گا۔

---

[1] ناظرین غور سے پڑھیں اور سمجھنے کی کوشش کریں کہ حضرت مصنف قدس سرہٗ نے کتنے عمدہ دلائل کے ساتھ مسئلہ کو بیان فرمایا ہے۔ آج کے دور میں جدید وضع کے لوگوں کے سمجھنے کے لیے اس کلام میں سب کچھ موجود ہے۔ اور اگر یہ طے ہی کر لیا ہے کہ کوئی عالم برحق کچھ بھی کہے ہم تو مانیں گے نہیں تو اس ہٹ دھرمی کا کسی کے پاس کوئی علاج نہیں۔ صاحبِ عقول حضرات کے سمجھنے کے لیے اس کلام میں واضح سامان موجود ہے۔ سلفِ صالحینؒ کے مسلک سے انحراف کرتے ہوئے چودھویں صدی ہجری کے ایک اُردو داں نے جو کچھ لکھ دیا اس کی اتباع پر فخر ہے اور ائمہ مجتہدین علیہم الرحمہ کے بیان کردہ مسائل سے تنفر۔ کیا یہی منصفانہ طریقہ ہے؟ یہ تو صریحی تکبر کی علامت ہے۔

[2] حضرت قبلہ علیہ الرحمۃ اپنی تصنیف لطیف "فیوضاتِ وزیریہ" کے صفحہ ۳۲ - ۳۱ - ۳۰ میں سماع سے متعلق کتنے عمدہ الفاظ میں تحریر فرماتے ہیں۔ ملاحظہ ہو:

"کسی شخص سے اشعار کا سننا جس سے ذوق و شوق میں اضافہ ہو' سماع کہلاتا ہے۔ اشعار کے طریقے کبھی متعدد ہوتے ہیں اور کبھی ایک۔ کبھی یہ پڑھنے والے مزامیر کا استعمال کرتے ہیں اور کبھی بلا مزامیر۔ عام طور پر متعدد افراد مع مزامیر یہ کام کرتے ہیں۔ اسی کو سماع اور قوالی کہتے ہیں۔ ایک شخص اچھی آواز اور اچھے ترنم سے اشعار پڑھے اور وہ پوری طرح باشرع ہو' اشعار بھی لغو اور بے ہودہ نہ ہوں' نیز اس کے ساتھ مزامیر بھی نہ ہوں تو اس میں کسی کے نزدیک کوئی حرج نہیں ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اشعار مسجد میں پڑھوائے ہیں' بلکہ اُن کے لیے منبر بھی بچھوایا ہے۔ خود بھی حضور نے سنے ہیں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی سنوائے ہیں۔ حضرت سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے اشعار میں ثنا باری تعالیٰ' نعتِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم' تعریفِ اسلام اور مدحِ قرآن ہوتی تھی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت الخنساءؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اُمیہ بن صلت کے اشعار سنے ہیں' اور اُمیہ مذکور کے متعلق فرمایا کہ وہ اسلام کے قریب آ چکا تھا لیکن اسلام نہیں لایا۔ حضرت سیدنا فاروق اعظم عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ' حضرت سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ

(باقی اگلے صفحہ پر)

سلسلہ حاشیہ

عنہما نے عرب کے اشعار یاد کرنے کی تلقین فرمائی ہے، اس لیے کہ اس میں ادبیت اور فصاحت و بلاغت کے حاصل کرنے کا سرمایہ ہے۔ حضرت سیدنا ابوبکر صدیق اور حضرت سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے اشعار بھی کتابوں میں مذکور ہیں نیز دیگر حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بھی قصائد مروی ہیں۔ اس بنا پر اشعار کا کہنا، اشعار کا پڑھنا، اشعار کا سننا ممنوع نہیں۔ البتہ ایک حدیث شریف میں اشعار کی سخت برائی بھی منقول ہے:

(عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لان یمتلی جوف الرجل قیحاً یریہ خیر من ان یمتلی شعراً۔ بخاری شریف جلد ۲۔ کتاب الادب ——— ص ۹۰۹۔ اصح المطابع دہلی)

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ انسان کا شکم اگر پیپ اور کچ لہو سے پُر ہو جائے تو یہ بہتر ہے بمقابلہ اس کے کہ وہ اشعار سے پُر ہو۔ اب احادیث میں تعارض ہو گیا۔ بعض سے جواز اور بعض سے عدم جواز معلوم ہوا۔ حضراتِ علماء صالحین رحمۃ اللہ علیہم نے اس تعارض کو اس طرح دور کیا کہ اشعار دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک وہ جس میں عورتوں کے متعلق عریاں اور فحش مضامین ہوتے ہیں یا اخلاقِ بد کی تلقین ہوتی ہے یا ہجو صالحین یا غیبتِ مسلمین یا اور اسی قسم کے دیگر لغویات و خرافات ہوتے ہیں، چنانچہ ایسے اشعار کا کہنا، سننا اور پڑھنا سب ممنوع ہے۔ ہاں وہ اشعار جو حکمت و موعظت، حمد و ثنا، نعت و منقبت، ذکرِ ذات و صفات، عشقِ خداوندی، عشقِ رسول علیہ السلام، عشقِ خاصان خدا پر مشتمل ہوں وہ حسن ہیں۔ اُن کا پڑھنا، سننا اور کہنا ممنوع نہیں بلکہ جائز ہے۔ چند آدمی مل کر اگر شعر پڑھیں تو اس میں کچھ کلام ہوا ہے۔ لیکن بظاہر کوئی مضائقہ کی بات نہیں۔ اس لیے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے چند چھوٹی چھوٹی بچیوں نے نعتیہ اشعار پڑھے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع نہیں فرمایا۔ ہاں ایک یا چند افراد مزامیر کے ساتھ اشعار پڑھیں تو جمہور علماء کرام کے نزدیک یہ ممنوع ہے۔ بعض اہل صلاح نے اس کی اجازت دی ہے۔ مثلاً حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے "احیاء العلوم" اور "کیمیائے سعادت" میں اس کے جواز کا مختلف اَدلّہ سے اثبات کیا ہے۔ اگرچہ حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ امتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں محترم جلیل القدر ولی کامل اور عالمِ باعمل ہیں مگر بات فتوے کے قابل وہی ہوتی ہے جو جمہور علماء کرام رحمۃ اللہ علیہم کا مسلک ہو۔ حنفیہ کا منصب ہے کہ وہ جمہور احنافؒ کا قول دیکھیں۔ جمہور احنافؒ نے مزامیر کے ساتھ اشعار پڑھنے کی اجازت نہیں دی ہے۔

حضرات صوفیہ کرامؒ میں بھی اختلاف ہے۔ حضراتِ (مشائخ) چشتیہؒ اس کے جواز کی طرف عموماً رجحان رکھتے ہیں لیکن جواز کے لیے جو شرائط مشائخِ چشتؒ کی کتابوں میں مذکور ہیں وہ اس زمانہ میں عموماً مفقود ہیں۔ اس لیے تصوف اور چشتیت کی آڑ پکڑ کر قوالی کے نام کے ساتھ گانا سننا مزامیر کے ساتھ کسی طرح مناسب نہیں۔ اکابر اولیاء کرام رحمۃ اللہ علیہم میں سے بعض جلیل القدر حضرات اولیاء کرامؒ نے قوالی سنی ہے۔ لیکن انہی شرائط کے ساتھ جو حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے لگائی ہیں۔ (حضرت قبلہؒ اپنے شیخ محترم کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں) سیدی و مرشدی مولائی و ملجائی حضرت قبلہ وزیر محمد خان صاحب

(باقی اگلے صفحہ پر)

ایصالِ ثواب کی تاریخ کا معین کرنا

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایصالِ ثواب کا جواز خواہ عبادت بدنی ہو یا مالی یا مرکب، صحاح کی کتابوں میں مذکور ہے، اور یہی حضراتِ علماءِ احناف کا مسلک ہے، لیکن قبولیت کے لیے کوئی تاریخ یا وقت شرط نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کسی وقت بھی قبول فرما سکتا ہے۔ سہولت کے لیے اگر تواریخ اور اوقات کا تعین کیا جائے تو مضائقہ نہیں۔ ہاں اس کو شرطِ قبولیت تصور کرنا بدعتِ سیئہ ہے۔ اس کے متعلق بحث گیارہویں شریف کے مضمون میں گذر چکی۔

جماعتِ ثانیہ

جس مسجد میں جمعہ کی نماز ایک بار ہو چکی ہو، وہاں دوبارہ جمعہ کی نماز پڑھنا ممنوع ہے۔ اس مسئلہ میں کسی کے نزدیک کوئی اختلاف نہیں ——— البتہ پنجگانہ نمازوں میں کوئی نماز جماعت کے ساتھ پہلے پڑھ لی گئی ہے تو دوبارہ اس میں جماعت ہو سکتی ہے یا نہیں۔ یہ مسئلہ تفصیل طلب ہے۔

وہ مسجد جس کے لیے امام معین ہو اور وہاں باقاعدہ جماعت کا اہتمام ہو، اس میں ایک بار جماعت ہو جانے کے بعد دوسری جماعت ہیئتِ اُولیٰ پر یعنی جدید اذان کے ساتھ اُسی مُصلّے پر مکروہِ تحریمی ہے ——— اور اگر اذان نہ دی جائے اور مصلّے کو محراب سے ہٹا دیا جائے تو بعض متوہب الخیال علماء نے اس جماعتِ ثانیہ کو مکروہِ تنزیہی سمجھا ہے۔

حُصولِ ثواب کے لیے جماعتِ ثانیہ کرنا مُباح ہے

لیکن حضراتِ علماء رام پور رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک دوسری جماعت مُباح، بلکہ حصولِ ثواب جماعت کے لیے بہتر ہے، طریقہ یہی ہے کہ مصلّے محراب میں جماعتِ ثانیہ کرتے وقت نہ ہو، بلکہ محراب سے ہٹا لیا جائے۔

میرا طریقہ

میرا رجحان اس مسئلہ میں حضراتِ علماءِ رام پور ہی کی طرف ہے۔ حضرت مولانا عبدالحی صاحب فرنگی محلی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ نے دوسری جماعت کے لیے اقامت[1] کی اجازت دی ہے۔

(حاشیہ بقیہ ص ——) رحمۃ اللہ علیہ نے بھی قوالی سنی ہے مگر انتہائی شرائط کے ساتھ۔ لیکن حضرت قبلہ سیدی و مرشدی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی حیاتِ طیبہ کے آخری زمانہ میں اس کی بہت تقلیل کر دی تھی اور آج سے (جب کتاب فیوضاتِ وزیریہ تصنیف فرمائی) تقریباً ساٹھ سال قبل فرمایا کرتے تھے کہ "اب سماع کی مجالس قابلِ شرکت نہیں رہیں"۔ اگر کوئی صاحبِ حال و کیف صوفی اپنی کیفیت کی بنا پر قوالی سنے تو علماءِ ظاہر سے مقابلہ (مناظرہ) نہ کرے۔ البتہ دف کا بجانا نکاح یا مسرت کے مواقع پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ممنوع نہیں بلکہ بعض اوقات اس کی پسندیدگی بھی منقول ہے۔

[1] قال دخل مع رفقائه مسجدا قد صلى فيه باذان واقامة وصلى مع الجماعة لم يؤذن ولا باس بالاقامة بل هو الافضل۔

عمدۃ الرعایہ علیٰ شرح الوقایہ جلد ا۔ کتاب الصلوٰۃ۔ ص ۱۳۶

اہلِ اسلام یہ خوب پیش نظر رکھیں مسلمانوں کے لیے یہ سمجھنا بہت ضروری ہے کہ جماعتِ ثانیہ کے جواز کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ عمداً کاہلی و سستی کر کے جماعتِ اولیٰ کو ترک کیا جائے اور اُس کی فضیلت اور اعلیٰ درجہ کے ثواب سے محروم رہا جائے۔ بلکہ یہ مقصد ہے کہ اگر مرض یا نیند یا کسی اور مجبوری کی وجہ سے جماعتِ اولیٰ سے آدمی محروم ہو جائے تو دوسری جماعت کر لے تو بہتر ہے۔

زیارتِ قبور کے لیے سفر شہر اور اس کے مضافات کی قبور پر جا کر فاتحہ خوانی کرنا تو متفق علیہ سنت ہے۔ البتہ مدتِ سفر کی مقدار پر جو قبور دور ہیں اُن کی زیارت کے لیے سفر کرنا، اس زمانہ میں معرکۃ الآرا مسئلہ بن گیا ہے۔

ابن تیمیہ کا جمہور اہلِ حق کے مسلک سے انحراف ابن تیمیہ[1] نے اس مسئلہ میں اس قدر تشدد اختیار کیا ہے کہ حضور خاتم النبیین رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس کی زیارت کے لیے سفر کرنا بھی ان کے نزدیک ممنوع ہے۔ ابن تیمیہ کا قول یہ ہے کہ سفر میں مسجدِ نبوی کی نیت کرنا اور وہاں پہنچ کر زیارتِ روضۂ اقدس کر لینا چاہیئے۔ ابن تیمیہ کا یہ مسلک جمہور اہلِ حق کے بالکل خلاف ہے۔

---

[1] علامہ ابن تیمیہ الحرانی نے سلف صالحینؒ کے مبارک طریقہ سے ہٹ کر "الوسیلہ" کتاب میں اپنا نظریہ ظاہر کیا ہے کہ:

"جس نے قبرِ نبوی پر آنے کی منت مانی ہے اگر قبر کا ارادہ ہے تو نہ آئے، لیکن مسجد کا قصد ہے تو آئے۔"

(الوسیلہ - توحید کامل کے ذیل میں - ص ۱۸۶ - مطبوعہ کریمی پریس لاہور - سنہ اشاعت ۱۳۴۴ھ)

الوسیلہ صفحہ ۲۴۵ میں ہے:

"یاد رکھو دعا و شفاعت طلب کرنے کے لیے قبروں پر جانا، چاہے وہ انبیاء کی ہوں یا صالحین کی ہرگز جائز نہیں۔"

صفحہ ۲۲۲ میں ابن تیمیہ نے لکھا ہے:

"کہ زندگی میں وسیلہ چاہنے اور وفات کے بعد وسیلہ چاہنے کو یکساں قرار دینا سخت گمراہی ہے۔" (معاذاللہ)

جبکہ سلف صالحین علیہم الرحمۃ حضرت امام محمد بن محمد الغزالی شافعی، حضرت امام ابن ہمام حنفی، حضرت امام ابوالحسن علی تقی الدین سبکی شافعی اور حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہم وغیرہ بے شمار علماءِ اخیار اور تمام جمہور اہلِ حق یعنی اہلِ سنت وجماعت کا اس مسئلہ میں مکمل اتفاق ہے کہ حج کرنے کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس کی زیارت کی نیت کر کے مدینہ منورہ جانا مستحب ہے۔ احنافؒ کے نزدیک واجب ہے۔ بعض حنابلہ بھی وجوب کے قائل ہیں، لیکن مستحب ہونے میں ذرا بھی کسی کو کلام نہیں۔ احادیث شریفہ میں صراحت کے ساتھ حضور نبی اکرم صلی اللہ

علیہ وسلم نے اپنی قبرِ مبارک کی زیارت کا حکم عنایت فرمایا ہے۔

غیر مقلدین وہابیہ اکثر اردو میں کتابچے شائع کرا کر اہلِ سنت کے خوش عقیدہ عوام کو یہ کہہ کر ورغلاتے رہتے ہیں کہ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس کی زیارت کے سلسلہ میں جو احادیث منقول ہیں وہ سب کی سب موضوع ہیں۔ لہذا اُن احادیث کو صحیح ماننا اور زیارتِ روضۂ مطہرہ کی نیت سے دربارِ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام میں حاضر ہو کر صلوٰۃ وسلام پیش کرنا بدعت ہے، ناجائز ہے۔ (استغفر اللہ) اور علامہ ابن تیمیہ حرّانی کی کتاب "الوسیلہ" کی ناپسندیدہ عبارتوں کا وہ حوالہ دیتے ہیں کہ ابن تیمیہ نے روضۂ اطہر کی نیت سے سفرِ مدینہ منورہ کرنے کو ناجائز کہا ہے۔

ہمارا کہنا ہے کہ غیر مقلدین اپنے کو اہلِ حدیث کہتے ہیں اور ان کا بڑا دعویٰ ہے کہ ہم ائمۂ اربعہ علیہم الرحمہ کی تقلید نہیں کرتے بلکہ براہِ راست احادیث پر خود عمل کرتے ہیں۔ اُن کا یہ دعویٰ محض فریب اور عیاری کے سوا کچھ نہیں۔ کیوں؟ اس لیے کہ آپ لوگ آٹھویں صدی ہجری کے ایک عالم ابن تیمیہ کی تقلید تو کرتے ہیں، مقلّد تو آپ بھی ہوئے۔ آپ ابن تیمیہ کی کتابوں کے حوالے دے کر لوگوں کو گمراہ کیوں کرتے ہیں؟ آپ کیسے اہلِ حدیث ہیں؟ حضرات ائمۂ اربعہ علیہم الرحمہ کے مقلدین پر یہ الزام کہ وہ تقلیدِ جامد میں مبتلا ہیں۔ تقلید کا طوق تو گلے میں آپ بھی ڈالے ہوئے ہیں۔ آپ لوگوں کو ابن تیمیہ ابن قیم اور ابن عبدالوہاب نجدی کی اتباع پر تو فخر ہے لیکن حضرات ائمۂ اربعہ علیہم الرحمہ کی تقلید سے چڑ ہے۔ یہ آپ لوگوں کی کون سی پالیسی کہی جائے گی؟

اب ہم غیر مقلدین اور اُن کے سرخیل ابن تیمیہ کے اقوال اور نظریات کا تحقیقی جائزہ علماءِ اعلام رحمہم اللہ کے اقوالِ مبارکہ کی روشنی میں پیش کر رہے ہیں، تاکہ ایسے گمراہوں کی گمراہی کا پردہ فاش ہو اور اہلِ سنت وجماعت کے عوام محبتِ رسول انور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے قلوب میں قائم کریں اور اسی محبت کو ایمانی حرارت کا سب سے اہم ذریعہ تصور کرتے ہوئے اُن کے مکروہ عزائم سے محفوظ و مامون رہ سکیں۔

امام ابوالحسن علی تقی الدین سُبکی شافعی علیہ الرحمہ (ولادت یکم صفر ۶۸۳ھ۔ وفات ۳ جمادی الاخریٰ ۷۵۶ھ) جو ابن تیمیہ کے ہمعصر تھے۔ ان کی تالیف لطیف "شفاء السقام فی زیارۃ خیر الانام" کے حوالے سے یہ ثابت کریں گے کہ زیارتِ روضۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سلسلہ میں جو احادیث شریف وارد ہیں، وہ موضوع ہیں یا حَسن اور یا صحیح ہیں جب ابن تیمیہ نے اپنے دور میں ان احادیث کو موضوع کہا تو اُن کے ہمعصر علامہ محقق امام تقی الدین سُبکی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے رد میں یہ کتاب تالیف کی، جس میں دلائل کے ساتھ ابن تیمیہ کے ناپسند اقوال کا خوب رد فرمایا ہے۔ امام سبکی نے اپنی کتاب میں پندرہ احادیث نقل کی ہیں اور ثابت کیا ہے کہ زیارتِ روضۂ اقدس کے سلسلہ میں جن پندرہ احادیث کا میں نے ذکر کیا ہے، وہ سب "حَسن" اور "صحیح" کا درجہ رکھتی ہیں۔

ابن تیمیہ کا رد کرنے والے متقدمین علماءِ اعلام اور ائمۂ علومِ شرعیہ میں امام ابن حجر عسقلانی شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے "فتح الباری"

سلسلہ حاشیہ

شرح صحیح البخاری" کی جلد ثالث صفحہ ۵۳-۵۴ میں مذہب ابن تیمیہ کا بہترین رد کیا ہے اور علامہ عینی حنفیؒ نے "عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری" جلد ثالث صفحہ ۶۸۲ میں اور علامہ محقق امام ابن الہمام حنفیؒ نے "فتح القدیر شرح ہدایہ" کی جلد ثانی صفحہ ۳۳۶ میں ابن تیمیہ کا بہت خوب علمی رد فرمایا ہے۔ یہ حضرات علماءِ اعلام اور ان کے علاوہ دوسرے بہت سے عالی مرتبت علماءِ کرام ساڑھے سات سو سال سے امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کو برابر متنبہ فرما رہے ہیں کہ ابن تیمیہ کے غلط اور انتہائی نامناسب اقوال سے خود کو محفوظ رکھو۔ ابن تیمیہ کے نہایت غلط اقوال میں سے ایک غلط قول یہ ہے کہ سرکار سید الانام آقائے کائنات ارواحنا فداہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کے روضۂ مطہرہ کی نیت سے مدینہ منورہ کا سفر کرنا جائز نہیں اور یہ سفر معصیت ہے، لہٰذا نماز کی بھی قصر نہ ہوگی۔ نابغہ روزگار ائمہ اسلام اور عالی مرتبت علماءِ خیر نے ابن تیمیہ کے دور سے ہی اُن کے اس قولِ بد کی تردید میں کتابیں تصنیف و تالیف کی ہیں۔ "علامہ قاضی اخنائی مالکیؒ نے اُس وقت کے سلطان ناصر کو ایک عریضہ مصر بھیجا کہ ابن تیمیہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اقدس میں گستاخی کا ارتکاب کرنے کے باعث قتل کرا دیا جائے۔ اس عرضداشت پر علماءِ خیر کی ایک کثیر جماعت نے دستخط کیے تھے۔ چنانچہ سلطان ناصر نے ابن تیمیہ کو قتل کے بجائے قلعۂ دمشق (ملک شام) میں قید کر دیا، اور جمعہ ۱۰ شعبان ۷۲۶ھ کو جامع مسجد دمشق میں سلطانِ وقت کی طرف سے اعلان ہوا کہ ابن تیمیہ کو انبیاءِ کرام (علیہم الصلوٰۃ والسلام) کی قبور کی زیارت سے منع کرنے کی پاداش میں قید کی سزا دی جاتی ہے۔ لہٰذا مستقبل میں وہ کوئی فتویٰ بھی نہیں دے سکتے۔" (بحوالہ امام ابن تیمیہ از مولانا محمد یوسف کوکنی ص ۵۶۴-۵۶۵)

شیخ الاسلام امام حافظ جلال الدین سیوطی شافعیؒ نے "خصائصِ کبریٰ" جلد ثانی صفحہ ۲۰۳ میں فرمایا ہے:

باب اختصاصہ صلی اللہ علیہ وسلم بتفضیل بلدیہ علی سائر البلاد وبان الدجال والطاعون لا یدخلہما وبفضل مسجدہ علی سائر المساجد وبان البقعۃ التی دفن فیہا افضل من الکعبۃ والعرش

ترجمہ: یہ باب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس خصوصیت میں ہے کہ آپ کے دونوں شہر مکہ و مدینہ کو باقی تمام شہروں پر فضیلت دی گئی ہے۔ ان دونوں شہروں میں دجال اور طاعون کے داخل نہ ہونے کی خصوصیت بھی بیان کی گئی ہے اور یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ آپ کی مسجد باقی تمام مساجد سے افضل ہے اور اس خصوصیت کا بھی بیان ہے کہ زمین کا وہ حصہ جس میں آپ مدفون ہیں وہ کعبہ اور عرش سے بھی افضل ہے۔

قال العلماء محل الخلاف فی التفضیل بین مکۃ والمدینۃ فی غیر قبرہ صلی اللہ علیہ وسلم اما هو فافضل البقاع بالاجماع بل وافضل من الکعبۃ بل ذکر ابن عقیل الحنبلی انہ افضل من العرش۔

ترجمہ: علماءِ کرام نے فرمایا ہے کہ علاوہ قبرِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مکہ اور مدینہ کے تمام باقی حصوں میں فضیلت دیئے جانے پر اختلاف ہے لیکن قبرِ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام وہ تو اجماعاً سارے خطوں سے افضل ہے بلکہ

سلسلہ حاشیہ

کعبہ سے بھی افضل ہے۔ ابن عقیل حنبلیؒ نے تو یہاں تک ذکر کیا ہے کہ وہ عرش سے بھی افضل ہے

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ "مدارج النبوۃ" جلد ثانی صفحہ ۸۰۵ میں تحریر فرماتے ہیں:

"امام تاج الدین سبکی رحمۃ اللہ علیہ گفتہ است، کدام جنت است کہ بر حجرۂ شریفہ آں را افضل نہند قبر شریف افضل است از تمامہ اماکن، چہ بہشت وچہ جزءِ آن وگفتہ است اگر آں را بر عرش عظیم فضل نہند نہ می دانم ہیچ مؤمنِ صادق را کہ توقف کند دراں کہ ہمہ طفیل شریف اوست۔"

ترجمہ: امام تاج الدین سبکی رحمۃ اللہ علیہ (صاحبزادہ امام تقی الدین سبکیؒ) نے فرمایا ہے کہ وہ کون سی جنت ہے کہ آپ کے مبارک حجرہ سے اسے افضل کہہ سکیں۔ واقعی قبر شریف تمام مقامات سے افضل ہے بہشت ہو یا اس کا کوئی حصہ، اور یہ بھی (امام تاج الدین سبکیؒ نے) فرمایا ہے کہ اگر اس قبرِ مبارک کو عرشِ عظیم پر بھی فضیلت دی جائے تو میں نہیں جانتا کہ کسی بھی سچے مؤمن کو اس میں تأمل ہو، کیونکہ یہ سب حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے طفیل شریف کا سرمایہ ہے۔

علامہ محقق امام ابن الہمام حنفی رحمۃ اللہ علیہ نے "فتح القدیر" میں تحریر فرمایا ہے کہ مدینہ منورہ کے سفر کا کوئی امتی قصد کرے تو وقتِ ارادہ صرف امام الانبیاء، خاتم الرسل سید الاولین والآخرین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارتِ شریفہ کی نیت کرے، تاکہ "من جاءنی زائراً لا یعملہ حاجۃ الا زیارتی کان حقاً علی ان اکون لہ شفیعاً یوم القیٰمۃ" کا حقدار قرار پائے۔ سرکار سید الانام صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد عالی ہے جو میری زیارت کو اس حال میں کہ اُس کو صرف میری زیارت کا شوق ہی لائے کوئی اور حاجت اس کے پیش نظر نہ ہو تو مجھ پر حق ہوگا کہ میں اُس کے لیے قیامت کے دن شفیع بنوں۔

امام ابوالحسن علی تقی الدین سُبکی رحمۃ اللہ علیہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اطہر کی زیارت کے سلسلے میں پندرہ احادیث شریف اپنی تالیف "شِفاء السقام فی زیارۃِ خیر الانام" میں نقل کی ہیں اور ان تمام احادیثِ مبارکہ کی بابت فرمایا ہے کہ ان کی روایات صحیح، مستند اور ثقہ ہیں اور تمام احادیث کو "حسن"، "اور صحیح" فرمایا ہے۔ امام سبکیؒ نے ان جملہ احادیث کو جو وضاحۃً زیارت روضۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں منقول ہیں اپنی تحقیق سے ثابت کیا ہے کہ یہ احادیث مبارکہ روایۃً وسنداً قوی اور استناد کا درجہ رکھتی ہیں۔

پہلی حدیث: مَنْ زَارَ قَبْرِیْ وَجَبَتْ لَہٗ شَفَاعَتِیْ (جس نے میری قبر کی زیارت کی واجب ہوگئی اس کے لیے میری شفاعت) اس حدیث کو دارِ قطنیؒ اور امام بیہقیؒ وغیرہ نے نقل کیا ہے۔ حدیث مذکور کی چند اسناد بیان کرنے اور ردّ وقدح کے بعد علامہ سبکیؒ فرماتے ہیں کہ بہر نوع یہ حدیث "حسن" کے مرتبہ سے کم نہیں۔ پھر وہ احادیث جن میں زیارت کی ترغیب دلائی گئی ہے۔ دس سے زیادہ ہیں۔ ایسی حالت میں وہ احادیث اس حدیث کے درجہ کو

سلسلہ حاشیہ

قوی بنا دیتی ہیں جس سے یہ حدیث "حَسَن" کے مرتبہ سے بڑھ کر "صَحِیح" کے مرتبہ کو پہنچ جاتی ہے۔ پھر یہ بھی پیشِ نظر رکھنا ضروری ہے کہ کسی حدیث کے ضعیف ہونے کی وجہ ایک تو یہ ہوتی ہے کہ اُس کی سند کا کوئی راوی کاذب (جھوٹا) ہو۔ کسی حدیث کی متعدد اسناد اس طرح کی ہوں تو بھی وہ اسناد اس کو قوت کا درجہ نہیں دے سکتیں۔ دوسری وجہ ضعیف کی یہ ہے کہ اس کی سند میں کوئی راوی ضعیف الحافظہ (کمزور حافظہ والا) ہو۔ اس طرح کی ضعیف اسناد کا تعدد لازماً اس بات کو واضح کر دیتا ہے کہ سند میں راوی کے حافظہ کی کمزوری کا اثر نہیں ہے، اور یہ حدیث ایسی اسناد کے تعدد کی وجہ سے "حَسَن" اور "صَحِیح" کے مرتبہ تک پہنچ جاتی ہے۔ اس حدیث کی اسناد پر اپنی تحقیقی بحث کے بعد علامہ سبکیؒ فرماتے ہیں کہ ثابت ہو جاتا ہے کہ کسی شخص کا یہ قول کہ زیارت کے تعلق سے جملہ احادیث موضوع ہیں، صرف بہتان اور کذب بیانی ہے۔ جو بات آج تک کسی عالم یا محدث نے نہیں فرمائی، وہ اللہ جل جلالہٗ سے نہیں شرماتا۔ جب کسی عالم یا محدث نے اس حدیث کے راوی کو "وَضع" سے مُتّہم نہیں کیا تو پھر کس طرح کسی مسلم کے لیے یہ جائز ہو گا کہ وہ زیارت کی جملہ احادیث کو موضوع قرار دے دے۔

دوسری حدیث: مَنْ زَارَ قَبْرِیْ حَلَّتْ لَہٗ شَفَاعَتِیْ (جس نے میری زیارت کی اس کے واسطے میری شفاعت حلال ہو گئی) یہ حدیث امام ابو بکر احمد البزار نے اپنی "مُسند" میں نقل فرمائی ہے۔ بعض محدثین کرامؒ نے اس حدیث اور پہلی حدیث کو ایک ہی فرمایا ہے، لیکن چونکہ اس حدیث میں وَجَبَتْ کے بجائے حَلَّتْ کا لفظ ہے۔ علامہ سبکیؒ اس حدیث کی سند نقل کرنے اور اس پر بحث کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ اس روایت کی سند کے جن راویان پر کچھ کلام ہوا ہے وہ بہر نوع فسق و فجور اور کذب بیانی سے مُبرّا ہیں۔

تیسری حدیث: مَنْ جَاءَنِیْ زَائِرًا لَا یَعْمَلُہٗ حَاجَۃٌ اِلَّا زِیَارَتِیْ کَانَ حَقًّا عَلَیَّ اَنْ اَکُوْنَ لَہٗ شَفِیْعًا یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ (جو آیا میرے پاس زیارت کے واسطے اور اُس کو اس عمل میں کسی حاجت نے سوائے زیارت کے نہیں لگایا تو مجھ پر حق ہے کہ میں اُس کی شفاعت کرنے والا بنوں قیامت کے روز) اس حدیث کو طبرانیؒ نے "معجم کبیر" میں، دارِ قطنی نے "امالی" میں اور ابو بکر بن المقری نے "معجم" میں نقل کیا ہے اور ابن سکنؒ نے اس کو صحیح فرمایا ہے۔ اگرچہ بعض روایات میں لَا یَعْمَلُہٗ کی جگہ لَا یَنْزِعُہٗ کا لفظ ہے، مطلب ایک ہی ہے۔ ابن سکنؒ نے اپنی تالیف "اَلسُّنَنُ الصِّحَاحُ الْمَاثُوْرَۃُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ" کے خطبہ میں فرمایا ہے کہ جو روایت میں نے نقل کی ہے وہ بالاتفاق ائمہ حدیث کے نزدیک صحیح ہے یا کسی امام کے نزدیک صحیح ہے۔ پھر مذکورہ حدیث کو "کتاب الحج" میں بَابُ ثَوَابِ مَنْ زَارَ قَبْرَ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم کے تحت ذکر فرمایا ہے۔ ثابت ہوا کہ بلا شک و شبہ یہ حدیث ان کے نزدیک صحیح کا درجہ رکھتی ہے۔ ابن سکنؒ نے حدیث کو جس باب کے تحت نقل کیا ہے اس سے ثابت ہو جاتا ہے کہ زیارت سے قبر شریف پر حاضری مراد ہے یا زیارت میں تعمیم

سلسلہ حاشیہ ـــــــــ

ہے خواہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دنیا کی ظاہری حیات میں ہو یا بعد الوفات ہو۔

چوتھی حدیث: مَنْ حَجَّ فَزَارَ قَبْرِیْ بَعْدَ وَفَاتِیْ فَکَاَنَّمَا زَارَنِیْ فِیْ حَیَاتِیْ (جس نے حج کیا پھر میری وفات کے بعد میری قبر کی زیارت کی تو گویا اس نے میری زندگی میں میری زیارت کی) دارِ قطنی نے اپنی سنن میں اور دوسرے محدثین نے بھی اس حدیث کی روایت کی ہے۔ علامہ سبکیؒ نے اس حدیث کی روایت کی اسناد پر بحث کرنے کے بعد اور اس کی اسناد پر جو کلام کیا گیا اُن کے نہایت مدلل اور اطمینان بخش جوابات دیئے ہیں۔

پانچویں حدیث: مَنْ حَجَّ الْبَیْتَ وَلَمْ یَزُرْنِیْ فَقَدْ جَفَانِیْ (جس نے حج بیت اللہ کیا اور میری زیارت نہیں کی پس اس نے مجھ پر ظلم کیا) اس حدیث کو ابن عدی نے "کامل" میں نقل کیا ہے۔ اس کے راویوں میں النعمان بن شبل ہیں، ان کے بارے میں علامہ سبکیؒ کا قول ہے کہ نعمان بن شبل کو عمران بن موسیٰ نے مستند اور ثقہ فرمایا ہے اور موسیٰ بن ہارون نے ان کو متہم کہا ہے۔ اس لیے اس پر توثیق کو ترجیح دی جائے گی۔ یہ بات پیشِ نظر رہے کہ حضراتِ محدثینؒ کسی روایت پر "منکر" اور "غریب" ہونے کا حکم لگاتے ہیں تو اکثر اوقات اُس خاص قسم کی سند کی وجہ سے یہ حکم لگاتے ہیں، لیکن اس کی وجہ سے متنِ حدیث کو رد نہیں کیا جا سکتا۔

چھٹی حدیث: مَنْ زَارَ قَبْرِیْ اَوْ مَنْ زَارَنِیْ کُنْتُ لَہٗ شَفِیْعًا اَوْ شَہِیْدًا (حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یا تو مَنْ زَارَ قَبْرِیْ فرمایا یعنی جس نے میری قبر کی زیارت کی یا مَنْ زَارَنِیْ فرمایا یعنی جس نے میری زیارت کی میں اس کی شفاعت کرنے والا ہوں گا۔ یا اَوْ شَہِیْدًا فرمایا یعنی میں اس کا گواہ ہوں گا۔ اس حدیث کو ابو داؤد طیالسی نے اپنی "مسند" میں نقل کیا ہے۔ علامہ سبکیؒ نے حدیث مذکور کی اسناد پر جملہ اعتراضات کا دلیلوں کے ساتھ جواب دیا ہے۔

ساتویں حدیث: مَنْ زَارَنِیْ مُتَعَمِّدًا کَانَ فِیْ جِوَارِیْ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ (جو میری زیارت کا ارادہ کرے گا وہ قیامت کے روز میری پناہ میں ہوگا) اس حدیث کو عقیلی وغیرہ نے نقل کیا ہے۔ اس حدیث کی روایت کی سند میں ہارون کو ازدی نے غیر ثقہ قرار دیا ہے لیکن ابن حبانؒ نے ان کو ثقہ حضرات میں شامل فرمایا ہے۔ ازدی کے مقابلہ میں ابن حبان کا درجہ و رتبہ ارفع و اعلیٰ ہے۔

آٹھویں حدیث: مَنْ زَارَنِیْ بَعْدَ مَوْتِیْ فَکَاَنَّمَا زَارَنِیْ فِیْ حَیَاتِیْ (جس نے میرے وصال کے بعد میری زیارت کی گویا اس نے میری زندگی میں میری زیارت کی) اس حدیث کو دارِ قطنی وغیرہ نے نقل کیا ہے۔ بعض اسناد میں یہ الفاظ ہیں وَمَنْ مَاتَ بِاَحَدِ الْحَرَمَیْنِ بُعِثَ مِنَ الْاٰمِنِیْنَ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ (یعنی جو حرم مکہ یا حرم مدینہ میں مرے گا قیامت کے دن وہ امن و امان کی حالت میں اٹھے گا)

نویں حدیث: مَنْ حَجَّ حَجَّۃَ الْاِسْلَامِ وَزَارَ قَبْرِیْ وَغَزَا غَزْوَۃً وَصَلّٰی عَلَیَّ فِیْ بَیْتِ الْمَقْدِسِ

سلسلہ حاشیہ

لَمْ يَسْأَلْهُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ فِيْمَا افْتَرَضَ عَلَيْهِ (جس شخص نے فرض حج کیا اور میری قبر کی زیارت کی اور جہاد کیا اور میرے اوپر درود بھیجا بیت المقدس میں، اللہ تعالیٰ اس سے دوسرے فرائض کے سلسلے میں سوال نہیں فرمائے گا) حافظ ابو الفتح الازدی نے یہ روایت نقل کی ہے۔

دسویں حدیث: مَنْ زَارَنِيْ بَعْدَ فَكَأَنَّمَا زَارَنِيْ وَأَنَا حَيٌّ (جس شخص نے میری وفات کے بعد میری زیارت کی گویا اس نے میری زیارت کی ایسی حالت میں کہ میں زندہ ہوں) اس حدیث کو ابو الفتوح سعید بن محمد یعقوبی نے نقل فرمایا ہے۔

گیارہویں حدیث: مَنْ زَارَنِيْ بِالْمَدِيْنَةِ مُحْتَسِبًا كُنْتُ لَهٗ شَهِيْدًا أَوْ شَفِيْعًا (جس نے ثواب کی نیت سے میری زیارت مدینہ میں کی، میں اس کا گواہ اور شفاعت کرنے والا ہوں) حضرت سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی اس روایت کو تین اسناد سے نقل کرنے کے بعد علامہ تقی الدین سبکیؒ فرماتے ہیں کہ تینوں مذکورہ اسناد کا اصل محمد بن اسمٰعیل بن ابی فدیک ہیں اور ان کی ذات تمام محدثین کرامؒ کے نزدیک ثقہ و مستند ہے، یہ متفق علیہ ہے۔ البتہ سلیمان بن یزید جو روایت کی سند میں شامل ہیں اُن کو ابو حاتم الرازی نے "منکر الحدیث کہا ہے" لیکن حضرت ابن حبانؒ نے اُن کو ثقہ فرمایا ہے۔

بارہویں حدیث: مَا مِنْ أَحَدٍ مِنْ أُمَّتِيْ لَهٗ سَعَةٌ ثُمَّ لَمْ يَزُرْنِيْ فَلَيْسَ لَهٗ عُذْرٌ (جس کسی کو میری امت میں سے میری زیارت کرنے کا موقع ہو اور پھر وہ زیارت نہ کرے تو اُس کے لیے کوئی عذر نہیں) اس حدیث کو ابو عبد اللہ ابن النجار نے "الدر الثمینۃ فی فضائل المدینۃ" میں بیان کیا ہے۔

تیرہویں حدیث: مَنْ زَارَنِيْ حَتّٰى يَنْتَهِيَ إِلٰى قَبْرِيْ كُنْتُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ شَهِيْدًا أَوْ شَفِيْعًا (جس نے میری زیارت کی یہاں تک کہ میری قبر پر پہنچا میں قیامت کے دن اس کے لیے گواہ ہوں گا، یا فرمایا کہ میں اس کی سفارش کروں گا)

چودہویں حدیث: مَنْ لَمْ يَزُرْ قَبْرِيْ فَقَدْ جَفَانِيْ (جس نے میری قبر کی زیارت نہیں کی پس اس نے میرے اوپر ظلم کیا) اس حدیث کو ابو الحسین نے "اخبار المدینۃ" میں اور ابن النجار نے "الدر الثمینۃ" میں نقل کیا ہے۔

پندرہویں حدیث: مَنْ أَتَى الْمَدِيْنَةَ زَائِرًا إِلَيَّ وَجَبَتْ لَهٗ شَفَاعَتِيْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَمَنْ مَاتَ فِيْ أَحَدِ الْحَرَمَيْنِ بُعِثَ آمِنًا (جو میری زیارت کے لیے مدینہ میں آیا واجب ہوگئی اس کے واسطے میری شفاعت، اور جو کوئی دونوں حرموں میں سے کسی ایک حرم میں مرا قیامت کے دن اسے امن سے اٹھایا جائے گا) اس حدیث کو یحییٰ الحسینی نے "اخبار المدینۃ" میں نقل کیا ہے۔ بعض دوسری روایات کے آخر میں

سلسلہ حاشیہ ——————————

یہ الفاظ بھی ملتے ہیں مَنْ لَمْ یُمْکِنْهُ زِیَارَتِیْ فَلْیَزُرْ قَبْرَ اِبْرَاهِیْمَ خَلِیْلِ اللّٰهِ جس کے لیے یہ ممکن نہ ہو کہ وہ میری زیارت کرے تو وہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت کرلے۔ اس حدیث سے غالباً یہ مراد ہے کہ یہ ارشاد علاقہ عرب کے قرب وجوار کے باشندوں کے واسطے خاص ہے کہ اگر ان میں سے کوئی کسی اہم عذر کی وجہ سے میری قبر مبارک کی زیارت کرنے کی استطاعت نہیں رکھتا ہے تو وہ قریب میں حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قبر کی زیارت کرلے۔ اور جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کی زیارت کی تو استطاعت رکھتا ہے لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قبر کی وہ زیارت کرے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک قبر کی زیارت نہ کرے یہ فہم سے بالاتر ہے۔ معلوم یہی ہوتا ہے کہ یہ عرب باشندوں کے لیے بوجہ قرب ونزدیکی کے باعث ارشاد فرمایا گیا ہے۔

ابوداؤد شریف میں حضرت سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ حدیث شریف مروی ہے: مَا مِنْ اَحَدٍ یُسَلِّمُ عَلَیَّ اِلَّا رَدَّ اللّٰهُ عَلَیَّ رُوْحِیْ حَتّٰی اَرُدَّ عَلَیْهِ السَّلَامَ۔ نہیں ہے کوئی جو مجھ پر سلام بھیجے مگر اللہ مجھ پر میری روح لوٹاتا ہے، یہاں تک کہ میں اس کو سلام کا جواب دیتا ہوں۔

امام سبکیؒ فرماتے ہیں سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام بھیجنے کی دو شکلیں ہیں۔ ایک صورت تو دعا ہے جیسا کہ ہمارا عمل ہے صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یعنی اے اللہ! تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام نازل فرما۔ اللہ تعالیٰ اپنے کلام مجید میں ارشاد فرماتا ہے: اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا ٥ بے شک اللہ اور اس کے فرشتے رسول پر درود بھیجتے ہیں، اے مومنو! تم بھی درود بھیجو ان پر اور سلام پہنچاؤ ان پر —— بخاری اور مسلم میں حدیث پاک ہے کہ قرآن مجید کی اس آیۃ کریمہ کے نازل ہونے کے بعد حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا یارسول اللہ (صلی اللہ علیک وسلم) ہمیں سلام بھیجنے کا طریقہ تو معلوم ہوگیا اے رسول کریم! ہم صلوٰۃ کیسے بھیجیں۔ سرکار سید الانام صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم اس طرح پڑھا کرو اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاهِیْمَ وَبَارِكْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَكْتَ عَلٰی اِبْرَاهِیْمَ فِی الْعَالَمِیْنَ اِنَّكَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

حضرات علماء ربانیینؒ کہتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ سلام کا طریقہ وہی ہے جو امت کو "التحیات" میں تلقین فرمایا گیا ہے۔ یعنی اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ۔

سلام بھیجنے کی دوسری صورت یہ ہے جو عام طور پر سلام کیا جاتا ہے یعنی ایک دوسرے سے ملاقات کے وقت۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری حیاتِ مقدسہ میں جیسے سلام کیا جاتا تھا ویسے ہی اب بعد وصال کے بھی سلام کیا جاتا ہے۔ حضرت سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف پر حاضر ہوتے تھے تو عرض کرتے تھے اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ۔ اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا اَبَابَکْرٍ

سلسلہ حاشیہ

الصِّدِّیق۔ اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا اَبِیْ۔ ایک حدیث مبارک میں فرماتے ہیں۔" جو شخص میری قبر پر آکر صلوٰۃ وسلام مجھ پر بھیجتا ہے، میں اس کے سلام کو سنتا ہوں اور جواب بھی مرحمت فرماتا ہوں"۔ نیز ارشاد فرماتے ہیں" جو شخص کہیں سے بھی مجھ پر صلوٰۃ وسلام بھیجتا ہے، اللہ تعالیٰ کے فرشتے اس سلام کو میرے دربار میں پہنچا دیتے ہیں"۔ البتہ یہ بات یقینی اور متفق علیہ ہے کہ قبرِ مبارک کے قریب حاضر ہو کر جو سلام آپ پر پیش کرتا ہے آپ اس کا سلام یقیناً سماعت فرماتے ہیں اور جواب بھی عطا فرماتے ہیں یہی" حیاتُ النبی" ہونے کی واضح دلیل ہے۔ (مسلمان یہ خوب پیشِ نظر رکھیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یقیناً حیات ہیں۔ آپ کی وفات" کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَۃُ الْمَوْتِ" قانونِ الٰہی کے تحت وقتی اور آنی تھی، زمانی نہیں۔ جیسا کہ بعض لوگوں کا خیال ہے۔ اربابِ علم جانتے ہیں اور آپ کی ذاتِ اطہر سے محبتِ کاملہ رکھنے والے مانتے ہیں کہ آپ حیات ہیں اور بحکمِ خداوی عالم میں آپ کے تصرفات جاری وساری ہیں اور بحکمِ خداوندی اپنے امتیوں کی امداد اور فریادرسی فرماتے ہیں۔ ابن تیمیہ اور ان کے متبعین کا یہ خیال کہ قبرِ نبی اور دیگر انبیاءِ کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی قبور مبارکہ کے واسطے سفر کرنا (العیاذ باللہ) ناجائز ہے۔ کتنا نامناسب خیال ہے، یہی خیال آج کے غیر مقلدین وہابیہ کا بھی ہے۔ یہ محض نفسانی وسوسہ ہے۔ غیر مقلدین یہ غور نہیں کرتے کہ وہ حضراتِ محدثین عظام علیہم الرحمۃ والرضوان اور جلیل القدر متقدمین علماء اخیار علیہم الرحمہ کی تحقیقات اور اُن کے مبارک اقوال کو رد کرتے ہیں۔ یہ غیر مقلدین، حضور اکرم نورِ مجسم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کو یاد رکھیں" اِتَّبِعُوا السَّوَادَ الْاَعْظَمَ فَاِنَّہٗ مَنْ شَذَّ شُذَّ فِی النَّارِ" تم بڑی جماعت کی اتباع کو اپنے اوپر لازم کرو، جو تنہا رہا تنہا جہنم (دوزخ) میں گیا۔ جب اس سلسلہ میں امت کے سوادِ اعظم (بڑی جماعت حقہ) کا مکمل اتفاق واجماع ہے کہ روضۂ اطہر کی زیارت کے سلسلے میں منقول تمام ہی احادیثِ مبارکہ" حَسَنٌ" اور" صَحِیْحٌ" ہیں۔ یہی محدثینِ کرامؒ کی تحقیق ہے، تو اب غیر مقلدین ان احادیث کو موضوع کیسے کہتے ہیں؟ مذکورہ احادیث ہرگز موضوع نہیں ہیں بلکہ" حَسَنٌ" اور" صَحِیْحٌ" ہیں۔ ثابت یہ ہوا کہ غیر مقلدین اپنی شقاوتِ قلبی کے باعث مذکورہ بالا احادیث کو موضوع کہتے ہیں، تو سمجھ لیں کہ وہ" مَنْ شَذَّ شُذَّ فِی النَّارِ" جو تنہا رہا تنہا جہنم میں گیا کی وعید میں آرہے ہیں یا نہیں۔ ظاہر ہے سوادِ اعظم کے مبارک طریقے سے انحراف کرنے والوں کا انجام وہی ہوگا جو حدیث شریف میں ارشاد فرمایا گیا ہے۔ علماءِ امت رحمہم اللہ کا اجماع ہے کہ قبر شریف کا وہ حصہ جہاں سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم آرام فرما ہیں وہ کعبہ شریف اور عرشِ اعظم سے افضل ہے۔ ہم پہلے علماء اخیار کی عبارتیں اور ان کے تراجم پیش کر چکے ہیں۔ نہایت افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اس کے باوجود ابن تیمیہ نے بھی اور غیر مقلدین نے بھی جو حقیقت میں ابن تیمیہ، ابن قیم اور ابن عبدالوہاب نجدی کے مقلد ومتبع ہیں، پھر بھی روضۂ اطہر کے واسطے سفر کرنے کو ناجائز کہتے ہیں (معاذ اللہ) قارئین امام سبکیؒ کی تالیف" شِفَاءُ السَّقَامِ فِیْ زِیَارَۃِ

سلسلہ حاشیہ

خیر الانام" کا مطالعہ فرمائیں جس میں تفصیل کے ساتھ عمدہ دلائل کی روشنی میں ابن تیمیہ کے باطل اقوال کا مکمل رد کیا گیا ہے تاکہ غیر مقلدین کے دجل اور ان کے گمراہ کن عقائد سے اہل سنت وجماعت کے عوام واقف ہو سکیں محشی)

حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد آپ کی قبر مبارک کی زیارت کے واسطے سفر کرتے رہے ہیں۔ حضرت سیدنا بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ ملک شام سے سیکڑوں میل کا سفر طے کر کے قبرِ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت کے شرف سے مشرف ہوئے۔ علامہ حافظ الشیخ ابو القاسم بن عساکرؒ نے مستند اور قوی روایت کے ساتھ اس کو نقل کیا ہے۔ اور علامہ عبد الغنی مقدسیؒ نے حضرت سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کے واقعہ میں" الکمال" کے اندر اس کو بیان کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس عالم سے تشریف لے جانے کے بعد انھوں نے پھر اذان نہیں دی۔ البتہ جب آپ شام سے قبرِ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت کے واسطے مدینہ طیبہ حاضر ہوئے تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے اُن سے فرمایا کہ آپ ویسے ہی اذان دیجیے جیسا کہ رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری حیاتِ طیبہ کے مبارک دور میں دیا کرتے تھے۔ چنانچہ انھوں نے اذان دینا شروع کی لیکن محبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور دیدارِ رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فراق میں وہ اذان کی تکمیل نہ کر سکے۔ صحابی رسول سیدنا حضرت ابو الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک روایت ہے کہ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ امیر المومنین حضرت سیدنا فاروق اعظم عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اجازت سے شام چلے گئے تھے اور وہیں سکونت اختیار کر لی تھی۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے ایک روز سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کا خواب میں دیدار کیا۔ سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے بلال! تم میری زیارت کے لیے نہیں آتے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ جب خواب سے بیدار ہوئے تو اُن پر بڑا رنج غالب ہوا اور وہ عشق نبی سے سرشار ہو کر آناً فاناً ملک شام سے مدینہ منورہ کے لیے روانہ ہو گئے۔ جب سیدنا بلال حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف پر پہنچے تو بہت روئے اور اپنے چہرے کو قبر شریف پر ملنا شروع کر دیا۔ اسی اثنا میں نوجوانانِ جنت کے سردار اور خاندانِ نبوت کے دونوں ریحان حضرت سیدنا امام حسن مجتبیٰ و سیدنا حضرت امام حسین رضی اللہ عنہما تشریف لے آئے۔ جیسے ہی سیدنا بلالؓ کی اُن پر نگاہ پڑی اُن کو اپنے سینے سے لگا لیا۔ حضرات حسنین رضی اللہ عنہما نے ان سے کہا کہ آپ ہمیں وہ اذان پھر ایک بار سنا دیجیے جو آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دیا کرتے تھے۔ وہ اذان کہنے کے لیے تیار ہو گئے۔ چنانچہ حضرت بلالؓ نے اس جگہ کھڑے ہو کر اذان دینا شروع کی جہاں وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات دنیاوی میں دیا کرتے تھے۔ ابھی اَللّٰہُ اَکْبَرُ۔ اَللّٰہُ اَکْبَرُ ادا کیا ہی تھا کہ مدینہ طیبہ میں عجب سماں پیدا ہو گیا۔ جب انھوں نے اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ادا کیا تو شہرِ مدینہ کے باشندگان نے رونا شروع کر دیا اور جب اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ کہا تو دھاڑے مارتے ہوئے ساکنانِ مدینہ گھروں سے باہر آ گئے اور انھیں خیال آیا کہ

سلسلہ حاشیہ

شاید اس دنیا میں رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم دوبارہ تشریف لے آئے ہیں۔ وصال کے روز کے علاوہ ایسی آہ وبکا مدینہ منورہ میں اور کسی روز نہ سنی اور نہ دیکھی گئی۔ یہ بات خوب ذہن نشین رہے کہ خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مدینہ منورہ میں اپنی قبر مبارک کی زیارت کا حکم دیا تھا۔ جس پر حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے عمل کیا اور وہ امیر المؤمنین حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے دورِ مقدس میں قبرِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے واسطے مدینہ منورہ آئے اور بہت سے صحابہ عظام رضی اللہ عنہم نے ان کا یہ عمل دیکھا ہے۔ ابن ابی عاصم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امیر المؤمنین حضرت سیدنا عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ جب شام سے اپنے کسی قاصد کو مدینہ طیبہ بھیجتے تھے تو اس سے فرماتے تھے کہ تم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر حاضر ہو کر میرا سلام پیش کرنا۔ صحابہ کرام کے زمانہ میں شام سے سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کا سفر اور تابعین کے دور میں حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کے قاصد کا سفر صرف حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف کی زیارت کرنا اور وہاں حاضر ہو کر درود وسلام پیش کرنے کے واسطے ہی تھا، علاوہ اس کے اور کوئی مقصد نہ تھا۔ فقیہ امام ابو اللیث سمر قندی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے فتاوی میں تحریر فرمایا ہے کہ مجھ سے ابو القاسم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جب میں نے ارادہ کیا کہ میں مدینہ منورہ حاضر ہوں تو میری تم سے ایک عرضداشت ہے کہ جب تم قبرِ رسول پر حاضر ہو تو میرا سلام پیش کر دینا۔ فقیہ ابو اللیث سمر قندی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سے یہ واضح ہوا کہ اگر کوئی امتی مدینہ طیبہ نہ جا سکے تو وہ کسی دوسرے کے ذریعہ حضور کو سلام کہلا سکتا ہے۔ ان شاء اللہ تعالی اس کا سلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچے گا اور وہ سلام کی فضیلت سے مشرف ہو گا۔ "فتوح الشام" میں ہے کہ حضرت سیدنا ابو عبیدۃ بن الجراح رضی اللہ عنہ نے میسرہ بن مسروق کے ہاتھ امیر المؤمنین حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی خدمت میں مدینہ منورہ ایک پیغام بھیجا۔ جب وہ بیت المقدس میں مقیم تھے۔ میسرہ نے قبرِ رسول پر حاضر ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام پیش کیا اور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو بھی سلام عرض کیا۔ سلف صالحین رحمہم اللہ میں اس سلسلہ میں اختلاف ہے کہ جب کوئی شخص حج یا عمرہ کو جائے تو پہلے مکہ معظمہ جائے یا مدینہ منورہ۔ حضرت امام رابع امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تصنیف "المناسک الکبیر" میں لکھا ہے کہ ان (امام احمد) سے ایک شخص نے یہ مسئلہ پوچھا کہ پہلے مکہ معظمہ جانا بہتر ہے یا مدینہ منورہ۔ تو حضرت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے عبد الرحمن بن یزید، عطاء، اور مجاہد رحمہم اللہ کا قول نقل کیا ہے کہ جب حج ادا کر چکے تو مدینہ منورہ جائے، اور حضرت اسود رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کیا ہے کہ میری خواہش ہے کہ میں پہلے مکہ معظمہ کا سفر کروں پھر مدینہ طیبہ کا۔ حضرت ابراہیم نخعی اور حضرت مجاہد کا بھی یہی قول ہے کہ تو جب مکہ مکرمہ جائے تو ہر شئی کو اس کا تابع بنا۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے قوی سند کے ساتھ جناب عدی بن ثابت سے نقل کیا ہے کہ حضرات صحابہ عظام رضی اللہ عنہم کی بڑی جماعت پہلے مدینہ منورہ جاتی تھی پھر مکہ معظمہ اور صحابہ کی جماعت کا یہ کہنا تھا کہ ہم اس مقام سے احرام باندھیں گے جہاں سے نبی الثقلین صلی اللہ علیہ وسلم نے احرام باندھا۔ ابن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اول مدینہ منورہ جانے کی فضیلت کا ذکر بیان فرمایا ہے، حضرت علقمہ، حضرت اسود اور حضرت

سلسلہ حاشیہ

عمرو بن میمون رحمہم اللہ کے سلسلہ میں فرمایا ہے کہ ان حضرات نے مدینہ منورہ سے ابتدا کی ہے۔ اس مسئلہ میں امام الائمہ سراج الامت سیدنا حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد بھی وضاحت کے ساتھ منقول ہے کہ بہتر یہ ہے کہ پہلے مکہ معظمہ جایا جائے پھر مدینہ منورہ۔ فقیہ امام ابواللیث سمرقندیؒ نے حضرت امام اعظمؒ کا یہ ارشاد حضرت حسن بن زیادؒ کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔ اب یہاں غور کرنے کی بات یہ ہے کہ امت کے جملہ بزرگوں نے مدینہ منورہ جانے کے سلسلہ میں ذکر فرمایا ہے چاہے پہلے مکہ معظمہ جائے یا بعد کو۔ مدینہ منورہ جانے کا کیا مقصد ظاہر ہوتا ہے۔ مدینہ منورہ جانے کا سب سے اہم اور خاص مقصد رسول انور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف (یا روضہ اطہر) کی زیارت ہی تو مقصود ہے۔ جہاں تک مسجد نبوی میں نماز کی فضیلت کا مسئلہ ہے تو وہ کوئی خاص بات نہیں، اس لیے کہ بیت المقدس میں بھی تو نماز کی فضیلت کا ذکر ہے۔ صرف مسجد نبوی میں نماز کی فضیلت کا ذکر کیا جاتا ہے لیکن بیت المقدس میں نماز پڑھنے کی فضیلت کا جذبہ و شوق لوگوں کو کیوں نہیں دلایا جاتا؟ ثابت یہ ہوا کہ مدینہ منورہ جانے کی اصل نیت اور خاص مقصد محض زیارتِ روضۃ الرسول ہی ہے، رہا نماز کا مسئلہ تو وہ اس کی متابعت میں ہے۔ حضرت علامہ ابوبکر محمد بن الحسین الآجریؒ نے اپنی کتاب "کتاب الشریعۃ" میں فرمایا ہے کہ علماءِ حجاز، علماءِ شام و عراق، علماءِ یمن، علماءِ خراسان، علماءِ بخارا و سمرقند، چاہے وہ متقدمین میں سے تھے یا متاخرین میں سے، جس کسی نے "کتاب المناسک" تحریر فرمائی ہر اس شخص کو جو مدینہ میں آنا چاہتا ہو، چاہے وہ حج و عمرہ کے لیے اپنے مکان سے چلا ہو یا محض مدینہ منورہ کے واسطے نکلا ہو، اس کو یہ طریقہ سکھلایا ہے کہ کس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام بھیجے اور کس طرح حضرات شیخین کرامؓ کو سلام عرض کرے۔ ثابت یہ ہوا کہ قبرِ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت کرنا بھی عبادت ہے۔ علامہ ابن بطہ العکبریؒ نے کتابُ الاُبانہ" میں فرمایا ہے کہ متقدمین و متاخرین میں سے جس کسی اہلِ علم نے مناسکِ حج پر کتاب تحریر کی، اس میں سیدالانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کی زیارت کے آداب ضرور تحریر فرمائے ہیں۔ آدابِ زیارت میں تحریر کیا ہے کہ جب قبر شریف (روضۂ اطہر) کے قریب کوئی حاضر ہو تو پہلے قبر مبارک کا استقبال کرے اور قبلہ کی جانب پشت کر کے عرض کرے اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ اور دعائیں کرے، پھر دائیں جانب ذرا ہٹ کر اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا اَبَا بَكْرِنِ الصِّدِّيْقُ کہے۔ پھر دائیں جانب ذرا ہٹ کر" اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا عُمَرَبْنَ الْخَطَّابُ" کہے اس کے علاوہ سلف صالحینؒ کے زمانہ سے یہ طریقہ قائم ہے اور آج تک امت کے لوگ اس پر عمل پیرا بھی ہیں کہ جب حج کے لیے کوئی جاتا ہے تو اس کے عزیز و اقارب اور احباب کہتے ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اطہر پر حاضر ہو کر جب تم سلام عرض کرو تو اس کے بعد ہمارا سلام بھی آپ کے دربارِ عالی میں پیش کر دینا۔ بہر حال زیارتِ قبرِ نبی کے مسئلہ پر سلفِ علماءِ اعلام کے مابین قطعاً کوئی اختلاف نہیں۔ ہاں بہت سے متقدمین نے زیارت کو مناسک حج کے تابع قرار دیا ہے۔ قاضی

سلسلہ حاشیہ

عیاض علیہ الرحمہ نے علامہ الشیخ الفقیہ اسحٰق بن ابراہیمؒ کا یہ بیان نقل فرمایا کہ حجاج کا اول دور سے یہ عام طریقہ رہا ہے کہ مناسکِ حج کی فراغت کے بعد مدینہ منورہ کا قصد کرتے ہیں، مسجد نبوی میں نمازیں پڑھتے ہیں اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے منبر شریف اور دیگر آثار و شعائر سے برکت حاصل کرتے ہیں اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبرِ مبارک کی زیارت کرتے ہیں۔ مشہور علامہ عبدی مالکیؒ نے اپنی تصنیف "شرح الرسالہ" میں تو یہاں تک صراحت فرمائی ہے کہ قبرِ نبی کی زیارت کے واسطے مدینہ طیبہ کا سفر کرنا، کعبہ شریف اور بیت المقدس کی زیارت کے سفر سے افضل ہے۔ الغرض حضراتِ ائمہ اربعہ (حضرت امام اعظم، امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل علیہم الرحمہ) کے حق مسلکوں کے فقہاء کرامؒ کے نزدیک قبرِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کرنا اور اس زیارت کے آداب مقرر فرمانا ثابت ہے اور اس کو مستحب بتایا گیا ہے تو لازماً یہ سفرِ مدینہ طیبہ بہ نیتِ زیارت بہت ہی افضلیت و اہمیت کا حامل ہے۔ جن علماءِ اعلامؒ کے نزدیک قبرِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت مستحب ہے۔ ان میں قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں کہ قبرِ مبارک کی زیارت سنت ہے۔ اس پر مسلمانوں کا اجماع ہے اور اس کی فضیلت مستحسن (پسندیدہ) ہے۔ قاضی ابو الطیبؒ کا کہنا ہے کہ حج اور عمرہ کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف کی زیارت کرنا مستحب ہے۔ محاملیؒ نے "تجرید" میں کہا ہے کہ حج کرنے والے کے واسطے مستحب ہے کہ بعد حج وہ سرکار سید الانام صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف کی زیارت کرے۔ ابو عبداللہ الحسین الحلیمیؒ نے اپنی تصنیف "المنہاج" میں تحریر فرمایا ہے کہ رسول انور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ میں آپ کے آداب اور اکرام و تعظیم کے جو طریقے تھے اور جن پر آپ کے صحابہ عظامؓ نے عمل کر کے دکھایا۔ اب بعد وفات آپ کی توقیر و تعظیم یہی ہے کہ قبر شریف کی زیارت کی جائے۔ ماوردیؒ نے "الحاوی" میں فرمایا ہے کہ سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کرنے کا حکم ہے اور وہ استحباب میں داخل ہے۔ ماوردیؒ "الاحکام السلطانیہ" میں فرماتے ہیں کہ حجاج بعد فراغتِ حج کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف کی زیارت بھی کریں، اگرچہ یہ حج کے ارکان میں سے نہیں، لیکن شریعتِ مطہرہ کے مستحبات میں سے ایک مستحب ہے اور یہ حجاج کے خصائلِ شریفہ اور اخلاقِ حسنہ میں سے ہے۔ "المہذب" کے مصنف کا قول ہے کہ قبرالنبی کی زیارت مستحب ہے۔ قاضی الحسینؒ نے کہا ہے کہ جب حج کے ارکان سے فارغ ہو جائے تو سنت ہے کہ "ملتزم" کے قریب کھڑا ہو کر اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگے پھر آبِ زم زم سے مشرف ہو۔ پھر مدینہ منورہ میں حاضر ہو کر قبر شریف کی زیارت کرلے۔ علماءِ احنافؒ کے نزدیک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کی زیارت کرنا تمام مستحبات میں سب سے اہم و افضل بلکہ قریب قریب واجب کے ہے۔ علامہ ابو منصور محمد بن مکرم کرمانیؒ نے اپنے "مناسک" میں اور علامہ عبداللہ بن محمودؒ نے "شرح المختار" میں اس مسئلہ کو صراحت کے ساتھ بیان کیا ہے۔ امام حسن بن زیادؒ کی روایت امام ابو اللیثؒ فقیہ سمرقندیؒ کے "فتاویٰ" میں نقل کی گئی ہے کہ حضرت

سلسلہ حاشیہ

امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حج کرنے والے کے لیے یہ بات ہے کہ پہلے مکہ معظمہ کو جائے جب ارکانِ حج سے فارغ ہو جائے تو مدینہ منورہ کو جائے اور اگر اول مدینہ منورہ ہو آیا ہے تو بھی جائز ہے۔ مدینہ منورہ پہنچتے ہی قبرِ مبارک پر حاضر ہو۔ قبلہ اور قبر شریف کے مابین اس طرح قیام کرے کہ زائر کے چہرے کا رُخ قبر شریف کی طرف ہو اور قبلہ کی جانب پُشت ہو پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دربارِ عالی میں درود و سلام کا نذرانہ پیش کرے اور پھر حضرات شیخین کرام (حضرت ابوبکر صدیق و حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہما) پر بھی سلام پیش کرے اور ان حضرات کے لیے رحمت کی دعا کرے۔ علامہ ابوالعباس سُروجیؒ نے "الغایۃ" میں تحریر کیا ہے۔ حجّاج جب حج کر کے یا عمرہ کر کے مکہ معظمہ سے رخصت ہوں تو مدینہ منورہ پہنچ کر قبرِ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت کریں۔ اُن کا یہ عمل اور کوشش سب سے زیادہ تعریف کے قابل ہوگی۔ حنبلیہ نے بھی اس مسئلہ کی توضیحات کی ہیں۔ علامہ ابوالخطاب محفوظ حنبلیؒ نے "کتاب الہدایۃ" میں اور علامہ ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ سامری حنبلیؒ نے کتاب "المستوعب" میں فرمایا ہے کہ جب کوئی زائر مدینہ منورہ پہنچے تو اس کے لیے مستحب یہ ہے کہ مدینہ میں داخل ہونے کے وقت پہلے غسل کرے۔ پھر مسجد نبوی میں داخلہ کے وقت اپنا دایاں پاؤں پہلے داخل کرے، پھر قبرِ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس حاضر ہو کر اس طرح کھڑا ہو کہ اس کا منہ قبر شریف کے سامنے ہو اور قبلہ کی جانب پُشت ہو اور "منبر النبی" بائیں جانب ہو اور پھر صلوٰۃ وسلام اور دعا کا طریقہ بتلانے کے بعد فرماتے ہیں کہ آیۃ کریمہ پڑھے وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ۝ اگر وہ لوگ اپنی جانوں پر ظلم کر چکے تھے پھر وہ آپ کے پاس آئے ہیں اور اللہ سے انھوں نے مغفرت طلب کی ہے اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ان کے لیے مغفرت کی سفارش کی ہے تو یقیناً وہ اللہ کو مائل بہ کرم اور رحیم پائیں گے ــــ اور پھر اللہ سے عرض کرے کہ میں تیرے نبی مکرم رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مغفرت طلب کرنے حاضر ہوا ہوں اور تجھ سے عرض ہے کہ تو میری مغفرت فرما دے جس طرح تو نے اُن کی مغفرت فرمادی جو تیرے رسول کی حیاتِ طیبہ میں اُن کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے۔ اے اللہ! میں تیرے رسول کا واسطہ تیرے دربار میں پیش کرتا ہوں، اس کے بعد جب واپسی کا قصد کرے تو پھر قبرِ رسول پر حاضر ہو کر واپس ہو۔ علامہ نجم الدین بن حُمدان حنبلیؒ "الرعایۃ الکبریٰ" میں لکھتے ہیں کہ حجاج حج سے فراغت کے بعد قبرِ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت کریں، اُن کے واسطے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور شیخین کرامؓ کی زیارت کرنا مسنون ہے اور اگر انھوں نے حج سے پہلے زیارت کرلی تو بھی جائز ہے۔ علامہ ابن الجوزیؒ اپنی کتاب "مثیر العزم الساکن" جو حنبلی حضرات کی مستند کتاب تسلیم کی جاتی ہے۔ فرماتے ہیں کہ قبرِ رسول کی زیارت کرنا مستحب ہے، اور دارِ قطنی وغیرہ کے حوالہ سے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت اور امام احمدؒ کے حوالہ سے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ

سلسلہ حاشیہ ____________

کی روایت نقل کی ہے کہ ''جو میری قبر کے پاس حاضر ہو کر سلام کرے گا اُس کے واسطے میری شفاعت ضروری ہو گئی۔
مالکیہ حضرات کے حوالے بھی ہم پہلے پیش کر چکے ہیں کہ حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے زیارتِ قبرِ نبی کے مسئلہ کو اجماعی فرمایا ہے۔ علامہ عبدالحق جنھوں نے قیروان اور صیقلیہ کے نامور مشائخ سے فقہ کا علم حاصل کیا، وہ اپنی تصنیف ''تہذیب المطالب'' میں علامہ الشیخ ابو عمران مالکیؒ کے حوالہ سے نقل فرماتے ہیں کہ قبرِ نبی کی زیارت واجب ہے۔
(اب تک ہیں (محشّی مسلکِ اربابِ حق) نے ''شِفاءُ السِّقام فی زیارۃ خیرالانام'' (مؤلفہ امام سبکیؒ) کے حوالوں سے زیارتِ روضۂ اطہر کی اہمیت و افضلیت بیان کی۔ یہاں غور کرنے کی ایک اہم بات یہ ہے کہ ہم نے صرف احناف، شوافع اور موالک کا مبارک مسلک ہی فقط بیان نہیں کیا بلکہ ہم نے حنابلہ کی توضیحات و تصریحات مسئلہ زیارتِ روضۂ اطہر کے سلسلہ میں بھی قدرے تفصیل سے پیش کیں۔ ابن تیمیہ بھی حنبلی تھے لیکن وہ منکرینِ زیارتِ روضۃ الرسول کے سب سے بڑے سرخیل بنے۔ آج کے نجدی لوگ حج کے موقع پر ایسی کتابیں حجاج کے ہاتھوں میں تھما دیتے ہیں جس میں زیارتِ روضۃ الرسول کی نیت سے مدینہ منورہ جانے کو ناجائز اور بدعت لکھا ہوتا ہے۔ یہ نجدی حنبلی ہونے کا بڑا دعویٰ کرتے ہیں۔ سوچیے یہ کیسے حق پرست حنبلی ہیں کہ حنبلی مسلک کے مقتدر علماء متقدمین کے اقوال کو رد کرتے ہیں اور یہ غور نہیں کرتے کہ ہمارے مسلک کے بزرگوں نے تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اطہر کی نیت کر کے مدینہ منورہ جانے کو مستحب اور بعض حنابلہ نے تو واجب تک فرمایا ہے۔ ثابت یہ ہوا کہ ان کا یہ دعویٰ کہ ہم حضرت امام احمد بن حنبلؒ کے پیروکار ہیں محض دعوے کی حد تک ہی ہے، حقیقت کا اس سے کوئی تعلق نہیں ——— آئیے اب ایک اور اہم مسئلہ پر نظر ڈالیں۔ ابن تیمیہ نے اپنی کتاب ''الوسیلہ'' میں لکھا ہے کہ حضرت امام مالکؒ کا مسلک یہ ہے کہ قبرِ نبی کی نیت سے روضۂ اقدس پر حاضر ہونا غلط بات ہے۔ انھوں نے ''مَبْسُوط'' کے حوالے سے امام مالک علیہ الرحمہ کی طرف یہ نسبت کر ڈالی کہ امام مالکؒ اسے اچھا نہیں سمجھتے تھے۔ اس کا شافی جواب ہم امام تقی الدین سبکیؒ کی تالیف سے بعد میں بیان کریں گے۔ پہلے یہ سمجھ لیجیے کہ حضرت امام مالکؒ کتنے بڑے عاشقِ رسول تھے کہ جب تک مدینہ منورہ میں مقیم رہے کبھی جوتا نہیں پہنا کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس شہر میں میری جانب سے بے ادبی کا ارتکاب ہو گا۔ قضائے حاجت کے لیے شہرِ مدینہ کے حدود کے باہر تشریف لے جایا کرتے تھے۔ جب تک مدینہ منورہ میں قیام پذیر رہے بلکہ حیات رہے حدودِ حرمِ مدینہ میں بول و براز تک نہیں کیا۔ کیا ایسی عاشقِ رسول برگزیدہ ہستی سے یہ توقع کوئی کر سکتا ہے کہ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اطہر کی نیت کے ارادہ سے مدینہ منورہ کا قصد کرنے والے شخص کی زیارت کو ناجائز یا مکروہ فرمائیں گے۔ ابن تیمیہ زبردست عالم تھے لیکن بصیرتِ قلبی سے محروم تھے وہ امام مالکؒ کی کتاب ''مبسوط'' کی عبارت کا حقیقی مطلب سمجھ ہی نہ سکے بلکہ جو ان کی اپنی سمجھ میں آیا وہ لکھ گئے اور ایک بہت بڑی غلط بات کی نسبت انھوں نے

سلسلہ حاشیہ

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی طرف کر دی، حالانکہ امام مالکؒ اس سے مبرّا و منزہ ہیں۔ محشّی)

امام تقی الدین سُبکیؒ اپنی تالیف میں "مَبْسُوْط" کی عبارت کا حقیقی مطلب بیان کرتے ہوئے ابن تیمیہ کے فاسد قول کا رد فرماتے ہیں کہ قاضی عیاضؒ نے "شِفاء" میں مستند قول نقل کیا ہے کہ امیر المؤمنین ابو جعفر کی حضرت امام مالکؒ سے مسجدِ نبوی میں ملاقات ہوئی اور باتیں ہوئیں۔ امام مالکؒ نے ابو جعفر سے فرمایا۔ اس مسجد میں بلند آواز سے نہ بولو۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد عالی ہے قرآن کریم میں یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ (اے مومنو! اپنی آوازیں نبی کی آواز سے بلند نہ کرو) دیکھو ابو جعفر، رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا احترام اور آپ کی تعظیم جس طرح دنیاوی حیات میں ضروری تھی اسی طرح بعد وصال بھی ضروری ہے۔ اس پر ابو جعفر شرمندہ ہو گئے اور انھوں نے حضرت امام مالک سے کہا: اے عبداللہ! میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبرِ مبارک پر حاضری کے وقت کس طرح عمل کروں یعنی اپنا منہ قبلہ کی جانب رکھوں یا قبر شریف کے سامنے۔ امامؒ نے فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف سے منہ کیوں موڑتے ہو جبکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس تمھارا اور تمھارے باپ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے واسطے قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کے دربار عالی میں وسیلہ ہوگی۔ آپ کی طرف منہ کرو، آپ پر سلام بھیجو، آپ کے ذریعے شفاعت طلب کرو۔ اللہ تعالیٰ سید الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت قبول فرمائے گا۔ امام مالکؒ کے ان فرامین کو ملاحظہ کریں۔ کیسے بہترین طریقے پر زیارت شریفہ اور تَوَسُّل اور اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا نہایت عمدہ ادب اور توقیر کرنے کا طریقہ بتلایا۔ امام مالکؒ نے "کتابِ محمد" میں بیان فرمایا ہے کہ مدینہ منورہ میں داخلہ کے وقت اور رخصت ہوتے وقت اور قیام کے دوران حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبرِ مبارک پر درود و سلام بھیجو۔ امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ رخصت ہونے کے وقت زائر کے لیے اخیری کام یہی رہ گیا ہے کہ وہ سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف پر حاضر ہو، اسی طرح مدینہ منورہ کے ہر باشندے کو سفر پر جاتے وقت یہی عمل کرنا چاہیے۔ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے "مبسوط" میں فرمایا ہے کہ مدینہ منورہ کا رہنے والا شخص جب مسجد نبوی میں آئے یا رخصت ہو تو اُس کے لیے قبرِ رسول پر کھڑا ہونا کوئی ضروری امر نہیں ہے۔ یہ اُن زائرین کے لیے ضروری ہے جو دور و دراز کا سفر طے کر کے حاضر ہوئے ہیں کہ اُن کو قبرِ رسول پر حاضر ہو کر درود و سلام پڑھنا چاہیے اور دعائیں کرنا چاہئیں اور اسی طرح حضرت صدیق اکبر و حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہما پر سلام پڑھنا چاہیے۔ ہاں اگر مدینہ کا باشندہ سفر میں جائے یا سفر سے واپس آئے تو وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبرِ مبارک پر حاضر ہو کر صلوٰۃ و سلام پیش کرے۔ امام مالکؒ کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ قبرِ رسول کی زیارت کرنا اجر و ثواب کا باعث ہے، لیکن وہ کثرت سے حاضری کو اور صلوٰۃ و سلام کو اس لیے ممنوع قرار دیتے ہیں کہ اکثر

سلسلہ حاشیہ

اوقات وہ فعل ممنوع کو پہنچ جاتی ہے (امام مالکؒ کے اس قول کو سمجھ لیجیے کہ بار بار حاضری دینے میں ساکنانِ مدینہ منورہ کے دل میں اس کی اہمیت کم ہو جائے گی یعنی انسان یہ فعل ایک ڈیوٹی سمجھ کر انجام دینے لگے گا اور اس میں عام طور پر ادب و احترام کا مادہ بھی کم ہو جائے گا۔ اُس کی نظر میں قبرِ نبی کی توقیر و عظمت زیادہ باقی نہیں رہے گی، اُن کا یہ فرمانا صرف باشندگان مدینہ کے لیے ہے۔ یہ ہے مطلب امام مالکؒ کے قول کا۔ محشی) بقیہ ائمہ ثلثہؒ (حضرت امام اعظم، امام شافعی، امام احمد بن حنبل علیہم الرحمہ) زیارتِ قبرِ مبارک کو مستحب فرماتے ہیں اور اس کی کثرت یعنی بار بار حاضری کو بھی استحباب میں داخل کرتے ہیں۔ علامہ ابو محمد عبدالکریم مالکیؒ نے اپنی کتاب "مناسک" میں تحریر کیا ہے کہ جب لوگوں کا حج یا عمرہ شریعت مطہرہ کی رو سے تکمیل پا جائے تو اس کے لیے اب یہ کام باقی رہ گیا ہے کہ وہ قبر رسول پر حاضر ہو کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اطہر پر درود و سلام بھیجے اور مسجد نبوی میں نمازیں ادا کرے، حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما پر سلام بھیجے اور جنتُ البقیعُ" میں حاضری دے اور وہاں پر صحابہ، ازواج مطہرات، بناتِ رسول، اہلِ بیت اطہار رضی اللہ عنہم اور تابعین کرام علیہم الرحمہ کی قبروں کی زیارت کرے۔ عبدی مالکیؒ نے "شرح الرسالہ" میں ذکر کیا ہے کہ کوئی شخص حرم شریف (مسجد حرام) یا مکہ معظمہ کے قصد کی منت مانے تو یہ بالکل صحیح ہے۔ اس لیے کہ ان کی اصل شریعت کی رُو سے حج وعمرہ ہے اور مدینہ منورہ جانے کی کوئی شخص منت مانتا ہے، اس نیت سے کہ وہ قبرِ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت کرے گا تو یہ منت کعبہ مکرمہ اور بیت المقدس کی منت سے افضل ہے۔ جب کوئی شخص ان تینوں مساجد کے قصد کی منت مانتا ہے تو کعبہ مکرمہ کی منت کے سلسلہ میں مکمل اتفاق ہے کہ اس کا پورا کرنا واجب ہوگا۔ البتہ مسجد نبوی اور بیت المقدس کے سلسلہ میں اگر کسی نے منت مانی ہے تو اس مسئلہ میں حضراتِ ائمہ کرامؒ کے مابین اختلاف پایا جاتا ہے۔ میں (امام سبکیؒ) کہتا ہوں کہ علامہ عبدی مالکیؒ نے جس اختلاف کا ذکر کیا ہے وہ تو مسجد نبوی اور بیت المقدس کے سلسلے میں ہے۔ وہ زیارتِ قبرِ نبی کے سلسلہ میں نہیں ہے۔ میں نے ائمہ اربعہ کے چاروں مسلکوں کے اقوال کو صراحت کے ساتھ بیان کر دیا ہے۔ رہا مسئلہ صحابہ، تابعین اور امت کے دوسرے مشائخ کے اقوال اور اعمال کا تو وہ واضح ہیں۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں مختلف مستند روایات سے ان کا یہ عمل ثابت ہے کہ وہ قبرِ رسول پر حاضر ہو کر درود و سلام پڑھتے تھے۔ کسی شخص کے سوال پر حضرت نافعؒ نے فرمایا تھا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کو میں نے بے شمار مرتبہ دیکھا کہ وہ قبرِ رسول پر حاضر ہو کر درود و سلام پڑھتے تھے اور کہتے تھے اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللهِ. اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا اَبَا بَكْرٍ، اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا اَبِي۔ علامہ شیخ عبدالرزاقؒ نے بھی اپنی تصنیف "مُصَنَّف" میں اسی طرح بیان فرمایا ہے۔ قاضی عیاضؒ نے "شفا" میں بیان کیا ہے کہ بعض راویان نے بیان کیا ہے کہ ہم نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ جب وہ قبرِ نبی کے قریب پہنچے تو انھوں نے

سلسلہ حاشیہ

اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے ،جس سے ہم لوگوں کو یہ شبہ ہوا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نماز کی نیت باندھ رہے ہیں، پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام پڑھا اور واپس تشریف لے گئے۔ ـــــ ''مسندِ امام اعظم''میں سند متصل کے ساتھ مذکور ہے کہ حضرت ایوب سختیانی قبرِ نبی پر حاضر ہوئے۔ قبرِ مبارک کی طرف رُخ کیا اور دھاڑیں مار مار کر روئے۔ اب کسی شخص کا یہ کہنا کہ امام مالکؒ نے ''زُرۡنَا قَبۡرَ النَّبِی'' کے قول کو مکروہ کہا ہے تو میں (امام سبکیؒ) کہتا ہوں کہ قاضی عیاضؒ کے قول کے مطابق امام مالکؒ کے اس قول کے مختلف معنی مختلف حیثیتوں سے بیان کیے گئے ہیں۔ (اس جگہ ہم صرف امام سبکیؒ کی رائے کا ذکر کررہے ہیں۔ محشی) ہاں اگر یہ کہا جائے کہ حضرت امام مالکؒ کو یہ حدیث (مَنۡ زَارَ قَبۡرِی وَجَبَتۡ لَہٗ شَفَاعَتِی) نہیں پہنچی ہوگی تو یہ ہوسکتا ہے، لیکن یہ بات ہماری سمجھ سے بالاتر ہے کہ وہ تمام احادیث شریفہ جس میں زیارت کی ترغیب دلائی گئی ہے، امام مالکؒ کو نہیں پہنچیں۔ کیسے سمجھ لیا جائے۔ امام دار الہجرۃ عرصۂ دراز تک جوارِ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام میں رہے۔ انھیں وہ احادیث معلوم نہ ہوں عقل سے بالاتر بات ہے۔ بہرحال یہ امام سبکیؒ نے ایک وجہ بتائی جو اُن کا خیال ہے۔ محشی) علامہ عبدالحقؒ صقلی نے علامہ ابو عمران مالکیؒ کا یہ بیان ذکر کیا ہے کہ امام مالکؒ نے قول ''زُرۡنَا قَبۡرَ النَّبِی'' کو اس لیے مکروہ سمجھا ہے کہ زیارت کرنا ضروری تو نہیں خواہ کوئی کرے یا نہ کرے۔ البتہ سیدالمرسلین خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی لَحَد شریف پر حاضری کا وجوب ثابت ہے، یعنی واجب سنتوں میں سے ہے، اس لیے یہ اچھی بات نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبرِ مبارک پر حاضری کو زیارت کہا جائے جو اس دنیا کے رہنے والوں کے لیے اس معنی کے واسطے کہا جاتا ہے کہ خواہ وہاں جائے، خواہ نہ جائے۔ نبی کی ذاتِ اطہر اس سے بہت بلند اور اشرف ہے کہ اُس کے واسطے لفظِ زیارت بولا جائے۔ علامہ ابن رشد کہتے ہیں کہ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ میں مسجدِ حرام کی زیارت کو زیارت کہنا مکروہ خیال کرتا ہوں، اسی طرح انسانوں کے اس قول ''زُرۡتُ النَّبِیَّ'' کو بھی میں مکروہ خیال کرتا ہوں۔ علامہ ابنِ رشدؒ کا خیال ہے کہ زیارت کا لفظ اَموات (مُردوں) کے واسطے ہے تو امام مالکؒ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اقدس میں استعمال کرنے کو بالکل ویسے ہی مکروہ قرار دیا ہے، جیسے کہ امام مالکؒ ''اَیَّامًا مَّعۡدُوۡدَاتٍ'' کہنا زیادہ پسند فرماتے تھے۔ لیکن ''اَیَّامُ التَّشۡرِیۡقِ'' بولنے میں کراہت محسوس فرماتے تھے۔ ایسا ہی طواف زیارۃ کہنا اُن کو اچھا نہیں لگتا تھا بلکہ اس کی جگہ طوافِ اِفاضہ بولنا اچھا سمجھتے تھے۔ امام مالکؒ کے قول کی جتنی بھی تاویلات علماءِ اعلام نے بیان فرمائی ہیں، ان میں علامہ ابن رشدؒ کی توجیہ زیادہ عمدہ ہے۔ علامہ ابن المواز اپنی تصنیف ''کتاب الحج''میں لکھتے ہیں کہ امام مالک کو وداع کہنا پسند نہیں تھا بلکہ فرماتے تھے کہ طواف کہو۔ کلام الٰہی میں ہے ''وَلۡیَطَّوَّفُوۡا''۔ اسی طرح میں زیارت کا لفظ بولنا بھی پسند نہیں کرتا۔ بس ویسے ہی مجھے ''زُرۡتُ النَّبِی'' کا قول بھی پسند نہیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس اس لفظ سے بہت ہی بلند اور بڑی شان والی ہے کہ اس کی زیارت کی جائے۔ فرماتے ہیں امام مالکؒ کہ وداع کا لفظ

سلسلہ حاشیہ ____

نہ قرآن مجید میں آیا ہے نہ لغت میں اس کا ذکر ہے، بلکہ اس کی جگہ طواف کا لفظ آیا ہے۔ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کا فرمان بھی یہی ہے کہ اخیری عبادت کعبہ کا طواف ہے۔ امام مالکؒ سے معلوم کیا گیا کہ اخیری طواف میں کعبہ کے پردوں سے چمٹنا کیسا ہے۔ آپ نے فرمایا بس وقوف اور دعا کرنا چاہیئے۔ دوبارہ دریافت کیا گیا کہ رسول انور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف پر پہنچ کر کیا عمل کرنا چاہیئے۔ امامؒ نے فرمایا، ٹھہر کر دعا کرنا چاہیئے ____ "اَلْمُوَازِیَۃ" مؤالک حضرات کی مستند کتاب ہے۔ جس سے اخذ کرکے ہیں (امام سبکیؒ نے مؤالک کا مسلک بیان کیا ہے۔ امام مالکؒ کے جملہ اقوال کی روشنی میں یہی بات ثابت اور واضح ہوجاتی ہے کہ وداع کے لفظ کے استعمال کے وہ خلاف تھے یعنی اسے مکروہ خیال فرماتے تھے، لیکن طوافِ آخر کو وہ ہرگز مکروہ نہیں سمجھتے تھے۔ بس یہی حال اس سلسلہ میں بھی اُن کا تھا کہ وہ قبرِ رسول کی زیارت کے مسئلہ میں بھی لفظِ زیارت کو عمدہ خیال نہیں فرماتے تھے۔ حالانکہ امام مالکؒ قبرِ رسول پر حاضر ہوکر ٹھہرنے اور درود وسلام پڑھنے کو بہت اہمیت دیا کرتے تھے۔ اس وضاحت کے بعد کوئی شخص امام موصوفؒ کی جانب یہ غلط خیال منسوب کرتا ہے کہ وہ سرکار سید الانام صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر شریف پر حاضر ہوکر درود وسلام پیش کرنے کی ممانعت فرماتے تھے، تو یہ حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ پر صریحی بہتان اور جھوٹ کے سوا اور کچھ نہیں۔ یہ اس انسان کی عقلی کجروی کو ہی ظاہر کرتا ہے۔ (اب قارئین یہ خوب پیش نظر رکھیں کہ ہم نے ابن تیمیہ کے ہمعصر امام تقی الدین سبکی شافعیؒ کے مدلل حوالوں کے ساتھ ابن تیمیہ کے ناپسندیدہ عقائد اور فاسد خیالات کا تفصیل کے ساتھ رد پیش کر دیا ہے۔ اب اگر کوئی غیر مقلد یا نجدی عقیدہ کا پیروکار اس مسئلہ پر اہل سنت کے عوام کو ورغلانے کی کوشش کرے اور کہے کہ زیارتِ قبر النبی کے سلسلہ میں منقول ساری حدیثیں موضوع (گھڑی ہوئی) ہیں تو آپ "مسلکِ اربابِ حق" کے اس حاشیہ کی روشنی میں اُس کے مکروہ اقوال کا جواب دے سکتے ہیں کہ وہ تمام احادیث جو زیارتِ روضۂ اطہر سے متعلق ہیں "حسن" اور "صحیح" ہیں۔ محشی)

(امام سبکی فرماتے ہیں) کہ سفر اور مطلق زیارت کے ابن تیمیہ منکر ہیں۔ زیارت کے لیے سفر کرنا ان کے نزدیک بدعت ہے اور غیر اللہ کی تعظیم ان کے نزدیک شرک کی ایک قسم ہے۔ میں ان کی طبیعت اور قول سے خوب اچھی طرح واقف ہوں، ان کے اقوال میں خبط ہے۔ ابن تیمیہ کا یہ کہنا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیارت کا لفظ ثابت نہیں۔ ان کے اس باطل دعوے کا رد ہم دلائل سے کر چکے ہیں اور ایسی احادیث بیان کر چکے ہیں جن میں قبرِ رسول کی زیارت کا ذکر ہے۔ یاد رکھنے کی دو باتیں ہیں اور دونوں نہایت ضروری ہیں۔ اول یہ کہ خاتم النبیین اشرف المرسلین رحمۃ للعالمین شفیع المذنبین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم وتکریم واجب ہے۔ آپ کی ذات اقدس کو مخلوقات میں سب سے بڑا سمجھنا واجب ہے۔ ثانی یہ ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ اپنے صفات اور ذات اور اپنے افعال میں اپنی تمام مخلوقات سے منفرد

سلسلہ حاشیہ

بیان کیے جائیں کہ خلقِ خدا کی عقلوں میں سما جائیں اور انھیں عام مقبولیت کا درجہ حاصل ہو جائے، مگر علامہ ابن تیمیہ کے اقوال اس کے برعکس ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم سے توسل بہرصورت جائز ہے۔ رحمۃ للعالمین کی ولادتِ شریفہ سے پہلے بھی اور ولادتِ مبارکہ کے بعد بھی، آپ کی اس دنیاوی حیات کے زمانہ میں بھی اور بعد وفات بھی، دنیا میں بھی، محشر میں بھی اور جنت میں بھی۔ (امام سبکیؒ نے توسّل کی تین قسمیں بڑی تفصیل کے ساتھ بیان کی ہیں مگر ہم طوالت کے خوف سے انھیں نقل کرنے سے عاجز ہیں۔ توسل بالاحیاء کو ابن تیمیہ درست مانتے ہیں مگر توسل بعد وفات کو ناجائز کہتے ہیں۔ یہاں ہم صرف امام سبکیؒ کے حوالہ سے توسل بعد وفات کے جواز کا قول ذکر کریں گے۔ محشی) اب اگر یہ کہا جائے کہ امیر المؤمنین فاروق اعظم حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے حضرتِ عباس رضی اللہ عنہ کا توسّل اختیار کیا مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اور آپ کی قبر شریف کے ذریعہ تو توسّل اختیار نہیں کیا، تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے اس عمل سے حضور اور آپ کی قبرِ مبارک کے توسّل کا انکار لازم نہیں آتا۔ ابوالجوزاء فرماتے ہیں ایک بار مدینہ منورہ میں بہت سخت قحط پڑا۔ ساکنانِ مدینہ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے درِ دولت پر حاضر ہوئے، قحط کا اور اس سے لاحق مصائب کا ذکر کیا۔ حضرت ام المؤمنین نے فرمایا: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبرِ مبارک پر بنے ہوئے حجرہ کی چھت میں ایک روشن دان قائم کر دو، تاکہ قبر اور آسمان کے مابین چھت حائل نہ رہے۔ لوگوں نے ان کے فرمان پر عمل کیا تو بارش برسنا شروع ہو گئی اور اس قدر عمدہ بارش ہوئی کہ عُشب (سبزہ) گھاس بڑی مقدار میں ظاہر ہوئی اور اونٹ اس قدر تندرست اور موٹے ہو گئے کہ چربی کی وجہ سے ان کے جسم پھٹنے لگے۔ امام بیہقیؒ نے اپنی کتاب "دلائل النبوۃ" میں حضرت مالک الدار سے روایت نقل فرمائی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبرِ مبارک پر ایک شخص حاضر ہوا اور اس نے قبر شریف کی طرف اپنا چہرہ کر کے عرض کیا اے رسول کریم! بارش نہ ہونے کے سبب مخلوق پریشان ہے۔ آپ کے امتیوں کا اس وقت بہت برا حال ہے آپ اپنی امت پر رحم فرما کر اللہ تعالیٰ سے بارش کے لیے دعا کر دیجیے۔ دعا سے فراغت کے بعد وہ جا کر سو گیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب کی حالت میں اُس سے ارشاد فرمایا اے شخص تو عمرؓ (رضی اللہ عنہ) کے پاس جا، اور ان سے ہمارا سلام کہو اور یہ بھی خوش خبری سنا دے کہ بارش ہو گی۔ وہ شخص حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا اور خواب میں جو واقعہ دیکھا تھا وہ سنایا۔ حضرت فاروق اعظمؓ رونے لگے۔ اس روایت سے یہ بات واضح ہو گئی اور یہی ہمیں بتانا بھی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ سے بارش کی دعا کے واسطے عرض داشت پیش کی جا سکتی ہے۔ ایسی صورت میں سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے یہ چیز کوئی بعید نہیں۔ اس لیے کہ یہ ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایسی صورت حال میں سائل کا سوال سماعت فرماتے ہیں۔ آپ کو سائل کے سوال اور معروضات کا علم ہوتا ہے۔ اور اکثر اوقات آپ سائل کو جواب بھی عطا فرماتے ہیں۔ حاجت روا صرف

یکتا و بے مثل ہے۔ لہٰذا کوئی انسان کسی چیز کو اللہ تعالیٰ کا شریک بنائے تو وہ مشرک ہو جائے گا اور اللہ کی ربوبیت کے معاملہ میں جو ہمیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم دی ہے وحدانیت کی، اگر اس کے خلاف عمل کرے گا تو وہ اس سلسلہ میں بڑا مجرم ہے اور کوئی شخص اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مرتبہ کو کسی حیثیت سے بھی کم کر کے بیان کرے گا تو وہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا مجرم گردانا جائے گا۔ اللہ نے جو رتبۂ اعلیٰ اپنے رسول کا بیان فرمایا ہے اس کے خلاف کرے گا تو وہ ظالم ہوگا۔ اور کوئی انسان ان چیزوں میں جو رسول کے لیے ثابت نہیں صرف اللہ کے ساتھ ہی وہ مخصوص ہیں اور اللہ ہی کے لیے وہ ثابت کرتا ہے رسول کے لیے نہیں ثابت کرتا تو یہ اس کا عقیدہ صحیح ہے۔ اُس نے اللہ کی ربوبیت اور رسول کی رسالت کی محافظت کی، اور یہی عدل وانصاف ہے کہ اُس میں اس نے نہ کمی کی اور نہ زیادتی۔ یہ روشن دلیل ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبرِ مبارک کی زیارت کرنا تبرک کی نیت سے اور تعظیم کی نیت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مرتبۂ ربوبیت تک ہرگز نہیں پہنچاتی اور نہ اس تعلیم سے بہتر کوئی اور تعلیم ہو سکتی ہے جس کی کلام الٰہی (قرآن عظیم) اور سنت نے ہمیں تعلیم مرحمت فرمائی ہے اور نہ اس تعظیم سے زیادہ جو آپ کے صحابہؓ نے آپ کی قولاً و فعلاً آپ کی ظاہری حیاتِ طیبہ میں اور بعد وصال کی ہے۔ اب یہ بات میری سمجھ میں نہیں آتی کہ ابن تیمیہ نے کیوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کو اور حتیٰ کہ قبر شریف کی زیارت کے واسطے سفر کرنے کو شرک باللہ کہہ ڈالا۔ ابن تیمیہ کے خلاف جو دلیل قائم ہوتی ہے وہ اس کی تاویل سے کام لیتے ہیں اور شبہ پیدا کر کے اپنی تائید کرتے ہیں۔ اس بیماری کا تو کوئی علاج ہی نہیں ہے۔ یاد رکھو ابن تیمیہ کا یہ قول انتہائی درجہ کا مبہم اور فاسد و باطل ہے۔ (ابن تیمیہ وسیلہ، شفاعت اور دعا میں حضور سے استعانت طلب کرنے کو حرام و ناجائز سمجھتے تھے۔ امام سبکیؒ نے ان کے فاسد قول کی عمدہ تردید کی ملاحظہ کریں۔ محشی)

یاد رکھو دعا میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو وسیلہ بنانا، مدد طلب کرنا اور شفاعت کی استدعا کرنا نہ صرف جائز بلکہ امر مستحسن ہے۔ اس کا جواز اور استحسان ہر مومنِ صادق کے لیے امر بدیہی ہے، جو انبیاء، مرسلین علیہم الصلوٰۃ والسلام اور سلفِ صالحینؒ اور علماءِ صالحینؒ کے عمل سے ثابت اور واضح ہے اور ائمہ اربعہؒ کے ماننے والوں میں سے کسی نے ان چیزوں کا انکار نہیں کیا ہے اور نہ کسی دور میں اس کو قبیح سمجھا گیا۔ یہاں تک کہ دنیا میں ابن تیمیہ ظاہر ہوئے اور ان چیزوں کے وہ منکر ہو گئے اور بے پر کی باتیں کہنا شروع کر دیں جن سے بھولے بھالے مسلمین اُن کے فریب کا شکار ہونے لگے اور ایسی جدید بات انھوں نے کہہ دی جو آج تک کسی نے نہیں کہی تھی۔ ہم نے اس کتاب میں شفاعت کا ذکر اس لیے کیا ہے کہ ابن تیمیہ نے قبرِ نبی کی زیارت کے انکار کے ساتھ ساتھ شفاعت اور استعانت کا بھی انکار کیا ہے۔ ابن تیمیہ کے اس فعلِ قبیح کو بس اتنا سمجھ لیجیے کہ آج تک کسی عالم باعمل نے ایسی قبیح بات نہیں کہی۔ جن علماءِ کرامؒ نے امت کی اصلاح کا عظیم کارِ خیر انجام دیا ہے اس سلسلہ میں ان حضرات کا طور طریقہ یہ رہا ہے کہ مسائلِ دینیہ اس طور پر

سلسلہ حاشیہ

اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ وہی اپنے بندوں کی حاجتوں کو پورا فرماتا ہے۔ یہ کسی مسلمان کا ہرگز عقیدہ نہیں ہو سکتا کہ خداوند قدوس کی خدائی میں کوئی دخیل ہو سکتا ہے، ہر فعل کا خالق صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اللہ تعالیٰ کے دربار عالی میں بحیثیت ایک سفارشی کی ہے۔ اس شخص نے بھی بارش کے لیے دعا کی درخواست کی تھی۔ اب چاہے اس چیز کو تَوَسُّل کہو یا تَشَفُّع کہو یا اِسْتِعَانَت یا تَجَوُّہ (جاہ و مرتبہ کے وسیلہ سے دعا کرنا) یا تَوَجُّہ، مطلب سب کا یہی ہے ـــــ استغاثہ کے معنیٰ غوث (مدد) طلب کرنا۔ کبھی مدد خالقِ کائنات جل شانہٗ سے طلب کی جاتی ہے۔ اور کبھی مدد کا مسبّب (اسباب اختیار کرنے والا) سے طلب کی جاتی ہے۔ نبی سے استغاثہ اسی معنیٰ کے اعتبار سے ہے۔ استغاثہ کبھی متعدی بنفسہٖ ہوتا ہے اور کبھی باء کے ساتھ اُس کا تعدیہ کر دیا جاتا ہے جیسا کہ "اِسْتَغَثْتُ النَّبِیَّ" اور "اِسْتَغَثْتُ بِالنَّبِیِّ" ان دونوں کا مطلب ایک ہی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ہم نے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مدد طلب کی کہ آپ ہمارے لیے دعا فرما دیں کہ اللہ تعالیٰ ہمارا فلاں کام کر دے۔ تو مدد (غوث) کی نسبت اللہ تعالیٰ کی خلق کے اعتبار سے ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کَسب کی حیثیت سے ہے۔ ثابت ہوا کہ "اِسْتِغَاثَہ بِالرَّسُوْل" اور "تَوَسُّل بِالنَّبِیِّ" صحیح اور جائز ہے، شریعت کی رُو سے بھی اور لغت کے اعتبار سے بھی۔ حقیقت میں مستغاث بہٖ صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے اور غیر اللہ مجازاً مستغاث بہٖ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مشیت و ارادہ کے بغیر کوئی کام نہیں ہو سکتا ـــــ حیات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں امام سبکیؒ فرماتے ہیں (محشی) احادیث میں آیا ہے کہ قبرِ رسول پر حاضر ہو کر کوئی شخص مجھ پر درود و سلام بھیجتا ہے تو اللہ تعالیٰ میری روح کو میرے جسم میں واپس فرما دیتا ہے۔ میں اُس اُمتی کا سلام سنتا ہوں اور اُس کا جواب بھی دیتا ہوں۔ امام حافظ الشیخ ابو بکر بیہقیؒ اپنے ایک رسالہ میں تحریر فرماتے ہیں "انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اپنی قبور میں زندہ ہیں اور وہ نمازیں پڑھتے ہیں"۔ ابن عدیؒ نے "کامل" میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے ایک روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اپنی قبور میں زندہ ہیں اور نمازیں پڑھتے ہیں"۔ امام بیہقیؒ نے فرمایا ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں "انبیاء چالیس رات کے بعد قبروں میں نہیں رہتے لیکن اس کے بعد وہ اللہ تعالیٰ کے حضور نماز پڑھتے رہتے ہیں، اس وقت تک کہ صور پھونکا جائے گا"۔ امام بیہقی فرماتے ہیں کہ اگر یہ حدیث سنداً صحیح ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام پر چالیس دن ایسے گذرتے ہیں جس میں وہ نماز نہیں پڑھتے، اس کے بعد برابر پڑھتے رہتے ہیں۔ امام بیہقیؒ یہ بھی فرماتے ہیں کہ مستند اور صحیح احادیثِ مبارکہ سے ثابت ہے کہ وفات کے بعد بھی انبیاءِ کرام علیہم السلام کو زندگی حاصل ہے۔ امام بیہقیؒ محدث نے متعدد اسناد سے یہ حدیث ذکر کی ہے۔ "میں موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قبر سے گذرا وہ اپنی قبر میں نماز پڑھ رہے تھے"۔ نیز یہ حدیث بھی نقل کی "میں نے اپنے آپ کو انبیاء کی جماعت میں دیکھا، موسیٰ علیہ السلام کھڑے

سلسلہ حاشیہ

ہوئے نماز پڑھ رہے تھے۔ وہ ایک ایسے شخص تھے جن کا بدن چھریرا اور ان کے گھنگریالے بال تھے۔ عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کھڑے ہوئے نماز پڑھتے دیکھا وہ عُروہؓ بن مسعود ثقفی سے مشابہت رکھتے تھے اور حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے وہ تم لوگوں کے صاحب سے مشابہ تھے۔ صاحب سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی ذات مراد تھی۔ پھر نماز کا وقت آیا تو میں نے امامت کی، تمام انبیاء مقتدی بنے۔ جب میں نماز سے فارغ ہوا تو کسی نے کہا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ مالک ہیں جو جہنم کے داروغہ ہیں ان کو سلام کیجیے، میں ان کی طرف متوجہ ہوا تو خود انھوں نے مجھے سلام کیا۔ یہ مسلم کی روایت ہے۔ حضرت سعید بن المسیبؒ سے ایک روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی انبیاء کرام سے بیت المقدس میں ملاقات ہوئی۔" حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ "آسمانوں پر انبیاء سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات ہوئی اور اُن سے گفتگو بھی فرمائی۔" یہ سب روایات صحیح ہیں ان میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اَوس بن اَوسؓ فرماتے ہیں کہ حضور کا ارشاد ہے سب سے افضل دن یوم الجمعہ" ہے، اسی روز حضرت آدم علیہ السلام کی ولادت ہوئی، اسی دن ان کی وفات ہوئی، اسی روز صور پھونکا جائے گا، اسی روز صَعقہ (قیامت کی بیہوشی) ہوگا۔ لہٰذا تم لوگ جمعہ کے دن مجھ پر کثرت کے ساتھ درود بھیجا کرو، تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔ صحابہؓ نے عرض کیا، اے رسول کریم! آپ پر ہمارا درود کس طرح پیش کیا جائے گا، آپ کی ہڈیاں تو بوسیدہ ہو چکی ہوں گی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ اے صحابہ! ہرگز ایسا نہیں، اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام فرمادیا ہے کہ وہ انبیاء کے جسموں کو کھائے۔" (صحابہ کے سوال پر حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف صاف ارشاد فرمادیا کہ انبیاء کے اجسام ہمیشہ باقی رہیں گے ان کا بال بیکا بھی نہیں ہو سکتا۔ محشی) اسی طرح حضرت ابوامامہ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ صحابہؓ سے بھی احادیث مروی ہیں۔ امام الحرمین نے فرمایا ہے کہ جو چیزیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دنیاوی حیات میں آپ کی ملکیت میں تھیں، وہ ایسی ہی بعد وفات کے بھی آپ کی ملکیت میں تھیں، اپنے دورِ خلافت میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ان چیزوں کو اسی طرح صرف کرتے تھے جس طرح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی دنیاوی حیاتِ مبارکہ میں خرچ کیا کرتے تھے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ یہ خیال فرماتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بعد وفات کے حیات ثابت ہے۔ لہٰذا آپ کی ملکیت بھی باقی ہے۔ اس سے یہ چیز خوب روشن ہوجاتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ دنیاوی احکام کے اعتبار سے بھی باقی ہے اور یہ حیات، شہداء کی حیات سے ارفع و اعلیٰ ہے ——— اب قابل غور یہ بات ہے کہ قرآن عظیم میں تو یہ ہے کہ: اِنَّکَ مَیِّتٌ وَّاِنَّھُمْ مَّیِّتُوْنَ ——— نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ارشاد فرمایا "میں وفات پانے والا ہوں۔" حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد فرمایا تھا: "فَاِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ مَاتَ" ——— تو یہ بات اچھی طرح ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات دائمی وفات ہرگز نہیں تھی کچھ

سلسلہ حاشیہ

دیر کے لیے تھی، پھر آپ کو حیات دوبارہ دے دی گئی۔ ملکیت ختم ہونے کا دارومدار دائمی موت سے ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اُخروی حیات، شہدا کی حیات سے اعلیٰ و اکمل ہے اور وہ روح کے لیے بلا شک و شبہ ثابت ہے اور جسم کے لیے بھی مکمل طور سے ثابت ہے اس لیے کہ ثابت ہو چکا ہے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے اجسامِ مبارکہ ہرگز بوسیدہ نہیں ہوتے اور روح کا جسم میں واپس ہونا تو جملہ مردوں کے لیے ثابت ہے۔ چہ جائیکہ شہداء و انبیاء علیہم السلام (دیکھیے سلفِ صالحینؒ میں اور حضرات کے علاوہ امام سبکیؒ بھی اسی کے قائل ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روحِ مقدس کچھ دیر کے لیے جسم اطہر سے صرف اس لیے جدا کی گئی تھی کہ اللہ تعالیٰ کے قانون کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَۃُ الْمَوْتِ (القرآن الکریم) کے تحت، جو عام قانون ہے قدرت الٰہی کا۔ اس کے بعد آپ کی روحِ مبارک اسی جسم اطہر شریف میں پھر واپس کر دی گئی۔ آپ بعینہٖ حیات ہیں۔ تب ہی تو "حَیَاتُ النَّبِیِّ" کا مقصد پورا ہوگا۔ لہٰذا آپ آج بھی حیات ہیں، صلوٰۃ و سلام کو سنتے ہیں، اس کا جواب مرحمت فرماتے ہیں، ہر جمعہ کو درود آپ پر امتیوں کے پیش ہوتے ہیں۔ امتیوں کے اعمال بھی آپ کے سامنے پیش ہوتے ہیں۔ اہلِ سنت و جماعت کے عظیم المرتبت ثقہ علماء ربانیین کی اتنی مدلل وضاحت کے بعد حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات بعد وصال کے سلسلے میں خصوصاً اور انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی حیات بعد الوفات میں عموماً شک و شبہ ہونا یا اس کا انکار کرنا کسی مومن کا کام ہرگز نہیں ہو سکتا۔ غیر مقلدین اور فرقۂ ضالہ نجدیہ وہابیہ اس کے منکر ہیں۔ وہ توسّل، استمداد اور شفاعت کے بھی منکر ہیں۔ اس گمراہ فرقے کے افراد کے قلوب ایمان کی روشنی اور عظمتِ انبیاء و رسل علیہم السلام اور احترام اولیاء عظامؒ کی نورانیت سے خالی ہیں۔ ایسے گمراہوں کے قلوب چونکہ خود مُردہ ہیں، اسی لیے یہ لوگ انبیاء و رسل علیہم السلام کو بعد وصال بھی مردہ تصور کرتے ہیں۔ (معاذ اللہ) اس فرقہ کی بدعقیدگی انتہا کو پہنچی ہوئی ہے۔ سوادِ اعظم اہلِ سنت سے بالکل مختلف اس کے عقائد ہیں۔ یہ فرقہ اپنے کو اہلِ حدیث کہہ کر مسلمانوں کو دھوکا دیتا ہے۔ چوتھی صدی ہجری میں اجماعِ امت ہو چکا ہے کہ ائمۂ اربعہ واجب التقلید ہیں۔ اجماعِ امت سے پہلے جو حضرات اپنے کو اہلِ حدیث کہتے تھے وہ حق پر تھے۔ اجماعِ امت کے بعد جو لوگ اپنے کو اہلِ حدیث آج بھی کہتے ہیں وہ غیر مقلد ہیں۔ محشی)

(امام سبکیؒ فرماتے ہیں) یہ بات قابل غور ہے کہ وہ روح مستقل طور سے جسم میں لوٹا دی جاتی ہے اور جسم اسی طرح زندہ ہو جاتا ہے۔ جیسے کہ دنیا میں تھا یا وہ جسم بلا روح کے زندہ رہتا ہے اور روح اللہ تعالیٰ کی مشیت و ارادہ کے ماتحت کہیں اور کسی مقام پر رہتی ہے۔ روح کے ساتھ زندگی کا تعلق ایک امر عادی ہے عقلی نہیں، عقلاً ممکن ہے کہ جسم بلا روح کے بھی حیات رہے۔ ایک طائفہ (جماعت) اس کا قائل ہے کہ روح کی حیات کے ساتھ جسم کو بھی مخصوص حیات حاصل ہو جاتی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اپنی قبر میں نماز پڑھنا اس کی روشن دلیل ہے، اس لیے کہ نماز کے ارکان کے ادا کرنے کا تعلق جسمانی اعضاء سے ہے۔ معراج کی شب میں انبیاء کرام کی جو کیفیات بیان فرمائی گئی ہیں وہ بھی جسمانی صفات سے متعلق ہیں، لیکن آخرت میں اور دنیا کی حیات میں جو کیفیات اور ضروریات تھیں، ان میں بس تھوڑا فرق ہے، وہ یہ ہے کہ آخرت کی حیات میں نہ کھانے پینے کی ضرورت اور نہ حاجت،

جمہور اہلِ اسلام کا حق مسلک

جمہور اہلِ اسلام اس مسئلہ میں متفق ہیں کہ بعد حج بیت اللہ، سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس پر حاضر ہونا بڑا اہم اور ضروری ہے، جس کو حضراتِ علماءِ احناف علیہم الرحمہ نے قریب قریب واجب کہا ہے۔ اس سلسلہ میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی چند احادیث شریفہ ملاحظہ فرمائیں ——— حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

مَنْ زَارَ قَبْرِیْ وَجَبَتْ لَهٗ شَفَاعَتِیْ [1]

مطلب جس نے میری قبر کی زیارت کی اس کے لیے میری شفاعت واجب ہو گئی۔

دوسری حدیث مبارک ہے:

مَنْ حَجَّ الْبَیْتَ وَلَمْ یَزُرْنِیْ فَقَدْ جَفَانِیْ [2]

مطلب جس نے بیت اللہ کا حج کیا اور میری زیارت نہیں کی اس نے مجھ پر ظلم کیا۔

تیسری حدیث میں ارشاد گرامی ہے:

مَنْ زَارَنِیْ بَعْدَ مَمَاتِیْ فَکَاَنَّمَا زَارَنِیْ فِیْ حَیَاتِیْ [3]

مطلب جس نے بعد وفات میری زیارت کی پس گویا اس نے جیسے میری زندگی میں زیارت کی۔

(بقیہ سلسلہ حاشیہ) مگر ادراکات جیسا کہ علم ہونا، سننا (اور اس کا جواب دینا) سب حاصل ہوں گے۔ (امام ابوالحسن علی تقی الدین سبکی رح سماعِ موتی کے بھی مکمل قائل ہیں، ان کی کتاب "شفاء السقام" کی تیسری فصل سماعِ موتی، بات کرنے، احساس کے ہونے زندہ ہونے اور روح کے دوبارہ جسم میں لوٹ آنے کے بیان میں ہے۔ ان کی تالیف ملاحظہ فرمائیں۔ ہم طوالت کی وجہ سے یہاں نقل کرنے سے عاجز ہیں۔ سماعِ موتی پر اہلِ سنت وجماعت کا نظریہ پہلے پیش کیا جا چکا ہے۔ محشی) ——— غیر مقلدین سے ہمیں صرف اتنا کہنا ہے کہ متقدمین علماءِ سلف علیہم الرحمہ آپ لوگوں سے کہیں زیادہ عقل علم وعمل اور زہد وتقویٰ کی نعمتوں کے حامل تھے، ان پاک نہاد ہستیوں کی مستند تحقیقات اور ان کے اقوالِ مبارکہ کو رد کرنا، ان کے پاک وحق طریقوں سے روگردانی کرنا بدنصیبی کی علامت ہے۔ ان توضیحات وتصریحات کے بعد انصاف پسندوں کے لیے اب اشکال کی کوئی صورت باقی نہیں رہی۔ وَاللّٰهُ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ۝ (القرآن الکریم)

---

[1] [2] [3] طحطاوی علی مراقی الفلاح۔ کتاب الحج فصل فی زیارۃ النبی ص ۴۲۱ مطبوعہ ۱۳۲۸ھ (مصری)

تنبیہ: اس میں یہ ہے کہ مندرجہ بالا احادیث شریفہ سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس کی زیارت کا جواز ثابت ہے۔ مخالفین ان مذکورہ بالا احادیث کو ضعیف قرار دیتے ہیں۔ مگر یہ غور نہیں کرتے کہ جہاں تک روایت کے ضعیف ہونے کا تعلق ہے تو لَاتُشَدُّ الرِّحَال والی حدیث کے بعض راویوں کو بھی غیر مستند اور عبداللہ بن نافع کو مجروح کہا گیا ہے۔ حضرت شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ نے اپنی شہرۂ آفاق تصنیف "جذب القلوب" میں احادیث مذکورہ بالا سے استحباب مؤکد ثابت فرمایا ہے۔ امام ابن حجر مکی رح اور امام سبکی بھی ان مذکورہ احادیث کی صحت کے قائل ہیں، جنھیں اہلِ علم جانتے ہیں۔

بزرگانِ دین کے مزارات کے واسطے سفر کرنا جائز ہے

علاوہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے دوسرے بزرگانِ دین، علمائے صالحین رحمۃ اللہ علیہم کے مزارات کے لیے سفر کرنا اگرچہ اختلافی مسئلہ ہے، لیکن قوی قول یہ ہے کہ جائز ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس حدیث شریف میں زیارتِ قبور کی ترغیب دی ہے[1]، اس میں مقامی اور غیر مقامی کی کوئی قید نہیں لگائی ہے۔

مندرجہ ذیل حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ میں نے پہلے زیارتِ قبور سے منع کیا تھا۔ لیکن مجھے اپنی والدہ کی قبر کی زیارت کی اجازت دی گئی ہے، پس تم بھی زیارت کیا کرو، اس لیے کہ یہ آخرت کو یاد دلاتی ہے۔ ملاحظہ ہو حدیث مبارک :

[1] نھیتکم عن زیارۃ القبور فقد اذن لمحمد (صلی اللہ علیہ وسلم) فی زیارۃ قبر اُمّہٖ فزوروھا فانھا تذکر الاٰخرۃ

ترمذی شریف جلد ۱۔ ابواب الجنائز۔ باب ما جاء فی الرخصۃ فی زیارۃ القبور۔ ص ۱۲۵

غور فرمائیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے آپ کی والدہ کی قبر کی زیارت کی اجازت عطا کی اور آپ نے اپنے اصحاب اور آنے والی امت کو حکم دیا کہ زیارت کیا کرو، کیونکہ یہ آخرت کو یاد دلایا کرتی ہے۔ اس حدیث پاک میں یہ کہیں ذکر نہیں کہ اپنے شہر یا بستی ہی کی قبور کی زیارت کی جائے اور زیارات قبور کے لیے سفر نہ کیا جائے۔ جب مقامی اور غیر مقامی کی کوئی قید ہی نہیں تو ثابت ہوا کہ دوسرے مقامات کے اولیاء، صلحاء، علماء وغیرہ حضرات کی قبور کی زیارت کے لیے سفر کرنا درست ہے۔ اس مسئلہ میں تشدد کو راہ دینا صحیح نہیں۔ پھر یہ بھی ایک اہم دلیل ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ کی قبر مدینہ منورہ میں نہیں ہے بلکہ کافی فاصلہ پر مقام ابواء میں ہے۔ اس کی زیارت کے واسطے خود سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر کیا۔ اب اگر کوئی شخص بغداد، کربلا، نجف اشرف، کاظمین، اجمیر، سرہند، دہلی وغیرہ میں قبور اولیاء کرام کے واسطے سفر کرے طلبِ فیض کے واسطے تو اس میں کیا قباحت ہے؟ لہٰذا یہ محض وسوسہ ہے، حقیقت سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ شریعت میں زیارت کی اصل موجود ہے، مقامی غیر مقامی کی کوئی قید نہیں ہے۔ اس کے علاوہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم بے شمار مرتبہ شہداءِ اُحُد اور جنتُ البقیع میں مدفون حضراتِ صحابہ و صحابیات کی قبور کی زیارت کے واسطے تشریف لے گئے ہیں اور وہاں کے آداب بھی مقرر فرمائے ہیں۔ اولیاء اللہ، صالحینِ امت، محدثین اور علماءِ ربانیین سَلَفْ سے خَلَفْ تک اپنے اپنے زمانوں میں زیارتِ روضۃ الرسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے سفر کرتے رہے، اور بندگانِ خدا کو اس کی تلقین فرماتے رہے ہیں۔ ابن تیمیہ، ابن قیم اور ابن عبدالوہاب نجدی ہی بس اس کے مخالف رہے، ان کے خود ساختہ نظریہ کے اعتبار سے تو امتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا چودہ سو سالہ عمل استغفر اللہ غیر شرعی ہو جاتا ہے اور تفقہ فی الدین اور مسائل کے استنباط کی حقیقت بے معنی ہو کر رہ جاتی ہے اور امت کا اجماع محض وہی رہ جاتا ہے جس میں ابن تیمیہ، ابن قیم اور ابن عبدالوہاب نجدی ان تین لوگوں کو اختلاف نہ ہو۔ حالانکہ یہ عقلی طور سے بھی اور شرعاً بھی بے معنی بات ہے۔ لہٰذا ان تینوں کا نظریہ سَوادِ اعظم اہلِ سنت کے مخالف ہے۔

مساجدِ ثلٰثہ والی حدیث کا زیارت یا عدمِ زیارت سے کوئی تعلق نہیں

اب رہی وہ حدیث شریف جس میں تین مساجد کے علاوہ سفر کرنے کی ممانعت ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ مسجد الحرام، مسجد اقصیٰ اور مسجد نبوی کے علاوہ کسی چوتھی مسجد کے لیے سفر کرنا ممنوع ہے۔ جیسے بعض ناواقف مسلمان رام پور سے دہلی جمعۃ الوداع پڑھنے کے لیے جاتے ہیں یا کسی اور شہر کے مسلمان کسی دوسرے شہر میں جمعۃ الوداع پڑھنے کے لیے جائیں، ان کا یہ طریقہ صحیح نہیں ہے ——— اور اگر اس حدیث شریف سے مساجد ثلٰثہ کے علاوہ دوسرے مقام پر مطلقاً سفر کرنا ممنوع سمجھا جائے گا تو غرضِ تعلیم کے لیے یا تجارت کے لیے سفر کرنا بھی ممنوع قرار پائے گا، بلکہ جہاد کے لیے اشاعتِ اسلام کے لیے اقارب کی ملاقات کے لیے، احباب سے ملنے کے لیے جملہ سفر ممنوع ہوں گے۔ اگر یہ کہا جائے کہ ان اسفار کے لیے اجازت دوسری آیات اور احادیث سے ملتی ہے، تو یہی ہمارا جواب ہے کہ قبور کی زیارت کے لیے عام حدیث شریف ہے، اس میں سفر اور حضر کی کوئی قید نہیں۔ لہٰذا یہ ثابت ہے کہ مساجدِ ثلٰثہ والی حدیث کا مزارات کی زیارت یا عدمِ زیارت سے کوئی تعلق ہی نہیں ہے۔

الغرض اربابِ حق یعنی علماءِ اہلِ سنت و جماعت کا مسلک یہی ہے کہ اولیاءِ کرام رحمۃ اللہ علیہم کے مزاراتِ مقدسہ پر حاضری اگر نیک نیتی اور طلبِ فیضِ روحانی کے لیے ہو تو بہتر ہے۔

توسّل بالاموات

اللہ تعالیٰ کی ذاتِ گرامی ہر مدّعا اور ہر مقصد کو بغیر وسائل پورا کر سکتی ہے اور اس کو کسی وسیلہ کی کوئی بھی حاجت نہیں لیکن اس نے عالم میں جس طرح ایک شئی کو دوسری شئی کے ساتھ مربوط کیا ہے کسی کو سبب اور کسی کو مسبّب بنایا ہے۔ اسی طرح اپنے دربارِ عالی میں پہنچنے کے لیے وسائل بنائے ہیں۔ عبادات کو وسیلۂ تقرب بنانا سب کے نزدیک مُسلّم ہے۔ درود شریف کو قبولیتِ دعا کا وسیلہ بنانا بالکل واضح ہے۔ دعا کے آخر میں 'آمین' کہنا بھی اجابتِ دعا کا ذریعہ ہے۔ یہاں تک کہ نماز میں سورۂ فاتحہ یعنی اَلحَمد کے بعد آمین کہنا سنت ہے۔ کوئی گروہ جہر کے ساتھ اور کوئی گروہ اخفا کے ساتھ 'آمین' کہتا ہے۔ ہم لوگ چونکہ حضرت امام اعظمؒ کے مقلد ہیں، اس لیے احناف 'آمین' اخفاد (آہستہ) کے ساتھ پڑھتے ہیں۔

توسّل کی دو قسمیں ہیں

توسّل کا ایک ذریعہ توسّل بخاصانِ خدا ہے، اور اس کی دو صورتیں ہیں۔ ایک توسّلِ عملی۔ دوسرا توسّلِ قولی۔ توسّلِ عملی کی صورت یہ ہے کہ کسی بزرگ کو ساتھ لے کر دعا کی جائے اور یہ شکل اس بزرگ کی ظاہری حیات کے زمانہ میں ہی ہو سکتی ہے۔" جیسا کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بعد وصال نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ساتھ لے کر بارش کے لیے دعا فرمائی تھی[1]۔ اس مسئلہ میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

[1] بخاری شریف جلد ۱۔ ابواب الاستسقاء باب سوال الناس الامام الاستسقاء الخ۔ ص ۱۳۷

توسّلِ قولی یہ ہے کہ دعا میں یہ کہا جائے کہ: "اے اللہ تعالیٰ بتوسل حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یا بوسیلہ خاصانِ خدا ہمارا یہ کام کر دے"

توسّلِ قولی جمہور اہلِ حق کے نزدیک جائز ہے

جمہور علماء کرام رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کے نزدیک یہ توسل بھی جائز و مستحسن ہے۔ علامہ ابن عابدین شامیؒ نے علامہ سُبکی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے نقل فرمایا ہے:

وقال السبکیؒ یحسن التوسل بالنبی الی ربہٖ ولا ینکرہ احد من السلف ولا الخلف الا ابن التیمیۃ فابتدع مالم یقلہ عالم قبلہ انتھی [1]

اور (علامہ) سُبکیؒ نے فرمایا ہے اچھا ہے وسیلہ حاصل کرنا نبی کے ساتھ رب تعالیٰ کی طرف، اس کا انکار ابنِ تیمیہ کے علاوہ سلَف اور خلَف میں سے کسی نے نہیں کیا ہے۔ وہی (ابن تیمیہ) ہے جس نے ایسی نئی بات کہی ہے جو اس سے پہلے کسی عالم نے نہیں کہی ہے۔

پس معلوم ہوا کہ یہ مسئلہ خلفاً عن سلفٍ اتفاقی رہا ہے۔ اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ صرف ابن تیمیہ نے اس مسئلہ میں اختلاف پیدا کر کے ایک نیا طریقہ ایجاد کیا ہے جس کا کوئی بھی عالمِ برحق کبھی قائل نہیں ہوا۔

"الوسیلہ" کی اشاعت اور وہابیوں کی بدعقیدگی

اس زمانہ میں ابن تیمیہ کی کتاب "الوسیلہ" کا ترجمہ وہابیوں نے شائع کر دیا ہے۔ موجودہ دور کی بدعقیدگی بزرگانِ اسلام سے بے تعلقی اور خاصانِ خدا و مقربانِ بارگاہِ الٰہی سے دوری کا تقاضا یہی ہے کہ لوگ اس خیال پر جم جائیں [2] اور قدیم بزرگانِ دین کا جو طریقہ رہا ہے، یعنی خوش عقیدگی، اس سے متنفر ہو جائیں۔ یہ وبا عام ہو گئی ہے۔ اکثر یہ کہا جاتا ہے کہ توسّل بالاحیاء تو صحیح ہے لیکن توسّل بالاموات ناجائز ہے۔

جمہور اہلِ سنّت کے نزدیک دونوں توسّل جائز ہیں

ابن تیمیہ کے رد میں علماء اہلِ سنت وجماعت نے بے شمار رسائل اور کتابیں تصنیف فرمائی ہیں جن میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ توسّل بالاحیاء اور توسّل بالاموات دونوں صحیح ہیں اور جائز ہیں۔

---

[1] درمختار جلد ۵۔ کتاب الحظر والاباحۃ۔ فصل فی البیع۔ ص ۲۵۰

[2] یعنی جس کو کتاب "الوسیلہ" نے پیش کیا ہے۔ حضرت مصنف قدس سرہٗ کا مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں کو اور زیادہ بدعقیدہ بنانے اور سلفِ صالحینؒ کے طریقہ سے پھیرنے کے لیے "الوسیلہ" کی برابر اشاعت کی جاتی رہتی ہے۔

دعا کی مقبولیت کا ایک سبب وسیلہ ہے[1]

میں اس کے متعلق صرف ایک بات تحریر کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کو قبولیتِ دعا کے لیے نہ توسل بالاحیاء کی ضرورت ہے اور نہ توسل بالاموات کی اس کو کوئی حاجت ہے۔ اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ ہر طرح کام کرنے پر قادر ہے۔ البتہ دنیائے اسباب کا یہ طریقہ رکھا ہے کہ دعا کو وسائل سے قبول فرماتا ہے۔ بزرگوں کی حیات ظاہرہ میں ان کا وسیلہ محض اُن کی مقبولیت کی بنا پر ہے نہ کہ اُن کو کوئی جابرانہ طاقت حاصل ہے۔

اولیاءِ کرامؒ کی مقبولیت عنداللہ جس طرح حیاتِ ظاہری میں ہے، ان کی وفات کے بعد بھی ہے۔ بلکہ بعد وفات مقبولیت میں اور مضبوطی آجاتی ہے۔ چونکہ زندگی میں ولایت کے سلب ہوجانے کا بھی خطرہ باقی رہتا ہے، مگر خاتمہ بالخیر ہوجانے کے بعد کوئی شبہ باقی نہیں رہتا ——— رہے حضرات انبیاءِ کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام تو اُن کی نبوت اور بزرگی حیاتِ ظاہرہ میں بھی اور بعد وصال بھی دونوں وقت مستحکم ہے۔ چونکہ امت کا اجماع اور اتفاق ہے کہ ہر دولت و نعمت واپس لی جاسکتی ہے، لیکن نبوت ایسی عظیم نعمت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضراتِ انبیاءِ کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو مرحمت فرمانے کے بعد کسی نبی سے سَلب نہیں کی اور نہ وہ سلب کی جانے کے قابل ہے، ورنہ اللہ تعالیٰ پر اور اس کے دین پر اعتماد ہی نہیں رہتا ——— الغرض علماءِ برحق یعنی جمہور اہلِ اسلام کے نزدیک جس طرح توسّل بالاحیاء صحیح ہے، اسی طرح توسّل بالاموات بھی درست اور جائز ہے۔

---

[1] تفسیر جلالین نصف اول۔ پارہ لَا یُحِبُّ اللّٰہُ۔ سورۃ المائدہ۔ آیۃ کریمہ: یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَابْتَغُوْٓا اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِیْ سَبِیْلِهٖ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ کی تفسیر کے ذیل میں حاشیہ ۱۲ پر ہے:

الوسیلة وهی ما یتقرب به الی الشی ومعنی الأیة ای اطلبوا ما تتوسلون به الی ثوابه والزلفی منه من فعل الطاعات وترك المعاصی کذا فی الخطیب وغیره وفی الوسیلة فعلیة من وسل الیه اذا تقرب الیه الخ فالوسیلة هی التی یتوسل بها الی المقصود ملخصا۔ ترجمہ: وسیلہ وہ چیز ہے جس سے شئی کی طرف نزدیکی ہو اور آیۃ کے معنی ہیں وہ چیز طلب کرو جس کے ذریعہ اُس (اللہ تعالیٰ) سے ملنے والے ثواب اور اس کی نزدیکی کا وسیلہ پاؤ کہ فرمانبرداری کے کام کرو اور گناہ چھوڑ دو۔ ایسے ہی خطیب وغیرہ میں مذکور ہے اور کبیر میں ہے کہ وسیلہ اُس آدمی کا کام ہے جو شئی کا قرب حاصل کرنے کے لیے اس تک وسیلہ تلاش کرے تو وسیلہ وہ ہوا جو مقصود تک رسائی کا کام دے۔

اور تفسیر روح المعانی" میں آیۃ کریمہ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَابْتَغُوْٓا اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ الخ کے ذیل میں "وسیلہ" کی تعریف کرتے ہوئے خاتم المحققین عمدۃ المدققین علامہ سید محمود آلوسی بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ایک طویل تحقیقی بحث لکھنے کے بعد فرماتے ہیں:

(باقی اگلے صفحہ پر)

(بقیہ سلسلہ حاشیہ) ______________________________

"وبعد هٰذا كله انا لا ارىٰ بأساً في التوسّل الى الله تعالىٰ بجاه النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم عند الله تعالىٰ حيًّا وميتًا، ويراد من الجاه معنىً يرجع الى صفة من صفاته تعالىٰ، مثل ان يراد به المحبة التامه المستدعية عدم رده وقبول شفاعته فيكون معنى قول القائل: الٰهي اتوسل بجاه نبيك صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ان تقضي لي حاجتي، الٰهي اجعل محبتك له وسيلة في قضاء حاجتي، ولا فرق بين هٰذا وقولك: الٰهي اتوسل برحمتك ان تفعل كذا اذ معناه ايضاً الٰهي اجعل رحمتك وسيلة في فعل كذا، بل ارىٰ بأساً ايضاً بالاقسام على الله تعالىٰ بجاهه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بهٰذا المعنىٰ"

ترجمہ: اس پوری تفصیل لکھنے کے بعد میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھتا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف وسیلہ حاصل کرنے میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس جاہ (مرتبۂ کاملہ) کا واسطہ دیا جائے جو اللہ تعالیٰ کے دربارِ عالی میں آپ کا رتبۂ اعلیٰ ہے۔ وقت حیات ظاہرہ یعنی دنیاوی بھی اور بعد وصال بھی۔ اس جاہ سے مراد وہ معنیٰ ہیں جو کسی صفتِ خداوندی میں مل جاتے ہیں۔ مثلاً اس جاہ کا مطلب محبتِ تامہ (حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اللہ تعالیٰ سے سب سے زیادہ محبت اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے آپ کی شان محبوبیت) ہے جو اس امر کا سبب بنتی ہے کہ دعا رد نہ ہو اور حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شفاعت قبول ہو۔ کہنے والے کا یہ کہنا اے اللہ! میں تیرے نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جاہ (شان عالی) کا وسیلہ اختیار کرتا ہوں (اور تجھ سے دعا کرتا ہوں) کہ تو میری یہ حاجت میرے لیے پوری فرما دے، یہ مطلب ظاہر کرتا ہے کہ اے اللہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے تیری محبت کو وسیلہ بناتا ہوں اپنی حاجت پوری کرنے کے لیے۔ کوئی فرق نہیں ہے اس کے مطلب میں اور اس کے کہنے میں کہ اے اللہ! میں تیری رحمت کا وسیلہ چاہتا ہوں کہ تو ایسا کردے، کیونکہ اس کے معنیٰ یہ بھی ہیں اے اللہ! میں تیری رحمت کو ایسے کام میں وسیلہ بناتا ہوں بلکہ میں اس میں بھی کوئی حرج نہیں سمجھتا کہ اللہ تعالیٰ سے بایں معنیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جاہ (درجۂ رفیعہ) کا واسطہ دے کر بار بار دعا کی جائے۔" (روح المعانی)

الغرض اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرنے کے بہت سے وسیلے ہیں۔ نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، تلاوتِ قرآن کریم، جہاد فی سبیل اللہ، اسلام کی اشاعت، دینی علوم کی نشر و اشاعت اور دیگر ذکر و اذکار کے ساتھ ساتھ دعا میں سید الانبیاء، امام المرسلین خاتم النبیین حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرات انبیاء عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام، صحابہ، شہداء رضی اللہ عنہم اور اولیاء اللہ علیہم الرحمہ کا وسیلہ چاہنا بھی ہے سلف سے خلف تک علماء صالحین و اولیاء امت اس کے قائل رہے ہیں، خواہ وہ ان حضرات کی ظاہری حیات کے زمانہ میں ہو یا ان کی وفات کے بعد۔ یہ اہلِ حق کا اجماعی طریقہ رہا ہے۔ دعا کے آخر میں آمین بجاہ النبی الکریم وصلی اللہ علیٰ خیر خلقہ محمد و آلہ واصحابہ وازواجہ واھل بیتہ وعلماء ملتہ واولیاء امتہ اجمعین کہا اور پڑھا جاتا رہا ہے۔ سلف سے خلف تک اور آج بھی صلحا میں یہ عمل جاری ہے تو ان حضرات کا وسیلہ چاہنا بعد الوفات نہ پہلے ناجائز کہا گیا اور نہ اب کہا جاتا ہے۔ لہٰذا ثابت ہو گیا کہ بزرگان دین کا وسیلہ اختیار کرنا بعد الوفات جائز اور مستحسن ہے۔ اسے بدعت وہی لوگ کہتے ہیں جو مادہ پرست اور عقلیت پسند ہوتے ہیں اور ایسے لوگ روحانیت سے نابلد ہوتے ہیں۔ ؎ نہ کتابوں سے نہ وعظوں سے نہ زر سے پیدا٭ دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا۔ (اکبر الٰہ آبادی)

سماعِ موتیٰ انتقال کے بعد مُردوں کا سننا بھی معرکۃ الآرا مسئلہ ہے۔ لیکن محققین کرامؒ کا مسلک یہی ہے کہ انسان مرنے کے بعد سنتا ہے ــــــ مردہ کا سننا ظاہری اسباب کے خلاف ہے۔ بدن سے روح نکل گئی، قبر پر مٹی پڑ گئی، پھر سننے کی کیا صورت؟ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے مُردوں کو سنایا ہے اور سناتا ہے۔

بعض احناف نے سماعِ موتیٰ کا انکار کیا ہے۔ غالباً اس کا مطلب یہ ہے کہ مردہ جسم میں سننے کی صلاحیت نہیں۔ البتہ روح کو اللہ تعالیٰ جو چیز سنانا چاہے تو اس کے لیے مانع بھی نہیں ہو سکتا۔ روح کو علمِ نافع اور علم مضر ضرور ہوتا ہے، اگر ایسا نہ ہو تو عذابِ قبر، ثوابِ قبر کے کوئی معنیٰ ہی نہیں رہے۔ حالانکہ یہ مسئلہ جمہور اہل سنت و جماعت کے نزدیک مُسَلَّم ہے۔ جانبینؒ[1] کے دلائل بڑی بڑی کتابوں اور رسائل میں مذکور ہیں۔

اربابِ حق کے مسلک کی وضاحت۔ منکرینِ سماعِ موتیٰ کو جواب یہاں میں اس کے خلاصہ پر اکتفا کرتا ہوں، چونکہ اربابِ حق کے مسلک کی وضاحت مقصود ہے۔ منکرین سماعِ موتیٰ کی دلیل قرآن کریم کی یہ آیۃ "اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى" ہے۔ اس آیۃ میں اللہ تعالےٰ اپنے حبیب مکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتا ہے کہ "آپ مُردوں کو نہیں سنائیں گے"۔

اس کا جواب یہ ہے کہ آیۃ کریمہ کفار کے حق میں نازل ہوئی ہے اور ان کو مردہ کہا گیا ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز مبارک کفار سنتے تھے یا نہیں۔ ظاہر ہے کہ وہ یقیناً سنتے تھے، لیکن آپ کی باتوں کا جواب صحیح نہیں دیتے تھے۔ یہی حال عام طور پر موتیٰ کا ہے کہ ان کی قبور پر ہم "اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ يَا اَهْلَ الْقُبُوْرِ" کہتے ہیں اور قبر سے کوئی آواز نہیں آتی۔ دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتا ہے کہ "آپ نہیں سنائیں گے"، یعنی ظاہری اسباب کے لحاظ سے یہ چیز آپ کی قدرت سے باہر ہے۔ رہی اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ تو وہ پتھر، مٹی، پیڑ پودے اور در و دیوار کو سنا سکتی ہے ــــــ پھر قبرستان میں جاکر "اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ" صیغہ خطاب سے دعائے سلامتی دینا اپنی حقیقت کے اعتبار سے واضح طور پر سماعِ موتیٰ پر دلالت

---

[1] صاحب تفسیر روح المعانی علامہ سید محمود آلوسی بغدادیؒ جو محققین میں اونچا مقام رکھتے ہیں انھوں نے جانبین (موافقین سماعِ موتیٰ اور منکرینِ سماعِ موتیٰ) کے دلائل سورۃ الروم کی تفسیر میں پیش کیے ہیں۔ ہم نے سماعِ موتیٰ کے قائلین کے دلائل اور اقوال پہلے پیش کر دیے ہیں اور محققین کی تحقیق جو علمی دلائل پر مبنی ہے وہ بھی پیش کی۔ دوسرے سلفِ صالحین جن میں امام ابو الحسن علی تقی الدین سبکی شافعیؒ وغیرہ شامل ہیں ان کی تصانیف میں سماعِ موتیٰ کے حق میں محققین علماء اور بزرگانِ اسلام کے اقوال اور ان کے دلائل موجود ہیں۔ علماء اس سے واقف ہیں۔ اہلِ سنت و جماعت کے عوام کے لیے بس اتنا سمجھ لینا کافی ہے کہ سماعِ موتیٰ کو محققین علماء کرام نے ثابت کیا ہے۔

کرتا ہے اور اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ میں کسی وقت کی کوئی خصوصیت بھی نہیں۔

سماعِ موتیٰ برحق ہے

الغرض مردے سنتے ہیں اور یہی محققین کرام رحمہم اللہ کا قول ہے منکرین میں سے جو حضرات اربابِ حق ہیں، اُن کے قول کی تاویل پہلے بیان کردی کہ جسمِ مردہ میں سننے کی اہلیت نہیں، اس سے روح کے سننے پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ جن لوگوں نے حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے قولِ مبارک سے سماعِ موتیٰ کی نفی پر استدلال کیا ہے وہ سراسر غلط فہمی پر مبنی ہے۔ اربابِ علم اگر اس کی تحقیق کرنا چاہیں تو اس کے متعلق رسائل[1] کا مطالعہ کریں اور روح المعانی اور درمختار کا حاشیہ شامی ملاحظہ فرمائیں۔

بعد وفات بزرگوں کے تَصَرُّفات

میں پہلی ابحاث میں یہ تحریر کرچکا ہوں کہ مطلق زندگی ہر انسان کو بعد موت حاصل ہے خواہ وہ کافر ہو یا مومن ——— لیکن زندگی جس میں انتفاع اور قوتِ تصرف ہو وہ خاصانِ خدا و مقربانِ بارگاہِ الٰہی کا خاصہ ہے۔ اولیائے کرام، شہدائے عظام خاص کر حضرات انبیاءِ کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ نے بعد وفات روزیاں مرحمت فرمائی ہیں اور ہمیشہ فرماتا ہے۔ نمازوں کا پڑھنا، احرام کا باندھنا، خانۂ کعبہ کا طواف کرنا اور اس قسم کے دوسرے امور حضراتِ انبیاءِ کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے متعلق حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائے ہیں۔

انبیاء و اولیاء کے تَصَرُّفات صحیح اور حق ہیں

رہے تجرباتِ خاصانِ خدا تو بے شمار ہیں لیکن وہ حجتِ شرعی نہیں۔ اس لیے ان کا تذکرہ مخالف کے لیے ذریعۂ الزام نہیں ——— لیکن یہ صحیح اور حقیقت ہے کہ حضراتِ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور اولیاءِ عظام رحمۃ اللہ علیہم کے تصرفات دنیا میں موجود ہیں۔

حضرت سیدنا غوث الثقلین شیخ سید محی الدین عبدالقادر[3] جیلانی محبوب سبحانی قطب ربانی، حضرت خواجہ

---

[1] سماعِ موتیٰ کے حق میں محققین علماءِ کرام کے اقوال اور دلائل "اہلِ قبور سنتے ہیں" کے عنوان کے ذیل میں حاشیہ پر مفصل طور پر پہلے پیش کیے جاچکے ہیں۔ [2] بہت سے اسلاف صالحین نے ایسی کتابیں تصنیف کی ہیں جن میں دلائل کے ساتھ سماعِ موتیٰ کو ثابت کیا ہے، جن میں رسائل بھی شامل ہیں۔ ہم روح المعانی کے حوالے سے موافقین سماعِ موتیٰ کا موقف واضح کرچکے ہیں۔ اربابِ علم اس کی مزید تحقیق کرنا چاہیں تو اُن کتب کا مطالعہ کرسکتے ہیں۔ حضرت مصنف قدس سرہٗ کی عبارت کا یہی مطلب ہے [3] حضرت مصنف قدس سرہٗ نے مذکورہ بالا اولیاءِ کرام کے اسماءِ گرامی قارئین کی معلومات کے لیے بطورِ مثال پیش فرمائے ہیں۔ ان اولیاءِ کرام کے علاوہ بیشمار اولیاءِ امت کے کشف کے حالات اور تصرفات مستند بزرگوں کی کتابوں میں مذکور ہیں جنھیں اہلِ عقیدت اور اہلِ سنت کے اربابِ حق علماء و مشائخ تسلیم کرتے ہیں۔ تصرفاتِ روحانی کا انکار محض کم فہمی اور کم علمی کی دلیل ہے۔ منکرینِ تصرفات کے شیوخ بھی تصرفاتِ اولیاء کے قائل رہے ہیں۔ مولوی محمد اسمٰعیل صاحب دہلوی جیسے شخص نے بھی اپنی تصنیف صراطِ مستقیم میں امیر المومنین حضرت سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے تصرفاتِ روحانیہ کا اس عالم میں موجود ہونا بتایا ہے جو ص ۲۰۳ کے حاشیہ میں حوالہ کے ساتھ ہم نے پیش کیا ہے تو پھر کس طرح اولیاءِ کرام کے روحانی تصرفات کا انکار عقلاً و نقلاً صحیح ہوسکتا ہے؟ جب منکرین کے اپنے اکابر و شیوخ اس کے قائل رہے ہیں۔

معین الدین چشتی اجمیری، حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبند، حضرت شیخ شہاب الدین عمر سہروردی، حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی سرہندی، حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی دہلوی، حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی، حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر، حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی اور حضرت خواجہ محمد باقی باللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہم وغیرہ بیشمار حضراتِ اولیاء اللہ کی وفات کے بعد کے حالات و تصرفات بہت سے مستند بزرگوں نے اپنی اپنی تصانیف میں تحریر کیے ہیں۔
رام پور کے بزرگانِ دین میں سے جلیل القدر بزرگ حضرت سیدنا حافظ شاہ جمال اللہ[1]، حضرت سیدنا شاہ درگاہی محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہما کے حالات و تصرفات بعد وفات، اپنی کتاب "مجمع[2] الکرامات" میں حضرت شاہ سلطان امام الدین خاں صاحب الملقب بہ غالب جہاں رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمائے ہیں، جنھیں اہلِ عقیدت و محبت مانتے ہیں۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی شہرۂ آفاق تصنیف "اخبار الاخیار فی سرّ الابرار" میں اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی شاہ کار تصنیف "انفاس العارفین" میں بعض جلیل القدر بزرگانِ دین کے تصرفات بعد الوفات ذکر فرمائے ہیں۔ حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی علیہ الرحمۃ نے اپنی تفسیرِ مظہری" میں حضرت غوث الثقلین کی روحِ مقدس کا مفید برکات ہونا بعد الوفات تسلیم کیا ہے۔

---

[1] حضرت سیدنا حافظ شاہ جمال اللہ قدس سرہٗ مغربی پنجاب کے قصبہ شاہ دولہ (متصل راولپنڈی) سے رام پور تشریف لائے تھے۔ آپ کے والد محترم سید سلطان شاہ قدس سرہٗ اولیاءِ وقت میں سے تھے، جن کا مزار پاک شاہ دولہ میں مرجعِ خلائق ہے۔ حضرت سیدنا حافظ شاہ جمال اللہ قدس سرہٗ حضرت سیدنا شاہ قطب الدین مہاجر مدنی قدس سرہٗ سے بیعت اور ان کے جلیل القدر خلیفہ تھے، وہ حضرت سیدنا خواجہ محمد زبیر مجددی (قیوم رابع) سرہندی قدس سرہٗ کے خلیفہ اجل تھے۔ آپ کا سلسلۂ طریقت چار واسطوں سے حضرت سیدنا امام ربانی مجدد الف ثانی قیوم اول قدس سرہٗ تک پہنچتا ہے۔ آپ سیدنا غوث اعظم شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ کی اولاد میں سے ہیں۔ آپ کے پیرو مرشد نے مدینہ منورہ ہجرت فرماتے وقت آپ کو روہیل کھنڈ میں قیام کرنے کا حکم دیا تھا اور فرمایا تھا کہ وہاں جاکر قومِ افغان اور دوسرے بندگانِ خدا کی اصلاح کیجیے اور انھیں اسلام کی پاک و منور راہ کی طرف لانے کی کوشش کیجیے۔ شیخ محترم کے حکم کے بموجب اول لکھنؤ میں قیام کیا، پھر مختلف علاقوں میں قیام کرتے ہوئے بالآخر سرزمینِ مصطفےٰ آباد جو اس وقت رام پور کے نام سے مشہور ہے، قیام کر کے پوری زندگی دینِ اسلام کی خدمت اور بندگانِ خدا کی اصلاح میں گزار دی اور پھر

(باقی اگلے صفحہ پر)

بقیہ حاشیہ

۳ صفر المظفر ۱۲۰۹ھ کو وفات پائی۔ مزار پُر انوار مرجع خلائق ہے جو محلہ باجوڑی ٹولہ میں ہے۔ حضرت سیدنا حافظ شاہ سید جمال اللہ قدس سرہٗ اُن نابغۂ روزگار اولیا میں سے ہیں جن پر آپ کے ہمعصر اولیاءِ وقت کو بھی ناز تھا۔ رام پور ہی کے صلحاء و اولیاء نہیں، بیرون رام پور کے مشہور مشائخِ وقت اور اولیاء اللہ آپ کا احترام کیا کرتے تھے۔ مشہور نقشبندی بزرگ حضرت شاہ عبداللہ المعروف شاہ غلام علی دہلویؒ (خلیفہ حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں مظہر شہید علوی قدس سرہٗ) آپ سے ملاقات کی غرض سے رام پور تشریف لائے تھے، اُس وقت گرمی کا موسم تھا۔ حضرت اعلیٰؒ نے مہمان بزرگ حضرت شاہ غلام علی دہلوی علیہ الرحمہ کی تواضع تربوز سے کی تھی۔ دونوں حضرات ایک دوسرے سے مل کر بہت خوش ہوئے تھے۔ رام پور کے اولیاء وقت میں آپ کو اللہ تعالیٰ نے امتیازی شان عطا فرمائی تھی۔ خلائق کے ساتھ ساتھ علماء، کاملین و اولیاء اللہ آپ کا بڑا احترام کیا کرتے تھے۔ مشہور چشتی صابری بزرگ حضرت شاہ عبدالکریم المعروف ملّا فقیر اخوند علیہ الرحمہ سے آپ کے بڑے پُرخلوص تعلقات تھے۔ حضرت شاہ عبداللہ بغدادیؒ اور مجدّدی بزرگ و عالم حضرت مولانا محمد مرشد علیہ الرحمہ بھی آپ کی ولایت و بزرگی کے معترف تھے۔ حضرت اعلیٰ کے قدم پاک کی بدولت سرزمین روہیل کھنڈ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے جمال کا مظہر بن گئی۔ اس سرزمین کے ذرہ ذرہ پر آپ کے احسانات ہیں مگر افسوس کہ اس سرزمین کے باشندگان کو آپ کے احسانات کی جتنی قدر کرنی چاہیئے تھی وہ اتنی نہ کر سکی۔ اس کے باوجود آپ کی جمالی نظرِ عنایت کے فیوض و برکات سے آج بھی یہاں کا ایک ایک باشندہ مستفیض ہے۔ حضور رحمۃٌ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں آپ کی ذات اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے آج بھی مسلمانان رام پور کے سروں رحمتِ الٰہی کی شکل میں سایہ فگن ہے۔ ؎

سیدِ حافظ جمال اللہ کا ہم کو رشتہ مل گیا اللہ کا

آپ کی ذات جامع الصّفات ہے، جامع السّلاسل ہے۔ نسباً بھی آپ قادری تھے اور سلسلہ بھی آپ کا قادری ہے۔ البتہ مشرباً آپ مجدّدی تھے۔ آپ کی ذاتِ گرامی سے دو سلسلوں کا زیادہ اجراء ہوا یعنی قادریہ و نقشبندیہ کا۔ آپ کے خلفاء کی تعداد خاصی ہے لیکن آپ کے باطنی جمال کے فیوض و برکات کا مظہر اتم آپ کے خلیفہ حضرت سیدنا شاہ درگاہی محبوبِ الٰہی قدس سرہٗ خاص طریقہ پر ہوئے۔ آپ کی ساری عمر شریعت اور سُنَنِ نبویہ کے اہتمام میں گذری۔ آپ کے حالات و مقامات حضرت مولانا سردار شاہ خاں صاحب مدظلہٗ استاذ جامع العلوم فرقانیہ وسکریٹری "الادارۃ الشرعیۃ" نے "حالاتِ مشائخ" میں درج کیے ہیں۔ مطالعہ فرمائیں۔

۵ مجمع الکرامات مترجم اردو۔ صولت پبلک لائبریری میں موجود ہے۔

صراطِ مستقیم اور المہند تک میں ہے

مولوی اسماعیل صاحب دہلوی نے اپنی کتاب "صراط مستقیم"[1] میں امیر المؤمنین حضرت سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہٗ کی روحِ پاک کو عالم میں متصرّف بتایا ہے۔ رسالہ "المہنّد"[2] مسمّٰی بہ عقائد علماء دیوبند" میں صراحۃً مذکور ہے کہ بعد وفات بطریقہ

---

[1] "صراطِ مستقیم" کی عبارت کا اردو ترجمہ تحریر کیا جاتا ہے۔ ملاحظہ ہو۔

"اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے شیخین (حضرت صدیق اکبر و حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہما) رضی اللہ عنہما پر بھی ایک گونہ فضیلت ثابت ہے اور وہ (حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ) فضیلت آپ کے فرمانبرداروں کا زیادہ ہونا اور مقاماتِ ولایت بلکہ قطبیت اور غوثیت اور ابدالیت اور انہی جیسے باقی خدمات آپ کے زمانہ سے لے کر دنیا کے ختم (قیامت) ہونے تک آپ ہی کی وساطت (وسیلہ) سے ہونا ہے، اور بادشاہوں کی بادشاہت اور امیروں کی امارت میں آپ کو وہ دخل ہے جو عالم ملکوت کی سیر کرنے والوں پر مخفی نہیں۔" ("صراط مستقیم" مترجم اردو۔ چوتھی ہدایت ثمراتِ حُبِّ ایمانی کے بیان میں۔ ص ۹۰ کتب خانہ اشرفیہ۔ راشد کمپنی دیوبند۔ مطبع محبوب پرنٹنگ پریس)

مولوی محمد اسمٰعیل صاحب دہلوی کی عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ وہ خلیفہ رابع امیر المؤمنین حضرت سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہٗ کی روحِ منور کو عالم میں متصرف تصور کرتے تھے۔ البتہ اُن کی ایک کتاب "تقویۃ الایمان" نے ان کی ذات کو اہلِ علم کے طبقہ میں متنازعہ بنا دیا۔ ان کے خاندان کے اہلِ علم حضرات، حضرت علامہ مولانا شاہ محمد اسحٰق محدث دہلوی علیہ الرحمہ اور مولانا شاہ محمد مخصوص اللہ صاحب دہلویؒ سے بھی اُن کے اختلافات رونما ہوئے علماء اہل سنت نے ان کے رد میں عمدہ کتابیں تصنیف کیں۔ علامہ دہلوی نے اپنے جدِ امجد حکیم الامت حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور عم محترم حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی علیہما الرحمہ کے طریقہ حقہ سے اختلاف کیا۔ مولانا دہلوی نے بعض مسائل میں غیر مقلدانہ راہ اختیار کی۔ زبردست عالم تھے، ردِّ بدعات و خرافات میں اعتدال کے بجائے سخت راہ اختیار کی جو علماءِ سلفؒ کا طریقہ نہ تھا، اسی لیے ہمیں وہ اپنی تحریکات میں کامیاب نظر نہیں آتے۔ وحدتِ الٰہی کی اشاعت کے لیے قطعاً یہ ضروری نہیں کہ مقامِ رسالت کی عظمت نظروں سے اوجھل ہو جائے۔ علمائے سلف علیہم الرحمہ نے بدعات کا رد بہترین طریقہ پر انجام دیا ہے۔ لیکن انھوں نے رسالت کے مقام و مرتبہ کا پورا احترام اور اس کا خیال رکھا۔ علماء اہلِ سنت سے اُن کے بعض مسائل میں بڑے مناظرے ہوئے تھے۔ امام معقولات علامہ فضل خیر آبادیؒ سے ان کے مناظرے مشہور ہیں۔ حضرت خطیب اعظم قدس سرہٗ (مصنف مسلکِ اربابِ حق) نے حضرت مولانا نصیر الدین خاں صاحبؒ رام پوری (برادر اصغر حضرت سیدنا شاہ سلطان امام الدین خاں صاحب الملقب غالب جہاں قدس سرہ المتوفیٰ ۱۲۵۵ھ) کا ایک واقعہ متعدد بار سنایا ہے۔ ملاحظہ ہو

"ایک بار دہلی کی جامع مسجد کی سیڑھیوں پر حضرت علامہ نصیر الدین خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ (باقی اگلے صفحہ پر)

سلسلہ حاشیہ

داستاذ گرامی مولانا ارشاد حسین صاحبؒ مجددی نقشبندی رام پوری) اور مولوی محمد اسمٰعیل صاحب دہلوی کا آمنا سامنا ہوگیا۔مولانا نصیر الدین خاں صاحبؒ رام پوری سپاہیانہ وضع قطع میں رہتے تھے، تلوار لگی رہتی تھی، اپنی عالمیت کو سپاہیانہ لباس میں چھپائے رہتے تھے۔کسی نے کہا یہ مولوی اسمٰعیل صاحب ہیں۔ آپ نے فوراً ان کی طرف متوجہ ہو کر امکانِ نظیر اور امتناعِ نظیر کے مسئلہ پر گفتگو کا آغاز فرمایا۔مولوی اسمٰعیل صاحب مولانا نصیر الدین خاں صاحب علیہ الرحمہ کو جانتے نہیں تھے۔کہنے لگے تم مولوی کہاں سے ہو؟ تم تو سپاہی ہو، میں سپاہی سے گفتگو نہیں کرنا چاہتا۔انھوں نے فرمایا۔آپ میرے سوالات کا جواب دیجیے، میں نے علمی سوالات ہی کیے ہیں۔چند لمحات کی گفتگو کے بعد مولوی اسمٰعیل صاحب، حضرت مولانا نصیر الدین خاں صاحب علیہ الرحمۃ کے سوالات اور علمی دلائل سے گھبرا گئے اور آگے بڑھ گئے کچھ دور چلنے کے بعد اپنے ساتھیوں سے مولانا دہلوی نے کہا کہ یہ رام پور کا پٹھان مولوی بڑا عالم اور نہایت ذہین انسان ہے۔ اس نے تو ہمیں دلائل سے ایسا اُلجھا دیا کہ ہم پریشان ہو گئے۔ہم نے ان سے بحث نہ کرنے میں ہی اپنی بہتری سمجھی اور اپنا راستہ لیا۔یہ رام پور کے عالم بڑے منطقی تھے، ہم اول میں انھیں ایسا سمجھے ہی نہیں۔بس یہ سمجھے کہ کوئی پٹھان فوجی ہے۔"

حضرت مولانا نصیر الدین خاں صاحب علیہ الرحمہ رام پور کے مشہور معزز اور باوقار پٹھان خاندان کے چشم و چراغ تھے۔آپ کے والد ماجد شاہ غلام حسین خان صاحبؒ تھے جو حضرت سیدنا حافظ سید شاہ جمال اللہ قدس سرہٗ سے بیعت تھے۔شاہ غلام حسین خاں مولانا غلام جیلانی خاں صاحبؒ کے صاحبزادے تھے۔تذکرۂ کاملان رام پور میں صفحہ ۲۸۷ پر مولوی غلام جیلانی خاں صاحبؒ کے حالات میں مذکور ہے۔

"مولوی غلام جیلانی خاں بہادر کے والد کا نام لقمان خاں تھا۔علم کا شوق تھا۔مولانا بحر العلوم کے ہمدرس رہے۔ مولوی عباس علی استاد مولانا بحر العلوم سے اکثر علوم لطیفہ و فنون شریفہ حاصل کیے۔نواب قاسم علی خاں نے دہلی کے دربار میں سفیر مقرر کیا۔جن کو خدمات کے صلہ میں ۱۱۷۲ھ موافق جلوس سنہ عالم گیر ثانی شاہ دہلی نے خطاب خانی و بہادری، جاگیر و منصب سہ ہزاری ذات و یک ہزار سوار عطا کیا۔نواب محمد سعد اللہ خاں صاحب خلف علی محمد خاں صاحب نے بلا کر ایک ہزار پیدل پر سپاہ سالار مقرر کیا۔نواب فیض اللہ خاں صاحب جب علاقہ رام پور و بریلی پر قابض ہوئے تو آپ کو اپنی رفاقت میں لے لیا۔آپ نے وسیع محل سرائیں اور دیوان خانہ اور مسجدیں بنوائیں۔جہاں یہ مکانات ہیں وہ مولوی صاحب کے گھیر سے مشہور ہوگیا ہے۔شجاعت، مروّت، حسنِ اخلاق، اور ایثار میں بے مثل تھے اولادِ ذکور میں پانچ صاحبزادے تھے۔"

مولانا غلام جیلانی خاں صاحبؒ کے ایک صاحبزادہ غلام حسین خاں صاحبؒ کے تین صاحبزادے ہوئے، تینوں باکمال تھے۔حضرت شاہ سلطان امام الدین خاں غالب جہاںؒ، حضرت شاہ کمال الدین خاںؒ اور حضرت مولانا نصیر الدین خاںؒ تینوں صاحبزادے عالم و فاضل تھے لیکن اول الذکر دو حضرات کو ولایت و معرفت میں ارفع مقام حاصل تھا چھوٹے صاحبزادے مولانا نصیر الدین خاں صاحبؒ اپنے وقت کے زبردست عالم تھے۔تذکرۂ کاملانِ رام پور میں صفحہ ۴۱۵ پر مذکور ہے۔

(باقی اگلے صفحہ پر)

خاص قبور خاصانِ خدا سے فوائد روحانی پہنچتے ہیں ——— ایسی حالت میں کہ متشددین اور محتاط علما بھی ان فیوض و تصرفات کے قائل ہیں تو پھر یہ مسئلہ کس طرح قابل انکار ہو سکتا ہے۔

حیاتِ انبیاءِ کرام اور اولیاءِ عظام یہ مسئلہ ضمناً پہلی ابحاث میں مفصل مذکور ہو چکا ہے اب اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔

تعزیہ اور علم تعزیہ عمارت کی مجسّم تصویر ہے اور علَم نشانِ فوجی کی تصویر ہے۔ غیر جاندار کی تصویر بنانا شرعاً ممنوع نہیں۔ لیکن ان غیر جاندار تصویروں کو اصل شئے قرار دیا جاتا ہے اور تعزیہ پر تمام وہ امور جاری کیے جاتے ہیں جو کسی محترم بزرگ کی قبر پر جاری کیے جاتے ہیں اسی طرح علَم کو حضرات اہلِ بیت اطہار رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی فوج کا نشان قرار دے کر تمام وہ احترامات کیے جاتے ہیں جو اصل نشانِ فوج کے ساتھ بھی ناپسندیدہ ہیں۔

تعزیہ کے سامنے علَم رکھ کر مجلسِ عزا منعقد کی جاتی ہے۔ بعد فراغت ماتم کیا جاتا ہے، جس میں سینہ کوبی ہوتی ہے۔ بلکہ بعض مواقع پر چھریوں کی نوکوں سے بدن کو زخمی

بقیہ حاشیہ

"مولوی نصیر الدین خاں تخلص صابر ولد غلام حسین خاں خلف مولوی غلام جیلانی خاں صاحب ساکن محلہ دو محلہ۔ ابتدائی کتب فارسی مولوی غلام جیلانی رفعت سے شروع کیں۔ آپ ایسے ذہین تھے کہ مولوی صاحب (یعنی مولوی غلام جیلانی رفعت) نے خود پڑھانا شروع کیا۔ عربی کی تحصیل مولوی نور الاسلام رام پوری سے کی جو شاہ عبد الحق دہلوی علیہ الرحمہ کی اولاد سے تھے۔ علم و ادب میں بڑے ذی کمال، علمِ معقول میں بے عدیل، نثر عربی لکھنے میں بے مثال تھے۔ فارسی اور اردو نظم بھی لکھتے تھے۔ کلام انتخاب یادگار میں ملاحظہ ہو۔ مولانا ارشاد حسین صاحب فرماتے تھے کہ کسی طالب علم نے ان سے ایک کتاب پوری نہیں پڑھی' یہ میرا ہی کام تھا کہ شرح جامی میں نے تمام و کمال آپ سے پڑھی اور پچھلی شب میں حاضر ہو کر پڑھتا تھا، صبح کی نماز تک پڑھایا کرتے تھے۔"

آپ کے برادر اکبر حضرت شاہ سلطان امام الدین خاں صاحب الملقب بہ غالبِ جہاں قدس سرہ کے حالات شریفہ "حالات مشائخ" میں مذکور ہیں جو حضرت مولانا سردار شاہ خاں صاحب وجیہی قادری مدظلہ نے تحریر فرمائے ہیں۔ اس کا مطالعہ قارئین کے لیے بے حد مفید رہے گا۔ حضرت خطیب اعظم قدس سرہٗ نے حضرت مولانا نصیر الدین خاں صاحب رام پوری علیہ الرحمہ اور مولوی محمد اسمٰعیل صاحب دہلوی کے درمیان گفتگو کا جو واقعہ بیان فرمایا ہے، اس کی تائید تذکرہ کاملانِ رام پور میں آپ کے حالات میں مذکور واقعہ سے بھی ہوتی ہے۔ ۲ھ "المہند" مطبوعہ ہے، جو دیوبندی علما کی مرتب کردہ ہے جس میں وہی عقیدے بیان کیے گئے جنھیں اہل سنت کے متبعین بیان کرتے ہیں اور اس کے قائل رہے ہیں۔

کیا جاتا ہے۔ یہ جملہ امور گروہِ روافض[1] کا شعار ہیں۔

اہلِ حق کے نزدیک یہ اعمال بدعاتِ سیئہ ہیں

اہلِ حق یعنی اہل سنت وجماعت کے نزدیک یہ جملہ امور بدعاتِ قبیحہ ہیں۔ یہ اعمال گروہِ روافض (اہلِ تشیع) کے یہاں تشہیر ذکر اہلِ بیت اطہار (رضی اللہ عنہم) کے لیے کیے جاتے ہیں اور روافض ان اعمالِ قبیحہ کو ضروری یا مستحسن قرار دیتے ہیں۔ درحقیقت گروہِ شیعہ کے یہ جملہ امور بدعاتِ قبیحہ اور اعمالِ رُذیلہ ہیں ــــــ اہلِ سنت وجماعت کے عوام رافضی فرقہ کی تقلید میں یہ اعمالِ رُذیلہ کرنے لگے اور مختلف حیلے بہانے اس کے جواز کے بیان کرتے ہیں ــــــ لیکن اربابِ علم وصلاح نے کبھی ایسی چیزوں کو پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھا، بلکہ انتہائی سختی کے ساتھ ان اعمالِ قبیحہ کی مذمت کی اور آج بھی الحمد للہ ان اعمالِ رذیلہ کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

---

[1] گروہِ روافض نے بس ماتم، سینہ کوبی، اپنے جسموں کو چھریوں سے لہولہان کرنے اور مجالس میں رونے پیٹنے کو ہی اصل اسلام وایمان سمجھ لیا ہے۔ سال بھر میں ایک بار وہ ماہ محرم الحرام میں یہ اعمالِ قبیحہ انجام دے لیتے ہیں اور فرائض وواجبات اور احکام دین سے بالکل غافل رہتے ہیں۔ ان کی طرف ان کی نہ کوئی توجہ ہے اور نہ ان کی نظروں میں احکام اسلام کی کوئی اہمیت ہے۔

جس طرح فقط زبان سے روافض کا آلِ پاک رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرات اہل بیت اطہار رضی اللہ عنہم سے محبت وعقیدت کا اظہار ان کا شیوہ بن گیا اسی طرح بعض کم علم اہلِ سنت کے واعظین کے ایک گروہ نے بھی اپنا یہ شعار بنالیا ہے کہ وہ زبان سے عشقِ رسول اور محبت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اظہار کر دیتے ہیں لیکن عملاً ایسے لوگ احکام اسلام، فرائض وواجبات اور دیگر سنتوں پر عام طور پر عمل پیرا نظر نہیں آتے۔ اس کا تجربہ خواص کر لیتے ہیں۔ ایسے لوگوں میں اور گروہِ روافض میں عملاً بڑی مماثلت پائی جاتی ہے۔ اسی طرح اہلِ سنت میں بعض ایسے اُردو داں یا معمولی عربی داں بھی ہمیں نظر آتے ہیں جو اپنی تحریروں میں بعض اوقات ایسے الفاظ وجملے تحریر کرتے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے کہ ان میں اور گروہِ خوارج میں کوئی فرق نہیں۔ یہ طریقہ حقانیت کے بالکل خلاف ہے۔

علمِ نافع اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے۔ جسے علمِ نافع حاصل ہوگا تو اس کے عملِ صالح سے عشق نبی اور محبتِ رسول اور محبتِ صحابہ ومقبولان بارگاہِ الٰہی کا خود بخود اظہار ہوگا۔ منہ سے خود کو یہ کہنا وہ کہنا کافی نہیں بلکہ اہل عقل ودانش کی نظروں میں ایسے لوگ گر جاتے ہیں اور پھر وہ لوگ اس طرح کے لوگوں کا محفلوں میں کھلم کھلا مذاق اڑاتے ہیں جس کی زد علماء صالحین ومشائخ حق پرست پر بھی پڑتی ہے۔ ایسے لوگ اپنی زندگی کو تبدیل کریں، تاکہ ان کی ذوات امتِ مسلمہ کے لیے نافع بن سکیں اور ان کا حقیقی دینی کردار دیکھ کر دین بے زار لوگ خیر کی طرف مائل ہوں۔

شہادتِ امام حسینؓ کے صحیح واقعات کا بیان ضروری ہے

اربابِ حق کے نزدیک صحیح واقعات[1] اور روایات سے اگر شہادتِ سیدنا حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بیان کیا جائے اور ان واقعات سے نصیحت و موعظت حاصل کی جائے اور ان کی عظمت و احترام میں اضافہ کی کوشش کی جائے تو کوئی مضائقہ نہیں یا اُن کی روحِ مقدس اور دیگر شہدائے کربلا رضوان اللہ علیہم کی ارواحِ مقدسہ کو جانی و مالی عبادات کے ذریعہ ایصالِ ثواب کیا جائے تب بھی کوئی حرج نہیں بلکہ یہ امور مستحسن ہیں۔

تقبیلِ ابہامین

اذان میں جس وقت "اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہ" پڑھا جائے تو اس وقت انگوٹھوں کو چوم کر آنکھوں پر لگایا جائے۔ اس کے متعلق حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی قوی حدیث مَروی نہیں ہے مگر بعض حضراتِ صحابۂ عظام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے یہ چیز منقول ہے اور بہت سے بزرگوں کا تجربہ ہے کہ اس عمل سے بینائی کو فائدہ پہنچتا ہے۔

فقہائے حنفیہؒ میں سے علامہ طحطاوی رحمۃ اللہ علیہ نے "شرح مراقی الفلاح" میں اور علامہ ابنِ عابدینؒ

---

[1] آج کے کم علم واعظین بعض ایسی من گھڑت روایات کو مجالس میں بیان کرتے ہیں جو رافضیوں کی تخلیق کردہ ہیں غیر مستند اور افسانوں پر مبنی روایات بیان کرنا شیعی مذہب کے مقررین کا شیوہ ہے۔ شہادتِ سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کے واقعات بیان کرنے میں بڑی احتیاط کی ضرورت ہے۔ بعض اُردو داں مقررین جو دین کے گہرے علوم سے نابلد ہوتے ہیں وہ بے سوچے سمجھے ایسے واقعات عوام کے سامنے بیان کرتے ہیں جس سے یا تو دوسرے حضراتِ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی مقدس ذوات پر حرف آتا ہے یعنی ان کی تنقیص کا پہلو نمایاں ہوتا ہے۔ یا سبطِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اَرفع شان کے وہ خلاف ہوتے ہیں۔ اسی طریقہ سے بعض واعظین حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے درمیان بعض اجتہادی اختلافات کے واقعات کو بیان کرنے میں بے وجہ عجلت سے کام لیتے ہیں —— عوام کا ذہن سطحی ہوتا ہے، وہ ان کے مفہوم کو سمجھ نہیں پاتے۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ عوام بڑی بے باکی کے ساتھ ان واقعات میں بحث و مباحثہ کرتے ہیں جس سے بعض حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شان میں گستاخی کا صاف اظہار ہوتا ہے۔ دریافت کرنے پر کہتے ہیں کہ ہم نے فلاں مقرر سے یہ سنا تھا، انھوں نے یوں بیان کیا تھا۔ ایسے مسائل بیان کرنے سے سُنّی العقیدہ عوام کے عقائد خراب ہوتے ہیں۔ لہٰذا مقررین کو چاہیے کہ وہ حق پرست علمائے کرام سے یا تو ان واقعات کی اول تصدیق اور اس کی حقیقت معلوم کرلیا کریں اور وہی واقعات بیان کریں جو سلف صالحینؒ نے اپنی اپنی تصانیف میں تحریر فرمائے ہیں۔ اس زمانہ میں ضرورت اس بات کی ہے کہ واعظین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، حضراتِ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اور حضرات اہلِ بیت اطہار رضوان اللہ علیہم کی جامع سیرت طیبہ، ان کے

(باقی اگلے صفحہ پر)

شامی رحمۃ اللہ علیہ نے "ردالمحتار" میں اس عمل کو مستحب لکھا ہے۔[1]

الغرض اربابِ حق کے نزدیک اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ کے پکارے جانے کے وقت انگوٹھوں کو چوم کر آنکھوں پر لگانا جائز اور مستحسن ہے۔

(بقیہ حاشیہ)

اسلامی و دینی کارنامے، ان کی عبادت و ریاضت، زہد و تقویٰ کے حقیقی واقعات بیان کریں تاکہ آج کے دین و دینیات سے عام طور پر بے بہرہ عوام کے قلوب میں ان تمام فدائیانِ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام (حضرات صحابہ کرامؓ) کی حقیقی عظمت و احترام جاگزیں ہو اور ان کے نقشِ قدم کو اختیار کرنے کا اُن کے اندر جذبۂ صادق پیدا ہو۔ وقت کا یہی تقاضا ہے۔

مشکوٰۃ المصابیح میں حدیث پاک ہے: اَصْحَابِیْ کَالنُّجُوْمِ فَبِاَیِّهِمُ اقْتَدَیْتُمْ اهْتَدَیْتُمْ میرے تمام صحابہ مثل ستاروں کے ہیں۔ پس ان میں سے تم جس کی اقتدا کرو گے، ہدایت یاب ہو گے

ترمذی شریف جلد ۲- ابواب المناقب میں حدیث شریف ہے: اَللّٰهَ اَللّٰهَ فِیْ اَصْحَابِیْ لَا تَتَّخِذُوْهُمْ غَرَضًا بَعْدِیْ۔ مطلب ہے کہ میرے صحابہ کے معاملہ میں اللہ جل جلالہٗ سے خوف کرنا اور ان حضرات کو اپنی ملامتوں کا نشانہ مت بنا لینا میرے بعد۔

حضراتِ خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم (سیدنا صدیق اکبر، سیدنا فاروق اعظم، سیدنا عثمان ذی النورین سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہم) کے بارے میں حدیث پاک ہے: عَلَیْکُمْ بِسُنَّتِیْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِیْنَ الْمَهْدِیِّیْنَ۔ مطلب ہے کہ تم پر لازم ہے کہ تم میری سنت (طریقہ مبارکہ) اور خلفائے راشدین جو خود ہدایت یاب ہیں ان کی سنت کو اختیار کرو۔ یعنی جو خلفائے راشدین کے اعمال و افعال اور اقوال ہیں ان کے مطابق اپنی زندگی اختیار کرو۔ حضرات اہل بیت اطہار رضی اللہ عنہم (سیدنا علی مرتضیٰ، سیدہ فاطمۃ الزہرا، سیدنا امام حسن مجتبیٰ سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہم) کے بارے میں ارشاد عالی ہے اَللّٰهُمَّ هٰؤُلَاءِ اَهْلُ بَیْتِیْ۔ اے اللہ یہ میرے گھر والے ہیں۔

ہمارا مقصد صرف اتنا ہے کہ اہلِ سنت و جماعت کے عوام ان سب حضرات کا دل و جان سے احترام و عظمت کریں۔ ان میں سے کسی ایک کی شانِ اقدس میں ادنیٰ سا بھی جملہ ایسا استعمال نہ کریں جس سے کسی صحابی کی شان میں گستاخی کا پہلو نکلتا ہو۔ کیونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام صحابہ آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب ہیں۔ تمام صحابہ کرام سے محبت کرنا ضروری ہے۔ کسی ایک صحابی کی شان میں گستاخی ایمان کو خراب کردینے کے لیے کافی ہے (العیاذ باللہ)

[1] طحطاوی علی مراقی الفلاح۔ باب الاذان۔ ص ۱۹-۱۱۸ پر ہے: (باقی اگلے صفحہ پر)

(بقیہ سلسلۂ حاشیہ)

ذکر القہستانی عن کنز العباد انہ یستحب ان یقول عند سماع الاولیٰ من الشہادتین للنبی صلی اللہ علیہ وسلم "صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْکَ یَارَسُوْلَ اللّٰہ" وعند سماع الثانیہ "قُرَّۃُ عَیْنِیْ بِکَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ - اَللّٰھُمَّ مَتِّعْنِیْ بِالسَّمْعِ وَالْبَصَرِ" بعد وضع ابہامیہ علیٰ عینہ فانہ صلی اللہ علیہ وسلم یکون قائدًا لہ فی الجنۃ ۔ وذکر الدیلمی فی الفردوس من حدیث ابی بکر الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ مرفوعا من مسح العین بباطن انملۃ السبابتین بعد تقبیلھما عند قول المؤذن "اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ" وقال اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ رَضِیْتُ بِاللّٰہِ رَبًّا وَّبِالْاِسْلَامِ دِیْنًا وَّبِمُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نَبِیًّا" حلت لہ شفاعتی۔

ترجمہ: علامہ قہستانی علیہ الرحمہ نے کنز العباد سے نقل کیا ہے کہ اذان میں پہلی مرتبہ کلمہ شہادت یعنی اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ" سننے کے وقت مستحب یہ ہے کہ اذان سننے والا کہے "صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْکَ یَارَسُوْلَ اللّٰہ" اور جب دوسرا کلمہ شہادت سنے تو کہے "قُرَّۃُ عَیْنِیْ بِکَ یَارَسُوْلَ اللّٰہُ۔ اَللّٰھُمَّ مَتِّعْنِیْ بِالسَّمْعِ وَالْبَصَرِ" اپنے دونوں انگوٹھوں کو اپنی دونوں آنکھوں پر رکھنے کے بعد۔ تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم جنت میں اس کے قائد ہوں گے۔ علامہ دیلمی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوع روایتِ حدیث اپنی کتاب "فردوس" میں نقل کرتے ہوئے یہ کلمات ذکر کیے ہیں، جس نے مل لیا آنکھوں کو چومنے کے بعد شہادت کی انگلیوں کے پوروں سے جس وقت مؤذن کہے "اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ" اور کہا "اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ رَضِیْتُ بِاللّٰہِ رَبًّا وَّبِالْاِسْلَامِ دِیْنًا وَّبِمُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نَبِیًّا"، تو اس کے لیے میری شفاعت مقرر ہو گئی۔

ردّ المحتار علی الدر المختار، جزء ۱۔ باب الاذان مصری ص ۳۷۰ پر ہے:

یستحب ان یقال عند سماع الاولیٰ من الشہادۃ "صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْکَ یَارَسُوْلَ اللّٰہ" وعند الثانیہ منہا "قُرَّۃُ عَیْنِیْ بِکَ یَارَسُوْلَ اللّٰہ" ثم یقول "اَللّٰھُمَّ مَتِّعْنِیْ بِالسَّمْعِ وَالْبَصَرِ" بعد وضع ظفری الابہامین علی العینین فانہ علیہ السلام یکون قائدًا لہ الی الجنۃ کذا فی کنز العباد انتھی قہستانی ـــــ ونحوہ فی الفتاوی الصوفیہ وفی کتاب الفردوس من قبل ظفری ابہامیہ عند سماع "اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہ" فی الاذان انا قائدہ ومدخلہ فی صفوف الجنۃ۔ وتمامہ فی حواشی البحر للرملی عن المقاصد الحسنۃ للسخاوی۔

ترجمہ: شہادت رسالت کا پہلا جملہ سنتے وقت یہ کہنا مستحب ہے "صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْکَ یَارَسُوْلَ اللّٰہ" اور دوسرا جملہ سنتے وقت یہ کہے "قُرَّۃُ عَیْنِیْ بِکَ یَارَسُوْلَ اللّٰہ"، پھر کہے "اَللّٰھُمَّ مَتِّعْنِیْ بِالسَّمْعِ وَالْبَصَرِ"

(باقی اگلے صفحہ پر)

مزارات پر شیرینی وغیرہ لے جانا مزارات اور قبور پر شیرینی وغیرہ کا لے جانا مستحسن نہیں ہے۔ البتہ اگر یہ سمجھا جائے کہ وہاں لوگوں کا اجتماع ہوگا اور اُن کو یہ چیز تقسیم کی جائے گی تو پھر شیرینی لے جانے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

مزارات پر درخواستیں لٹکانا مزارات پر درخواستیں لٹکانا لغو اور جاہلانہ عمل ہے کسی مقدس بزرگ کے مزار پر حاضری دینا، اُن کے وسیلے سے دعا کرنا یہ صحیح ہے۔ بہت سے خود غرض افراد نے اپنے دنیاوی منافع کے لیے جُہّال کو دھوکے دیئے ہیں اور اس زمانہ میں بھی دھوکے دیتے رہتے ہیں اور اُن کی غرض صرف یہ ہوتی ہے کہ کسی نہ کسی طریقہ سے جاہل مرد اور جاہل عورتوں سے مال حاصل کیا جائے۔

(بقیہ حاشیہ)

دونوں انگوٹھوں کے دونوں ناخنوں کو دونوں آنکھوں پر رکھنے کے بعد۔ تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم جنت میں اُس کے قائد ہوں گے۔ اسی طرح کتاب کنز العباد اور فتاویٰ صوفیہ میں بھی مذکور ہے اور کتاب فردوس میں ہے کہ جس نے "اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ" کو سننے کے وقت اپنے انگوٹھوں کے ناخنوں کو چوما تو (حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں) میں اس کا قائد ہوں گا اور اس کو جنت کی صفوں میں داخل کرنے والا ہوں گا اور مکمل اس کا بیان کتاب البحر کے حاشیہ میں ہے جو علامہ رملی علیہ الرحمہ کی تصنیف ہے اور انھوں نے مقاصد حسنہ سے نقل کیا ہے جو امام سخاوی علیہ الرحمہ نے لکھی ہے۔

فتاویٰ ارشادیہ جلد ۱ صفحہ ۸۲ پر حضرت مولانا ارشاد حسین صاحب مجددی رام پوری تحریر فرماتے ہیں کہ "اور حدیث اثبات میں جو وارد ہے ضعیف ہے (روایت کے اعتبار سے) موضوع نہیں، کما یظھر من تذکرۃ الموضوعات لمولانا محمد طاہرؒ۔

حضرت مصنف (کلامی الخیر مسلکِ اربابِ حق) قدس سرہٗ اپنے وقت کے جلیل القدر محدث اور محقق تھے۔ اسی لیے آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ "اس کے متعلق حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی قوی حدیث (روایت کے اعتبار سے) مروی نہیں ہے۔" حضرتؒ کے اس قول کی تائید فقیہِ وقت مولانا ارشاد حسین صاحب مجددیؒ رام پوری کے فتوے کی عبارت سے ہوتی ہے۔ اگرچہ یہ حدیث سند کے اعتبار سے ضعیف ہے۔ لیکن متعدد طُرق سے مروی ہے اور حضراتِ محدثین عظام علیہم الرحمہ کا یہ فیصلہ ہے کہ فضائلِ اعمال میں ضعیف احادیث بھی قابلِ عمل ہوتی ہیں۔ الغرض ثابت یہ ہوا کہ مذکورہ بالا عمل مستحب ہے۔ کوئی نہ کرے تو نہ کرے، لیکن اس مستحب عمل کے کرنے والے کو ہرگز بدعتی نہ کہے اور جو ایسے عمل کرنے والے کو بدعتی کہتا ہے وہ بہت ہی برا کرتا ہے کیونکہ اس عملِ خیر کا استحباب حضراتِ فقہاء ذوی الاحترام علیہم الرحمہ کے اعمال اور تصانیف سے بخوبی واضح ہے۔

اہلِ اسلام کا منصب ہے | اہلِ اسلام کو چاہیئے کہ وہ ایسے دنیا دار اور خود غرض لوگوں کے مکر وفریب سے اپنے کو اور اپنے اہل وعیال اور احباب کو بچانے کی کوشش کریں۔

اَنْتَ وَلِیّٖ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ ۝

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَاَزْوَاجِہٖ وَاَتْبَاعِہٖ اَجْمَعِیْنَ بِرَحْمَتِكَ یَا اَرْحَمَ الرّٰحِمِیْنَ ط

تمت بالخیر

اہم اور لائق مطالعہ کتب

حدیثی اصول: از مولانا شاہ وجیہ الدین احمد خاں قادریؒ — پندرہ روپے
(اصولِ حدیث کے فن پر اردو میں پہلی جامع کتاب، اساتذہ وطلبہ کے لیے ایک عمدہ نصاب)

تفسیری اصول: از مولانا شاہ وجیہ الدین احمد خاں قادریؒ — دس روپے
(اصولِ تفسیر اور اس کے متعلقات پر بہترین مضامین کا مجموعہ)

فیوضاتِ وزیریہ: از مولانا شاہ وجیہ الدین احمد خاں قادریؒ — تیس روپے
(تصوفِ اسلامی کا بنیادی نصاب)

جذباتِ وجیہ: از مولانا شاہ وجیہ الدین احمد خاں قادریؒ — بیس روپے
(ایک پر کیف وسرور آگیں نعتیہ مجموعہ)

حالاتِ مشائخ: از مولوی سردار شاہ خاں فرقانی وجیہی — بیس روپے
(سلسلۂ قادریہ، مجددیہ، جمالیہ، احمدیہ کے بزرگان کا ایک جامع تذکرہ)

مسائلِ شریعت: از مولوی سردار شاہ خاں فرقانی وجیہی — مکمل سیٹ بیس روپے
(حصہ اول تا چہارم) (دینیات کی ابتدائی تعلیم کے لیے جدید نصاب، چھوٹے اور بڑوں کے لیے یکساں مفید)

یادِ وجیہ: از ڈاکٹر محمد شعار اللہ خاں وجیہی — پچاس روپے
(خطیبِ اعظم کی زندگی اور شخصیت کے موضوع پر منعقدہ سمینار کے مقالات کا مجموعہ)

قوام العقائد: مؤلفہ محمد جمال قوام - مترجم، پروفیسر نثار احمد فاروقی — ساٹھ روپے
(حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے چشم دید حالات پر مشتمل کتاب)

روضۃ الاولیاء: از سید غلام علی آزاد بلگرامی - مترجم، پروفیسر نثار احمد فاروقی — باون روپے
(خلد آباد، مہاراشٹر کے دس مشہور اور ممتاز اولیاء کے مستند حالات)

نظام رام پوری: (حیات اور شاعری) از ڈاکٹر محمد شعار اللہ خاں — نوے روپے

ملنے کا پتہ: دفتر مدرسہ جامع العلوم فرقانیہ، مسٹن گنج - رام پور - یوپی
پن کوڈ ۲۴۴۹۰۱